ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا ذریعہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ عہد ہے

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی [illegible] ہوگی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں، وہ اسی والی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا مرنا چاہتے ہیں۔

[illegible]

[illegible]

"ادارۂ الفرقان"

مدیر و مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے، بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، دراصل یہ

اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اس کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

"ادارہ الفرقان"

مدیر مسئول

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

مولینا محمد منظور نعمانی

اور

مولینا سید ابوالحسن علی ندوی کی

تبلیغی تقریریں

ندستان اور پاکستان کے مختلف شہروں کے اہم تبلیغی
اعات میں کی گئی تھیں ـــ اور جن کے مخاطب تبلیغی
ت کے کارکن مسلم عوام اور غیر مسلم حضرات ہیں یہ
ریریں سینکڑوں تقریروں میں منتخب ہیں۔

قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے

ملفوظات

حضرت مولینا محمد الیاس رح

جسے

مولینا محمد منظور نعمانی نے حضرت مولینا محمد الیاس کی مجلس
اور مخصوص گفتگوؤں سے منتخب کرکے مرتب کیا ہے. علوم و
معارف کا بیش بہا خزانہ ہے. ایک ایک ملفوظ یقین و
معرفت کی بلندیوں سے اترتا ہوا محسوس ہوتا ہے.

بہترین کتابت و طباعت

قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے

تصوف کیا ہے؟

مولینا محمد منظور نعمانی

نا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولینا محمد اویس ندوی

کی مشترک تصنیف

اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث
احاطہ کے لحاظ سے اپنے موضوع کی ضخیم کتابوں
کے مقابلہ میں بہت ممتاز سمجھی گئی ہے
صفحات، بہترین کتابت و طباعت عمدہ کاغذ

قیمت ایک روپیہ چار آنے

قادیانیت پر

غور کرنے کا سیدھا راستہ

مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی ایک گفتگو

جس میں صرف یہ بتلایا ہے کہ نبی کے کیا اوصاف
ہونے چاہئیں اور مرزا غلام احمد قادیانی میں وہ
اوصاف یا کم از کم ایک شریف انسان کے سے اوصاف
تھے یا نہیں؟ ـــ بس یہی ان کو جانچنے اور پرکھنے کا
سیدھا اور آسان راستہ ہے۔

قیمت چھ آنے

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

جلد ۲۳ | بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۷۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۵۵ء | عدد ۱

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۰ تاریخ تک پہونچ جانی چاہئے۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ۔ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا

نگاہِ اولیں

افتتاح جلد بست و سوم (۲۳)

تمام تعریفیں اور ہر حرفِ شکر و سپاس اس خدائے وحدہٗ لاشریک، اس قادر و مختار اور اُس آقائے کریم و مہربان کے لیے جس کے فضل و کرم کے سہارے چلتا ہوا مسافر اپنے سفر کی بائیسویں منزل طے کر کے آج تئیسویں منزل کی طرف قدم بڑھا رہا ہو، اپنے وسائل و عزائم کی حقیقت پر نظر کیجئے تو اسکی بھی امید مشکل کہ ایک قدم کے بعد دوسرا قدم اٹھ سکے۔ اور اگر اس ربِّ کریم کی قدرت و عنایت پر نظر کیجئے تو پھر یہ بھی مشکل نہیں کہ کاغذ کی یہ ناؤ سدا چلتی رہے۔

بیدہ الامر وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نفس کی شرارتوں سے محفوظ رکھے اور الفرقان کو خلوصِ نیت کے ساتھ صحیح اسلامی خدمت کا ذریعہ بنائے! ـــــ اور پھر صلوٰۃ و سلام اس خاتم الانبیاء والمرسلین پر جسکے ذریعہ ہم نے اسلام کا راستہ پایا۔ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

غم انگیز یاد

ناظرینِ مصر کے اپنے ان بھائیوں کو بھولے نہ ہوں گے جن کی مظلومیت کی غم انگیز داستان سال گذشتہ کے پانچویں شمارے میں وہ پڑھ چکے ہیں۔ افسوس کہ مصر کی تاریخ کا یہ خونیں باب ابھی تک ختم نہیں ہوا ہے۔ جب سے اب تک برابر اس سلسلے کی نئی نئی اطلاعات آتی رہیں، اور ظلم کرنے والے ایسے ایسے نئے نئے ستم ایجاد کرتے رہے جن کی خبر سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوتا رہا۔ مگر ہم یہ سوچ کر

کہ ہمارے لکھنے سے کیا ہوتا ہو بس خاموش دعا ہی پر قناعت کیے رہے، لیکن اب اس سلسلہ میں جو تازہ اطلاعات آئی ہیں اُن پر صبر کیے نہیں بنتا ــــ اور وہ دل نہیں، سنگ وخشت ہو جو اب بھی نہ بھر آئے!۔

مصر کی فوجی حکومت نے "الاخوان المسلمون" کے چالیس ہزار بوڑھوں اور جوانوں پر اپنے ترکش ظلم کا ہر ہر تیر آزما کر بھی تسکین نہ پانے کے بعد اب یہ فیصلہ کیا ہو کہ انھیں ایک ایسے خطرناک صحرائی مقام پر محبوس کر دیا جائے جہاں سے ان کے صحیح سلامت واپس آنے کا امکان ہی نہ رہے اور اس طرح ان لوگوں کے مسئلے سے اُسے نجات مل جائے جنھیں نہ وہ رہا کرنا چاہتی ہو اور نہ ہمیشہ جیل میں رکھ سکتی ہو۔

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ اخوان کا کوئی قصور تھا یا نہیں۔ مان لیجئے کہ یہ خطاوار تھے۔ مگر کیا کوئی جرم ایسا بھی ہو سکتا ہو کہ اس کی پاداش میں چالیس ہزار انسانوں کو ایسی دردناک اور "ابدی" سزائیں دی جائیں۔ بغاوت کی سازش بھی اگر ثابت تھی تو چلئے جن لوگوں پر "ثابت ہوئی تھی" وہ پھانسی پا چکے، کچھ کو عمر قید کی سزا کا حکم ہو چکا۔ مگر آخر یہ باقی ہزاروں اخوانیوں کا کون سا ایسا جرم ثابت ہوا ہو جس کی ایسی دردناک سزا دی جا رہی ہو؟ اتنے آدمیوں پر کسی ایسے جرم کا ثبوت تو عقلاً بالکل ہی ناممکن ہو، اتنے وسیع پیمانے پہ گرفتاریاں تو صرف احتیاطاً ہوا کرتی ہیں۔ اور یہ گرفتاریاں بھی یقیناً اسی طور سے ہوئی ہوں گی۔ مگر اب ان قیدیوں کے ساتھ یہ سلوک! سوائے اس کے کیا سمجھا جائے کہ یہ سیاسی مخالفت کے جرم کی سزا ہو۔ اور مصر کے کرنلوں اور لفٹیننٹوں کو خطرہ ہو کہ اگر یہ لوگ آزاد ہو گئے تو ان کا راج سنگھاسن ڈانواں ڈول ہو جائے گا۔

ہماری حکومت کے تعلقات آج کل حکومت مصر سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ان سطور کی تحریر کے وقت مصر کے نائب وزیر اعظم بھی ہندوستان آئے ہوئے ہیں، ہم اپنی حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ حکومت مصر کو یک مشورہ دے کہ اسے اس انسانیت کشی اور اپنے سیاسی مخالفوں کے ساتھ ایسے بیمانہ سلوک سے باز رکھنے کی کوشش کرے ــــ ورنہ کم از کم ہمارے اور ان سب لوگوں کے احتجاج کو تو حکومت مصر تک پہونچا دے جو اس کے اس فیصلے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں ــــ ہم سمجھتے ہیں کہ اپنی حکومت پر یہ ہمارا حق ہو اور اس کا فرض ہو کہ وہ اس کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔

عقدۂ لاینحل

ہندوستان و پاکستان کے سکہ کی قیمت برابر ہو جانے کے بعد امید ہو گئی تھی کہ اب دیر سویر

تبادلۂ زر کی وہ مشکلات دور ہو جائیں گی جو سکہ کے فرق ہی سے پیدا ہوئی تھیں، مگر افسوس کہ یہ امید قائم ہوتے ہی اس اطلاع سے ٹوٹ گئی کہ پاکستانی حکومت اب بھی تبادلۂ زر کا کوئی انتظام کرنے کے لیے تیار نہیں ہے!

حکومت پاکستان کے لیے اس معاملہ میں کیا موانع اور کیا مصالح ہیں اس کو تو ارباب حکومت ہی جانیں اور ان کا لحاظ بیشک ان کے لیے مقدم! مگر ہم ارباب حکومت سے گذارش کریں گے کہ وہ ان چیزوں کو بھی نظر انداز نہ فرمائیں جو تبادلہ زر کا انتظام کرنے کی برسوں سے متقاضی ہیں۔ اور پاکستانی پریس سے بھی ہماری گذارش ہو کہ وہ اپنی حکومت کو ان مشکلات کی طرف متوجہ کرے جو تبادلۂ زر کی بندش سے دونوں طرف کے رسائل و اخبارات اور کتب خانوں کو پیش آ رہی ہیں۔

نوٹ فرمالیجئے

کہ

آئندہ سے دفتر الفرقان اور کتب خانہ الفرقان کا پتہ حسب ذیل ہو گا۔

۶۸ لال کوٹھی۔ باغ گونگے نواب۔ امین آباد۔
لکھنؤ

جملہ خط وکتابت اور ترسیل زر کے وقت یہی پتہ تحریر فرمائیے۔!

کتب خانہ الفرقان کی تازہ فہرست

اس شمارہ کے آخری صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔!

مینجر

معارف الحدیث

(مسلسل)

حسنِ اخلاق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم میں ایمان کے بعد جن چیزوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور انسان کی سعادت کو ان پر موقوف بتایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی اخلاق حسنہ کو اختیار کرے اور بُرے اخلاق سے اپنی حفاظت کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جن مقاصد کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے ان میں ایک یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو انسانوں کا تزکیہ کرنا ہے (ویُزَکِّیھِم) اور اس تزکیہ میں اخلاق کی اصلاح اور درستی کی خاص اہمیت ہے، حدیث کی مختلف کتابوں میں خود آپ سے یہ مضمون روایت کیا گیا ہے کہ "میں اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں" یعنی اصلاح اخلاق کا کام میری بعثت کے اہم مقاصد اور میرے پروگرام کے خاص اجزاء میں سے ہے ـــ اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، کیونکہ انسان کی زندگی اور اس کے نتائج میں اخلاق کی بڑی اہمیت ہے۔ اگر انسان کے اخلاق اچھے ہوں تو اس کی اپنی زندگی بھی قلبی سکون اور خوش گواری کے ساتھ گزرے گی اور دوسروں کے لیے بھی اس کا وجود رحمت اور چین کا سامان ہوگا اور اس کے برعکس اگر آدمی کے اخلاق بُرے ہوں تو خود بھی وہ زندگی کے لطف و مسرت سے محروم رہے گا اور جن سے اس کا واسطہ اور تعلق ہوگا ان کی زندگیاں بھی بے مزہ اور تلخ ہوں گی ـــ یہ تو خوش اخلاقی اور بداخلاقی کے وہ نقد دنیوی نتیجے ہیں جن کا ہم آپ روزمرہ مشاہدہ اور تجربہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن مرنے کے بعد والی ابدی زندگی میں ان دونوں کے نتیجے ان سے بدرجہا زیادہ اہم نکلنے والے ہیں، آخرت میں خوش اخلاقی کا نتیجہ ارحم الراحمین کی رضا اور جنت ہے اور بداخلاقی کا انجام خداوند قہار کا غضب اور دوزخ کی

آگ ہو۔ اللّٰھم احفظنا!

اخلاق کی اصلاح کے سلسلہ میں آپ کے جو ارشادات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں وہ دو طرح کے ہیں، ایک وہ جن میں آپ نے اصولی طور پر حسنِ اخلاق پر زور دیا ہو اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کا غیر معمولی اخروی ثواب بیان فرمایا ہو، اور دوسرے وہ جن میں آپ نے بعض خاص خاص اخلاق حسنہ کے اختیار کرنے کی یا اسی طرح بعض مخصوص بد اخلاقیوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہو۔ پہلے ہم قسم اول سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات یہاں درج کریں گے۔

---

(۱۰۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقاً ـــــــ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔
(بخاری ومسلم)

(۱۰۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَاناً اَحْسَنُھُمْ خُلُقاً (رواہ ابوداؤد والدارمی)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جو اخلاق میں زیادہ اچھے ہیں۔ (ابوداؤد۔ دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ ایمان اور اخلاق میں ایسی نسبت ہو کہ جس کا ایمان کامل ہوگا اس کے اخلاق لازماً بہت اچھے ہوں گے اور علیٰ ہذا جن کے اخلاق بہت اچھے ہوں گے ان کا ایمان بھی بہت کامل ہوگا ـــــ واضح رہے کہ ایمان کے بغیر اخلاق بلکہ کسی عمل کا حتیٰ کہ عبادات کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہو۔ ہر عمل اور ہر نیکی کے لیے ایمان بمنزلہ روح اور جان کے ہو اس لیے اگر کسی شخصیت میں اللہ اور اسکے رسول پر ایمان کے بغیر اخلاق نظر آئے تو وہ حقیقتاً اخلاق نہیں ہو، بلکہ اخلاق کی صورت ہو اس لیے اللہ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۰۷) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَیْئٍ یُوْضَعُ فِی مِیْزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ خُلُقٌ حَسَنٌ۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن مومن کی میزانِ عمل میں سب سے زیادہ وزنی اور بھاری چیز جو رکھی جائے گی وہ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۱۰۸) عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَیْنَۃَ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا خَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ؟ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان وفی شرح السنۃ عن اسامۃ بن شریک)

(ترجمہ) قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ انسان کو جو کچھ عطا ہوا ہے اس میں سب سے بہتر کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اچھے اخلاق" ——— (اسکو امام بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے اور امام بغوی نے شرح السنہ میں اس حدیث کو اسامہ بن شریک صحابی سے روایت کیا ہے)

(تشریح) ان حدیثوں سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ اخلاق حسنہ کا درجہ ایمان یا ارکان سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ صحابۂ کرام جو ان ارشادات کے مخاطب تھے ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تربیت سے یہ تو معلوم ہی ہو چکا تھا کہ دین کے شعبوں میں سب سے بڑا درجہ ایمان اور توحید کا ہے اور اس کے بعد ارکان کا مقام ہے، پھر ان کے بعد دینی زندگی کے جو مختلف ابواب ہیں ان میں مختلف جہات سے بعض کو بعض پر فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اور بلاشبہ اخلاق کا مقام بہت بلند ہے، اور انسانوں کی سعادت اور فلاح میں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کی مقبولیت و محبوبیت میں اخلاق کو یقیناً خاص بہت خاص دخل ہے۔

(۱۰۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَیُدْرِکُ بِحُسْنِ خُلُقِہٖ دَرَجَۃَ قَائِمِ اللَّیْلِ وَصَائِمِ

النَّهَارِ ــــــــــــــ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ صاحب ایمان بندہ اپنے اچھے اخلاق سے ان لوگوں کا درجہ حاصل کر لیتا ہے جو رات بھر نفلی نمازیں پڑھتے ہوں اور دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہوں۔ (ابوداؤد)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کا یہ حال ہو کہ وہ عقیدہ اور عمل کے لحاظ سے سچا مومن ہو اور ساتھ ہی اس کو حسنِ اخلاق کی دولت بھی نصیب ہو، تو اگرچہ وہ رات کو زیادہ نفلیں نہ پڑھتا ہو اور کثرت سے نفلی روزے نہ رکھتا ہو لیکن پھر بھی وہ اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ان شب بیداروں عبادت گذاروں کا درجہ پائے گا جو قائم اللیل اور صائم النہار ہوں یعنی جو راتیں نمازوں میں کاٹتے ہوں اور دن کو عموماً روزہ رکھتے ہوں۔

(۱۰۱) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ كَانَ آخِرَ مَا وَصَّانِي بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ وَضَعْتُ رِجْلِي فِي الْغَرْزِ اَنْ قَالَ يَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ۔

(رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے کی تھی جبکہ میں نے اپنا پاؤں سواری کی رکاب میں رکھ لیا تھا وہ یہ تھی کہ آپ نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے اپنے اخلاق کو بہتر بنا دو یعنی بندگانِ خدا کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔ (موطا امام مالک)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری دور میں حضرت معاذ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تھا، مدینہ طیبہ سے ان کو رخصت کرتے وقت آپ نے خاص اہتمام سے بہت سی نصیحتیں کی تھیں جو حضرت معاذ سے مختلف ابواب میں مروی ہیں، حضرت معاذ کا اشارہ اس حدیث میں اسی موقع کی طرف ہے اور ان کا مطلب یہ ہے کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنی سواری پر سوار ہونے لگا اور اس کی رکاب میں میں نے پاؤں رکھا تو اس وقت آخری نصیحت حضور نے مجھ سے یہ فرمائی تھی کہ اللہ کے بندوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آنا۔ ــــ واضح رہے کہ خوش اخلاقی کا تقاضا

یہ نہیں ہو کہ جو عادی مجرم اور ظلم پیشہ بدمعاش سختی کے مستحق ہوں اور سختی کے بغیر ان کا علاج نہ ہو سکتا ہو ان کے ساتھ بھی نرمی کی جائے، یہ تو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی اور مداہنت ہوگی۔ بہرحال عدل و انصاف اور اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود کی پابندی کے ساتھ مجرموں کی تادیب اور تعزیر کے سلسلہ میں ان پر سختی کرنا کسی اخلاقی قانون میں بھی حسنِ اخلاق کے خلاف نہیں ہو۔

(ف) صحیح روایات میں ہے کہ حضرت معاذ کو یمن رخصت کرتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بھی فرمایا تھا کہ شاید اسکے بعد مجھ سے تمہاری ملاقات نہ ہو، اور بجائے میرے میری قبر پر تمہارا گزر ہو — اور چونکہ آپ کی عام عادت ایسی بات کرنے کی نہ تھی اسلئے حضرت معاذ نے اس سے یہی سمجھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور شاید اب مجھے اس دنیا میں حضور کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ آپ کا یہ ارشاد سن کر وہ رو پڑے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر ان کو تسلی دی کہ "إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِي الْمُتَّقُونَ مَنْ كَانُوا وَحَيْثُ كَانُوا" (اللہ کے متقی بندے جو بھی ہوں اور جہاں بھی ہوں وہ مجھ سے قریب تر ہیں گے) اور یہی ہوا کہ یمن سے حضرت معاذ کی واپسی حضور کی حیاتِ مبارکہ میں نہیں ہوئی اور جب آئے تو آپ کی قبر مبارک ہی کو پایا۔

(۱۱) عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ حُسْنَ الْأَخْلَاقِ ——— (رواہ فی المؤطا ورواہ احمد عن ابی ہریرہ)

(ترجمہ) حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ مجھے حضور کی یہ حدیث پہونچی ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس واسطے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقی خوبیوں کو کمال تک پہونچا دوں۔

(امام مالک نے اسکو اپنی مؤطا میں اسی طرح بغیر کسی صحابی کے حوالے کے روایت کیا ہے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اسکو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔)

(تشریح) اس روایت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کی اصلاح و تکمیل اور مکارم اخلاق آپ کے خاص مقاصد بعثت میں سے ہے اور جیسے کہ اوپر عرض کیا گیا قرآن مجید میں بھی تزکیہ کو آپ کا خاص کام بتلایا گیا ہے اخلاق کی اصلاح اس کا اہم جزو ہے۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا ——— (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم دوستوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں (بخاری)

(تشریح) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جسکو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اس طرح ہے کہ "اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِساً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَحَاسِنَكُمْ اَخْلَاقاً" (تم دوستوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہیں اور قیامت کے دن ان ہی کی نشست بھی میرے زیادہ قریب ہوگی جن کے اخلاق تم میں زیادہ بہتر ہیں)، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور قیامت کے دن آپ کا قرب نصیب ہونے میں حسن اخلاق کی دولت کو خاص دخل ہے۔

حسن اخلاق کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دو دعائیں بھی پڑھ لیجئے اور اپنے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کیجئے!

(۱۴۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ اَللّٰهُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِي فَاَحْسِنْ خُلُقِي۔ (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کرتے تھے "اے میرے اللہ تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے اسی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کردے"

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسن اخلاق کی دعا بہت سے موقعوں پر مختلف الفاظ میں روایت کی گئی ہے، انشاء اللہ کتاب الدعوات میں آپ کی وہ سب دعائیں نقل کی جائیں گی۔۔۔ یہاں ان میں سے صرف ایک دعا اور بھی پڑھ لیجئے!

صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی کچھ تفصیل روایت کی گئی ہے اسی میں ہے کہ آپ نے دوران نماز میں جو دعائیں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے مانگیں اُن میں سے ایک دُعا یہ بھی تھی۔

اِهْدِنِي لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا يَهْدِي لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّي سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّي سَيِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔

اے میرے اللہ تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی رہنمائی کر، تیرے سوا کوئی بہتر اخلاق کی رہنمائی نہیں کر سکتا اور برے اخلاق کو میری طرف سے ہٹادے انکو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

سے علاقہ "مصر" کو زیرنگیں کیا اور کبر و نخوت میں سرشار ہو کر سر پر غرور کو بلند کیا اور دعویٰ کر بیٹھا کہ "أنا ربكم الأعلیٰ"[1]۔ دوسرے شخص[2] کو انہوں نے بائیس لاکھ پچاس ہزار سے زائد مربع میل زمین پر حکمراں بنایا، قیصر و کسریٰ کی سلطنتیں اس کے قدموں کے نیچے آگئیں، اور مشرق میں وادی سندھ سے لے کر مغرب میں بحر اوقیانوس کے ساحل تک اس کے اقتدار کا پھریرا لہرایا پر اس جاہ و جلال کے باوجود جب بھی ضجنان[3] کے میدان سے ہو کر گذرا تو جبین نیاز بارگاہ صمدیت میں ٹیک دی اور آبدیدہ ہو کر فرمایا "اللہ اکبر! ایک زمانہ وہ تھا کہ میں یہاں نمدے کا کرتہ پہنے ہوئے اونٹ چرایا کرتا تھا اور جب بھی تھک کر بیٹھ جاتا تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ خدا کے سوا میرے اوپر کوئی حاکم نہیں[4]" ——— فکر و نظر کا یہ اختلاف تاریخ انسانی میں نیا نہیں۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ "فکر و نظر" ہی انسانی کردار و اخلاق کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ ہم جو کچھ سوچتے اور کرتے ہیں، اس کے مطابق ہماری حیات مستعار کی تعمیر ہوتی ہے۔ اسی سے ہم ہر بھلے برے کو پہچان لیتے ہیں اور ہر "خوب و ناخوب" کی گرہ کشائی کرتے ہیں۔ یہی "شرح اسرار حیات" ہے اور اسی میں انسانی عظمت کا راز مضمر ہے۔ حسن نظر اور رفعت فکر ہی "پیکر خاکی" کو مسجود ملائک بنا دیتی ہیں تو دوں نظری اور کم سوادی اسی مسجود کے سانچے میں ڈھلے ہوئے انسان کو اسفل سافلین کے درجہ میں پہونچا دیتی ہیں۔ کتنا سچ کہا ہے علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے

نگاہ پاک ہے تیری تو پاک ہے دل بھی
کہ دل کو حق نے کیا ہے نگاہ کا پیرو

فکر و نظر کی جو بلندی اور پاکیزگی ہمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات بابرکات میں ملتی ہے وہ کہیں اور نہیں ملتی۔ بلاشبہ یہی وہ خوبی ہے جو آپ کو "افضل البشر بعد الانبیاء[5]" کا مرتبہ جلیل عطا کرتی ہے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و طاہر زندگی ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ——— بچپن ہی

---

[1] [illegible] [2] خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (ازالۃ الخفا) [3] وادی مکہ کی ایک [illegible] [4] "الفاروق" مولانا شبلی نعمانی [5] تمام انسانوں میں انبیاء کے بعد افضل۔

عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا	عبادت) پر قائم رہو۔ یہ ضرور اس کی کوئی
سورہ صٓ رکوع (۱)	ذاتی غرض اور کوئی مطلب کی بات ہے

ہم نے تو یہ بات پچھلے مذہب میں نہیں سنی۔ ہو نہ ہو یہ ضرور اس شخص کی گڑھی ہوئی بات ہے
کیا ہم سب (لوگوں) میں سے اسی شخص پر کلام الٰہی نازل کیا گیا!

(ترجمہ از بیان القرآن۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ)

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ربانی کو عمر بن ہشام نے بھی سنا تھا اور عبداللہ بن عثمان بن عامر نے بھی۔
ایک کی دوں نظری اور کم سوادی نے

أَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُولًا [۱]	کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا؟
إِنْ هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرًى [۲]	یہ صرف ایک واضح جھوٹ کے کچھ نہیں۔
لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ [۳]	ہم ہرگز اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔

کہا اور "ابوجہل" مشہور ہوا اور دوسرے کی بلند نظری اور عفت فکر نے

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ	میں اس امر کی شہادت دیتا ہوں کہ سوائے
أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ	اللہ کے اور کوئی معبود نہیں اور یہ گواہی بھی

دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں

کہا اور دربار رسالت و نبوت سے
"عتیق اللہ من الناس"
کے خطاب سے سرفرازی حاصل کی

پھر —— سنہ ۱۲ نبوت کا مہد یعنی رجب۔ خدائے سبحان نے اپنے بندہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک [۴] اور مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک [۵] اور وہاں سے جہاں تک اس نے چاہا اور جس طرح اس نے چاہا سیر کرائی۔ دوسرے دن صبح جب تمام اکابرین قریش صحن کعبہ میں جمع تھے، صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ معراج بیان فرمایا تھا۔ مشرکین نے تضحیک و تکذیب

---

[۱] بنی اسرائیل　[۲] سبا　[۳] الذاریات　[۴] سورہ بنی اسرائیل　[۵] سورہ نجم

کی جنھوں نے شام و فلسطین کے چپہ چپہ کی سیر کی تھی انھوں نے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے متعلق دریافت کیا۔ اس کی دیواروں اور ستونوں کے نقش و نگار معلوم کیے اس کے رنگ و روغن کی بابت پوچھا۔ ان کا خیال تھا کہ مسجد اقصیٰ کی بابت تفصیلات آنحضرت صلعم بتا نہ سکیں گے۔ کیوں کہ آپ کبھی بیت المقدس تشریف نہیں لے گئے تھے۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کی ایک ایک چیز کی تفصیل بیان کی۔ حتیٰ کہ ارض شام سے آنے والے قریشی قافلہ کے محل و مقام سے بھی آگاہ فرمایا" پر۔ کورباطن اس عظیم ترین معجزہ کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے [1] ———

لیکن آں صدیق حق معجز نخواست   گفت ایں مرد خود نگوید غیر راست

(مثنوی مولانا روم)

اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جناب سے "صدیق" لقب پایا

——— [2] حضرت حسان بن ثابت صحابی رسول شاعر نے کہا

إذا تذكرت شجوا من أخي ثقة   فاذكر أخاك أبا بكر بما فعلا

خير البرية أتقاها وأعدلها   بعد النبي وأوفاها بما حملا

والثاني التالي المحمود مشهده   وأول الناس منهم صدق الرسلا [3]

(ترجمہ: جب تجھ کو کسی سچے بھائی کا غم یاد آئے تو اپنے بھائی ابو بکر کو یاد کر ان کے کارناموں کی بنا پر، کہ وہ نبی کے بعد ساری مخلوق میں سب سے بہتر، متقی اور عادل تھے اور رسول کے کاموں کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے تھے۔ انھوں نے جو کچھ اپنے اوپر لیا اس کو پورا کر کے دکھایا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں دوسرے ہیں اور آپ کے پیچھے ہیں جن کی شان قابل تعریف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی۔)

———

[1] سیرۃ النبی حصہ دوم مولانا سلیمان ندوی [2] لیکن اس صدیق نے معجزہ نہ چاہا اور کہا کہ یہ مرد خدا کبھی غیر حق بات نہیں کہتا [3] منقول از سیر الصحابہ جلد اول مولفہ دار المصنفین اعظم گڈھ

خطبۂ عید

[مدیر الفرقان کی قریباً ۲۵ منٹ کی ایک تقریر جو گذشتہ عید قرباں کے دن عید کی نماز کیلئے جمع ہونے والے ایک بڑے مجمع کے سامنے نماز عید سے پہلے کی گئی تھی، حاضرین میں بڑی تعداد تعلیم یافتہ حضرات کی تھی]

الحمد للہ الذی ھدنا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدنا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوٰت اللہ وسلامہ علیہم وعلیٰ کل من اتبعھم باحسان الیٰ یوم الدین ۰

دینی بھائیو! آج عید کا دن ہے اور ہم آپ عید کی نماز پڑھنے ہی کے لیے یہاں جمع ہوئے ہیں، نماز شروع ہونے میں ابھی کچھ دیر ہے، آپ ہی کے بعض بھائیوں نے مجھ سے کہا کہ ان تھوڑے سے وقت میں آپ سے کچھ دینی باتیں کروں، ایسے موقع پر میں کسی تکلف اور انکار کا قائل نہیں، اس لیے میں نے اس فرمائش کو بے تکلف قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ مفید اور صحیح باتیں کہلوائے اور مجھے اور آپ کو ان سے نفع پہونچائے۔

چونکہ آج عید کا دن ہے اس لیے شاید آپ کو یہ خیال ہوا ہو، آپ اس کے امیدوار ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس وقت عید یا قربانی کا فلسفہ یا اس کے فضائل بیان کروں گا یا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کا وہ مشہور واقعہ سناؤں گا جس کی یادگار آج کا دن ہے۔ بلاشبہ یہ سب بھی دین کی باتیں ہیں، لیکن میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آپ سے کچھ باتیں کرنے کا جو یہ اچھا موقع مجھے عنایت فرمایا ہو میں اس وقت میں آپ سے دین کی وہ باتیں بیان کروں جو آپ کے لیے دین کی دوسری سب باتوں سے زیادہ ضروری ہیں۔

میں بے تکلف آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس وقت اگر میں آپ کے سامنے عید یا قربانی کا فلسفہ

بیان کروں یا اس کی تاریخ سناؤں تو میری مثال اس شخص کی سی ہوگی جس کے پاس ایک ایسا آدمی آئے جو بھوکا ہو اور اس کو پیٹ بھرنے کے لیے کھانے کی ضرورت ہو، یا ننگا ہو اور اس کو تن ڈھکنے کے لیے کپڑے کی ضرورت ہو اور اس کو دینے کے لیے کھانا اور کپڑا اس کے پاس موجود بھی ہو، لیکن وہ بجائے کھانے اور کپڑے کے اس کے سامنے پان اور عطر پیش کرتا ہے ـــــ بہر حال میں اس وقت آپ سے دین کے سلسلہ کی بس وہ بات کرنا چاہتا ہوں جس کی اس وقت مجھے اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو دوسری باتوں سے زیادہ ضرورت ہو۔

میرے بھائیو! مجھے اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب اسلام کو اللہ کا سچا دین سمجھتے ہیں اور وہ ہمیں عزیز اور محبوب ہو۔ ہم اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں اور اسی پر خاتمہ کی تمنائیں رکھتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہو جس کا اندازہ آپ میں سے بہت سوں کو ہوگا کہ ہماری بہت بڑی تعداد آج اس حال میں ہو کہ عملی زندگی میں یا تو اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہو، یا اس کی زندگی میں اسلامیت سے زیادہ غیر اسلامیت ہو، اسی کو دوسرے لفظوں میں آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم مسلمان کہلانے والوں کی ایک بڑی تعداد تو اسلام سے اتنی دور اور بے تعلق ہوگئی ہو کہ اسلامی احکام و مطالبات سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گزارنے میں ان میں اور غیر مسلموں میں کوئی فرق نہیں، اور کچھ کی حالت یہ ہو کہ وہ اپنی عملی زندگی میں مسلمان کم ہیں اور نامسلمان زیادہ۔

شاید آپ میں سے بعض بھائیوں کا احساس یہ ہو کہ میں نے یہ بہت سخت بات کہہ دی لیکن آپ یقین فرمائیں کہ جو بات میں نے کہی ہو وہ بالکل سچی اور حقیقت کے مطابق ہو اور آپ میں سے جو حضرات اسلام کو جانتے ہیں اور مسلمانوں کی موجودہ عام حالت سے بھی واقف ہیں مجھے پورا یقین ہو ان میں سے ایک بھی میری اس بات سے اختلاف نہیں کرے گا ــ بہر حال میں نے جو یہ بات کہی ہو سوچ سمجھ کر کہی ہو اور یقین اور بصیرت کی بنیاد پر کہی ہو۔

اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ قرآن پاک جس پر ہمارا ایمان ہو کہ وہ اللہ کی مقدس کتاب ہے اس میں صاف صاف اعلان کیا گیا ہو کہ جس قوم کی عمومی حالت یہ ہو جائے کہ وہ اللہ کے دین کو

ماننے اور اس کی نازل کی ہوئی شریعت کو قبول کرنے کے بعد عملی زندگی میں اس کی نافرمان ہو جائے تو وہ قوم اللہ کی لعنت کے قابل ہو جاتی ہے، پھر دنیا میں اس لعنت کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ ملی ہوئی نعمتیں اس سے چھینی جاتی ہیں، اس پر تباہیاں اور ذلتیں آتی ہیں، اس کے حالات بگڑتے چلے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی مدد نہیں ہوتی۔

میرے بھائیو! ہم اور آپ جن بگڑے ہوئے اور ناموافق حالات کا رونا دن رات روتے رہتے ہیں، آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں اس کا اصلی اور حقیقی سبب مسلمان قوم کی اکثریت کی یہی غیر اسلامی زندگی ہے جس کو قرآن مجید نے لعنتی زندگی بتلایا ہے —— از ماست کہ بر ماست۔

نادر شاہ نے جب دلی پر حملہ کر کے اس کو تاراج کیا اور دلی والوں پر تباہیوں اور مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے تو بعض لوگ اس وقت کے مشہور بزرگ اور عارف حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضور! اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس نادر شاہی عذاب سے ہم کو نجات ملے —— مرزا صاحب نے فرمایا: میاں "شامتِ اعمالِ ما صورتِ نادر گرفت" —— یعنی کہاں کا نادر شاہ اس بیچارہ میں کیا طاقت تھی کہ دلی میں یہ خون خرابہ کر سکتا" دراصل یہ ہماری بد اعمالیوں کا عذاب ہے جو قادر و مختار کی طرف سے نادر شاہ کی شکل میں ہم پر مسلط کیا گیا ہے، اس سے نجات کی صورت یہی ہے کہ اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور اپنی بد اعمالیوں سے سچی توبہ کر کے اس کی پناہ میں آؤ۔ —— ایک حدیث قدسی کا مضمون بھی یہی ہے۔ الفاظ غالباً یہ ہیں —— إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ أَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

ابھی حال میں پچھلی صدی کے ایک مشہور چشتی سلسلہ کے بزرگ کا تذکرہ دیکھ رہا تھا اس میں پڑھا کہ ان بزرگ نے بیان کیا کہ ہندستان کا فلاں شہر جو اس وقت مسلمانوں کے زیر حکومت تھا، ایک غیر مسلم طاقت نے اس پر چڑھائی کی اور محاصرہ کر لیا۔ اس زمانہ کے اہل اللہ میں سے کسی بزرگ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا کہ حضرت ہمارے فلاں شہر کا دشمن فوج نے محاصرہ کر لیا ہے۔ اور مسلمان سخت مصیبت میں ہیں —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت اللہ کو بھول گئی ہے اور یہ سب اسی کے نتیجے ہیں۔

بہرحال ہماری تباہی اور بربادی جس کی ہم شب و روز شکایت کرتے رہتے ہیں ہمارے اسی

جرم کی سزا ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کو ماننے کے باوجود عملی زندگی میں ان سے باغی اور ان کے نافرمان ہو گئے ہیں۱۵۔ قرآن مجید میں جابجا ہمیں سبق دینے ہی کے لیے بیان کیا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل کی یہ حالت ہو گئی تو ان پر خدا کی لعنت ہوئی اور وہ ذلتوں اور تباہیوں کا شکار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سمجھنے کی توفیق دے آج ہمارا بھی کچھ یہی حال ہے۔ اور خدا کی اس لعنت کا سلسلہ دنیا کی اس سزا پر ہی ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اپنی بد اعمالیوں کی سزا دنیا سے جانے کے بعد قبر میں اور اس کے بعد حشر میں بھی بھگتیں، اور ہم میں سے جن کا حساب اس پر بھی بیباق نہ ہو وہ خدانخواستہ جہنم میں بھی ڈالے جائیں۔ اللّٰھم احفظنا!! اللّٰھم احفظنا!! اللّٰھم اغفرلنا وارحمنا!!!

اس معاملہ کے ایک اور پہلو کی طرف بھی میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں، ہم نے اللہ اور اس کے رسول اور ان کے احکام کے خلاف زندگی اختیار کر کے اپنی دنیا اور آخرت برباد کرنے کے علاوہ اس اسلام پر بھی سخت ظلم کیا ہے جس کو ہم عزیز اور محبوب سمجھتے ہیں — اگر اللہ تعالیٰ اپنے دین اسلام کو زبان دے اور اس پر ظلم کرنے والوں کے خلاف استغاثہ اور فریاد کی اس کو اجازت ملے تو مجھے یقین ہے کہ اس کی زیادہ تر فریاد اور شکایت ہم مسلمانوں کے خلاف ہوگی جو اپنے طرز زندگی سے اس کو سب سے زیادہ نقصان پہونچا رہے ہیں۔

آپ حضرات جانتے اور سمجھتے ہوں گے کہ کسی دین و مذہب کے متعلق اچھی یا بری رائے قائم ہونے میں اور اس سے محبت یا نفرت کرنے میں سب سے زیادہ دخل اس کے ماننے والوں کی اچھی یا بری حالت کا ہوتا ہے۔ اگر کسی مذہب کے ماننے والے عام طور سے نیک اور بھلے آدمی ہوں، خدا ترس اور راستباز

---

۱۵ ممکن ہے یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ دنیا میں بہت سی قومیں ہیں جو دین و ایمان کے لحاظ سے مسلمانوں سے بدرجہا زیادہ خراب حالت میں ہیں اور صریح کفر و شرک میں گرفتار ہیں اور اس کے باوجود دنیا میں ان کو عروج حاصل ہے اور وہ برابر ترقی کر رہی ہیں۔ اور قریب قریب ہر زمانہ کی تاریخ میں ایسی مثالیں ملتی ہیں — تو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کا یہ قانون معلوم ہوتا ہے کہ کفر و شرک کی اصل سزا اس دنیا میں نہیں دی جاتی بلکہ آخرت میں دی جانے کی ہے، اس لیے دنیا اور کفر زدہ زندگی میں اس کی گنجائش ہی نہیں، البتہ اگر کوئی قوم ایمان کے ساتھ نافرمانی کی زندگی اختیار کرے اور فسق و فجور اس کی زندگی پر غالب آ جائے تو حکمت خداوندی کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس قوم کو اس دنیا میں سزا دی جائے — یہ اس شبہ کا مختصر جواب ہے اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

ہوں، اللہ کی بندگی اور اس کے بندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ ان کی زندگی میں نمایاں ہو تو قدرتی طور پر اس مذہب کے متعلق لوگوں کے خیالات اچھے ہوں گے اور دلوں میں اس کی وقعت اور محبت ہوگی اور قلوب اسکی طرف خود بخود کھنچیں گے۔ اور جس مذہب کے ماننے والے عام طور سے خدا سے بے تعلق اور بداخلاق و بدچلن ہوں گے اس مذہب کے متعلق لوگوں کے خیالات کبھی اچھے نہ ہوں گے اور نہ اس کی طرف دلوں کا میلان ہوگا۔

آج دنیا کا میلان جو اسلام کی طرف نہیں اور اسکی محبت اور وقعت سے قوموں کے دل جو خالی ہو چکے ہیں اس کا سب سے بڑا سبب ہماری یہ بگڑی ہوئی زندگی ہے، اگر ہماری قوم کی زندگی اسلام کا آئینہ ہوتی جس میں ہر دیکھنے والا اسلام کو اس کی اصلی شکل میں دیکھ سکتا تو قومیں آپ سے آپ اسلام کی طرف کھنچتیں اور اسکو اپنانے پر مجبور ہوتیں اور یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا ظہور برابر ہوتا رہتا لیکن اب بات بالکل الٹی ہے، ہماری موجودہ حالت اور موجودہ زندگی نے دنیا کی نظروں میں اسلام کو بے وقعت کر دیا ہے: اللہ کے پیدا کیے ہوئے انسان ہماری زندگیوں میں اسلام کو دیکھتے ہیں اور اس میں ان کو کوئی خوبی نظر نہیں آتی اس لیے اس کی طرف بڑھنے کا ان کو خیال تک نہیں آتا، اور اس سے خالی رہنے میں انھیں اپنے اندر کوئی کمی اور نقص محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیں دیکھنے کے بعد سنجیدگی سے اسلام پر غور کرنے کا ان کے ذہنوں میں کبھی سوال بھی نہیں پیدا ہوتا۔ گویا کفر پر اور اسلام سے محرومی پر ان کے مطمئن رہنے کا بڑا سبب ہم بنے ہوئے ہیں ——— خدارا آپ غور کریں کہ اسلام پر اور آدم علیہ السلام کی اولاد پر یہ ہمارا کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہم ہی ان کی راہ کے پتھر بن گئے ہیں۔

کبھی کبھی اس سلسلہ میں میری زبان پر ایک بات آجاتی ہے جس کے متعلق مجھے خود احساس ہے کہ وہ بہت کڑوی ہے، لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ بالکل سچی حقیقت ہے اس لیے میں اسے کہہ دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ دنیا کو اسلام سے دور رکھنے کے لیے اسلام کے دشمنوں نے جو کوششیں اب تک کی ہیں انھوں نے دنیا کو اسلام سے اتنا نہیں روکا جتنا کہ اسلام کا غلط نمونہ پیش کرنے والے ہم مسلمانوں نے روکا ہے گویا ہمارا عمل اسلام کے خلاف ایک زندہ اور بولتا ہوا پوسٹر ہے جو ہر ایک کی نگاہ کے سامنے ہے۔ جو قوم اپنے عمل سے خدا کے دین کو اتنا نقصان پہونچا رہی ہو، آپ خود ہی سوچیے کہ وہ کیونکر اللہ کی خاص رحمت اور نصرت کی مستحق ہو سکتی ہے، میں تو کہتا ہوں کہ اگر وہ زندہ رکھی جا رہی ہے تو یہ بھی اللہ کا رحم و

کرم ہوتا ہے۔

مسئلہ کے ان سب پہلوؤں کے سامنے آجانے کے بعد ہمارے آپ کیلئے اب دو راستے ہیں ایک یہ کہ اس کے بعد بھی ہم اپنی زندگی کو درست کرنے کی اور اللہ سے بندگی کے تعلق کو صحیح کرنے کی کوئی فکر اور کوئی کوشش نہ کریں، اور جس ڈگر پر چل رہے ہیں آئندہ بھی بے فکری سے اسی پر چلتے رہیں، ___ مجھے امید ہو کہ آپ میں سے کسی کا بھی فیصلہ یہ نہ ہوگا ___ اور دوسرا راستہ یہ ہو کہ اب تک اللہ کی اطاعت وبندگی کے بارہ میں اور دین کے معاملہ میں جو کوتاہی اور غفلت ہوئی اس پر رنج اور صدمہ ہو، دل میں ندامت ہو، اور آئندہ کیلئے اپنی حالت کو درست کرنے اور اپنی زندگی کو بندگی والی زندگی بنانے کی فکر اور اس کا ارادہ اور فیصلہ ہو۔ مجھے اپنے ہر کلمہ گو بھائی سے امید کرنی چاہیے کہ وہ اپنے لیے اسی دوسرے راستے کو اختیار کرے گا۔

میرے بھائیو! آج عید کا دن ہو، خوشی کا دن ہو، قدرتی طور پر آج آپ کے دل کی یہ خواہش ہوگی کہ آپ کے گھر کی فضا خوشی اور مسرت کی فضا رہے، آپ کے بچے خوش ہوں، آپ کی بیویاں خوش ہوں، آپ کے دوست احباب خوش ہوں، آپ کے محلہ میں، آپ کے شہر میں خوشی ہی خوشی ہو، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آج کے دن آپ اپنے خدا کو، اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اسلام کی روح کو بھی خوش کرنے کا فیصلہ کیجئے! ___ اور اس کی بہترین تدبیر یہی ہو کہ آج کے مبارک دن میں اور ابھی بھی اس مبارک گھڑی میں جبکہ آپ سب باوضو ہیں اور نماز پڑھنے کے لیے گھروں سے تشریف لائے ہیں، اس وقت اپنی پچھلی غلطیوں اور غفلتوں کی اللہ سے معافی مانگئے اور آئندہ کے لیے نیکی، فرمانبرداری کا اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنانے کا فیصلہ کیجئے ___ اس کو دین کی زبان میں توبہ کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا محکم وعدہ ہو کہ سچے دل سے توبہ کرنے والے بندوں کے پچھلے گناہ معاف کردئیے جاتے ہیں اور وہ بالکل بے گناہ ہوجاتے ہیں "التائب من الذنب لمن لا ذنب له" اور ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہو کہ "کیوم ولدته امه" یعنی سچی توبہ کے بعد بندہ ایسا پاک صاف ہوجاتا ہو جیسا کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا تھا۔ یہاں میں ایک بات یہ بھی صاف کردینا چاہتا ہوں کہ اگر آپ میں کوئی بھائی ایسے ہوں جو کسی ایسی غلطی اور کسی ایسے گناہ میں مبتلا ہوں جس کو کسی وجہ سے وہ اسی وقت بالکل چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے

تو وہ ایسا کریں کہ اسکے علاوہ باقی گناہوں سے سچی توبہ کرلیں۔ اور اس گناہ کے چھوڑ دینے کی اللہ سے توفیق اور ہمت مانگتے رہیں۔ انشاءاللہ ان کی یہ توبہ بھی قبول ہوگی ـــ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت میں ان کا بھی پورا حصہ ہوگا۔

یہ تو اپنی اپنی انفرادی زندگی کو درست کرنے کا راستہ ہوا، اسکے بعد قومی اور اجتماعی اصلاح اور تبدیلی کے لیے ہمیں ایک دوسرا عہد یہاں یہ کرنا چاہیے کہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہم اس مقصد کیلئے اپنے دوسرے بھائیوں میں بھی کوشش کریں گے۔

وقت میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے میں اس وقت اس دوسرے کام کا کوئی خاص طریقہ آپ کو نہیں بتلا سکتا، صرف اتنی بات کہہ سکتا ہوں کہ یہ کوشش اپنے اپنے حالات کے مطابق اور اپنے اپنے دائرہ میں آپ سب حضرات انفرادی طور پر بھی کر سکتے ہیں اور آپ میں سے بہت سوں کو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں میں اسلامی زندگی پیدا کرنے کا یہ کام اجتماعی طور پر ایک عوامی تحریک کی شکل میں بھی ہو رہا ہے اور اس کا ایک خاص طریقہ اور پروگرام ہے۔ اور آپکے بہت سے بھائی خود آپکے اس شہر میں بھی اسی طریقہ پر کام کر رہے ہیں۔ اس طریق کار کی یہ خصوصیت ہے کہ امیر، غریب، مولوی، مسٹر، تعلیم یافتہ، شہری، دیہاتی، کسان، مزدور، غرض ہر طبقہ کے مسلمان کسی نہ کسی درجہ میں اس میں حصہ لے سکتے ہیں، اور دوسری خصوصیت اس طریق کار کی یہ ہے کہ بظاہر تو وہ دوسروں کی اصلاح کی کوشش ہے لیکن درحقیقت وہ خود اپنی زندگی کی درستی کی بہترین تدبیر ہے، بشرطیکہ اس کو صحیح اصول کی پابندی کے ساتھ کیا جائے ـــ آپ سب حضرات کو میرا مخلصانہ اور برادرانہ مشورہ یہ ہے کہ اپنے حالات اور اپنی گنجائشوں کے مطابق اس اجتماعی کام میں بھی آپ کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لیں، اس کوشش سے آپ دوسروں کو کچھ بدل سکیں یا نہ بدل سکیں لیکن خود آپ انشاءاللہ ضرور بدل جائیں گے۔

میں نے جو بات اس وقت آپ حضرات سے کہی ہے اگر آپنے اسکو قبول کیا تو اس کا پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کی بندگی کا تعلق درست ہو جائے گا اور انشاءاللہ آپ کی زندگی ایمان والی اور صحیح اسلامی زندگی بن جائے گی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا اور آخرت میں فضل و رحمت کے محکم وعدے ہیں ـــ اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو آپ کی اجتماعی جد و جہد کا اثر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی

پر بھی پڑے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ پھر مسلمانوں کی زندگی دنیا کو اسلام سے دور کرنے والی اور اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کو کھینچنے والی نہیں رہیگی، پھر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت اور نصرت سے ان کی دنیوی مشکلات بھی حل ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کے اُن انعامات سے وہ سرفراز ہوں گے جن کا وعدہ اس اُمت سے ایمان اور عمل صالح کی شرط کے ساتھ کیا گیا تھا۔

الحمد للہ میرا تو ان باتوں پر ایمان ہو اور اسلئے ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک قرآن مجید میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں ان حقیقتوں کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہو۔ لیکن جو حضرات اس عالم اسباب کے قوانین سے اسکو سمجھنا چاہیں ان کے لیے میں عرض کرتا ہوں کہ آج دنیا کو زندگی کے ہر شعبے میں ایمانی زندگی رکھنے والے افراد کی ضرورت ہو اور شاید ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہو، دنیا میں بے ایمانی اور اس کی وجہ سے بے اطمینانی اور پریشانی اتنی بڑھ گئی ہو کہ اب دنیا اس سے تنگ آگئی ہو ایسے وقت میں اگر دنیا میں کوئی ایسی قوم نمودار ہو جائے جس نے ایمان کے راستے سے انسانیت کی تمام خوبیوں کو اپنے اندر جذب کر لیا ہو اور وہ خوبیاں آفتاب کی شعاعوں کی طرح اس سے ظاہر ہوں تو دنیا خود اس قوم اور اس کے افراد کو اپنے دکھوں کی دوا سمجھ کر اپنے سر پر رکھ لے گی۔ آپ سوچئے کہ اگر ایمان اور ایمانداری میں آپ ایسے ممتاز ہو جائیں کہ عام طور سے دنیا جاننے لگے کہ مسلمان دوکاندار خدا ترس ہوتا ہو وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا، اور کبھی دھوکا نہیں دیتا تو کیا اس کا کاروبار ترقی نہیں کرے گا اور کیا بازار میں اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا کامیاب ہو سکے گا، اور کیا غیر مسلم بھی اس سے سودا خریدنے پر مجبور نہ ہوں گے ـــــ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اگر مسلمان دوکاندار سچے مسلمان ہو جائیں تو گاؤں سے آنے والی بڑھیا بھی اپنی ضرورت کا سودا خریدنے کے لیے شہر میں آ کر مسلمان کی دوکان کا پتہ پوچھا کرے گی ـــــ اسی طرح اگر عام طور سے تجربہ میں یہ بات آجائے کہ مسلمان مزدور ایمانداری میں اور محنت سے ڈیوٹی انجام دینے میں دوسرے سے ممتاز ہوتا ہو اور وہ پوری محنت اور دیانت سے کام کرنے کو اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہو تو کیا غیر مسلم کارخانہ دار بھی مسلمان مزدوروں کو دوسروں پر ترجیح نہ دے گا۔ اسی طرح اگر دنیا اس کا تجربہ کرلے کہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر مسلمان کبھی انصاف اور دیانت کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتا، وہ کبھی رشوت نہیں لیتا، وہ غیروں کے مقابلہ میں کبھی اپنوں کی بے جا رعایت نہیں کرتا اور اپنے کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھ کر پوری ایمانداری سے اپنے فرائض ادا کرتا ہو اور قیامت کے

دن اپنی بیٹی کو یاد رکھتے ہوئے اپنے اختیارات پوری خدا ترسی کے ساتھ استعمال کرتا ہو تو آپ ہی بتائیے کہ جمہوریت کے اس دور میں کوئی طاقت اور کوئی سازش مسلمانوں کو اقتدار سے الگ رکھ سکتی ہو۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اگر مسلمان ہماری اس دنیا میں سچے مسلمان بن کر دکھا دیں تو دنیا اب اس مقام پر ہو کہ وہ اسلام کو اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔

یہ تو میں نے ایک راستہ اور ایک طریقہ بتایا جو آج کل کے حالات میں بھی سمجھ میں آجانے والا ہو ورنہ اصلی بات تو یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کام کے کرنے کا کسی بلند کو پست یا کسی پست کو بلند کرنے کا ارادہ کرلے تو اکثر ایسے طریقوں سے کر دیتا ہو کہ کسی کو پہلے سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۔

بس! آج عید کے دن آپ کے لیے یہی میرا پیام ہو، اگر آپ نے اس کو قبول فرمایا تو بلاشبہ آپ کی عید بڑی مبارک عید ہو' اور اپنی زندگی بدلنے کے لیے آپ کا فیصلہ آج کے دن آپ کی سب سے بڑی قربانی ہو ـــــ اصلی اور اہم قربانی یہی ہو کہ بندہ اللہ سے عہد کرے۔ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ بِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۔ ـــــ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ۔

اسپین میں مسلمان

(ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی)

"تقریباً آٹھ صدیوں تک اپنے مسلم فرمانرواؤں کے تحت، اسپین سارے یورپ کیلئے مہذب اور ترقی یافتہ ریاست کی ایک شاندار مثال بنا رہا۔ اسکے زرخیز صوبے ان کی جانفشانی اور انجینیرنگ کی مہارت کی بدولت کہیں زیادہ زرخیز ہو گئے اور تو گنی پیداوار اگلنے لگے۔ فنون لطیفہ، ادب اور سائنس نے جتنا فروغ یہاں پایا، یورپ میں اور کہیں نہیں پایا۔ جرمنی، فرانس اور انگلستان سے طالبعلم غول در غول علم و دانش کے ان چشموں سے، جو اندلسی شہروں ہی میں بہتے تھے، سیراب ہونے آتے تھے۔ اندلس کے ماہرین طب و جراحت سائنس میں پیش پیش تھے۔ عورتوں کو سنجیدہ علوم سیکھنے کی ترغیب دی جاتی تھی اور قرطبہ کے باشندے لیڈی ڈاکٹر کے وجود سے بھی ناواقف نہ تھے۔ ریاضیات، فلکیات، علم نباتات، تاریخ فلسفہ اور قانون میں جتنی قابلیت اسپین اور صرف اسپین میں پیدا کی جا سکتی تھی۔ ... زراعت، آبپاشی، قلعہ بندی، جہاز سازی، صداری، ظروف سازی، معماری اور پارچہ بافی کے فنون کو اندلسیوں نے کمال کو پہونچایا۔ جنگ کے عوامل اور امن کے مشاغل، دونوں میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔" (اسٹینلی لین پول "مورس ان اسپین" دیباچہ)

اسپین دیا عربوں کے اندلس) میں مسلم حکومت کی داغ بیل [illegible] میں جنرل طارق نے ڈالی،

جو شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کے حکم پر سات ہزار فوج کے ساتھ شیر چٹان پر اترے اور قرطبا فتح کرکے اندرونِ ملک داخل ہوگئے۔ شیر چٹان کا نام تب ہی سے جبل الطارق (جبرالٹر) پڑ گیا۔

موسیٰ بن نصیر نے اسپین پر حملہ کا ارادہ قرطبہ کے گورنر کاؤنٹ جولین کی درخواست پر کیا تھا۔ جولین کی لڑکی فلورنڈا اسپین کے بادشاہ روڈرک کی محلسرا میں تربیت کی خاطر رہتی تھی۔ روڈرک پر واجب تھا کہ فلورنڈا کو اپنی ہی لڑکی سمجھتا۔ لیکن اس کے برخلاف اس نے اسے اپنی ہوس کا شکار بنایا۔ مظلوم لڑکی نے خفیہ طور پر باپ کو مطلع کیا۔ جولین پر یہ خبر بجلی بن کے گری اور جوشِ انتقام میں اس نے موسیٰ کو اسپین پر چڑھائی کرنے کی دعوت دیدی اور ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا۔

اسپین میں اس وقت بڑی بدنظمی تھی۔ بدا طوار امراء نے ساری زمین آپس میں بانٹ رکھی تھی اور کاشتکار غلاموں کی طرح ان کی زمینداریوں میں کام کرتے تھے۔ گوتھ قوم کو اسپین پر حکومت کرتے دو سو برس گذر چکے تھے اور یہ مدت، اس زمانہ کی سست رفتاری کو دیکھتے ہوئے بھی، ملکی اصلاح و ترقی کے لیے کم نہ تھی لیکن وہ عیش و عشرت کے، رومیوں سے کم متوالے نہ تھے۔ ان کے عہد میں عوام کی حالت اور بھی قابلِ رحم ہوگئی اور امیرزادوں کا کہنا ہی کیا، پاسبانانِ کلیسا تک نئی نئی دولت و حکومت سے مخمور ہو کر رومن سرداروں سے بڑھ کر بدچلن اور ظلم پیشہ بن گئے۔

شروع میں اسپینیوں نے یہ سمجھ کر کہ مسلمان محض لوٹ مار کرنے آئے ہیں اور تھوڑے دنوں میں خود ہی لوٹ جائیں گے مدافعت نہ کی۔ مگر جب طارق کی کمک کو پانچ ہزار بربر اور آپہونچے تو چھتر ہزار کا لشکر لے کر روڈرک نے دریائے وادی الابیت کے کنارے مسلمانوں کو للکارا۔ دشمن کا جاہ و جلال دیکھ کر مسلمانوں کا عزم کچھ کمزور پڑنے لگا۔ اس پر طارق نے حکم دیا کہ جن کشتیوں میں وہ وطن سے آئے تھے سب جلا ڈالی جائیں تاکہ واپسی کا امکان ہی نہ رہے۔[1] پھر انھوں نے فوج کو مخاطب کرکے کہا۔ "جوانمردو تمھارے آگے دشمن ہے اور پیچھے سمندر۔ خدا کی قسم! اب عزم و سرفروشی کے علاوہ تمھارے لیے کوئی دوسرا

---

[1] اس واقعہ نے شجاعت کی لغت میں "کشتیاں جلا دو" (یعنی اب پیچھے ہٹنے کا سوال نہیں بس جیتو یا جان دیدو) کے محاورے کا اضافہ کیا جو انگریزی میں اب بھی رائج ہے۔

راستہ نہیں! عزم و ہمت سے بھرپور یہ کلمات سن کر مسلمانوں کے دل پھر قوی ہو گئے اور انھوں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ "طارق، ہم تمھارے ساتھ ہیں" اور اپنے سالار کے پیچھے جنگ میں کود پڑے۔ ایک ہفتہ تک میدان گرم رہا۔ طرفین نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ روڈرک نے بار بار اپنی فوجیں مرتب کیں لیکن بالآخر اُسے پسپا ہونا پڑا۔ اس کا گھوڑا اور جوتے دریا کے کنارے پائے گئے، لاش غالباً دریا میں بہہ گئی تھی۔

اس ایک ہی معرکہ نے اسپین کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیئے اور وہ بہت جلد کل جزیرہ نما پر غالب آ کر فرانس کی سرحدیں بھی پار کر گیے، جہاں چارلس مارٹل نے ٹورس کی خوں آشام جنگ کے بعد ان کے سیلاب کو روکا۔ کہا جاتا ہے کہ اگر اس جنگ میں مسلمانوں کی فتح ہو جاتی تو پھر سارے مغربی یورپ پر چھا جانے سے انھیں کوئی طاقت روک نہیں سکتی تھی۔

فرانس کے عیسائیوں کو ہمسایہ ملک اسپین پر مسلمانوں کا تسلط بہت کھلتا تھا اور دونوں میں کچھ عرصہ تک جھڑپیں ہوتی رہی تھیں کہ ۷۷۸ء میں شارلیمین نے، جو مسیحیت کا بڑا محافظ اور اپنی بیش از بیش فتوحات کے باعث سکندر ثانی کہلاتا تھا، پائرنیز کے پہاڑی سلسلہ کو عبور کر کے باقاعدہ لشکر کشی کر دی۔ لیکن ابھی وہ ابتدائی منازل ہی میں تھا کہ اس کے مقبوضہ علاقے نے بغاوت کر دی اور خود فرانس کا صوبہ لورین بھی شورش کی زد میں آ گیا۔ مجبوراً شارلیمین کو لوٹنا پڑا۔ راستے میں پائرنیز کے قبائلیوں نے اپنی مضبوط کمین گاہوں سے اس پر بے پناہ چھاپے مارے، اس کا لشکر منتشر ہو گیا اور اس نے پھر اسپین کا رخ نہیں کیا۔

(۲)

آٹھویں صدی کے وسط میں ہی خلافت اسلامیہ سے کٹ کر اسپین خود مختار ہو گیا۔ یہ پہلا علاقہ تھا جس کے ساتھ ایسا کیا گیا۔

۷۵۰ء میں عباسیوں کے ہاتھوں خلافت سے معزول ہونے کے بعد بنو امیہ پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا تو قتل ہونے سے بچے وہ وطن چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ ان ترک وطن کرنے والوں میں شہزادہ عبد الرحمٰن بھی تھا جو دریائے فرات پار کر کے افریقہ پہونچا۔ وہاں پانچ سال تک شمالی ساحل کی خاک چھاننے کے بعد اس نے اندلس کے [illegible] جو بنو امیہ سے ہمدردی رکھنے والے [illegible] امرا سے رابطہ پیدا

کیا اور ان کی حوصلہ افزائی پر اندلس پہونچ گیا۔ اندلسیوں نے اس کا پرجوش استقبال کیا، یہاں تک کہ عباسی گورنر کی فوجیں بھی اس کی طرف ہوگئیں۔ گورنر نے بغداد سے مدد طلب کی لیکن قبل اس کے کہ مدد پہونچ سکے عبدالرحمٰن دارالسلطنت قرطبہ پر قبضہ کرکے اندلس کا آزاد سلطان بن بیٹھا۔

امن قائم ہوتے ہی عبدالرحمٰن نے مملکت کے نظم ونسق اور فلاح وبہبود پر ایسی توجہ کی کہ دیکھتے ہی دیکھتے اندلس لالہ زار بن گیا۔ مذہبی معاملات میں عربوں نے بے نظیر فراخدلی اور بے تعصبی برتی۔ اندلس کے قدیم باشندوں اور یہودیوں اور عیسائیوں کو مذہب کی مکمل آزادی ہی نہیں بلکہ اپنے قوانین اور قاضی اور مفتی قائم رکھنے کی اجازت بھی دیدی۔ اور ان کے علاقوں کے حاکم ہمیشہ ان ہی میں سے مقرر کیے۔ سرکاری ٹیکسوں کی بنیاد عدل پر رکھی جس کی وجہ سے کم آمدنی والوں کو اتنی آسودگی نصیب ہوئی جو اپنے ہم مذہبوں کی حکومتوں میں بھی نہیں ہوئی تھی۔ ٹیکس کے معاملہ میں مسلموں اور غیر مسلموں میں فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ زمین پر کاشتکاروں کے حقوق تسلیم کیے گئے۔ غلاموں پر گوتھ، یہودی اور عیسائی بہت ظلم ڈھاتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب کے مطابق اس میں بھی اصلاح کی۔

ابن حیان راوی ہے کہ "عبدالرحمٰن بڑا نرم دل تھا۔ اس کی طبیعت رحم اور عفو کی طرف مائل تھی۔ اس کی گفتار میں روانی اور ذہن میں تیزی تھی۔ وہ بہت دیر میں (خوب غور وفکر کے بعد) فیصلے کرتا تھا لیکن ان کو عمل میں لانے میں مضبوط اور مستقل مزاج تھا۔ وہ بڑا تیز اور محنتی تھا اور راحت طلبی سے نفرت کرتا تھا۔ اس نے مملکت کے امور کسی کے سپرد نہیں کیے۔ سارا انتظام خود کرتا لیکن ضرورت پڑنے پر ذی فہم اور تجربہ کار لوگوں کا مشورہ لینے سے اس نے کبھی پرہیز نہیں کیا۔ وہ ایک بہادر اور بے خوف مرد میدان بھی تھا۔ جنگ میں ہمیشہ آگے آگے رہتا ...... جنازوں کے ساتھ چلتا اور قبروں پر فاتحہ پڑھتا۔ جمعہ کا خطبہ اکثر خود ہی دیتا۔ بیماروں کی عیادت کرتا اور رعایا کی خوشیوں میں شریک ہوتا۔"

عبدالرحمٰن کے بعد اس کا بیٹا ہشام اندلس کے تخت پر بیٹھا۔ جو اعلیٰ اوصاف کا مجموعہ تھا۔ اسے بچپن سے علم سے گہرا لگاؤ تھا۔ چوٹی کے اہل علم، سائنسداں اور شعراء اس کے دربار میں سمٹ آئے تھے۔ اس نے اپنے مختصر دور حکومت میں نیکی کے بے حساب کام کیے۔ مظلوموں اور مصیبت کے ماروں کے لیے اس کی ذات ایک مستقل جائے پناہ تھی۔ وہ اپنے معتبر کارندے مملکت کے تمام حصوں میں

بھیجتا تھا کہ ناانصافی اور حق تلفی کا پتہ لگائیں اور فوری تدارک کریں۔ اوباشی اور بدمعاشی روکنے کے لیے اس نے رات میں گلیوں کی گشت کا انتظام کیا اور اس طرح جو جرمانہ وصول ہوتا وہ ان غرباء کو انعام میں دیا جاتا جو بارش اور سردی کے باوجود عشاء کی نماز مسجدوں میں جاکے ادا کرتے۔ وہ مریضوں کی عیادت کرتا اور اکثر طوفانی راتوں میں دیندار بیماروں اور اپاہجوں کے لیے خود کھانا لے جاتا اور ان کی تیمارداری کرتا حلم اور نرم دلی کے ساتھ وہ ضرورت کے وقت سختی بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ اپنے چچاؤں کی ریشہ دوانیوں کو اس نے کچل ڈالا۔ اُسے شکار کا بہت شوق تھا لیکن اس میں بھی اتنی احتیاط برتتا کہ جب اس نے قرطبہ کے پُل کو پھر سے تعمیر کرایا اور اس پر بعض لوگوں نے کہا کہ اس نے محض اپنی شکارگاہوں تک زیادہ آسانی سے پہونچنے کیلئے ایسا کیا ہے تو اس نے قسم کھالی کہ اس پل پر سے کبھی نہیں گذرے گا اور مرتے دم تک اس کا پابند رہا۔

ہشام کے بعد اندلس کے اموی سلطانوں میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر عبدالرحمٰن ثالث (۳۰۰ھ تا ۹۱۲ء) ہوا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت اندلس میں بڑی افراتفری تھی پچھلے سلطانوں کی کوتاہیوں کے باعث عیسائی بغاوت پر آمادہ تھے اور مسلمان بھی مختلف گروہوں میں بٹ کر آپس میں لڑ رہے تھے۔ شمال میں لیون، نبرہ اور کیسٹیل کی عیسائی طاقتیں پے بہ پے حملے کر رہی تھیں اور جنوب میں افریقیہ کے فاطمی حکمران اندلس پر دانت لگائے تھے۔ عبدالرحمٰن اعظم نے پہلے اندرونی ہنگاموں کو دبایا۔ اندلس کو طوائف الملوکی اور بدامنی کی جگہ امن و عافیت اور خوشحالی بخشی۔ جو مسلمان امراء خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے تھے، اس نے ان کا زور توڑ دیا۔ ان کی پارٹی بندیوں کو ختم کیا اور حکومت کا اقتدار از سر نو قائم کیا۔ پھر وہ خارجی خطروں کی طرف متوجہ ہوا اور عیسائی بادشاہوں اور سرداروں پر اپنی طاقت کا ایسا سکہ بٹھایا کہ وہ اپنے باہمی جھگڑے طے کرانے اس کے دربار میں آنے لگے۔ فاطمیوں کو باز رکھنے کے لیے اس نے اندلس کے قلزمی ساحل پر مضبوط مورچہ بندیاں کیں۔

تمام مورخ متفق ہیں کہ اندلس نے سب سے زیادہ ترقی عبدالرحمٰن اعظم کے زمانہ میں کی، اور ملک میں قانون کا اتنا احترام کبھی نہیں ہوا جتنا اس کے دورِ حکومت میں۔ قسطنطنیہ کے شہنشاہ اور فرانس اٹلی اور جرمنی کے بادشاہوں کے سفیر اس کے دربار میں حاضر ہوتے تھے اور اس کی فراست، طاقت اور

امارت کے چرچے یورپ، افریقہ اور خلافتِ اسلامیہ کے ایشیائی ممالک میں ہوتے تھے۔

عبدالرحمٰن اعظم کی بابت ایک اندلسی مورخ لکھتا ہے کہ "اس سے زیادہ شریف الطبع اور روشن خیال بادشاہ نے کبھی کسی ملک پر حکومت نہیں کی۔ اس کی نرمی، اس کی فیاضی اور اس کی منصف مزاجی ہر شخص کی زبان پر تھی۔ اس کے بزرگوں میں کوئی بھی دینی حمیت اور جرأت و شجاعت میں اس سے زیادہ ممتاز نہیں گذرا تھا۔ وہ سائنٹفک تحقیقاتوں کا دلدادہ اور اہل علم کا سرپرست تھا"

ایک روایت میں ہے کہ اس کے انتقال کے بعد اس کی ایک تحریر پائی گئی تھی جس میں اس نے اپنے چوبیس سالہ دورِ حکومت کے ان ایام کا شمار کیا تھا جو غم و فکر سے خالی گذرے تھے اور ان کی تعداد صرف چودہ تھی۔ (میکاری۔ ہسٹری آف محمڈن ڈائنسٹیز جلد دوم ص ۱۴۶-۱۴۷)

(۳)

عالیشان عمارتوں، دلکش باغوں، تہذیب کی شائستگی، صنعتوں کی کثرت اور علم کی ارزانی کی بدولت اندلس دنیا میں اپنی مثال نہیں رکھتا تھا۔ صرف قرطبہ میں پچاس ہزار امراء اور اکابر کے محل، سات سو مسجدیں، نو سو پبلک حمام اور لاکھوں عوام کے مکانات تھے، اور یہ اس وقت کہ جب انگریزوں اور امریکنوں کے مورث لکڑی کے دربوں میں رہتے اور گھاس پھوس پر سوتے تھے۔ پبلک حمام یورپینوں کے لیے ایک بالکل نئی چیز تھے کیونکہ اس زمانہ میں عیسائی نہانے دھونے کو جاہلانہ رسم سمجھتے تھے اور ان کے راہب اور پادری اپنے میل کچیل پر ناز کرتے تھے۔ ایک عیسائی راہبہ بڑے فخر سے کہتی تھی کہ سا ٹھ سال کی عمر تک اس کے جسم کے کسی حصہ پر پانی نہیں پڑا تھا۔ چنانچہ جب اسپین پر عیسائیوں کا دوبارہ غلبہ ہوا تو انگلستان کی ملکہ میری کے شوہر فلپ دوم نے سارے حمام توڑ ڈالے کہ وہ "کافروں" کی حکومت کی یادگار تھے۔

قرطبہ کی بہترین عمارت اس کی جامع مسجد تھی جس کا کچھ حصہ اب بھی موجود ہے۔ اس میں پچاس برآمدے تھے اور بارہ سو سے زیادہ ستون، نمازیوں کے آنے کے لیے اکیس دروازے اور وضو کے لیے چار فوارے تھے جنکے لیے پہاڑی چشموں سے پانی لایا گیا تھا۔ مسجد کی مغربی جانب بہت سے مسافر خانے تعمیر کیے گئے تھے جن میں علاوہ مسافروں کے آرام و آسائش کے حاجتمندوں کے مستقل قیام کا بھی انتظام تھا۔ اندرونِ عمارت تمام دیواروں اور ستونوں پر چاندی سونے کا نہایت باریک کام بنایا گیا تھا اور جابجا جواہرات

جڑے گئے تھے۔ مسجد کا منبر ہاتھی دانت کا تھا۔ بعض میناروں اور گنبدوں پر بھی سونا چڑھایا گیا تھا۔ رات میں سیکڑوں لالٹینیں، جھاڑ و فانوس روشن کیے جاتے تھے اور صرف ان کو جلانے اور خوشبوئیں سلگانے کے لیے تین سو آدمی ملازم تھے۔ علامہ اقبالؒ کی ایک مشہور نظم کا عنوان یہی تاریخی مسجد ہے۔

اس کے بعد شاہی محل "الزہرا" کا نمبر تھا جس کی تعمیر میں چالیس سال صرف ہوئے تھے اور پندرہ برس تک تو دس ہزار مزدور اور کاریگر مسلسل لگے رہے تھے۔[1] محل میں پندرہ ہزار دروازے تھے جن پر لوہے اور پیتل کی چادریں چڑھی تھیں۔ دیوانِ خاص کی چھت سونے اور ہاتھی دانت کی تھی۔ دیوان کے وسط میں سیماب کا حوض تھا اور دونوں طرف آبنوس اور ہاتھی دانت کے آٹھ دروازے تھے جن میں ہیرے جواہرات آویزاں تھے۔ جب سورج کی کرنیں ان دروازوں سے گذر کر سیماب کے حوض پر پڑتیں تو پارے اور نگینوں کی تڑپ سے ہال میں بجلیاں کوندنے لگتیں اور اہلِ دربار ان کی چمک سے اپنی آنکھیں ڈھانپ ڈھانپ لیتے۔

محل کے وسیع باغ اور ان کی بہتی ہوئی نہریں اور اچھلتے ہوئے فوارے اس کی حسن کاری میں اور بھی اضافہ کرتے۔ ان باغوں میں نایاب پودے اور درخت دیکھنے میں آتے تھے۔

'الزہرا' میں تیرہ ہزار مرد، چھ ہزار عورتیں اور تین ہزار خواجہ سرا ملازم تھے جن کے کھانے کے لیے روزانہ ساڑھے تین سو من گوشت آتا تھا۔ ملازموں کو مچھلی اور تیتر اور دوسرے پرندوں کا بھی گوشت ملتا تھا۔ محل کے تالاب کی مچھلیوں کے لیے ہر روز بارہ ہزار روٹیوں کے ٹکڑے اور منوں مسور کی دال پانی میں ڈالی جاتی تھی۔ مختلف ممالک کے سیاح جن میں ہر مذہب و حیثیت کے لوگ مثلاً شہزادے سفراء، شعراء، تجار، زائرین اور علماء شامل ہوتے تھے متفق البیان تھے کہ الزہرا کا مثل دنیا کے کسی گوشہ میں نہ تھا۔

ظاہری رونق اور آرائش کے اہتمام کے ساتھ قرطبہ اپنے ذہن کو سنوارنے سے کبھی غافل نہ تھا۔ اسکے باکمال اساتذہ نے اسے یوروپین تمدن کا شیخ اور مرکز بنا دیا تھا اور سارے یوروپ سے طلباء ان کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے آتے تھے۔ سائنس، تواریخ، جغرافیہ، کیمسٹری، فلکیات، علم النباتات، ریاضی اور تمام دوسرے علوم پورے شغف اور سنجیدگی سے سکھے جاتے تھے۔ طب میں اندلس کے ماہروں نے اتنے کثیر اضافے کیے کہ جالینوس کے زمانے سے نہیں ہوئے تھے۔ لین پول کا بیان ہے کہ ابوالقاسم خلف نے بعض

[1] افسوس یہی شان و شوکت اور یہی دولت ما دنیا سے یہی شغف بالآخر مسلمانوں کو لے ڈوبا۔ کاش! ہمارے ان حکمرانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہات کو پیش نظر رکھا ہوتا اور ان کی تاریخ کے اوراق ایسے ابواب سے خالی رہتے! (ع)

ایسے آپریشن کیے تھے جو موجودہ سرجری سے میل کھاتے تھے۔ ماہر نباتات ابن بیطار نے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں تمام مشرق کا دورہ کیا اور ان کے متعلق متعدد فاضلانہ کتابیں لکھیں۔ شعر و ادب کا یہ عالم تھا کہ اعلیٰ و ادنیٰ بات بات پر شعر کہتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی گفتگو یا تقریر بلا اشعار کی شمولیت کے مکمل ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ نشست و برخاست کے آداب، رہن سہن کا صاف ستھرا پن، لباس کی خوش وضعی، دسترخوانوں کی رنگا رنگی، مزاج کی نفاست اور گفتار کی حلاوت —— یہ سب قرطبہ والوں کا حصہ تھیں۔

یورپ کی نشأۃ ثانیہ (رینا ساں س) کا اولیں محرک راجر بیکن اندلسی یونیورسٹیوں اور سائنٹفک تجربہ گاہوں ہی کا رہین منت تھا۔

سلطان حکم ثانی کے ذاتی کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں —— اور یہ اس زمانہ کی بات ہو جب طباعت کا فن ایجاد نہیں ہوا تھا اور کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ سلطان حکم کو کتابیں جمع کرنے ہی کا شوق نہ تھا بلکہ معتبر روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابیں پڑھی بھی تھیں اور ان پر حاشیے بھی لکھے تھے جو علمی حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

قرطبہ کی جامع مسجد اور الزہرا کی طرح اندلس کا ریشم بھی ساری دنیا میں مشہور تھا۔ سوتی اور اونی کپڑے بھی نہایت اعلیٰ قسم کے بنے جاتے تھے اور بار بار نئے نئے طرز کے کرگھے ایجاد ہوتے رہتے تھے۔ تنہا قرطبہ میں ایک لاکھ تیس ہزار نور باف رہتے تھے۔ الامیریہ قالینوں کے لیے منفرد تھا۔ ظروف سازی نے بھی خوب عروج پایا تھا۔ الامیریہ میں شیشے، تانبے، پیتل اور لوہے کے نفیس برتن بنتے تھے جن پر ہاتھی دانت کے گل بوٹے بنائے جاتے تھے۔ چاندی سونے کے زیورات میں خوب جدت طرازیاں ہوتی تھیں۔ امراء کی تلواروں کے دستوں پر جواہرات سے آیات قرآنی لکھنے کا عام دستور تھا۔ طالعدو کی تلواروں اور الامیریہ، غرناطہ اور اشبیلیہ کی زرہوں اور دوسرے ہتھیاروں کی غیر ممالک میں بڑی مانگ تھی۔

کاشتکاری اور باغبانی میں بھی اندلس سب سے آگے تھے۔ زمین کی زرخیزی پہلے کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ مختلف ممالک سے بیج لا کر بوئے جاتے تھے اور ان کی اس سلیقہ سے نگہداشت ہوتی تھی کہ وہ بہت جلد یہاں کی مٹی اور آب و ہوا سے مانوس ہو جاتے تھے۔ ہندوستان سے آم اور دمشق سے انار کے پیڑ لا کر ان سے باغ تیار کیے گئے تھے۔ آبپاشی کے لیے بڑی بڑی جھیلیں اور نہریں کھودی گئی تھیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے نلوں کے ذریعہ پانی لایا جاتا تھا۔

گیارہویں صدی میں جب اندرونی خلفشار اور عیسائیوں کے پیہم حملوں سے قرطبہ کا زوال شروع ہوا تب بھی مسلمانوں نے اپنی علمی اور صنعتی کاوشیں جاری رکھیں اور قرطبہ کی جگہ غرناطہ نے لے لی جہاں خاندان بنی نصر کی بنیاد ابن احمر نے ڈالی۔

اندلسی ذہن کی شادابی صحیح معنوں میں قرطبہ سے غرناطہ منتقل ہو گئی تھی۔ غرناطہ کے معمار عالمگیر شہرت کے مالک تھے اور محل 'الحمراء' کے آثار شاہد ہیں کہ ان کی یہ شہرت بلا وجہ نہیں تھی۔ دنیا کے فنکار اب بھی اس محل کے کھنڈر دیکھ کر وجد کرتے ہیں۔ مشہور انگریز سیاح اور مصنف واشنگٹن ارونگ نے لکھا ہے کہ " یہاں جنوبی عیش و نشاط کا پورا سامان ہے ۔۔۔ پھل، پھول، سبز و شاداب جھاڑیاں لطیف ہوا اور اچھلتا ہوا پانی۔ یہاں مجھے ان مناظر کو دیکھنے کا موقع ملا جن کی تصویر کشی کو جنوبی محلوں اور باغوں کی منظر کشی کے لیے مصورات تنے مشتاق رہتے ہیں " لین پول نے بھی اپنی کتاب " مورس ان اسپین " کے کئی صفحے 'الحمراء' کے کھنڈروں کی سیر کی نذر کیے ہیں۔

محل کا سب سے شاندار حصہ غالباً شیر دربار تھا جس کے ایک سو اٹھائیس سنگ مرمر کے مرصع ستون، چند کشادہ گیلریاں، خوبصورت چبوترے، اونچے اونچے اور سبک مینار اور خم کھائی ہوئی نازک محرابیں ابھی قائم ہیں۔ صحن میں قیمتی پتھروں کے شیر نصب تھے جن کے دہانوں سے ٹھنڈے پانی کی نالیاں بہا کرتی تھیں۔

اندلس میں مسلمانوں کا سورج ڈوبنے کے بعد جب چارلس پنجم نے 'الحمراء' کے ویرانے کو دیکھا تو اس کی زبان سے بیساختہ نکل گیا کہ " بد قسمت تھا وہ شخص (یعنی غرناطہ کا آخری حکمراں ابو عبدل) جس نے یہ سب کھو دیا۔ [۱]

(باقی آئندہ)

---

[۱] اور اگر اسکی جگہ کوئی مرد مومن ہوتا تو وہ کہتا کہ " ناعاقبت اندیش تھا وہ شخص جس نے یہ سب بنایا " (ع)

ہندوستانی علماء کا فکری کارنامہ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ریڈیائی تقریر

مترجمہ جناب سید محمد حسنی

مسلمان اپنے وطن کے وفادار تھے انھوں نے علم و صنعت اور تہذیب و تمدن کے ہر شعبہ میں اس کی خدمت کی اور اس کو ترقی دی۔ وہ اپنے دین اور اپنے عربی و اسلامی کلچر کے وفادار تھے وہ کبھی اس قافلے سے پیچھے نہیں رہے اور نہ اپنا رشتہ اس سے منقطع کیا، بلکہ تاریخ کے بعض دوروں میں وہ میر کارواں تھے اور زمام قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ دو تہذیبوں، اور ثقافتوں سے بیک وقت تعلق جو زیادہ تر ایک دوسرے سے مغائر ہوں اور کم تر قریب! اور دو وطنوں سے وفاداری جسمیں ایک مادی ہو اور دوسرا روحانی بہت بڑا کام ہے، ہمیں معلوم نہیں کہ کسی مسلمان قوم نے ان دونوں شعبوں کو اپنے اندر سمونا چاہا ہو اور اسمیں اتنی کامیاب ہوئی ہو جتنی کہ ہندوستان کی مسلمان قوم!

اسلامی علوم میں ہندوستانی علماء کی تصانیف اتنی ہیں کہ ان کا شمار مشکل ہے اور اس کی تفصیل کیلئے کتاب الفہرست لابن الندیم یا کشف الظنون للچلپی کے طرز پر مفصل کتاب درکار ہے اگر خدا کو منظور ہے کہ "معارف العوارف" از مولانا عبدالحی "شائع ہو تو لوگوں کو معلوم ہوگا کہ ہندوستان کا علمی مرتبہ کیا ہے اور یہاں کے علماء اور مصنفین نے نشر و اشاعت اور تصنیف و تالیف کی تحریک میں کتنا اہم حصہ لیا ہے۔ اس موقع پر میں صرف ان کتابوں کا تذکرہ کرونگا جن کی شہرت ہندوستان کی حدود سے آگے بڑھ چکی ہے اور ان کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی ہے اور علماء و ادباء نے ان کا استقبال کیا ہے اور ساتھ ہی ان کتابوں کے مصنفین کا بھی ذکر کرونگا۔

ان علمی کتابوں میں سے ایک کتاب "العباب، الزاخر" ہے جسکے مولف امام حسن بن محمد الصغانی لاہوری ہیں جو ساتویں صدی ہجری کے لوگوں میں ہیں، یہ کتاب عربی لغت میں بہت اہم حیثیت کی مالک ہے

اور اس شعبہ کی بہترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ لغت عربی کے ماہرین نے ہمیشہ اس سے استفادہ کیا اور اس کی دقیقہ رسی، فنی وسعت اور کثرت معلومات کا اعتراف کیا اور اسکے مرتب کی علمی فضیلت اور امامت کو تسلیم کیا، سیوطی کا قول ہے کہ وہ لغت عربی کے علم بردار تھے، ذہبی کہتے ہیں کہ انھوں نے اس فن کو انتہا تک پہونچا دیا، دمیاطی کی رائے ہے کہ وہ حدیث فقہ اور لغت میں امام تھے۔ اسی طرح ان کی حدیث کی کتاب "مشارق الانوار" عالم اسلام میں حدیث کی مقبول و مشہور کتابوں میں شامل ہے اور طویل عرصہ تک نصاب میں داخل رہی ہے۔

ایک کتاب "کنز العمال" ہے جسکے مصنف علی بن حسام الدین البرھانپوری ہیں جو دسویں صدی کے لوگوں میں ہیں، یہ کتاب سیوطی کی جمع الجوامع کی ترتیب ہے، یہ ان کتابوں میں ہے جن سے علماء حدیث نے بہت فائدہ اٹھایا اور اسکے مصنف کے بڑے احسانمند ہوئے کہ انہوں نے ان کا بڑا وقت بچایا اور خود یہ محنت اپنے سر لے لی، شیخ ابو الحسن البکری شافعی جو حجاز مکہ کے دسویں صدی کے ائمہ علم میں ہیں فرماتے ہیں کہ "سیوطی کا احسان تمام جہان والوں پر ہے اور متقی کا احسان خود سیوطی پر ہے"۔

دوسری کتاب "مجمع بحار الانوار" ہے جو شیخ محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۶) کی تصنیف ہے، صاحب نزہۃ الخواطر فرماتے ہیں کہ "اس کتاب میں مؤلف نے ہر غریب حدیث کو جمع کر دیا ہے، ایک طرح سے اسکو صحاح ستہ کی شرح کہنا چاہیئے، یہ کتاب جب سے ظاہر ہوئی ہے ہمیشہ اہل علم میں مقبول رہی ہے دراصل مصنف کا یہ کارنامہ اہل علم پر ایک بہت بڑا احسان ہے، اسی طرح ان کی کتاب "تذکرۃ الموضوعات" اس موضوع پر بہت مقبول اور متداول کتاب ہے۔

تیسری کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" ہے جسکے مصنف شیخ محمد اعلی تھانوی ہیں جو بارہویں صدی کے رجال میں ہیں یہ بھی اپنے موضوع پر ایک انتہائی مفید کتاب ہے، ممالک عربیہ کے اہل علم نے اسکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسکی بہت توصیف کی "کہنا چاہیئے کہ یہ علمی اصطلاحات کی ایک ڈکشنری ہے جسکے مطالعہ کے بعد ہزاروں صفحات اور سیکڑوں کتابوں کی ورق گردانی کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اس موضوع پر ضرورت کے باوجود ابتک کوئی مفصل کتاب موجود نہیں تھی"

انھیں کتابوں میں سے ایک کتاب بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ سب سے جلیل القدر کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے قلم سے ہے، یہ کتاب احکام شریعت کے اسرار و رموز اور اسلامی

نظام کے فلسفہ پر بحث کرتی ہے اور اپنے موضوع پر بالکل نئی چیز ہے، عربی کتب خانہ میں اپنی وسعت کے باوجود اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اس فن کے ماہرین نے اسکو بڑی قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھا اور مصر میں بار بار طبع ہوئی،

یہاں اس بات کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ (اس) کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی سلاست وروانی، چست طرز تحریر، عربیت، سجع کی خلاف ورزی کے لحاظ سے جو اس زمانہ میں بہت عام تھی، اور آخری صدیوں کا کوئی مصنف اور صاحب قلم اسکے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکا، دوسری کتابوں سے بہت ممتاز ہے۔

حقیقت میں یہ کتاب مقدمہ ابن خلدون کے بعد نظری طرز تحریر اور سنجیدہ علمی اسلوب کا اچھا نمونہ ہے۔ ایک اہم کتاب تاج العروس فی شرح القاموس ہے، جو سید مرتضیٰ بن محمد بلگرامی زبیدی (م ۱۲۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ تعارف کی محتاج نہیں، اسکی ضخیم جلدوں میں پورا لغوی کتب خانہ سمٹ گیا ہے۔ مصنف کی زندگی ہی میں اسی کتاب کو بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی، خلیفہ عثمانی نے اس کی نقل منگوائی۔ سلطان دار فور اور ملک المغرب نے اس کا ایک ایک نسخہ طلب کیا، امیر اللواء محمد بک ابوالذہب نے اس کے حصول کے لئے ایک ہزار ریال صرف کئے اور اس کو اپنی مسجد کے کتبخانہ میں منتقل کیا جو جامعہ ازہر کے قریب واقع تھا، اسکے علاوہ اور دوسری کتابوں میں جن کو ممالک اسلامیہ کے علماء نے قدر و استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور اپنے موضوع پر بہترین قرار دیا مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ) کی مشہور تصنیف "اظہار الحق"، قاضی کرامت حسین کنتوری کی "فقہ اللسان" اور شیخ محمود حسن ٹونکی کی کتاب "معجم المصنفین" امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ ہندوستان نے ایسے وقت میں علماء، مصنفین، مفکرین اور علوم اسلامیہ وعلوم عقلیہ کے ائمہ فن، اور اساتذۂ وقت پیدا کئے، جب اسلامی ممالک میں ایسی شخصیتیں ناپید تھیں اور علمی جمود اور فکری تعطل عام تھا، ہندوستان نے گیارہویں صدی میں امام احمد بن عبدالاحد السرہندی اور بارہویں صدی میں شاہ رفیع الدین بن ولی اللہ صاحب "تکمیل الصناعۃ واسرار المحبۃ" (جسمیں انہوں نے محبت کی ہمہ گیری اور اشیاء میں اسکے اثر کو ثابت کیا ہے) اور شیخ اسماعیل بن عبدالغنی صاحب "العبقات" جیسی شخصیتیں پیدا کیں،

افسوس کے ساتھ ......

عتیق الرحمٰن

جماعت اسلامی ہند کے آرگن سہ روزہ "دعوت" میں شائع شدہ ایک مضمون پر الفرقان (ماہ ذیقعدہ ۸۴ھ) میں جو کچھ لکھا گیا تھا، گذشتہ مہینے دعوت میں اس کا جواب شائع ہوا ہے —— اور شاید یہ سمجھنا غلط نہ ہوگا کہ یہ جواب جماعت کی طرف سے ہی —— جواب بہت طویل ہے، اگر اس کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے تو چند عنوانات میں اس طرح تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ اس بات پر اظہار افسوس کہ ایسا مضمون دعوت میں شائع ہو گیا۔

۲۔ لیکن اس بات کی سختی کے ساتھ تردید کہ یہ مضمون جماعت اسلامی کے کسی طبقہ کی ذہنیت کا آئینہ دار ہے، اور جماعت اس کی ذمہ دار ہے!

۳۔ مضمون کے غیر محتاط اور بے باکانہ انداز بیان کے علاوہ نفس مضمون کی مکمل تائید و تصدیق۔

۴۔ اکابر امت پر تنقید اور ان سے اختلاف کے معاملہ میں جماعت اسلامی کے نظریاتی موقف کی وضاحت اور اس کی صحت کے دلائل۔

۵۔ زمانہ حال کے دینی طبقہ پر مولانا مودودی کی طنزیہ تنقید کے ناگزیر اور بجا ہونے کا اثبات اور اس کے مضرات سے انکار۔

۶۔ اکابر امت پر مولانا مودودی اور ان کے دوسرے رفقاء کی تنقید کے ناگزیر اور بجا ہونے کا اثبات اور اس بات سے انکار کہ جماعت کے جدید طبقہ پر اس سے برا اثر پڑا یا پڑ سکتا تھا۔

۷۔ اس بات کی تردید کہ جماعت کے لٹریچر پر نظر ثانی کی فکر اگر ذمہ داران جماعت کو ہے بھی تو محض معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے نہ کہ لٹریچر کے مضر اثرات کے سد باب کے لیے۔

غرض حاصل جواب یہ ہے کہ الفرقان نے جو کچھ لکھا اس میں صرف اتنی بات تو صحیح ہے کہ دعوت

کے مضمون نگار نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھ دوسرے اکابر کی شان میں بے باکی سے کام لیا، مگر باقی باتیں سب غلط!

اگر بات اتنی ہی ہوتی تو ہم اس جواب سے قطعاً تعرض نہ کرتے۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد جماعت اسلامی کے پیچھے پڑنا نہیں ہے اور نہ ہم خود کو خدائی فوجدار سمجھتے ہیں کہ اگر کسی کے فکر و عمل میں ہمارے نزدیک کوئی غلطی ہے تو جب تک وہ مان نہ لے ہم اس کا تعاقب کرتے رہیں۔ دعوت کے مضمون پر ہمارے کچھ لکھنے کا سبب یہ تھا کہ اس میں امت کے مایۂ ناز اکابر کی شان میں انتہائی بدتمیزی کا مظاہرہ کیا گیا تھا اور اس کی بنیاد ان اکابر کی کوئی واقعی غلطی نہیں بلکہ محض مضمون نگار کی جہالت تھی اس موقع پر ہمارا اور ہر اس انسان کا جو ان بزرگوں سے عقیدت و محبت اور احسان مندی کا تعلق رکھتا ہو حق تھا کہ وہ اس پر سخت سے سخت الفاظ میں احتجاج کرے اور اس ذیل میں ان حضرات کو بھی مخاطب کرے جو کسی حیثیت سے بھی اس قابل احتجاج حرکت کے ذمہ دار نظر آتے ہوں۔ ہم نے فی الحقیقت یہ سمجھا تھا اور اب بھی ہمارے اس خیال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، کہ ایک معنی کر اس کی ذمہ داری اکابر جماعت اسلامی پر ہو۔ چنانچہ ہم نے اپنی تلخ نوائی کی معذرت کرتے ہوئے اپنے احساسات کو بے کم و کاست ان کے سامنے رکھ دیا اور ان کی ذمہ داری کی نشاندہی کر دی تاکہ اگر انھیں ہمارے احساسات حق بجانب معلوم ہوں تو وہ اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں۔ لیکن اگر وہ ہمارے احساسات کو غلط سمجھتے ہیں اور انھیں اپنی ذمہ داری سے انکار ہے، تو پھر ہمیں ضرورت نہیں کہ خواہ مخواہ اپنی بات منوانے کے درپے ہو جائیں۔[1] مگر جواب دینے والے صاحب نے ہمارے احساسات کی تغلیط اور جماعت کی ذمہ داری سے انکار ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ اس ذیل میں کچھ ایسی بے سروپا باتیں بھی کہہ ڈالی ہیں جن سے مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ میرا اس وقت انھیں باتوں کے متعلق مجبوراً اور بہت افسوس کے ساتھ کچھ عرض کرنا ہے۔ امید ہو کہ ہمارے ناظرین جو ان باتوں کے عادی نہیں ہیں معاف فرمائیں گے۔

غیر ذمہ داری اور ناانصافی کا الزام

سب سے پہلا الزام انھوں نے ہمارے اوپر غیر ذمہ داری

---

[1] اگرچہ جوابی تبصرہ میں ہمارے متعلق اس سے بھی بڑھ کر اس حسن ظن کا اظہار کیا گیا ہو کہ ہم نے جماعت اسلامی کے خلاف کسی مہم کا آغاز کر دیا ہے اور اب نہ جانے ہم کیا کیا کرنے والے ہیں۔

اور ناانصافی کا لگایا ہے۔ یہ الزام اس بنیاد پر لگایا گیا ہے کہ جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ دعوت کے مضمون نگار وہ صاحب نہیں جن کو ہم نے ابتداءً سمجھا تھا اور دوسرے صاحب جو اصل مضمون نگار تھے ان کے متعلق جب ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کا تعلق بھی جماعت سے اتنا ہی گہرا ہے یا نہیں جتنا اول الذکر کا تھا، تو ہم نے اپنی تنقید پر نظر ثانی کیوں نہیں جو بقول ان صاحب کے صرف اس خاص تعلق ہی کی بنیاد پر کی گئی تھی [1]۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے جواب کے لیے وہ شذرہ کافی ہے جو گذشتہ ماہ (ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ) کے شمارہ میں نگاہ اولیں کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ ——— اور اگر وہ ان مجیب کی نظر سے پہلے گزر جاتا تو شاید انھیں اس طرح مغالطہ دہی کی جرأت نہ ہوتی، البتہ اس شذرہ پر ہم اتنا اضافہ اور کریں گے کہ کوئی بھی انصاف پسند آدمی شروع سے آخر تک ہمارا مضمون پڑھ جائے اور دیکھے کہ کیا ہم نے اپنی تنقید میں کوئی بھی بات ایسی کہی ہو جو مضمون نگار کے جماعت اسلامی سے خصوصی تعلق پر موقوف ہو اور نہ صرف اسی تعلق کی صورت میں حق بجانب کہی جا سکتی ہو۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ایسی کوئی ایک بات بھی

[1] آگے چل کر اس بات کو واضح کرنے کہ مضمون نگار کا جماعت اسلامی سے تعلق معمولی قسم کا ہے، کہا گیا ہے

"تو پھر کیا معمولی سے معمولی درجہ کے تعلق رکھنے والے شخص کے قول و عمل کی ذمہ داری بھی جماعت اسلامی کے سر آئے گی؟ اور کیا معاصر اپنی جماعت کو اسی پیمانے سے ناپنے کے لیے تیار ہو؟"

"اپنی جماعت" کا اشارہ غالباً تبلیغی جماعت کی طرف ہے ——— اصل سوال کے جواب کے لیے تو ہم گذشتہ شمارہ کے اسی شذرہ کا حوالہ دیں گے جس کا ذکر اوپر متن میں آ رہا ہے۔ البتہ تبلیغی جماعت کے ذکر پر یہ عرض کرنا ہے کہ اگر تبلیغی جماعت پر کوئی اعتراض ہو تو اس کے ذمہ داروں سے فرمائیے "الفرقان" تبلیغی جماعت کا پرچہ نہیں ہے اس کی ایک الگ اور مستقل بالذات حیثیت ہے۔ تعاون علی البر کے اصول پر وہ تبلیغی جماعت کے پیام اور اس کی دعوت کی نشر و اشاعت میں ضرور حصہ لیتا ہے مگر جماعت اور متعلقین جماعت کے بارے میں وہ قطعاً جوابدہ نہیں ہے۔ اس فرق کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔

یہ تو ہے اصل حقیقت اور اس سوال کا واقعی جواب لیکن اگر پھر بھی یہ سوال واپس نہ لیا جائے تو ہم یہ عرض کریں گے کہ جناب مجیب کو شاید معلوم نہیں یا وہ بھول گئے کہ مرکز رامپور کے ایک بزرگ فتوے دے چکے ہیں کہ تبلیغی جماعت کو جماعت کہنا غلط ہے اور یہ فتوے دعوت ہی کے صفحات میں شائع ہو چکا ہے اس لیے انھیں تبلیغی جماعت کا شمار جماعتوں میں نہیں کرنا چاہیے اور نہ جماعتوں کے احکام اس پر جاری کرنے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

کسی کو نہیں مل سکتی۔ اور یہی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ ہماری تنقید کسی خصوصی تعلق کی بنیاد پر نہیں تھی خصوصی تعلق کا ذکر تو صرف اس بنا پر آگیا تھا کہ ہمیں مضمون نگار کی شخصیت کے بارے میں غلط فہمی ہوگئی تھی لیکن جب ہمیں تنبہ ہوگیا اور ہم نے اس کا اظہار کر دیا کہ یہ وہ صاحب نہیں ہیں جنہیں ہم سمجھے تھے تو پھر مضمون نگار کے خصوصی تعلق کے متعلق جو سطریں تھیں وہ آپ سے آپ کالعدم ہوگئیں۔ اور اگر ہمیں ان سطروں کی طباعت سے پہلے اس غلطی پر تنبہ ہو جاتا تو ہم خود ہی ان کو بدل کر اس قسم کی عبارت لکھ دیتے کہ

"پھر مضمون نگار یقیناً حلقہ جماعت اسلامی سے تعلق بھی رکھتے ہیں۔ جس کا اندازہ کرنے کے لیے ان کا یہی مضمون کافی ہے"

ہم آج بھی کہتے ہیں کہ ان مطبوعہ سطروں کو کاٹ کر ان کی جگہ یہ عبارت پڑھ لیجئے اور اس کے بعد ہمیں انگلی رکھ کر بتلائیے کہ اس تبدیلی سے ہماری تنقید کے کون سے جملہ یا کس لفظ پر اثر پڑتا ہے؟ —— اگر نہیں؟ اور یقیناً نہیں! تو پھر اس طرح کی فضول غوغہ آرائیوں سے کیا فائدہ؟

سوءِ ظن کا الزام

ہم نے یہ بتلاتے ہوئے کہ دعوت کے مضمون کو ہم نے کیوں قابل التفات سمجھا، لکھا تھا کہ

"یہ سہ روزہ دعوت دہلی میں شائع ہوا ہو، جو جماعت اسلامی ہند کا سرکاری ترجمان ہے ادارۂ دعوت کی طرف سے اس پر نہ کوئی اختلافی نوٹ لکھا گیا اور نہ بعد میں ابتک کوئی استدراک کیا گیا۔ اور نہ جماعت کے مرکزی اشخاص میں سے کسی صاحب نے ابتک اس بارے میں کسی اختلاف کا اظہار کیا ہے الخ"

اس پر ہمیں الزام دیا گیا ہو کہ ہم نے ادارۂ دعوت اور جماعت کے مرکزی اشخاص کے بارے میں سوءِ ظن سے کام لیا اور ظن و تخمین کی بنیاد پر اعتراض کی عمارت کھڑی کر دی۔

ہم دریافت کرتے ہیں کہ ہم نے جو کچھ لکھا اس میں کونسا جملہ یا کونسا لفظ خلاف واقعہ تھا؟ —— کیا ادارۂ دعوت نے کوئی اختلافی نوٹ لکھا تھا؟ کیا بعد میں استدراک کیا تھا؟ مرکزی اشخاص میں سے کسی صاحب نے اس پر اعتذار کیا تھا؟ اگر نہیں! تو پھر کیوں واقعات کا نام ظن و تخمین رکھا جا رہا ہے؟

ارشاد ہوا ہے کہ:-

مرکزی اشخاص اپنی مصروفیات کے باعث اس مضمون کو نہیں دیکھ سکے تھے۔

"لیکن جونہی ان کو اس کا علم ہوا، اور یہ علم الفرقان کے آنے سے قبل ہی ہو گیا تھا انھوں نے ادارۂ دعوت سے باز پرس کی، چنانچہ ادارہ اس سلسلہ میں مناسب قدم اٹھانے ہی والا تھا کہ الفرقان اپنے طویل و غضبناک اداریہ کے ساتھ آپہونچا۔"

ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر واقعہ یونہی تھا تو آخر کیا وجہ ہوئی کہ ذیقعدہ کے الفرقان کی اشاعت کے فوراً ہی بعد ادارۂ دعوت کی طرف سے ہمیں جو مفصل خط لکھا گیا تھا اس میں یہ جزو بالکل نہیں آیا۔ حالاں کہ اس کا موضوع ہی اعتذار اور افہام و تفہیم تھا۔ اس میں تو لکھا گیا کہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد ادارۂ دعوت کو اس کا احساس رہا۔ حالاں کہ واقعہ اگر یوں تھا جیسا کہ اب بیان کیا جا رہا ہے تو مدیر دعوت کو صراحت کے ساتھ یہ بھی لکھنا چاہیئے تھا کہ اس کا تدارک کیا جانے والا ہی تھا کہ الفرقان پہونچ گیا ——— کیا ادارۂ دعوت کا حافظہ اس قدر کمزور ہے کہ اُسے اپنے خط کا بھی خیال نہیں رہا؟ یا اس نے یہ نہیں سوچا کہ اس تضاد بیانی پر ہم کیا سوچیں گے؟

مرکزی اشخاص کا یہ عذر ہم مان سکتے ہیں کہ انھیں اپنی مصروفیات میں اس مضمون کی خبر نہ ہو سکی۔ مگر ادارۂ دعوت کے پاس آخر کیا عذر ہے؟ جب کہ اسے بقول خود مضمون کی اشاعت کے بعد احساس ہو گیا تھا بلکہ مسلسل رہا۔ آخر اس احساس کے بعد کیا چیز اُسے اعتذار و استدراک سے مانع رہی؟ کیا اس کے علاوہ کوئی اور چیز کہ اسکی نظر میں امام غزالی اور ان جیسے اکابر امت کی توہین و تنقیص کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ بس معمولی سی بات تھی جس کا اسی درجہ میں احساس رہا ——— پس اگر ادارۂ دعوت کی خاموشی پر ہم نے ایسا گمان کیا تو یہ گمان غلط تھا یا صحیح؟ ———

ہم نے یہ تو کہیں نہیں کہا کہ ادارۂ دعوت اور عام حلقہ جماعت اسلامی اسی جرم توہین و تنقیص کے مرتکب ہیں جو دعوت کے مضمون نگار نے کیا ہے۔ ہاں ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مضمون پر ادارۂ دعوت اور عام حلقۂ جماعت کا سکوت اس بات کا ثبوت ہے کہ ان کی نظر میں اسلاف کی کوئی خاص وقعت نہیں ہے ——— آخر بتلائیے کہ ایک ایسی جماعت کے افراد جنھیں خود تنقیدی کی مشق کرائی جاتی ہو اور جو اپنے اخبارات و رسائل کا ایک ایک حرف پڑھتے ہوں، اور جن میں سے ۹۹ فی صد ہی کے متعلق یہ تصور نہ کیا جا سکتا ہو کہ انھوں نے دعوت کا یہ مضمون نہ پڑھا ہو گا، وہ

جب اس پر سکوت اختیار کریں تو پھر اس کے سوا آخر کیا سمجھا جائے کہ ان کے ذہن میں غزالیؒ اور ان جیسے اکابر امت کی کوئی خاص وقعت نہیں ہے؟

حُسن ظن کا مظاہرہ

ہم تو خیر سوء ظن کے مجرم ٹھیرے ہی۔ مگر ذرا دیکھئے کہ ہم پر الزام رکھنے والوں کا خود اپنا حال اس باب میں کیا ہے۔ جس سطر پر مجیب نے ہماری بدگمانی اور غیر ذمہ داری کا رونا ختم کرتے ہوئے ہمیں آخرت کا خوف دلایا ہو، معاً اس کے بعد والی سطر ہی سے انھوں نے ہمارے متعلق اپنے "حسن ظن" کا مظاہرہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

> "ہمیں تو پورا مضمون پڑھکر کچھ ایسا ہی اندازہ ہوا اور وہ یہ کہ معاصر (الفرقان) پہلے ہی سے بھرا بیٹھا تھا اور بس کسی موقع کا منتظر تھا۔ چناں چہ جیسے ہی موقع ہاتھ آیا اس نے غنیمت جان کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔"

اسی سلسلۂ کلام میں چند سطروں کے بعد ہمارے بعض الفاظ کا حوالہ دیتے ہوئے ان پر جو حاشیہ چڑھایا گیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ حسین "حسن ظن" کا آئینہ دار ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

> "یہ عجیب اتفاق ہے کہ سنہ ۱۳۷۱ھ میں جب جماعت اسلامی کے خلاف علماء کی جانب سے فتووں کی مہم چلائی جا رہی تھی معاصر "الفرقان" ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۱ھ میں دینی مصالح ہی کے تحت "جماعت اسلامی اور اس کے خلاف فتوے" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھنے پر مجبور ہوا تھا۔ جس میں جماعت پر سنگین اور بھیانک الزامات لگائے گئے تھے اور اب جبکہ پاکستان و ہندستان میں علماء کی طرف سے پھر مخالفت زور پکڑ رہی ہو[1]۔ معاصر "دینی مصالح" سے پھر مجبور ہو گیا۔ چنانچہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۷۹ھ میں "قافلہ خودکشی کی راہ پر" کے عنوان سے ایک ڈیل در ڈیل افسانہ اداریہ پھر لکھنا پڑا۔ آہ معاصر کی دینی مجبوریاں!"

سبحان اللہ العظیم! یہ ہے وہ حسن ظن اور خوف آخرت جس کا سبق ہمیں پڑھایا جا رہا ہے! کیا ہمیں بتلایا جا سکتا ہو کہ یہ "حسن ظن" اور "خوف آخرت" کی کونسی قسم ہے جس کا مظاہرہ مذکورہ بالا عبارات میں کیا گیا ہے؟ کیا کسی کے پاس اس الزام کا کوئی ضعیف سے ضعیف ثبوت بھی ہے کہ ہم موقع کی تاک میں بیٹھے ہوئے

---

[1] پاکستان کے متعلق تو خود کچھ سننے میں آ رہا ہو مگر ہمیں نہیں معلوم کہ ہندوستان میں کہاں پھر مخالفت زور پکڑ رہی ہو۔ (الفرقان)

تھے؟ اور یہ کہ سنہ [illegible]ھ میں اور اب سنہ [illegible]ھ میں جماعت اسلامی کے متعلق جو مضمون لکھے گئے وہ دینی مصالح کی آڑ لے کر کسی باقاعدہ سازش کے ماتحت لکھے گئے تھے؛ مصالح دینیہ کے بجائے ان کے پیچھے مخاصمت وعناد کا جذبہ کام کر رہا تھا؟ ——— کیا یہ محض غلیظ قسم کی بدگمانی نہیں ہے؟ کیا یہ محض اوہام و وساوس کی بنیاد پر ادارۂ الفرقان کی نیت پر کھلا ہوا حملہ نہیں ہے؟۔

ہمیں یاد ہے کہ سنہ [illegible]ھ والے مضمون پر بھی جماعت اسلامی کے بعض حضرات کی طرف سے کچھ اسی طرح کی بدگمانی کا اظہار کیا گیا تھا لیکن جب صفر ربیع الاول [illegible]ھ کے الفرقان کے ایک نوٹ میں اس کی وضاحت کی گئی کہ ہمارے لیے اس مضمون کے لکھنے کا اس وقت کیا خاص باعث اور محرک ہوا تو ہمیں یہ بھی یاد ہے کہ بدگمانی کا اظہار کرنے والے صاحب نے اپنی بدگمانی واپس لے لی اور اس پر افسوس کیا تھا۔

بہرحال ہم پوری صراحت سے کہتے ہیں کہ اس جوابی مضمون کی منقولہ بالا سطور میں جس چیز کو ہماری طرف منسوب کرنے کی کوشش کی گئی ہے ہم اس کو ذلیل ترین دنائت سمجھتے ہیں اور ہمارے نزدیک یہ انتہائی غیر شریفانہ بات ہے کہ کسی تنقید کو اس قسم کی وسوسہ اندازیوں سے بے اثر کرنے کی کوشش کی جائے ——— کیا "اقامت دین" کی مقدس مہم اسی اخلاقی معیار سے اور ان ہی ہتھیاروں سے سر کی جائے گی؟!

تحریف کا حربہ

ہم نے اپنی تنقید میں یہ کہہ کر کہ حلقۂ جماعت اسلامی کے ایسے بے علم اشخاص میں ایسی بے باکی اور جسارت پیدا کرنے کا سہرا اکابر جماعت اسلامی کے سر ہے، خود ہی قدرے تفصیل سے اپنا مطلب بھی واضح کر دیا تھا جس کا حاصل یہ تھا کہ جماعت اسلامی کے متعلقین میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو انگریزی تعلیم گاہوں میں تعلیم پا چکے ہیں یا پا رہے ہیں۔ اور اس طبقہ کی اکثریت ان تعلیم گاہوں کے بعض اثرات کے تحت اپنے زمانہ کے رجال دین سے متنفر اور ان کے معاملہ میں انتہائی بے باکی و استہزاء کی روادار تھی۔ مولانا مودودی صاحب کی تحریروں میں چونکہ خود اپنے زمانہ کے اہل دین پر کافی طنز تھا اس لیے ان سے متاثر ہو کر دینی رجحان پیدا ہو جانے کے باوجود، رجال دین کے معاملہ میں اس طبقہ کا ذہن وہی رہا۔ اس کے بعد جب مودودی صاحب نے بعض مواقع پر اکابر سلف کی غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی اور ان پر تنقید کی، تو چونکہ یہ طبقہ عموماً ان اکابر سے ناواقف اور دین میں ان کی اہمیت سے نابلد تھا اس لیے اس تنقید کا ایک اثر تو اس پر یہ پڑا کہ دین کے معاملہ میں ان گزرے ہوئے لوگوں کی رہنمائی کی کوئی خاص احتیاج نہیں ہے بلکہ چنداں مفید بھی نہیں ہے۔

دوسرا اثر اس تنقید کا یہ پڑا کہ یہ طبقہ مودودی صاحب سے انتہائی مرعوب ہو گیا حتیٰ کہ انھیں کے پیش کردہ تصور دین کو اس نے معیار حق بنا لیا، پھر اس کے بعد جب جماعت اسلامی کے بعض دوسرے اہل قلم نے ان اصولی غلطیوں کی کچھ تفصیلات مہیا کیں جن کی نشاندہی مولانا مودودی نے فرمائی تھی۔ تو اس طبقہ کی کم اعتمادی ترقی کر کے بے اعتمادی پر پہونچ گئی اور وہ یہ سمجھنے لگا کہ یہ جو اکابر و اعاظم کہلاتے ہیں یہ تو دین کو سرے سے سمجھے ہی نہیں اور انھوں نے تو دین کا ستیاناس کر ڈالا ہے۔ اور پھر بے باکی تو ان میں پہلے ہی سے موجود تھی چنانچہ قدرتی طور پر ان اکابر کے معاملہ میں بھی گاہے گاہے اس کا مظاہرہ ہونے لگا (ملاحظہ ہو الفرقان بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ ص ۵۶، ۵۷)

اس توضیح کے بعد کسی دیانتدار آدمی کو یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ ہم جماعت اسلامی کے اکابر کو ان کے اصاغر کی اس بے باکی کا ذمہ دار اس معنیٰ میں ٹھہرا رہے ہیں کہ خود ان کی ذہنیت بھی اکابر امت کے بارے میں یہی ہے اور انھوں نے بالقصد اسی ذہنیت کو اپنے متبعین کی طرف منتقل کیا ہے، بلکہ اس کے برعکس ہمارا مطلب صرف یہی سمجھا جائے گا کہ یہ حضرات اس معنیٰ ذمہ دار ہیں کہ انھوں نے (مولانا مودودی کے الفاظ میں) اس مرنجنی طبقہ کو ایسی غذا دیدی جس سے مدتوں تک مکمل پرہیز کرانا ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسے ہضم نہیں کر سکا اور اسکی زبان و قلم سے اس کا فتور رونما ہونا شروع ہو گیا ——— یہ تھا ہمارے الفاظ کا کھلا ہوا مطلب! مگر جناب مجیب چونکہ جانتے تھے کہ اس کی تردید کرنا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے انھوں نے ہمارے مطلب کو مسخ کر کے اپنے قارئین کو یہ باور کرایا کہ ہم سیدھے معنیٰ میں اکابر جماعت اسلامی کو اس بے باکی کا ذمہ دار قرار دے رہے ہیں اور اس کے بعد "یا للعجب" اور "انا لله وانا الیہ راجعون" کا شور مچا مچا کر انصاف کی دہائی دینا شروع کر دی ——— لیجئے! بات رل گئی۔ جواب نہایت شاندار ہو گیا، مقصد حاصل!

اس "تحریف" کی دوسری مثال ملاحظہ فرمائیے:-

ہم نے دعوت کے مضمون پر ایک اعتراض اس پہلو سے کیا تھا کہ امام غزالی کی تردید و تغلیط کرنے کے جوش میں مضمون نگار کو اس کا بھی ہوش نہیں رہا کہ

"اس سے قرآن کی کتنی آیات پر، جناب رسالت مآب کے کتنے ارشادات پر آپ

کی سیرت طیبہ کے کتنے زریں اوراق پر اور آپ کے بعد آپ کے خلفاء راشدین اور اصحاب کبار کی کس
متاع عزیز اور ان کی زندگی کے کس جوہر بے بہا پر زد پڑتی ہے۔" (الفرقان ص۴)

ہم ابتدا میں بتلا چکے ہیں کہ فاضل مجیب نے دعوت کے مضمون نگار کے بے باکانہ انداز بیان کے علاوہ ان کے مضمون کی ہر پہلو سے تائید و تصدیق کا بیڑا اٹھایا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں انھیں ہمارے اس اعتراض کو بھی غلط ثابت کرنا تھا۔ مگر جب انھیں اصل اعتراض پر تنقید کرنے کی گنجائش نہ ملی تو انھوں نے ہمارے واقعی اعتراض کی اصل صورت مسخ کر کے اسے ایک دوسری شکل دی اور ایک تمہید اٹھا کر یوں ارقام فرمایا۔

"اب اگر کوئی شخص دیانتداری سے یہ سمجھتا ہے کہ ان ماخذ سے امام موصوف کے یہ استنباطات یا ان کا کچھ حصہ صحیح نہیں ہے۔ اور اس لیے وہ ان سے اختلاف کرتا یا ان کی تردید کرتا ہے تو اس کے اس فعل سے کہاں لازم آگیا کہ وہ قرآن پاک، احادیث رسول اور سیرت نبی اور سیرت صحابہ کو نشانۂ تنقید و ہدف ملامت بنا رہا ہے۔"

گویا ہم نے مضمون نگار کو یہ الزام دیا تھا کہ اس نے قرآن و حدیث اور سیرت نبیؐ و سیرت صحابہ کو نشانۂ تنقید و ہدف ملامت بنایا ہے۔

قبل اسکے کہ ہم اس ارشاد پر کچھ کہیں ذرا ہمیں ان حضرت مجیب سے یہ دریافت کر لینے دیجیے کہ حضرت! یہ جو آپ قدم قدم پر ہماری دیانت اور ہمارا تقویٰ ناپتے چلے آرہے ہیں، کیا اس کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ کھلے بندوں ہمارے الفاظ کے صاف اور واضح مطلب کو مسخ کر ڈالیں؟ یا آپ کا شیشہ دیانت و تقویٰ اس بلا کا مضبوط ہے کہ آپ کچھ کر جائیں مگر اس میں بال بھی نہ آئے؟ ——— اور اگر اس سوال کی اجازت ہو اور آپ کا یہ فعل بالارادہ نہ ہو تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ الفرقان سے بدگمانی اور اس کی تنقید سے تلخ کامی نے آپ کا یہ حال کر دیا ہے کہ اس کی سیدھی بات بھی آپ کو الٹی نظر آتی ہے! اور اس کا ہر اعتراض آپ کو بھیانک شکل ہی میں نظر آتا ہے؟ ——— آخر آپ کو یہ تو سوچنا تھا کہ جب ہماری عبارت بھی آپ نقل کر رہے ہیں تو پھر آپ کی اس مطلب آرائی کو دنیا کیا سمجھے گی؟ کیا عجیب ماجرا ہے کہ جب جماعت اسلامی کی مخالفت میں بعض لوگ کچھ بیہودہ سے بے جا اور کھلے غیر منصفانہ الزامات اس پر عائد کر دیتے ہیں تو ہمارے ان دوستوں کو بے انصافی اور زیادتی کا شکوہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص بے انصافی سے کام نہیں لیتا اور صرف واقعی بات کہتا ہے تو اس کی بات کو غیر معقول ثابت کرنے کے لیے خواہ مخواہ ایک بھیانک اور غیر واقعی

شکل دیدی جاتی ہے اور اسکے بعد پھر وہی زیادتی اور بے انصافی کا گلہ شروع ہو جاتا ہے۔ آخر اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ آپ کو کوئی تنقید بھی سننا گوارا نہیں ہے؟ مگر مشکل یہ ہے کہ آپ کو اس سے بھی انکار ہے پھر آپ ہی بتلائیے کہ کس قسم کی تنقید آپ کی اصطلاح میں معقول اور منصفانہ کہلاتی ہے؟

——— ہمارے الفاظ پر پھر نظر ڈال لی جائے اور پھر بتلایا جائے کہ کونسا لفظ یہ معنیٰ دیتا ہے جو ہمارے سر تھوپے جا رہے ہیں۔ ہمارا اعتراض (جس پر ہمارے الفاظ شاہد ہیں) صرف اتنا تھا کہ مضمون نگار نے امام غزالی کے ارشادات پر تنقید کرتے ہوئے اتنی بے احتیاطی سے کام لیا ہے کہ بہت سی آیات و احادیث وغیرہ بھی اس تنقید کی زد میں آگئیں مگر مضمون نگار کو اس کا شعور نہیں ہوا۔ نہ یہ کہ مضمون نگار نے جانتے بوجھتے آیات و احادیث کو نشانۂ تنقید بنا ڈالا ——— ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ——— بلکہ ہم نے تو مضمون نگار کے حق میں اس عذر کا بھی دروازہ کھلا رکھا کہ شاید وہ ان آیات و احادیث وغیرہ سے واقف ہی نہوں اور بے خیالی کے بجائے نا واقفی کی وجہ سے ان سے یہ بے احتیاطی ہوگئی ہو ——— ملاحظہ فرمائیے الفرقان ص۹ ——— مگر داد دیجئے اس چابکدستی کی کہ قلم کی ایک جنبش سے ہماری بات کو کہاں سے کہاں پہونچا دیا گیا اور پھر اس پر ایک زوردار تقریر فرما دی گئی، اور پھر ہمارے متعلق ارشاد ہوا کہ

"کیا معاصر موصوف اب اس سطح تک اتر کر مخالفت کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے؟"

کیا اب ہم یہی سوال ان صاحب سے بھی کر سکتے ہیں؟

کاٹ چھانٹ کا الزام

مضمون "تقویٰ کیا ہے" پر تنقید کے ضمن میں ہم نے دعوت کے ایک اور مضمون کا بھی ذکر کیا تھا جس میں اسی طرح کی خرافات تھیں۔ اسکے دو اقتباس ہم نے پیش کیے تھے۔ فاضل مجیب اس کے بارے میں پہلے اعتراف کرتے ہیں کہ "انداز بیان غیر محتاط ضرور تھا" مگر وہیں ہمارے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

"اور معاصر (الفرقان) نے بس انھیں حصول کو چھانٹ لیا اور ان میں بھی درمیان سے کچھ جملے چھوڑ کر اور سیاق و سباق سے انھیں کاٹ کر پڑھنے والے کے لیے دانستہ یا نادانستہ طور پر زیادہ متوحش بنا دیا ہے۔"

کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ درمیان کے دو ایک جملے چھوڑ کر نقطے لگا دینے سے یہ صاحب مجیب اس قدر

فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے اور "سیاق و سباق سے کاٹ دینے" کا جو اسلوب بھی ضرور برتیں گے تو ہم کبھی ایسی غلطی نہ کرتے! ——— اب ہم اُن سے دوستی بھی عرض کر سکتے ہیں کہ آپ نے جب چھوڑ دیے اور سیاق و سباق سے کاٹ دینے سے مضمون نگار کے مضمون پر فی الواقع کوئی اثر پڑا ہے تو کیوں نہیں انھوں نے ان اقتباسات کو مع سیاق و سباق اور مع حذف کردہ ٹکڑوں کے اس موقع پر پیش کر دیا؟ اگر ہمارے اعتراض کا پول کھل جاتا اور مضمون نگار بلا کسی مزید خامہ فرسائی کے باعزت طور پر بری ہو جاتا؟ ——— مگر شاید انھیں ایسا نہ کرنے ہی میں اپنی بھلائی نظر آئی۔

سابق میں ہم مدیر دعوت کے جس خط کا ذکر کر آئے ہیں اس میں بھی بعینہ یہی بات تحریر فرمائی گئی تھی اور اس کا جو جواب ہم نے اس وقت دیا تھا وہی ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔ اس سے زیادہ ہمیں اس الزام پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

> جہاں تک مضمون کی اس عبارت کا تعلق ہے جو تصوف سے متعلق ہے وہ صاف اور بے غبار تو یقیناً نہیں ہے، مگر ہاں اس میں کچھ تاویل اس بنا پر چل سکتی ہے کہ اس میں ژولیدگی اور الجھاؤ ہے اس لیے اس پر کوئی واضح حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ مگر دوسری عبارت جو "تاریخ کا تجربہ" کے ذیلی عنوان کے ذیل سے لی گئی ہے اس کو بھی اگر سامنے رکھا جائے تو تقابل کے نتیجہ میں "غلط راہ" کا مصداق بلا شبہ نفس زہد ٹھہرتا ہے، (جو صحیح تصوف کا صحیح ثمرہ ہو) نہ کہ غلط تصوف کے ثمرات۔ غلط تصوف کے ثمرات تو اس سے اگلے درجہ میں جگہ پائیں گے یعنی "غلط ترین راہ" ——— اور اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں بلکہ اس میں ہم آپ کے ہمنوا ہیں۔ اسی لیے میں نے ایک عبارت پیش کرنے پر اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ دونوں عبارتیں پیش کی تھیں تاکہ تقابل سے مضمون نگار کا اصل مدعا واضح ہو جائے۔ مجھے اور اپنے آپ کو تو چھوڑیئے آپ یہ دونوں عبارتیں کسی غیر جانبدار اہل شخص کے سامنے رکھ دیجئے" اور میں نے جہاں نقل میں نقطے دیئے ہیں وہ جملے بھی پڑھ دیجئے اور آگے پیچھے کے جملے بھی دیکھ دیجئے! پھر اس سے دریافت کیجئے کہ ان دونوں کے تقابل سے مضمون نگار کا مدعا کیا نکلتا ہے۔ مجھے پورا وثوق ہے کہ انشاء اللہ فیصلہ میرے ہی حق میں ہو گا۔

---

[1] یہ نقل دعوت کی کاپی سے نہیں بلکہ جو بعینہ مدیر دعوت کو بھیجا گیا تھا اس میں اور اس میں کسی لفظ کا فرق ہو گیا ہو۔ مگر مطلب میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ (ع)

میں نے بعد کے جملے اور درمیان کے ملکے کم، خیانت، یا تحریف کی نیت سے نہیں چھوڑے تھے بلکہ صرف بے ضرورت طوالت کے خیال سے چھوڑ دیئے تھے ——— خیانت یا تحریف کا پردہ کہیں کے دن قائم رہتا ہے جو کوئی ایسی حماقت کرے!

کذب وافتراء کا الزام

ہم نے ان دونوں مضامین سے اپنے تاثر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:-

"ابتک ہم سمجھتے تھے کہ ان حضرات کو اختلاف نفس تصوف یا اس کے مقصود ثمرات سے نہیں بلکہ .... اس کے مخصوص قالب سے ہے .... مگر جماعت کے ان نئے پابکدست ترجمانوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو موقف بدل دیا گیا یا ——— غلط بود آنچہ ما پنداشتیم ——— اگر ترجمان ہی کی زبان میں کہا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ اختلاف ترقی کر کے رفتہ رفتہ بیر کی شکل اختیار کر گیا ہو" الخ

(الفرقان ذیقعدہ صـ۵۲ـ)

ہمارے ان تاثرات اور احساسات پر ارشاد ہوا ہے کہ:-

"یہ پورا پیراگراف جماعت اسلامی پر کذب وافتراء کے سوا اور کچھ نہیں"

جواب کے تیور دیکھ کر کچھ زیادہ کہنے کی تو ہمت نہیں۔ البتہ ایک سوال ہے، کہ کیا تاثرات اور احساسات پر بھی کذب وافتراء کا حکم لگا کرتا ہے؟ غلط یا صحیح کا اطلاق تو ایسے موقع پر کیا جاتا ہو مگر کذب وافتراء کا استعمال آج ہی دیکھنے میں آیا ہو! ——— کیا یہ غیر معمولی غصہ کا نتیجہ ہے؟ یا اس بدمذاقی کا کرشمہ ہو جس کے کئی کرشمے ابتک ہم دیکھ چکے ہیں؟ کہ ہمارے احساس کو بھی حکم کے حکم میں داخل کر لیا گیا اور اس پر کذب وافتراء کا حکم لگا دیا گیا ——— اللہ کے بندو! کچھ تو انصاف سے کام لو! ہم صرف ایک احساس ظاہر کر رہے ہیں جس پر صرف غلط یا صحیح کا حکم لگایا جا سکتا تھا۔ مگر آپ اس پر کذب وافتراء کا حکم لگا رہے ہیں۔ گویا ہم نے صرف احساس نہیں ظاہر کیا تھا! بلکہ کوئی قطعی حکم آپ کے متعلق لگایا تھا[۱] ——— دوسروں کو فہم و ادراک کا سبق پڑھانے والے خود اس طرح بھول جانا کیا آپ جیسے حضرات کو بھی زیب دیتا ہے؟

پھر وہی حربہ

ہماری جس عبارت پر ہمیں کذب وافتراء کا الزام دیا گیا تھا ذرا پیچھے لوٹ کر اسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے! اس میں ہم نے یہ کہا تھا کہ ابتک تو ہم یہ سمجھتے تھے کہ جماعت

---

[۱] اور اس حسن فہمی کی تو داد نہیں دی جا سکتی کہ مذکورہ بالا عبارت میں "نئے" اور "پابکدست" کے طنزیہ الفاظ ہوتے ہوئے بھی "ترجمانوں" کا مطلب سرکاری ترجمان سمجھا گیا ہے۔

اسلامی کے حضرات کو نفس تصوف سے اختلاف نہیں بلکہ اس کے مخصوص قالب سے اختلاف ہو، مگر ان دونوں مضامین سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو ہم غلط سمجھتے تھے یا اب ان حضرات کا موقف بدل گیا ہو۔ یعنی سابقہ اختلاف ترقی کر کے بیر کی صورت اختیار کر گیا ہے اور اب بیر کی ہر اس چیز سے جس کی تعلیم تصوف دیتا ہو یا جو صوفیا میں پائی جاتی ہو خواہ وہ کتاب و سنت ہی کی تعلیم کیوں نہ ہو —— یہ تھا ہمارا احساس اور تاثر! اس کے بعد ہم نے ان حضرات سے سوال کیا تھا کہ

"کیا واقعی جماعت اسلامی اپنا سابقہ موقف چھوڑ چکی ہے؟"

اور اس کے بعد عرض کیا تھا کہ

"اگر چھوڑ چکی ہے —— اور فلاں فلاں قرائن سے کچھ ایسا ہی معلوم ہوتا ہو —— تو ہم بس اتنا ہی کہیں گے کہ جماعت اسلامی کے دوستو! اس سے صوفیا کا کچھ نہیں بگڑتا۔" الخ

اس تفصیل کے بعد ہم ہر غیر جانبدار انسان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ ہماری اس عبارت سے کسی کے ذہن میں یہ شبہ بھی گزر سکتا ہو کہ ہم جماعت اسلامی کو صوفیا کا دشمن قرار دے رہے ہیں اور پھر یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کی دشمنی سے صوفیا کا کچھ نہیں بگڑتا؟

ہمیں امید نہیں کہ کسی کو اس کا شبہ بھی ہماری عبارت سے گزرا ہو! مگر ہماری بدقسمتی کہ ہمیں ایک ایسے شخص سے پالا پڑا ہو جو صرف اس مطلب کا امکان ہی نہیں بتلا رہا ہو بلکہ ہمارے الفاظ کے علی الرغم، قطعی طور پر یہی مطلب لے رہا ہو۔ چنانچہ ہماری مذکورہ بالا عبارت کا آخری (خط کشیدہ) فقرہ نقل کر کے ارشاد ہوا ہے:-

"گویا جماعت اسلامی ان بزرگوں کی دشمنی پر تل گئی ہو۔ یہ الگ بات ہو کہ جماعت اسلامی کی ساری معاندانہ کوششوں کے باوجود ان حضرات کا کچھ نہیں بگڑ رہا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون"

ہم اس نکتہ سنجی پر بجز اس کے کیا کہیں کہ

"جو بات کی، خدا کی قسم لاجواب کی"

اور اگر یہ نکتہ بھی قصور فہم کا نتیجہ نہیں ہے تو ہمیں کہنے دیجیے کہ یہ وہی ہوائی تیر تکا ہو جس کی

نشاندہی ہم سابق میں دو مقامات پر کر چکے ہیں۔ یعنی ہمارے واقعی مدعا کو نہایت معصومیت کے ساتھ ایک غیر واقعی، اور بھیانک شکل میں پیش کر دیا اور اس کے بعد انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد شروع کر دیا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ واقعی الفرقان نے کوئی بہت ہی غلط قسم کا الزام لگایا ہوگا ——— اپنے تمام معترضین پر سیاق وسباق سے چشم پوشی کا الزام لگانے والوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بعینہٖ یُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهٖ کا مظاہرہ نہیں ہے؟

آخری وار

اس کے بعد ہمارے اسی ذیل کے ایک جملہ کو نوٹ کر کے یہ سراپا دیانت مجیب اپنے قارئین سے کہتے ہیں کہ دیکھو! احیاء خلافت کی جو کوشش اس برصغیر میں ہو رہی ہو، مستقبل میں اس کی ناکامی کی توقع سے الفرقان کتنا خوش اور مطمئن ہے!

اگر قارئین دعوت تک ہماری آواز پہونچ سکے تو ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ ذرا "ادارۂ دعوت" سے یہ دریافت کریں کہ یہ ارشاد کس الفرقان کے متعلق ہے؟ کیا اسی الفرقان کے متعلق جس کا ایک اداریہ احیاء خلافت کی پر زور حمایت اور وکالت میں معاصر "دعوت" ابھی چند ماہ قبل اپنے صفحات میں نقل کر چکا ہے[لہ] اور جس پر امیر جماعت اسلامی ہند کی بارگاہ سے اداریہ نویس کو پیغام مبارکباد موصول ہو چکا ہے؟ اور کیا یہ اسی الفرقان کے متعلق ارشاد ہو جس کا ایک دوسرا اداریہ اپنے صفحات میں نقل کرتے ہوئے جماعت اسلامی ہند وپاک کا سب سے مستند ترجمان معاصر "ترجمان القرآن" یہ لکھ چکا ہے کہ:-

"اس کی سطر سطر سے اس عظیم اسلامی نصب العین کے لیے تڑپ نمایاں ہے جو کرۂ ارضی کے تمام مسلمانوں کا اصل سرمایہ حیات ہے:" (ترجمان القرآن جلد ۴۲ عدد ۶)

کیا حضرت مجیب[رہ] کو ایسا گھنونا الزام لگاتے وقت ان سب باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہیے؟

"بے بنیاد الزام"

ہم نے اپنا یہ اندازہ ظاہر کیا تھا کہ جماعت اسلامی کے ذمہ داران لٹریچر پر نظر ثانی کا ارادہ بھی اگر کرتے ہیں تو ان مضر اثرات کے ازالہ کے لیے نہیں

لہ ملاحظہ ہو "دعوت" مورخہ ۲۵ جون ۱۹۵۷ء ص ۵ (جس میں) تازہ ڈاک سے پاکستان سے جماعت اسلامی کے ایک ہفت روزہ [illegible] مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب کی ہدایات رفقاء جماعت کے نام درج ہیں، ان میں نمبر ۲ ہدایت یہ ہے کہ "آپ سخت سے سخت بیہودہ مخالفت کے جواب میں بھی حدود اللہ سے تجاوز نہ کریں، ہر لفظ جو آپ کی زبان یا قلم سے نکلے سوچ لیں کہ خدانخواستہ [illegible] تو نہیں ہو [illegible] بلکہ [illegible] گئے۔" کاش مولانا دیکھ سکتے کہ ان کی ہدایات پر کیسا حرف بحرف عمل ہو رہا ہے۔

جوان کے حلقہ پر اس سے پڑ رہے ہیں بلکہ معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے۔ اس پر کہا گیا ہے کہ یہ بالکل بے بنیاد الزام ہے اور اس کی تردید کے لیے ماہنامہ "زندگی" بابت مارچ اپریل ۷۵ء کا حوالہ دیا گیا ہے ——— مگر ہم کیا عرض کریں "زندگی" کے اسی شمارہ نے تو ہم سے وہ بات کہلوائی تھی جسے بے بنیاد الزام قرار دیا جا رہا ہے، فاضل مجیب نے اس شمارہ کے جس مقام کا حوالہ دیا ہے وہ تو اس بارے میں کچھ نہیں بتلاتا کہ لٹریچر پر نظر ثانی کا ذکر کیا ہے۔ وہاں سرے سے لٹریچر پر نظر ثانی کا ذکر ہی نہیں۔۔۔ البتہ "دستور جماعت" کے عنوان کے تحت ص ۹۰ پر یہ الفاظ مرقوم ہیں۔

نیز بعض مقامات پر الفاظ یا پیرایۂ بیان ایسا ہے جس سے خواہ مخواہ غلط فہمیاں پیدا کرائی جا سکتی ہیں اس لیے دستور کی موجودہ روح اور اسکے اصل مفہوم کو پوری طرح برقرار رکھتے ہوئے اس پر نظر ثانی کی جائے۔

خط کشیدہ الفاظ کو غور سے پڑھیے اور "قیاس کن زگلستان من بہار مرا"۔

یا چھوڑیے ان الفاظ کو بھی! سوال یہ ہے کہ جب پورے شد و مد کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے کہ اس لٹریچر کا کوئی غلط اثر لوگوں پر نہیں پڑتا اور اس جواب میں بھی اس پر پر زور دعویٰ صرف کیا گیا ہے تو پھر نظر ثانی کا محرک اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ معترضین کا منہ بند کر دیا جائے؟

یہ تھیں وہ چند باتیں جن کے متعلق ہم کہتے تھے کہ جن لوگوں نے الفرقان نہ دیکھا ہوگا یہ باتیں ان کے لیے بعض غلط فہمیوں کا موجب بن سکتی ہیں۔ لہٰذا بقدر ضرورت ان کے متعلق کچھ عرض کر دینا ضروری معلوم ہوا۔ خدا کرے اس سلسلہ میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔

البتہ ہم نے اپنے مضمون میں جو ان اسباب کی طرف کچھ اجمالی اشارات کیے تھے جن سے ہمارے نزدیک وہ ذہنیت پیدا ہوتی ہے جو "تقویٰ کیا ہے" جیسے مضامین کو جنم دیتی ہے ان کے بارے میں چونکہ زندگی میں ہم کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی ہے اور پھر قبل اس کے کہ ہم کچھ لکھ پاتے خود ہی یہ فرض کر کے کہ ہمارے اشارات کا منشا یقیناً یہی ہے کہ "دوسروں کے عیوب گنانے کے شوق میں" ہم نے محض "بے بنیاد الزام تراشیاں" کی ہیں، ہمیں احساس ذمہ داری کی تلقین کی گئی ہے اس لیے ہمارے ذمہ ہو گیا ہے کہ ہم ان اسباب کو اشارات کے اجمال سے نکال کر تفصیل کی روشنی میں لائیں۔ ہم اپنی اس ذمہ داری سے بھی قریب ہی فرصت کے ساتھ عہدہ برا ہونے کی کوشش کرینگے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

انتخاب

سدّباب کرنے کا کام

اس حقیقت میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ پاکستان میں فتنۂ بے حجابی جس قوت کے ساتھ سر اٹھا رہا ہے اگر اس کی روک تھام نہ کی گئی تو پاکستان کا معاشرہ بالکل تہ و بالا ہو جائے گا اور ہم پاکستانی مسلمان اسی سطح پر آجائیں گے جس سطح پر آج یہودی اور عیسائی ہیں!

جو جماعتیں دین کی سربلندی کے لئے تگ و دو کر رہی ہیں۔ وہ قابل مبارکباد ہیں۔ انکی کوششیں جاری رہنی چاہئیں، ہم اس عقیدے پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ دین کی وحدت اسے گوارا نہیں کر سکتی کہ اسکے مجموعے سے چند اجزا کو نکال لیا جائے کہ یہ تو اسلام ہے باقی حصے دنیا داری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلام دین اور سیاست میں کوئی تفریق نہیں کرتا اس دوئی کو زیادہ دن تک نہیں چلنے دیا جائیگا کہ محراب و منبر اور مدرسہ و خانقاہ تو کسی ایک طبقہ کے قبضہ میں رہیں اور قصر و ایوان کسی دوسرے طبقہ کے قبضہ میں! قیصر و کلیسا کی یہ غلط تقسیم انشاء اللہ ختم ہو کر رہے گی۔ یہاں "مسٹروں اور مولاناؤں" کو ایک ہی نظام حکومت قبول کرنا ہوگا۔ پاکستان میں اللہ تعالیٰ کے پورے کے پورے دین کی اقامت ہی کی جدوجہد ہونی چاہئیے اور دستور سازی کی مہم یقیناً بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اس جدوجہد پر پوری توجہ صرف کرنے کی ضرورت ہے۔

لیکن فتنۂ بے حجابی جو بگاڑ پیدا کر رہا ہے اس کی روک تھام بھی اقامت دین کے پروگرام کا ایک جزو بن جانا چاہیے اس کی مثال ایسی ہے جیسے ڈاکٹر کو دق کے مریض پر مرض دق ہی کے ازالہ کے لئے پوری توجہ دینا چاہئیے۔ مگر اس مریض کی انگلی میں اگر ایسا زخم ہو گیا ہے جو سارے جسم میں خرابی پیدا کر دے گا اور اس کی عفونت جوڑ بند میں سرایت کر جائے گی تو پھر مرض دق کے علاج

معالجہ کے ساتھ انگلی کے زخم کی مرہم پٹی بھی بہت ضروری ہے ورنہ جب تک مرض دق دور ہو اس وقت تک مریض کا سارا جسم مسموم ہو چکا ہوگا۔

اور سب سے بڑا خوف تو یہ ہے کہ ارباب اقتدار اپنی مصلحتوں کے سبب دستور سازی کے معاملہ کو اگر ٹالتے رہے اور دستور نافذ ہوتے ہوتے اور کئی سال لگ گئے تو اس مدت میں پاکستان کے معاشرے کا کیا حال ہوگا؟ اور قوم کی اکثریت جو قریب قریب بگڑ چکی ہوگی اور یہ چیزنائے اس کی عادت اور مزاج بن چکے ہوں گے کیا اسلامی دستور کی عملی طور پر کامیابی کے لئے حالات کو سازگار رہنے دے گی؟

ابھی پانی زیادہ سے زیادہ گھٹنوں تک آیا ہے، سر سے اونچا نہیں ہوا۔ اس فتنہ کی روک تھام ابھی ممکن ہے۔ بشرطیکہ پاکستان کی تمام اسلام پسند جماعتیں اس مرحلہ میں دوش بدوش جدوجہد کریں، اخباروں اور رسالوں کے ایڈیٹر اس موضوع پر مسلسل لکھتے رہیں۔ وعظوں اور تقریروں میں اس ذکر کو بار بار دہرایا جائے۔ جو گھرانے بے حجابی میں بہت دور پہونچ چکے ہیں۔ ان کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں جو لوگ اس فتنہ سے بچے ہوئے ہیں، یا جہاں اس برائی کا آغاز ہو رہا ہے ان کو غیرت دلائی جائے!

مسلم قوم کی اکثریت کے اندر اللہ کے فضل سے ابھی حمیت اور غیرت موجود ہے، عورت کے ناموس کو مسلمان آج بھی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز اور قیمتی سمجھتے ہیں، ان کی غیرت سے اپیل کی جائے تو انشاء اللہ اس کا خاطر خواہ اثر ہوگا۔

اس جدوجہد میں کسی کی قیادت کی بھی خاص ضرورت نہیں ہے اس بات کا انتظار بھی تغافل کی دلیل ہے کہ پہل کون کرے اور آغاز کس طرف سے ہو۔ ایک محلہ کے دس پانچ آدمی بھی اللہ کا نام لیکر اٹھ کھڑے ہوں تو چند دن کے اندر اندر اس محلہ کی حالت بہت کچھ سدھر سکتی ہے۔ مسجد کے ائمہ اس کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے سکتے ہیں۔

بہرحال یہ سب کے کرنے کا کام ہے اور اتنا بڑا کام ہے کہ اسکی ہمہ گیری اور دور رس نتائج کا عام طور پر لوگ ابھی احساس نہیں کر سکتے۔ اسلام پسند طلبا کی کوششیں اس جدوجہد کی کامیابی کی ضمانت دے سکتی ہیں، یہ مہم سر ہوگئی اور بے حجابی اور آزادی دنیا کی کا یہ طوفان تھم گیا تو پاکستان

میں مغرب زدگی کی یہ پہلی شکست اور اسلام کی پہلی فتح ہو گی۔ یہ فتح و کامیابی دوسرے مسائل کو بھی اسلامی طرز پر حل کرنے میں مدد دے گی اور ان شاء اللہ اس طرح پورے معاشرے کی تطہیر ہو جائے گی! (نظام)

بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ ہم الّو نہ ہوئے!

کراچی ۲۵ راگست۔ کراچی کی خواتین کے ایک وفد نے کل وزیر اعظم پاکستان چودھری محمد علی سے ملاقات کی اور ان سے سابق وزیر اعظم مسٹر محمد علی کے سفیر امریکہ مقرر کیے جانے کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ احتجاج کی بنا موصوف کی دوسری شادی تھی۔ وفد نے کہا کہ ایسا شخص جب امریکہ میں پاکستانی سفیر کی حیثیت سے پہنچے گا۔ تو وہ مہذب قوم پاکستانی شائستگی و تہذیب کے متعلق رائے کیا قائم کرے گی! (خبر)

راست صرف یہ قائم کرے گی کہ یہ وہ قوم ہے جو حرام کاری کو ایک بدترین عمل سمجھ کر اس سے منزلوں دور رہنا چاہتی ہے اور جب اس کے کسی فرد کو ضرورت یا مصلحت محسوس ہوتی ہے تو وہ باقاعدہ اور پوری ذمہ داری کے ساتھ دوسرا عقد کر لیتا ہے، وہ کسی کو بیوی اور گھر کی مالکہ بیاہ کر لانے سے ہرگز نہیں شرماتا۔ البتہ چوری چھپے آشنائی اور حرام کاری کے نام سے اسے پسینہ آجاتا ہے! — اندھی مرعوبیت کی انتہا ہے کہ شرمانا انھیں چاہیئے ان کے بجائے الٹی وہ بیگمات شرما رہی ہیں جن کا مذہب انھیں عصمت و پاکیزگی کا چوٹی پر کھڑا کئے ہوئے ہے ! — گنگا اس سے زیادہ الٹی کبھی کیوں ہی ہو گی! "صدق"

کتب خانہ الفرقان کا نیا نظام

ہمیں اعتراف ہے کہ ان چند مہینوں میں فرمائشوں کی تعمیل خطوط کے جوابات اور کتب کی ترسیل میں غیر معمولی تاخیر ہوئی جس سے کتب خانے کے مستقل کرم فرما اور ہمدردوں کو بجا طور پر شکایت کا موقع ملا لیکن رمضان المبارک میں چند گھنٹوں کے اندر دفتر و کتب خانہ کے تخلیہ کا جو آرڈر ہوا تو فوری طور پر سامان چار جگہوں پر منتقل کر دیا اور اب تک اسی انتشار کی حالت میں کام ہوتا رہا۔ ڈاک کہیں آتی اسٹاک کہیں تھا کارکن کہیں تھے۔

اب تقریباً ساڑھے چار ماہ کے بعد ایک مناسب جگہ ملی ہے جس میں دفتر و کتب خانہ کے تمام کام بسہولت ہو سکیں گے اس مرتبہ ہم نے کتب خانہ کی از سر نو تنظیم کی ہے جسکے بعد خدا نے چاہا تو ہم ہندو پاک کے ادارے کی اہم کتب اپنے حلقہ میں انتہائی عجلت کے ساتھ روانہ کر سکیں گے ——— ہمیں یقین ہے کہ آئندہ کسی فرمائش کی تعمیل میں چند روز سے زائد انتظار کی زحمت نہ ہوگی۔ ہم ایک بار پھر ان کوتاہیوں کی معذرت چاہتے ہیں

حفیظ
ناظم کتب خانہ الفرقان

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات

معارف الحدیث قیمت مجلد للعہ قیمت غیر مجلد ے	کلمہ طیبہ کی حقیقت قیمت ۶ آنے	نماز کی حقیقت قیمت ۱۲ آنے	اسلام کیا ہے قیمت مجلد ۱۲ قیمت غیر مجلد ۸	تبلیغی تقریریں قیمت [illegible]	تصوف کیا ہے قیمت عہ
تصوف و صوفیہ قیمت عہ	حضرت مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت ۸	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس قیمت عہ	اسلام اور نظام سرمایہ داری قیمت ۸	بوارق الغیب حصہ دوم قیمت ایک روپیہ	معرکہ فیصلہ کن مناظرہ قیمت ایک روپیہ
	اسلام اور موجودہ مسلمان قوم ۴	قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ قیمت چھ آنے	پیام انسانیت قیمت دس آنے	مکتوبات حضرت مولانا محمد الیاس عہ	

اردو تفسیریں۔ اور قرآنی لٹریچر

تفسیر حقانی :۔ از مولانا ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی مکمل ۸ جلدیں معہ مقدمہ غیر مجلد ۳۰/- مجلد ۳۵/-

تفسیر بیان القرآن کامل ۱۲ حصے از مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مطابق مطبوعہ تھانہ بھون اعلیٰ سفید کاغذ : بہترین طباعت ۶۰/-

تفسیر ابن کثیر اردو کامل مجلد در ۵ جلدیں مطبوعہ کراچی اعلیٰ کتابت و طباعت ۵۵/-

تفسیر مواہب الرحمٰن مکمل حصے ۵۰/-

قرآن مجید قسم ضخیم معہ ترجمہ و تفسیر پیکو لمیٹڈ لاہور ۶ جلدوں میں مجلد ۳۰/-

ترجمان القرآن۔ از مولانا ابو الکلام آزاد۔ اول - ۸/۴۰ دوم ۱۲/۸

قاموس القرآن یعنی قرآنی ڈکشنری۔ از مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔ جس میں تمام الفاظ قرآنی کا صحیح اردو ترجمہ اور ان کی مکمل صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے نیز قرآن کریم کے حسب ضرورت مطالب الفاظ کے سلیس و شیریں زبان میں مختصر جامع اور مستند نوٹ لکھے گئے ہیں۔ قیمت مجلد

قصص القرآن۔ از مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی قیمت مکمل ۲۰/-

لغات القرآن۔ از مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی قیمت مکمل ۱۷/-

قرآن اور تصوف۔ از ڈاکٹر میر ولی الدین۔ ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی ۳/-

رہنمائے قرآن ۴/-

احکام القرآن۔ از مولانا حاجی ثناء اللہ صاحب ۴/-

ترجمہ قرآن مکمل نصاب۔ از مولانا محفوظ الرحمٰن صاحب ۵/۶

ملنے کا پتہ

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

اردو احادیث

بخاری شریف اردو تین جلدوں میں اعلیٰ کاغذ و طباعت مطبوعہ کراچی ۲۵/

مشکوٰۃ شریف اردو دو جلدیں ۱۶/

ترمذی شریف مع ترجمہ اردو ۳۶/

مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف مکمل ۵ جلدیں اعلیٰ کاغذ ۴۰/

ترجمان السنۃ ۔ از مولانا بدر عالم میرٹھی ۲ جلدیں ۱۹/

زاد سفر ۔ یعنی ریاض الصالحین کا اردو ترجمہ قیمت مجلد ... حصہ دوم زیر طبع ہے

تصوف

کشف المحجوب اردو ۵/-

کیمیائے سعادت ۱۰/-

مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم ۴/-

مرقع کلیمی ۔ ترجمہ اردو ۱/۸

کشکول کلیمی /۱۲/-

الطاف رحمانی /۱۲/-

انیس الارواح ملفوظات خواجہ عثمان ہارونیؒ

تصوف و سلوک از حضرت مولانا عبدالباری ندوی ۔ قیمت مجلد ۵/

جامع المجددین ۔ قیمت مجلد ۵/

تجدید تعلیم و تبلیغ ۔ قیمت مجلد ۳/

تجدید سیاسیات و معاشیات زیر طبع

فتاویٰ

فتاویٰ عالمگیری اردو کامل ———— ۱۰۰/-

غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار ———— [illegible]

مجموعہ فتاویٰ عزیزی اردو ———— ۱۵/

مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی صاحب اردو ۱۶/-

امداد الفتاویٰ ۔ از حکیم الامت حضرت تھانویؒ ———— ۲۴/-

مولانا مناظر احسن گیلانی کی تاریخی کتابیں

سیرت حضرت ابوذر غفاری ۳/۸

النبی الخاتم ۱/۸

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ۵/۸

امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی ۸/۱۲

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ۳/۱۲

الدین القیم ۲/۱۲

سوانح قاسمی ۶/-

مولانا عبدالماجد دریابادی کی کتابیں

قرآن مجید مع ترجمہ و تفسیر ۔ از مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا دریابادی کی تفسیر و ترجمہ کے بارے میں زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں طباعت اور خوشنمائی کے لئے تاج کمپنی کا نام کافی ہے۔ قیمت جلد اول -/۱۲ جلد دوم ۱۲/

اکبر نامہ یا اکبر میری نظر میں ۔ اکبر الہ آبادی کے متعلق مولانا کے قلم سے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ۳/-

سفر حجاز ۔ دلچسپ سفرنامہ حجاز ۵/-

حکیم الامت ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری دس سالہ حصہ زندگی کا ایک نرالا مرقع فقہ و تفسیر، حدیث و سنت، سلوک و کلام، ادب و حکمت، صحافت و سیاست کے صدہا مضامین کا گلدستہ۔ قیمت ۸/۸

الحیوانات فی القرآن ۔ قرآن مجید میں جتنے حیوانات کا ذکر آیا ہے ان کے اسماء صفات اور متعلقات کا ایک جامع لغت، جو لغوی، تاریخی، تفسیری، مباحث کا ایک در مرقع ہے

قیمت -/۲

متفرقات

اسلام کا نظام مساجد (از مولانا ظفیر الدین صاحب) — اسلام کے نظام مساجد کے تمام گوشوں اور تمام پہلوؤں پر ایک معتبر اور مستند کتاب جو ہماری زبان میں پہلی مرتبہ وجود میں آئی ہے قیمت ۸/ مجلد للعہ/

اسلام کا نظام عفت و عصمت (از مولانا ظفیر الدین صاحب) — اسلام نے پاکدامنی اور عصمت کیلئے جو صاف و شفاف اصول مقرر کئے ہیں ان کو سمجھنے کے لئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہوگا قیمت للعہ مجلد عہ/

العلم و العلماء — علامہ ابن عبدالبر کی شہرۂ آفاق کتاب (جامع بیان العلم وفضلہ) کا نہایت سلیس اور شگفتہ ترجمہ از قلم مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی قیمت للعہ

مصباح اللغات (از مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی) — پچاس ہزار سے زائد عربی الفاظ کا جامع و مستند ذخیرہ المنجد کا مکمل ترجمہ اور متعدد دیگر لغات کا ضروری اضافہ قیمت مجلد ۱۶/

اردو عربی ڈکشنری — مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کی دوسری معرکۃ الآراء لغت۔ اردو سے عربی لغات اب تک جتنی شائع ہوئی ہیں سب سے مکمل قیمت مجلد ۱۰/

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی — ایک زبردست علمی و تاریخی کارنامہ جسے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے انجام دیکر تاریخ دانی اور تاریخ نویسی کا ایک نیا ریکارڈ قائم کیا ہے قیمت ۱۰/

تاریخ مشائخ چشت — جسے پروفیسر خلیق احمد نظامی نے بڑی تلاش اور تحقیق کے بعد مرتب کیا ہے اردو زبان میں صوفیہ کا یہ پہلا تذکرہ ہے جس میں امت کے ان پیشواؤں کے مقصد حیات نظام اصلاح و تربیت اور انداز تبلیغ و اشاعت پر نہایت مدلل اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے

قیمت مجلد ۱۳/

تجلیات کعبہ از حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ۳/

تجلیات مدینہ " " " " " " " ۶/

گلبانگ حرم از زائر حرم حضرت حمید صدیقی ۳/

حقیقت ذکر از حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی ۱۲/۶

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

Only Cover Printed at TAJ PRESS,
Khwaja Qutbuddin Road, Lucknow.

الفرقان
لکھنؤ
ماہنامہ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
فاطر السموٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلماً والحقنی بالصالحین
ادارۂ الفرقان
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

الفرقان لکھنؤ
ماہنامہ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

چندہ:- ہندوستان وپاکستان سے
سالانہ (بمقام ہندوستان) ۵/
" (بمقام پاکستان) ۶/
ششماہی - - - - - ۳/

فی کاپی ۸/

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ

اعزازی خریداروں سے
سالانہ چندہ ۱۵/

جلد ۲۳ بابتہ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ مطابق نومبر ۱۹۵۵ء عدد ۳

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیے یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیے، ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیئے۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ مرکزی ادارہ اصلاح وتبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، دوسرا رسالہ کے ساتھ کر کے بھیجا جائے گا۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر وپبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہ اوّلیں

اسلام کی بنیاد جس ٹھیٹ اور ہمہ گیر توحید پر ہے اس کی رو سے خدا پرستی کے علاوہ کوئی بھی اور "پرستی" حرام اور قطعاً حرام ہے۔ از انجملہ قبر پرستی کی بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، اور اُسکی توحید خالص کے ساتھ، اس پرستی کا بھی کوئی جوڑ نہیں بیٹھتا۔

اور پھر ممانعت قبر پرستی کے صرف انتہائی مظاہر (سجدہ ریزی اور جبہ سائی) ہی کی نہیں بلکہ ان سے ہلکے درجے کے مظاہر (دست بستہ کھڑا ہونا اور ہار پھول چڑھانا وغیرہ) بھی سب اسی زمرہ میں آتے ہیں اور روح توحید کے ساتھ جوڑ نہ کھانے میں (کم و بیش کے فرق کیساتھ) سب برابر کے شریک ہیں

جدید دور کا "روشن خیال" اور مذہبیت بیزار انسان، قبر پرستی کیا، خدا پرستی کو بھی اوہام پرستی سمجھتا ہے مگر اس کے باوجود قبر پرستی کی روح سے وہ بھی خالی نہیں ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ مذہبی عقیدت کی بنا پر قبر پرستی نہیں کرتا اور پرستش کے انتہائی مظاہر (سجدہ ریزی اور جبہ سائی وغیرہ) کو اختیار نہیں کرتا باقی قومی اور وطنی نقطۂ نظر سے جن شخصیتوں کو وہ ہیرو سمجھتا ہے، ان کی قبروں اور سمادھیوں پر جاکر، ان کی عظمت کا اعتراف اور اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے لیے وہ تمام دوسرے آداب پرستش بجا لانے میں نہ صرف یہ کہ کوئی شرم محسوس نہیں کرتا بلکہ اسے اپنا مقدس فریضہ خیال کرتا ہے۔

حتیٰ کہ ایک مستقل دستور اس زمانہ کا یہ ہوگیا ہے کہ کسی دوسرے ملک میں سرکاری مہمان کی حیثیت سے جانے والا انسان اس ملک کی اہم قومی شخصیت یا وطنی ہیرو کے مقبرہ یا اسکی سمادھی پر جاکر پورے قبر پرستانہ انداز کے ساتھ عملی اظہار عقیدت اور اعتراف عظمت کرنا اپنے پروگرام کا ضروری جزو خیال کرتا ہے۔

اس مشرکانہ دستور کی پابندی، آئے دن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے بھی اسی طرح کر رہے ہیں جس طرح غیر مسلم —— اس ابتلاء عام میں ایک استثنائی مثال ان دنوں شاہ سعود (والیِ نجد و حجاز) نے قائم کی ہے۔ اور اس طرح کہ اپنی (عنقریب) ہندوستان آمد کے سلسلہ میں حکومت ہند کو صاف صاف مطلع کر دیا ہے کہ وہ اپنے اسلامی عقائد کی بنا پر اس رسم کی ادائیگی سے معذور ہیں۔

یقیناً یہ ایک قابل تقلید مثال ہے! اللہ تعالیٰ سلطان کو اس جاہلیت جدیدہ کے دور میں اس طرح کی مزید مثالیں قائم کرنے کی توفیق دے۔

ہندوستان میں قومی حکومت کے قیام کے بعد مسلمانوں کے لیے اس "جدید قبر پرستی" جیسے بہت سے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ کتنی ہی سرکاری اور قومی تقریبات ایسی ہیں کہ جن کے بعض اجزاء اسلام کی تعلیمات سے ٹکرانے والے اور اُس کے مزاج کے منافی ہیں۔ ان تقریبات و رسوم کا پروگرام بنانے اور متعین کرنے والے وہ لوگ ہیں جو اسلام کی تعلیمات اور اُس کے مزاج سے ناآشنا ہیں اس لیے وہ پروگرام بنانے میں مسلمانوں کا کتنا ہی لحاظ کریں پھر بھی ان کے لیے مشکل ہے کہ وہ پروگرام میں کوئی جزو ایسا نہ رکھیں جو اسلام کی تعلیمات اور اُس کے مزاج سے ٹکراتا ہو، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی مسلمان ان تقریبات کے ایسے اجزاء میں شرکت سے گریز کرتا ہے تو اس کی ملکی وفاداری پر شبہہ کیا جاتا ہے۔ سیکڑوں صحیح الخیال مسلمانوں کو آئے دن اس کشمکش سے سابقہ پڑتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ علمائے اسلام میں سے ایسے حضرات جن کی حب الوطنی پورے ملک پر آشکارا ہے اور کم از کم ملک کے سربراہ اس معاملہ میں ان پر پورا اعتماد رکھتے ہیں، وہ ایسی تمام چیزوں کے بارے میں —— اسی جرأت اور صاف گوئی کے ساتھ جس کی مثال سلطان سعود نے قائم کی ہے —— سربراہانِ مملکت پر اسلامی نقطۂ نظر واضح کر دیں اور پھر اُن سے درخواست کیجائے کہ اولاً تو کسی قومی تقریب کے پروگرام میں ایسے اجزاء شامل ہی نہ ہونے چاہئیں ورنہ کم از کم مسلمانوں کو ان کی شرکت سے واضح طور پر مستثنیٰ کر دیا جائے۔

یہ اس وقت کی ایک بہت بڑی ضرورت ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ سلطان سعود کے اس اقدام

نے اس کام کے لیے زمین ہموار کر دی ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

خریداران الفرقان سے ایک گزارش

یہ بات بہت ہی افسوسناک اور تکلیف دہ ہے کہ بعض حضرات باوجود اس کے کہ انکو چندہ ختم ہونے اور آئندہ کے لیے چندہ یا کوئی دوسری اطلاع نہ آنے کی صورت میں آئندہ رسالہ وی، پی بھیجے جانے کے قاعدہ کی اطلاع ایک ماہ پیشتر سرخ نشان کے ذریعہ دیدیجاتی ہے پھر بھی وہ ایک کارڈ لکھنے کی زحمت نہیں فرماتے اور وی، پی پہونچنے پر بلا تکلف اس کو واپس کر دیتے ہیں یا نوٹس وصول کر کے ڈاک خانہ میں چھوڑ دیتے ہیں جسے ڈاک خانہ پانچ دن کی مقررہ مدت انتظار گزر جانے پر واپس کر دیتا ہے۔ علیٰ ہذا بعض حضرات اپنے چندہ کا منی آڈر اتنی دیر میں روانہ فرماتے ہیں کہ ہمیں وہ وی، پی روانہ کرنے کے بعد وصول ہوتا ہے اور پھر وہ یہ لکھ کر وی، پی واپس کر دیتے ہیں کہ ہم منی آڈر بھیج چکے ہیں ان دونوں صورتوں میں دفتر کو فی رسالہ ۸؍ کا نقصان نقد ہوتا ہے اور رسالہ الگ خراب ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم خریداران کرام سے نہایت ادب سے گزارش کرتے ہیں کہ براہ کرم وہ اپنی ذمہ داری کا احساس فرمائیں۔ اگر آئندہ خریداری کا ارادہ نہ ہوا کرے تو سرخ نشان دیکھتے ہی اپنے اس ارادہ سے مطلع فرما دیا کریں اور اگر چندہ بھیجنا ہو تو ایسے وقت روانہ کر دیا کریں کہ آئندہ ماہ کی ۱۵ تاریخ سے قبل ہمیں وصول ہو جایا کرے ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

خاکسار۔ ناظم الفرقان

اچھے اخلاق یا بُرے اخلاق :-

[اس سے پہلی قسط میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات درج ہوئے تھے اُن میں مختلف عنوانات سے حسن اخلاق کی فضیلت اور اہمیت بیان فرمائی گئی تھی۔۔۔
اب وہ حدیثیں درج کی جا رہی ہیں جن میں آپ نے خاص خاص اخلاق حسنہ کی ترغیب دعوت یا برے اخلاق کی مذمت اور اُن سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔]

(۱۱۵) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى رَفِيْقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِيْ عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِيْ عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِيْ عَلٰى مَا سِوَاهُ ـــــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مہربان ہے (نرمی اور مہربانی کرنا اس کی ذاتی صفت ہے) اور نرمی اور مہربانی کرنا اس کو محبوب ہے (یعنی اس کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے بندے بھی آپس میں نرمی اور مہربانی کا برتاؤ کریں) اور نرمی پر وہ اتنا دیتا ہے جتنا کہ درشتی اور سختی پر نہیں دیتا، اور جتنا کہ نرمی کے ماسوا کسی چیز پر بھی نہیں دیتا ـــ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض لوگ اپنے مزاج اور معاملہ اور برتاؤ میں سخت ہوتے ہیں اور بعض لوگ، نرم اور مہربان، اور ناآشنا یاں حقیقت سمجھتے ہیں کہ سخت گیری سے آدمی وہ حاصل کر لیتا ہے جو نرمی سے

حاصل نہیں کر سکتا۔ گویا ایسے لوگوں کے خیال میں سخت گیری کاربراری کا وسیلہ اور مقاصد میں کامیابی کی کنجی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد میں اس بُرائی کی اصلاح فرمائی ہے، سب سے پہلے تو آپ نے نرم خوئی کی عظمت اور رفعت یہ بیان فرمائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ محبوب ہے کہ اُسکے بندوں کا باہمی معاملہ اور برتاؤ بھی نرمی کا ہو۔ پھر آخر میں آپ نے فرمایا کہ مقاصد کا پورا ہونا، نہ ہونا اور کسی چیز کا ملنا نہ ملنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت پر موقوف ہے جو کچھ ہوتا ہے اسی کے فیصلہ اور اسی کی مشیت سے ہوتا ہے اور اس کا قانون یہ ہے کہ وہ نرمی پر اس قدر دیتا ہے جس قدر کہ سختی پر نہیں دیتا، بلکہ نرمی کے علاوہ کسی چیز پر بھی اللہ تعالیٰ اتنا نہیں دیتا جتنا کہ نرمی پر دیتا ہے، اسلئے اپنے منافع اور مصالح کے نقطۂ نظر سے بھی اپنے تعلقات اور معاملات میں آدمی کو نرمی اور مہربانی ہی کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں اسی کو یوں کہہ لیجئے کہ جو شخص چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مہربان ہو اور اسکے کام پورے کرے، اس کو چاہیئے کہ وہ دوسروں کے حق میں مہربان ہو اور بجائے سخت گیری کے نرمی کو اپنا اصول اور اپنا طریقہ بنائے۔

(۱۱۶) عَنْ جَرِيرٍ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت جریر سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو آدمی نرمی کی صفت سے محروم کیا گیا وہ ساری خیر سے محروم کیا گیا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ نرمی کی صفت اتنی بڑی خیر ہے اور اس کا درجہ اتنا بلند ہے کہ جو اس سے محروم رہا گویا وہ اچھائی اور بھلائی سے یکسر محروم اور خالی ہاتھ رہا۔ یا یوں کہا جائے کہ انسان کی اکثر اچھائیوں اور بھلائیوں کی جڑ بنیاد اور ان کا سرچشمہ چونکہ اس کی نرم مزاجی ہے لہٰذا جو شخص اس سے محروم رہا وہ ہر قسم کے خیر اور ہر اچھائی اور بھلائی سے محروم رہے گا۔

(۱۱۷) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَنْ حُرِمَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ حُرِمَ حَظَّهُ مِنْ

خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ——————— رواہ البغوی فی شرح السنہ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نرمی کی خصلت کا اپنا حصہ مل گیا اس کو دنیا اور آخرت کی خیر میں سے حصہ مل گیا اور جس کو نرمی نصیب نہیں ہوئی وہ دنیا اور آخرت کی خیر کے حصہ سے محروم رہا۔

(۱۰۸) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُرِيدُ اللهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ رِفْقًا إِلَّا نَفَعَهُمْ وَلَا يُحْرِمُهُمْ إِيَّاهُ إِلَّا ضَرَّهُمْ ——————— رواہ البیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کسی گھر کے لوگوں کیلئے نرمی کی صفت عطا کرنے کا مگر ان کو نفع پہنچتا ہے اس کے ذریعہ، اور نہیں محروم کرتا کسی گھر کے لوگوں کو نرمی کی صفت سے مگر یہ کہ ضرر پہنچاتا ہے ان کو۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عام سنت اور اس کا کلی قانون ہے کہ جب گھر کے لوگوں کو وہ نرمی کی خصلت عطا فرماتا ہو ان کے لیے یہ نرمی بہت سی منفعتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے اور جن لوگوں کو وہ اس اچھی خصلت سے محروم رکھتا ہے اُن کے لیے یہ محرومی بہت سے نقصانات اور بہت سی زحمتوں کا سبب بنتی ہے۔

انسان کی خصلتوں میں نرمی اور سختی کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے استعمال کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہے جس شخص کے مزاج اور رویہ میں سختی ہوگی وہ اپنے گھر والوں، بیوی بچوں، عزیزوں قریبوں کے لیے سخت ہوگا، پڑوسیوں کے حق میں سخت ہوگا، اگر استاد ہے تو شاگردوں کے حق میں سخت ہوگا، اسی طرح اگر حاکم اور افسر ہے تو محکوموں اور ماتحتوں کے حق میں سخت ہوگا، غرض کہ زندگی میں جہاں جہاں اور جن جن سے اس کا واسطہ پڑے گا ان کے ساتھ اس کا رویہ سخت ہوگا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی خود اسکے لیے اور اس سے تعلق رکھنے والوں کے لیے مستقل

عذاب ہوگی'۔ اور اسکے برعکس جس بندہ کے مزاج اور رویہ میں نرمی ہوگی وہ گھر والوں پڑوسیوں، افسروں، ماتحتوں، شاگردوں، استادوں، اپنوں، بیگانوں، غرض کہ سب کے ساتھ نرم ہوگا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس نرمی کی بدولت وہ خود بھی راحت سے رہے گا اور دوسروں کے لیے بھی راحت اور سکون کا باعث ہوگا، پھر یہ نرمی باہم محبت و مودت پیدا کرے گی اور اکرام واحترام اور خیر خواہی کے جذبات کو ابھارے گی اور اس کے برعکس درشت مزاجی اور تند خوئی دلوں میں بغض وعداوت پیدا کرے گی اور حسد و بدخواہی اور جنگ وجدل کے منحوس جذبات کو بھڑکائے گی سختی اور نرمی کے یہ تو چند وہ دنیوی نتائج ہیں جن کا ہم روزمرہ اپنی زندگیوں میں اور اپنے ماحول میں تجربہ اور مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ (اور تھوڑے سے غور و فکر سے بہت سے ان سے بڑے اور دور رس نتائج کو بھی سمجھ سکتے ہیں) ـــــ ان کے علاوہ اس نرم مزاجی اور درشت خوئی کے جو بیحد عظیم الشان اُخروی نتائج آخرت کی زندگی میں سامنے آنے والے ہیں ان کا تجربہ اور مشاہدہ تو اپنے وقت پر ہی ہوگا، لیکن اس دنیوی زندگی میں آخرت کے نفع و نقصان اور ثواب و عذاب کو جتنا کچھ ہم جان اور سمجھ سکتے ہیں اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح کے ارشادات ہمارے لیے کافی ہیں۔

(۱۱۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلَى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ ـــــ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے شخص کی خبر نہ دوں جو دوزخ کے لیے حرام ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے؟ (سنو میں بتاتا ہوں، دوزخ کی آگ حرام ہے) ہر ایسے شخص پر جو مزاج کا تیز نہ ہو، نرم ہو، لوگوں سے قریب ہونے والا ہو، نرم خو ہو۔

(تشریح) اس حدیث میں ہَیِّن، لَیِّن، قَرِیب، سَہل یہ چاروں لفظ قریب المعنی ہیں، اور نرم مزاجی کے مختلف پہلوؤں کی یہ ترجمانی کرتے ہیں، مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جو آدمی اپنے مزاج اور رویہ میں نرم ہو اور اپنی نرم خوئی کی وجہ سے لوگوں سے خوب ملتا جلتا ہو، دور دور

اور الگ الگ نہ رہتا ہو، اور لوگ بھی اس کی اس اچھی اور شیریں خصلت کی وجہ سے اُس سے بے تکلف اور محبت سے ملتے ہوں، جس سے بات اور معاملہ کرتا ہو، نرمی اور مہربانی سے کرتا ہو، ایسا شخص جنتی ہے اور دوزخ کی آگ اس پر حرام ہے ـــــ

شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کے نصوص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل تعلیم و تربیت سے صحابہ کرام کے ذہن میں چونکہ یہ بات پوری طرح راسخ ہو چکی تھی (اور دین کی صرف ضروری درجہ کی بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص آج بھی اتنی بات جانتا ہے) کہ اس قسم کی بشارتوں کا تعلق صرف ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان رکھتے ہوں، اور دین کے لازمی مطالبات ادا کرتے ہوں، اس لیے اس قسم کی بشارتوں کے ساتھ عموماً اس شرط کو الفاظ میں ذکر نہیں کیا جاتا ـــــ (اور بشارت کے موضوع کے لیے یہی مناسب ہے) ـــــ لیکن ذہنوں میں یہ شرط ملحوظ اور محفوظ رہنی چاہیے، یہ ایک مسلمہ ایمانی حقیقت ہے کہ ایمان کے بغیر اللہ کے یہاں اعمال اور اخلاق کی کوئی قیمت نہیں۔

(۱۲۰) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ الْجَوَّاظُ وَلَا الْجَعْظَرِيُّ ـــــ

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخت گو اور درشت خو آدمی جنت میں نہیں جائے گا۔ (ابوداؤد)

(تشریح) حدیثوں میں کبھی کبھی کسی بُرے عمل یا بری عادت کی بُرائی بیان کرنے کے لیے اور لوگوں کو اس سے بچانے کے لیے یہ انداز بیان بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ "اس عمل یا عادت والا آدمی جنت میں نہ جائے گا"، اور مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ یہ عمل اور یہ عادت، شانِ ایمان کے خلاف، اور جنت کے راستہ میں رکاوٹ بننے والی ہے اس لیے جنت کے طلبگار اہلِ ایمان کو اس سے پورے اہتمام سے بچنا چاہیے۔ حارثہ بن وہب کی اس حدیث کا مقصد بھی یہی ہے کہ سخت گوئی اور درشت خوئی ایمان کے منافی اور جنت کا راستہ روکنے والی نہایت منحوس عادتیں ہیں جو کسی مسلمان میں نہ ہونی چاہئیں، اور ان ناپاک عادتوں والے لوگ، سچے مومنین کی طرح اور اُن کے ساتھ جنت میں نہ جاسکیں گے۔

(۱۲۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَدَمْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِيْنَ بِالْمَدِيْنَةِ وَاَنَا غُلَامٌ لَيْسَ كُلُّ اَمْرِيْ كَمَا يَشْتَهِيْ صَاحِبِيْ اَنْ يَكُوْنَ عَلَيْهِ مَا قَالَ فِيْهَا اُفٍّ قَطُّ وَمَا قَالَ لِيْ لِمَ فَعَلْتَ هٰذَا اَوْ اَلَّا فَعَلْتَ هٰذَا ——————— (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں مدینہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا اور میں نوعمر لڑکا تھا اس لیے میرا ہر کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے بالکل مطابق نہیں ہوتا تھا (یعنی نوعمری کی وجہ سے مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں) لیکن دس سال کی اس مدت میں کبھی آپ نے اُف کہہ کے بھی مجھے نہیں ڈانٹا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا۔

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس کی عمر تقریباً دس سال کی تھی۔ ان کی والدہ اُم سُلیم نے اُن کو مستقلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دیدیا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری روز حیات تک یہ آپ کی خدمت میں رہے، اُن ہی کا یہ بیان ہے کہ نوعمری اور بچپن کی وجہ سے آپ کے کاموں میں مجھ سے بہت سی کوتاہیاں بھی ہو جاتی تھیں، لیکن کبھی آپ نے مجھے کسی غلطی اور قصور پر اُف تک نہیں کہا اور کبھی مجھ پر غصہ نہیں فرمایا ——— بلاشبہ یہ بہت بڑی اور بہت مشکل بات ہے لیکن ہم امتیوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نرم مزاجی اور بردباری کا کوئی حصہ ہم کو بھی نصیب فرمائے۔

ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

مکتوبات کے پیرایے میں

۲

(از، مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی)

مکتوب (۶۷) حافظ محمد محسنؒ (دہلوی)[1] کے نام:-

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات۔ ـــ مکتوب مرغوب کے ورود سے ـــ جو از راہ محبت اس مسکین کے نام زد تھا ـــ مسرور ہوا ـــ چونکہ "احوالِ عالیہ" اور "اذواقِ سنیہ" پر مشتمل تھا اس لیے اس نے مسرت پر مسرت بخشی۔ .... تم نے لکھا تھا کہ کبھی کبھی ایک "نسبت" وارد ہوتی ہے یعنی ایک نورِ محض ظاہر ہوتا ہے اور خود کو اس نور میں گم پاتا ہوں اس نسبت کا نام سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا رکھا جائے؟ اس پر نور کا اطلاق اس کی حقیقت نہ معلوم ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ وہ ایسا امر ہے کہ تحریر و تقریر سے باہر ہے ـــ کسی چیز سے اس کی تعبیر نہیں کیجا سکتی، اور اس "مرتبہ مقدسہ" کے ظہور سے عجز و حیرت کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں ہوتا"۔ ـــ مخدوما! حضر:

---

[1] آپ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی اولاد سے تھے، خواجہ محمد معصومؒ کے بلند پایہ خلیفہ اور جامع علوم عقلیہ و نقلیہ تھے اپنے زمانے کے دہلی کے تمام علماء سے فائق تھے [illegible]ھ میں وفات پائی مزار دہلی میں مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے قریب میں ایک چبوترہ پر ہے (تذکرہ علماء ہند و مزارات اولیاء دہلی)

مجدد صاحب قدس سرہ نے "مراتب تعینات" کے اوپر ایک اور مرتبہ بھی بیان کیا ہے اور اس کو "نورِ صرف" سے تعبیر کیا ہے نیز اس کو "حقیقت کعبہ" قرار دیا ہے۔ تم جو چیز محسوس کرتے ہو اگر وہی حقیقت ہے جس کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے تو زہے سعادت ——— اس کا سایہ بھی ہے تب بھی غنیمت ہے ۔۔۔ الغرض جو کچھ بھی ہے کبریت احمر ہے۔ اس نسبت کی اصلیت اور بلندی کی وجہ سے ہی یہ بات ہے جو تم نے لکھی ہے کہ اکثر اوقات یہ نسبت نماز میں وارد ہوتی ہے بالخصوص نمازِ فرض میں جو جماعت ادا کی گئی ہو ۔۔ فراغتِ نماز کے بعد بھی جب تک محلِ نماز میں بیٹھے رہتے ہو یہ حالت باقی رہتی ہے بعد ازاں چھپ جاتی ہے"۔۔۔ مخدوما ۔۔۔ نماز معراج مومن ہے اور نمونہ "حالتِ معراجیہ" ہے ۔۔۔ ما بعد اللہ کے قدموں پر سجدہ کرتا ہے الخ تم نے یہ حدیث سنی ہوگی ...... نیز حدیث میں آیا ہے ۔۔۔ بندہ جب کہ نماز میں داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف توجہ ہو جاتا ہے الخ ۔۔۔ پھر نمازِ فرض کی خصوصیت جداگانہ ہے ۔۔۔ اور جماعت نور علیٰ نور ہے ۔۔۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نور سے روشن و منور کر دے گا جو اندھیروں میں مسجد کی طرف جاتے ہیں [اس کے بعد چند احادیث مسجد میں جانے اور مسجد میں نماز با جماعت پڑھنے کی فضیلت اور ثواب کے بیان میں تحریر کی ہیں] ۔۔۔ لکھا تھا کہ ترقی تلاوت قرآن مجید میں مفقود ہوتی ہے وہ دوسری چیز دل میں کم ہے خصوصاً وہ تلاوت جو نماز میں طول قنوت کے ساتھ کی جاتی ہے ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ یہ ترقی تلاوت و نماز و دعا کا دعویٰ نتیجہ ہے ۔۔۔ کلام صفتِ حقیقی ہے اپنے موصوف سے جدا نہیں ہوا کرتا ۔۔۔ اس صفت سے تعلق رکھنا موصوف سے کمالِ تقرب کا باعث ہے .... والسلام

مکتوب (۶۹) محمد باشم فتح آبادی کے نام :-

تم نے دریافت کیا تھا کہ حضرت حق جل شانہ کا عشق از راہ "دیدن" ہے یا از راہ "دانستن" جواب یہ ہے کہ از راہ "دیدن" نہیں ہے کیونکہ دیدار کا وعدہ تو آخرت میں ہے ۔۔ از راہ "شنیدن و دانستن" ہے۔ شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد — بسا کیں دولت از گفتار خیزد

کے مقام میں محبت معنی "ارادۂ طاعت" رہ جاتی ہے اور بس، بے آرامی و بے چینی اس میں نہیں ہوتی۔ یہ محبت اس قرب کی ہوتی ہے جو ہر شخص کو اپنی ذات کے ساتھ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ نازل، والیہ ۔۔۔۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے وجود سے زیادہ بظاہر کوئی محبوب نہیں الا ماشاء اللہ ..... پھر بھی اس سلسلے میں کوئی بے آرامی اور تڑپ نہیں پائی جاتی ــــــ تم نے لکھا تھا کہ ادائیگی عبادت خداوند تعالیٰ میں اپنے کو بہت قاصر و عاجز پاتا ہوں امور آخروی کے انجام دینے کی قدرت بہت کم دیکھتا ہوں۔ مخدوما! تم نے یہ جو کچھ لکھا ہے گویا اس فقیر کی بجنسہٖ ترجمانی ہے میں خود اپنی بے توفیقی کا تم سے کیا اظہار کروں۔۔۔ اس ناکارہ سے علاج طلب کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ عاریت طلب کرنے والے سے عاریت طلب کرنا یا کسی محتاج و مفلس سے سوال کرنا۔۔۔ یہاں تو طبیب خود بیمار ہے ــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے اور مراتب کمال کی طرف رہنمائی کرے ــــ

مکتوب (۱۰) شیخ مظفر کے نام :-

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ اللہ تعالیٰ "ابواب فیوض" کو ہمیشہ مفتوح رکھے۔۔۔ تمہارا مکتوب پہونچا۔۔۔ باعث مسرت ہوا ــــ تم نے اظہار اشتیاق ملاقات کیا ہے۔ اس جانب سے بھی اپنی ملاقات کا اشتیاق تصور کرو....... مخدوما اتباع سنت میں جان و دل سے کوشش کرو۔

سرور دین و دنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادات و عبادات کے جزو کل میں تشبہ کو سعادت عظمیٰ سمجھو یہی چیز "برکات" کا ثمرہ دیتی ہے اور یہی "درجات عالیہ" کا نتیجہ بخشتی ہے ــــ محبوب کی شکل اختیار کرنے والے بھی محبوب و مرغوب بن جاتے ہیں اس حقیقت کی گواہ یہ آیت کریمہ ہے ــــ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [اے محبوب کہہ دیجئے کہ اے لوگو اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو (اس اتباع کی برکت سے) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا (اور تم ترقی کر کے اللہ کے محبوب بن جاؤ گے)]

اپنے اوقات کو معمور رکھو ــــ نماز کو طول قنوت کے ساتھ ادا کرو اور کالی کالی راتوں کو گریہ و استغفار سے روشن کر دو ــــ کلمۂ طیبہ کی اتنی تکرار کرو کہ سوائے مراد حق کے تمام مرادوں سے

دل خالی ہو جائے، والسلام اولاً و آخراً ـــــــ

مکتوب (۱۰۰) شیخ بایزید (سہارنپوری) کے نام

[سفر حج بیت اللہ کا ارادہ ہو جانے پر]

اللہ تعالیٰ تم کو ما سوا کی غلامی سے آزاد اور جذباتِ معنویہ سے لذت یاب کرے ـــ تمہارا مکتوب پہونچا سبب مسرت ہوا ـــ مخدوما! ـــ امید ہو کہ ماہ ذوالحجہ کے آخر میں ۲۰ سے لیکر ۲۹ تک کسی تاریخ میں سرہند سے حج کے لیے روانگی ہوگی اور بندرگاہ ورتنہ سے کعبۂ مقصود تک رسائی میسر آئے گی ـــ ع تا در نیابد خواستہ کردگار چیست

عقل ہر چند نظر اسباب پر نظر کرکے پابند اسباب ہوتی ہے لیکن عشق باری تعالیٰ کے راستے میں جذبۂ شوق عقل سے باہر آنا چاہیے اور اپنی نظر تمام تر مسبب الاسباب پر رکھنا چاہیے کسی نے بہت اچھا کہا ہے ۔ ؎

دل اندر زلف لیلیٰ بند و کار از عقل مجنوں کن ٭ کہ عاشق را زیاں دارد مقالاتِ خردمندی

جو خواب تم نے دیکھا ہے وہ بہت عمدہ ہے اللہ تعالیٰ امورِ منتظرہ کو قوت سے فعل میں لائے اور طلب میں گرمی عطا فرمائے اور ما سوائے ہمیشہ کا راوے إنّہ قریبٌ مجیب ـــ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ تصوف اضطراب کا نام ہے جب سکون آیا تصوف نہ رہا" ـــ مرید کو اس صفت پر ہونا چاہیے جو اس آیۂ کریمہ میں مذکور ہے۔۔

حتیٰ اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ ۵ الآیہ (سورہ توبہ) یہاں تک کہ جب تنگ ہوئی ان پر زمین باوجود کشادگی کے ـــ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں، اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اب کوئی پناہ نہیں اللہ سے مگر اسی کی طرف] ـــ اب میں تم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں ـــ تم بھی مجھ کو خدا کے سپرد کرو ـــ دعائے سلامتی خاتمہ سے یاد رکھنا ۔ ؎

گر بمانیم زندہ بردوزیم	دامنے کز فراق چاک شدہ
ور بمیریم عذر ما بپذیر	اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

والسلام اولاً و آخراً ـــ

مکتوب (۵۰) علائی کی ایک مستورہ کے نام :- [تعزیت و نصیحت میں]

ہمشیرہ عفیفہ محترمہ کو لکھتا ہوں کہ ـــــ خبر وحشت اثر (غالباً مکتوب الیہا کے شوہر کے انتقال کی خبر) کو سن کر کیا بتاؤں کتنا صدمہ ہوا ـــ لیکن چونکہ ارادہ الٰہی یوں ہی تھا اسلئے سوائے صبر و شکیبائی کے چارہ نہیں ہے اور بجز تسلیم و رضا مفر نہیں ـــ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون ـــــ تمہاری دنیا چلی گئی ـــ اللہ تعالیٰ تم کو آخرت، دین اور اپنی جنت عطا فرمائے ـ اپنی آشنائی بخشے اور ماسوا سے رہا کرے ـــ

اوقات کو یاد حق سے معمور رکھو اور گذرے ہوؤں کو دعا و ایصالِ ثواب میں یاد رکھو۔ ـــ آج یا کل ہم بھی اسی جماعت رفتگاں سے ملحق ہوں گے اور اپنے خانماں سے جدا ہو جائیں گے اور "فرزنداں و خویشاں" کو الوداع کہیں گے ـــــ توشۂ آخرت کو مہیا کرو ـــــ قبر و قیامت کو نصب العین بناؤ ـــ

اللہ تعالیٰ تم کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور جمعیت ظاہر و باطن عنایت کرے۔ (انہ قریب مجیب۔)

معاشی مسائل و مشکلات کا اسلامی حل

(از، جناب مولانا عبد الباری صاحب ندوی)

(۲)

دل کی ٹیس

میں قلم ذرا بہک گیا! کہا یہ جا رہا تھا کہ معاشی مسائل و مشکلات کے اسلام کی نگاہ میں مسائل و مشکلات نہ ہونے کی دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ معاشی ضرورتوں کی تکمیل کا دارومدار انسانوں کی سعی انفرادی و اجتماعی بھسپھسی اور کمزور کوششوں پر صرف ظاہری حد تک ہے، ورنہ در اصل ان کی ذمہ داری ایسی مضبوط و محکم طاقت و قوت والے نے لے رکھی ہے، جس میں مجال نہیں کہ کوئی رخنہ و فتور راہ پا سکے۔ "متین" کے معنی ہی ہیں سخت ٹھوس کارگر۔ بالغ القوۃ ـــــ یعنی اللہ تعالےٰ کی رزق رسانی کی قوت ایسی کارگر ہے، جس میں تخلف کا کوئی امکان نہیں۔ لہٰذا خود کتاب اسلام کی صریح و منصوص تعلیم کی رو سے معاشی مسائل نفس معاشی اعتبار سے سرے سے حل طلب مسائل ہی نہیں۔

تدابیر معاش کی اجازت عبدیت کی ترقی کے لئے

اور جب درجہ میں ہیں ان کی بھی اساسی نوعیت وہی ہے کہ معاش کے کسب و تحصیل کے اسباب و تدابیر اختیار کرنے کا جو کچھ بھی حکم و اجازت ہے، وہ اسی لیے کہ اس راہ سے انسان کی خلافتی فطرت یا اختیاری عبدیت کی ترقی و تکمیل مقصود ہے۔ ورنہ جس طرح دوسری بے شمار انواع و اقسام کی حیوانی مخلوقات بلا اختیاری تدابیر و تجاویز یا منصوبہ بازیوں (Planing) کے محض جبلی طور پر اپنا پیٹ بھرتی رہتی ہیں، اسی طرح انسان کو بھی جس کی تعداد دیگر انواع حیوانات کے مقابلہ میں ہونے کے برابر ہے، کسب معاش کے اسی عام جبلی راستہ پر لگا دیا گیا ہوتا جس نے تمام دیگر حیوانات اپنی

معاشی حاجتوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ اس کو انفرادی واجتماعی طور پر اپنی معیشت کے کسب وحصول اور اس کے لیے نت نئی تدابیر واسباب کے اختیار کرنے بانئے نئے نظریات اور دعوتیں (آئیڈیالوجیاں) بناتے بگاڑتے رہنے اور عمر بھر اس ادھیڑ بن میں لگے رہنے کی مصیبت میں آخر ڈالا ہی کیوں گیا؟

جواب ایک یہی ہو سکتا ہے کہ زندگی رکھنے والی بے شمار انواع اور ہر نوع کے اربوں کھربوں افراد کی تعداد کے مقابلہ میں انسانوں کی کل دو ڈھائی ارب جو کچھ بھی مردم شماری ہو اس کے لیے معاش کی یہ بالکل انوکھی اور استثنائی صورت ضرور انسان کی کسی انوکھی یا استثنائی خلقت وفطرت ہی کا نتیجہ ہے جس کو قرآن نے خود انسان کے پیدا کرنے والے خدا کی روحانی (نفخت فیہ من روحی) یا خلافتی و امانتی فطرت وخلقت سے تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا اسلامی معاشیات کا مدعا معاش کی اس غیر حیوانی انوکھی راہ سے بھی دراصل انسان کی انسانیت یا اس کی روحانی وخلافتی فطرت ہی کو آگے بڑھانا ہے، نہ کہ جانوروں کی طرح صرف پیٹ بھر دینا۔

اسلامی حکومت کی ذمہ داری

البتہ زندہ رہے بغیر چونکہ انسان اپنی زندگی کے انسانی مدعا کو بھی کیسے آگے بڑھ سکتا یا خلافت وعبدیت کے مطالبات کی تکمیل ہی کیسے کر سکتا ہے، اس لیے معاشی مساوات کے دعوے وحمایت کے بغیر بقدر زیست وکارکردگی سب کی ضروریات زیست کا اہتمام وانتظام یہ اسلامی معاشیات وسیاسیات اور اسلامی حکومت کی بھی ذمہ داری ہے۔ اسی کا لحاظ اسلام نے اپنی معاشی تعلیمات وہدایات میں بھی رکھا ہے کہ فقر وغنا یا امیری وغریبی کے درجات کو بالکلیہ مٹانے کی غیر فطری کوشش کے بغیر تا بہ امکان ہر شہری اور ہر فرد کی واقعی وواجبی ضروریات زندگی ۔۔۔ نہ کہ فضولیات زندگی ۔۔۔ پوری ہوتی رہیں۔ ورنہ حکومت کا اصل فریضہ بس اتنے امن وامان اور عدل وانصاف کا قائم رکھنا ہے کہ ہر امیر وغریب شہری کو اپنے اپنے محل ومقام کے اعتبار سے زندگی کے دوسرے دائروں کی طرح کسب وانفاق کے معاشی دائرہ میں بھی زیادہ سے زیادہ اختیار وآزادی کے ساتھ اپنی اختیاری فطرت یا خلافت وعبدیت کی ترقی کے یکساں مواقع حاصل ہوں نہ کہ جدید حیوانی معاشیات وسیاسیات کی طرح محض حیوانی ومادی ضرورتوں کے یکساں مواقع۔ بہ الفاظ دیگر انسان کی اختیاری فطرت پر پابندیاں کم سے کم اور صرف اتنی ہوں کہ دوسروں کو بھی امن وامان

اور عدل و انصاف کی فضا میں رہ کر اپنی اصلی فطرت یا انسانیت کی تربیت و ترقی کے لیے بے روک ٹوک مواقع ملتے رہیں۔ اور کلیت پرست (Totalitarian) حکومتوں کی طرف سے قدم قدم پر مداخلت کی ٹھوکریں نہ لگتی رہیں۔

امن و امان اور عدل و انصاف کی مقدم شرط

دنیا کے کسی سماج کو بھی یہ امن و امان اور عدل و انصاف خالی فوج اور پولیس کی قوت یا عدالتوں پر عدالتوں کی کثرت سے ہرگز نصیب نہیں ہو سکتا۔ نہ ہر ہر شہری کے ساتھ دن رات پولیس کو متعین کیا جا سکتا ہے اور نہ کوئی انسانی عدالت کسی معاملہ و مقدمہ میں پورا پورا حق معلوم کر کے آسانی سے حقدار کو پہنچا سکتی ہے۔ اور نہ خود پولیس اور عدالت کے کارندوں ہی کی امانت و دیانت پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ خصوصاً لادینی یا نامذہبی حکومت و سیاست کے اس دور دورہ سے پہلے شاید ہی کبھی دنیا کو امن و امان اور عدل و انصاف کے خود محافظوں کی اتنی خیانتوں اور بدعنوانیوں سے سابقہ ہوا ہو۔ انسانی معاشرہ کو کسی معتد بہ حد تک امن و امان اور عدل و انصاف کی راہ پر چلانے کی مقدم شرط خود اس کے افراد میں نفسی و ذہنی تبدیلی پیدا کرنا یا قانون سازی سے کہیں زیادہ افراد سازی و انسان سازی ہے۔

ذہنی انقلاب

زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح ایمان اور عمل صالح کی اسلامی تعلیمات کا اصل زور معاشی شعبہ میں بھی افراد کے ذہنی و باطنی انقلاب ہی پر ہے۔ اس انقلاب کا ایمانی عنصر سب سے پہلا تو وہی ہے کہ معاد سے قطع نظر کر کے غیر معادی معاشیات کی طرح نہ معاش یا دنیا بالذات مطلوب ہے، نہ اس کا کوئی مسئلہ مسئلہ ہے۔ رزق و معاش کے ظاہری اسباب محض ظاہری ہیں۔ اصلی رزاق وہی مسبب الاسباب — ذوالقوۃ المتین — ذات ہے جس نے انسان ہی نہیں زمین پر چلنے بسنے والے ہر جاندار کی پوری پوری رزقی و معاشی ضمانت لے رکھی ہے۔ وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها — آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی فانی زندگی کے مسائل و مشکلات کی بے بضاعتی و حقارت ہی کو واضح کرنے کے لیے تو جا بجا بکثرت سے خود قرآن میں دنیوی زندگی اور اس کے ساز و سامان کو "متاع قلیل" [illegible] ہی کہا گیا ہے۔ اور بعض مقامات پر جس طرح ایک ... رزق و معاش کی

تنگی وکشادگی کا بالکلیہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کے ہاتھ میں ہونا جتلایا گیا، ساتھ ہی دوسری طرف یہ بھی جتلا دیا گیا کہ دنیا کا مال ومتاع کم ہو یا زیادہ اس پر اترانے والوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آخرت کے مقابلہ میں یہ زیادہ سے زیادہ ہونے پر بھی نہ ہونے کے برابر ہے ـــــ اللہ یبسط الرزق لمن یشاء ویقدر وفرحوا بالحیوٰۃ الدنیا وما الحیوٰۃ الدنیا فی الآخرۃ الا متاع (رعد ۴)

خدا کی ایک طرف رزاقیت یا معاشی ضمانت، اور دوسری طرف دنیا کی بے بباطی وبے مائگی کے مقابلہ میں آخرت کی زندگی اور اس کی ابدیت ان دونوں پر ایمان جتنا راسخ وقوی ہو گا، انسان اتنا ہی کم دنیا کے مال ودولت کا حریص ہو گا اور لازماً اسی قدر جعل وفریب، چوری ڈاکہ زنی، رشوت ستانی و بدعنوانی، ذخیرہ اندوزی ونفع بازی، ظلم وتعدی، قتل وخونریزی وغیرہ کے امن دشمن مفاسد ناپید ہوں گے۔ یہ جرائم زیادہ تر حرص وہوس ہی کی پیداوار ہوتے ہیں، جس کی بدولت آدمی مال ومعاش کے حصول وکسب میں جائز وناجائز حلال وحرام کے فرق وتمیز سے بے پرواہ ہو کر ہر بری بھلی راہ سے دوسروں کے مال ہی نہیں جان تک کا خواہاں بن جاتا اور معاشرہ کے امن وامان کو غارت کر دیتا ہے۔

معاشی حل کے دو خالص ایمانی عنصر

غرض (۱) جو حقیقی رزق رساں ہے اور رزق رسانی کی اسباب وبلا اسباب تدبیر وبلا تدبیر ہر طرح پوری قوت وقدرت رکھتا ہے، اس کی رزاقیت یا رزقی ضمانت پر اعتماد واطمینان اور (۲) اس اطمینان واعتماد کے باوجود اگر انفرادی یا اجتماعی طور پر معاش کی کوئی وقتی تنگی ترشی یا مشکل ومصیبت پیش آئے تو اس کو معاد کی ابدی زندگی کے مقابل میں نہ صرف حقیر وبے بباط بلکہ "بصیر بالعباد" کی بندہ پروری کی عین حکمت ومصلحت پر مبنی جاننا۔ (یعنی خدا کی پوری پوری رزقی ومعاشی ضمانت کا اطمینان اور معاشی خوش حالی وبدحالی کے ہر حال میں معاش سے زیادہ معاد کی مصلحت ومفاد پر نظر)، یہ تو معاشی مسائل ومشکلات کے اسلامی حل کے دو خالص ایمانی عنصر ہیں۔ اب معاش کے مقابلہ میں معاد یا آخرت کے ابدی فوز وفلاح کی اہمیت اور خدا کی طرف سے رزقی ضمانت کے اس دوگونہ ایمانی حل پر مبنی دو تدبیری حل لیجئے۔ ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر اور ہمارے معاشی وسائل واسباب کا بڑا وسیلہ

وسبب خود مسبب الاسباب کی رضاجوئی وخوشنودی کی فکر وسعی کے سوا کیا ہو سکتا ہے اسی فکر وسعی کا نام قرآن کی زبان میں تقویٰ یا پرہیزگاری کی زندگی ہے اور اسی خداپرستانہ سعی وتدبیر پر نہ کہ خدا چھوڑی منصوبہ بازیوں پر رزق ومعاش کی وسعت وخوش حالی کا وعدہ ہے، انفرادی بھی اور اجتماعی بھی۔

معاشی ودنیوی مشکلات کا حل تقویٰ

یہ تقویٰ جس فرد میں اور جس درجہ میں انفرادی طور پر ہوگا، اسی درجہ میں اسکے صرف معاش ہی کا نہیں ہر طرح کی دنیوی مشکلات کا مخلص ومخرج یا حل ثابت ہوگا۔ ظاہری اسباب وتدابیر کام دنا کافی بھی ہوں گی، تو بھی بے سان وگمان راہوں سے روزی مل کر رہے گی ــــ" جو بھی اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی یا پرہیزگاری کی راہ اختیار کرے گا، اس کے ہر معاملہ ومشکل میں اللہ تعالیٰ خلاصی کی راہ نکال دے گا۔ اور رزق وروزی ایسی راہوں سے عطا فرمائے گا جو اس کے وہم وگمان میں نہ ہوں گی" ــ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لایحتسب۔

یہی تقویٰ

جب اور جس درجہ میں کسی چھوٹے بڑے ملک ومعاشرہ میں پیدا ہوگا، اس کے معاش کی اجتماعی مشکلات کو دور کرے گا اور جب اور جس درجہ میں بجائے تقوے وتدین کے کسی فرد وجماعت میں کفر وطغیان خدا کی نافرمانی وسرکشی یا معاصی کا زور ہوگا، اسی قدر معاشی خلل وابتری کا بھی ظہور ہوگا۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو کسی بستی کی مثال سے اس طرح واضح فرمایا گیا ہو کہ

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ۔

"وہاں کے لوگ بڑے امن واطمینان سے زندگی بسر کررہے تھے رزق ومعاش کی بہتات تھی۔ پھر ان لوگوں نے اللہ کی ان نعمتوں کی ناقدری کرکے کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی، تو اللہ نے ان کی ان حرکتوں کی بدولت ان کو ہر طرف سے قلت وگرانی اور خوف وہراس کا مزہ چکھادیا۔"[۵]

۵۔ [illegible] (باقی اگلے صفحہ پر)

حالاں کہ ایمان وعمل صالح یا تقویٰ وتدین کی زندگی کی تعلیم وتلقین کے لیے

"ان کے پاس ان ہی میں سے رسول آچکا تھا۔ لیکن انھوں نے اس کو جھٹلایا تو لازماً اس کی سزا میں) ان کو (اس قحط وگرانی کے) عذاب نے پکڑ لیا (اور کیوں نہ پکڑتا) کہ انھوں نے ظلم پر بالکل کمر ہی باندھ لی تھی۔

ولقد جاءھم رسول منھم فکذبوہ فاخذھم العذاب وھم ظالمون

مگر اس کے ساتھ ہی اس معاشی مصیبت کا حل یہ تبلایا گیا ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح رزق ومعاش کے معاملات میں بھی رسول ہی کی لائی ہوئی تعلیم پر عمل کرو۔ یعنی ان کے ذریعہ حصول رزق یا کسب معاش کے جو حلال اور پاک وپاکیزہ ذرائع تعلیم کیے ہیں انکو اختیار کرو۔ اور ان ذرائع سے جو کچھ ملے اس کو اللہ کی نعمت جان کر شکر کرو۔ اور یہ جب ہی ہوگا کہ نہ (معاشیات میں بھی مارکس وغیرہ غیر اللہ کو معبود بنانے کے بجائے) اللہ ہی کی عبادت وعبدیت یا اس کے رسولوں کے لائے ہوئے احکام وتعلیمات کی فرمانبرداری واطاعت کو اپنا شعار بنالو۔

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔

(نحل ع ۱۴)

معاشی خوش حالی کا ایمان وتقویٰ پر وعدہ

اور بھی قرآن میں جا بجا معاشی خوش حالی و فارغ البالی یا رزقی برکتوں کا ایمان وتقویٰ کی زندگی ہی پر وعدہ فرمایا گیا ہے۔ سورۂ اعراف میں ہے کہ:۔

"ان بستیوں والے اگر ایمان وتقویٰ کی راہ

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کا نقشہ پھر جاتا ہے کہ جس ملک میں اناج کیا دودھ گھی کی نہریں بہتی تھیں اسی ملک میں آج مستقل کال ہے اور خالص دودھ گھی کا تو گنے چوگنے داموں پر بھی ملنا محال ہو رہا ہے! اور "ہر بزرِ نا" کا تو یہ حال ہے کہ اناج کی کمی کا رونا کچھ کم ہوتا ہے تو پیسہ کی کمی یا بیکاری کا رونا شروع ہو جاتا ہے۔ حد یہ کہ گرانی کی مصیبت دو پیسہ میں دو چار آنے کئی تو لے اب ارزانی مصیبت بن گئی ہو!

چلتے تو ہم ان پر آسمان و زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انھوں نے (ایمان یا ماننے کی جگہ جھٹلانے یا) تکذیب کی راہ اختیار کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے کرتوتوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا۔"

وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ۔

(ع ۱۲)

ایک جگہ اہل کتاب کے بارے میں خصوصیت سے ارشاد ہو کہ:۔

"اگر یہ لوگ توریت و انجیل اور جو کچھ خدا کی طرف سے اترا اس کی پوری پابندی کرتے تو اوپر اور نیچے (ہر طرف سے) خوب کھانے پینے کا سامان پاتے۔"

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ۔ (مائدہ ع ۱۰)

سورۂ ہود کے شروع میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ارشاد و وعدہ ہے کہ

"تم لوگ اپنے پروردگار سے (اپنی گذشتہ نافرمانیوں کی) معافی چاہ کر پھر سے اس کی طرف پلٹ آؤ (یا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا از سر نو عہد کر لو) تو وہ دنیا میں بھی تم کو مرنے تک خوش حالی عطا فرمائے گا۔"

وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى۔

پھر یہی دوسرے عنوان سے ہود علیہ السلام کی زبان سے ارشاد ہوا کہ

"اے میری قوم والو تم اپنے پروردگار سے (اپنی گذشتہ نافرمانیوں کی) معافی مانگ کر پھر اس کی طرف پلٹ آؤ (از سر نو اس کی فرمانبرداری کا تہیہ کر لو) تو وہ تم پر خوب پانی برسائے گا۔ (جس سے تمہاری کھیتی باڑی کی پیداوار خوب بڑھے گی) اور اللہ تعالیٰ تم کو قوت پر قوت زیادہ دے گا۔

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ

(ہود ع ۵)

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ:-

"کہ اپنے پروردگار سے گناہوں کی معافی چاہو، وہ بڑا معاف فرمانے والا ہے (کہ معاف کردینے کے بعد) تم پر خوب پانی برسائے گا اور تمہارے اموال و اولاد میں ترقی دے گا اور تمہارے لیے باغ لگادے گا اور نہریں جاری کردے گا (یعنی دنیوی یا معاشی راحت و فراغت عطا فرمائے گا)	فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا۔ (نوح ع ۱)

خدا سے روگردانی میں معاشی تنگی

جس طرح تقویٰ و تدین یا خدا پرستی کی زندگی آدمی کی دنیوی زندگی کو بھی پاک و پاکیزہ آسان و خوش گوار بنا دیتی ہے، اسی طرح حرص و ہوس اور دنیا پرستی کا بھوت یا خدا سے روگردانی دنیا کا سازوسامان اور جاہ و مال کی بہتات ہونے پر بھی آخرت سے پہلے خود دنیا ہی کی زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا (طٰہٰ ع ۷) سورۂ واللیل میں ہے کہ جس شخص نے داد و دہش عطا و بخشش (یعنی انفاق یا انفاقی ذہنیت) اور تقویٰ و نیکی کی راہ اختیار کی اس پر جلد ہی ہم آرام و آسانی کی زندگی آسان کردیں گے ـــ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ـــ بخلاف اس کے جس نے بخل و تنگی سے کام لیا اور خدا چھوڑ ، نیکی کے خلاف راستہ چلا تو اس کے لیے ہم سختی و دشواری کا سامان آسان کردیں گے[۱]۔ اور اس کا مال و متاع (جو بخل کرکرکے اس نے جمع کیا تھا) ہلاکت و بربادی سے اس کو نہ بچا سکے گا ـــ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ وَمَا يُغْنِي عَنْهُ مَالُهُ إِذَا تَرَدَّىٰ۔

دنیا ہی میں دنیا کا بھی لطف و نہ دنیا عذاب ہی عذاب ہے

خلاصہ یہ کہ اسلامی تعلیمات بلکہ خود کتاب اسلام کی کھلی کھلی آیات کی رو سے تقویٰ و پرہیزگاری یا ایمان و عمل صالح کی زندگی صرف آخرت و معاد ہی کی

[۱] یعنی جو چیزیں فی الواقع سختی کی ہیں اپنی ابلہی سے ان ہی کو آرام و آسانی کی کھکران ہی میں منہمک و ہلکان رہے گا۔

فوز و فلاح یا دنیا میں صرف معاش و رزق ہی کے مسائل و مشکلات کے حل کی ضامن نہیں، بلکہ مرد و عورت سب کی پوری زندگی کو پاک و پاکیزہ پر لطف و بامزہ بنا دینے کی ضمانت دیتی ہے ــــ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ــــ اس کے برعکس بے دینی و بد دینی کی راہیں مال و دولت کی کثرت ہوتے بھی اخروی و معادی ہلاکت و بربادی سے پہلے خود دنیا ہی کی معاشی و غیر معاشی ہر طرح کی زندگی کو عذاب بنا دیتی ہیں ــــ وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ أَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ــــ دنیا و دین سب ہی تباہ ہو کر رہتا ہے۔ بقول عارف روم

نے صفائے ماندش نے لطف و فر نے بسوئے آسماں راہِ سفر

سامان راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز

مجدد وقت حکیم الامت نے حرف حرف صحیح فرمایا کہ "سامانِ راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ جس کے پاس سامانِ راحت ہو، اس کو راحت بھی حاصل ہو اور نہ یہ ضرور ہے کہ جس کے پاس سامان راحت نہ ہو اس کو راحت حاصل نہ ہو" آگے قسم پر قسم کھا کر چیلنج فرماتے ہیں کہ راحت اور سامان راحت کا لازم و ملزوم نہ ہونا صرف دلائل ہی سے ثابت نہیں، بلکہ جس کا جی چاہے بے دین مالدار اور بے مال دیندار کی زندگیوں کو ذرا قریب سے دیکھ کر خود اس حقیقت کا مشاہدہ کرلے کہ

واللہ ثم واللہ

"آپ ایک کامل دیندار شخص کو لیں۔ مگر ہم جیسا دیندار نہیں بلکہ واقع میں کامل دیندار ہو اور ایک نواب و رئیس کو لیں۔ پھر ان کی اندرونی حالت کا اندازہ کریں تو واللہ ثم واللہ دیندار تو آپ کو سلطنت میں نظر آئے گا۔ اور یہ نواب و رئیس مصیبت میں گرفتار نظر آئے گا۔ اس مشاہدہ کے بعد تو آپ مانیں گے کہ راحت کا مدار سامان پر نہیں"[۵]

دین کم یا زیادہ جتنا بھی ہو دنیا اتنی ہی اچھی ہو گی

حضرت حکیم الامت نے تو "کامل دیندار" ہونے کی شرط لگائی ہے۔ لیکن راقم احقر کا تجربہ و مشاہدہ

[۵] تجدید تصوف صفحہ ۳۸

تو بلا ادنیٰ شک و شائبہ یہ رہا ہے کہ دیندار میں تھوڑا بہت جتنا بھی دین ہوگا بے دین مالدار کے مقابلہ میں اس کی دنیا بھی یقیناً اتنی ہی زیادہ مزہ دار ہوگی جس دنیا دار کا جی چاہے دین کو اپنی زندگی میں تھوڑا بہت شریک کر کے دیکھ لے کہ اُسی نسبت سے اُس کو دل کا سکھ چین پہلے سے زیادہ نصیب ہے یا نہیں۔ بشرطیکہ یہ تھوڑا بہت دین جو کچھ بھی ہو دل کے اندر اترا ہو۔ محض رسمی و ظاہری نسلی ونمائشی نہ ہو۔ ایک طرف دل کو اللہ سے کچھ نہ کچھ ایمانی تعلق اور آخرت پر نظر ہو اور دوسری طرف اسی کے مناسب عملی زندگی پر اثر ہو۔

اس کا تو گھر باہر آدمی اپنوں پرایوں سب کی انفرادی زندگیوں میں تجربہ و مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اور اجتماعی یا قومی و اقوامی زندگی میں روزانہ ایسی ہی خبریں اخباروں اور ریڈیو میں پڑھی سنی جاتی رہتی ہیں کہ بے دینی یا لادینی (سکولر) معیشت و سیاست کی راہوں سے دنیا کے معاشی و سیاسی مسائل و مشکلات بھی سلجھتے کم اور اُلجھتے زیادہ رہتے ہیں۔ ایک مصیبت ٹلی نہیں کہ دوسری اس سے بڑی جھانکنے لگتی ہے۔ معیشت میں تو اس کی مثالیں اوپر گذر چکیں، سیاست میں بھی یہ رنگ کہ ابھی کوریا اور ہند چین کی جنگ میں سالہا سال مسلسل کروڑوں اربوں کی جانی و مالی قربانیاں لے کر نام نہاد مصالحت کی روشنائی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ فارموسا اور اموائے میں جھڑپ کی اطلاعیں آنے لگیں اور کہا جانے لگا کہ شاید یہی تیسری جنگ جہاں گیر کا پیش خیمہ ثابت ہو۔[۵]

خدا کا حکیمانہ قانون معاشی مساوات کی اندھی لاٹھی نہیں

اللہ تعالیٰ کی اکثری عادت یا عام قانون و انتظام تو یہی ہے کہ ایمان و عمل صالح یا تقویٰ و طاعت کی ذہنیت و برکت سے دنیا کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں بھی راحت و فراغت اور امن و عافیت عطا ہوتی ہے۔ اور کفر و کفران یا فسق و طغیان

---

[۵] اور آج ہی (۵ جنوری ۵۵ء) اس مبیضہ کی تصحیح کر کے اخبار جو کھولا تو اس میں یہ خبر درج ہے کہ "امریکی ساتویں بحری بیڑے کے وائس ایڈمرل نے اعلان کیا کہ آئندہ صرف چند ہی دنوں میں کوئی بڑا واقعہ ہو سکتا ہے جس کے لیے ہم کو تیار رہنا چاہیے اور کہا کہ ساتواں بیڑا فارموسا میں اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہو۔

کی بدولت دنیا میں بھی مصیبت و عسرت یا پریشانی و بدامنی ہی کا سامنا رہتا ہو. لیکن خدائی قانون و انتظام سب کو مساوات کی ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکتا، وہ حاکم کے ساتھ حکیم بھی ہے. اس کی رزقی تقسیم یا معاشی انتظام بھی مساوات سے کہیں زیادہ ہر فرد و جماعت ہر ملک و ملت کی زیادہ اہم و اعلیٰ تکوینی و تشریعی یا تربیتی حکمتوں پر مبنی ہوتا ہے۔ بلکہ عسرت و فراغت کے مختلف درجات کو مٹا کر عام طور سے سب کو رزقی وسعت و فراخی عطا فرما دی جاتی تو اس سے زمین میں بغاوت و شرارت اور پھیل جاتی ــــ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ــــ نہ کوئی کسی کا محتاج و تابع ہوتا نہ کوئی حکومت و ریاست چل سکتی۔ ہر طرف بدامنی اور زراع ہی زراع ہوتا۔

ابتلائی حکمتیں وہ اپنے بڑے بڑے نیک بندوں اولیا، و انبیاء تک کو امتحانی و ابتلائی حکمتوں سے بظاہر بڑے بڑے جانی و مالی مصائب و مشکلات میں ڈالتا ہے۔ وہ اپنے یوسفؑ کو کنویں میں پھینکتا، زنداں میں ڈالتا اور پھر اسی راہ سے دنیا میں بھی عزیز مصر کی عزت و شوکت تک پہونچاتا ہے۔ وہ یعقوبؑ کو نور نظر کے فراق میں رُلا رُلا کر ان کی آنکھوں کو سپید و بے نور کر دیتا ہے۔ اور پھر ملا کر آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے۔ وہ سلیمانؑ کو جن و انس پر حکومت عطا کرکے وقت کا سب سے بڑا بادشاہ بنا دیتا ہے۔ اور سب سے بڑے اور پوری اولاد آدم کے فخر و سرتاج سید الانس والجن، نبیوں کے نبی خاتم النبیین (صلوات اللہ علیہم اجمعین) کو بادشاہت دے کر خود اختیاری فقر و فاقہ کی شانِ عبدیت کا تماشا دکھلاتا ہے اور خود زبانِ نبوت سے مسکنت کی زندگی و موت، اور مساکین ہی کے زمرہ میں حشر کے دن اٹھنے کی دعا منگواتا ہے ــــ اللھم احینی مسکینا وامتنی مسکینا واحشرنی فی زمرۃ المساکین ــــ بلکہ سچ یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ امتحان و آزمائشِ جان و مال ہر طرح کی ایمان و اسلام کی زندگی کے لوازم میں داخل ہو۔ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ۔ اور کچھ نہ کچھ آزمائش و امتحان کی کسوٹی میں پڑے بغیر خالی زبانی اقرار، ایمان در اصل ایمان کا نام ہی نام ہوتا ہے۔ ارشاد ہے کہ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض زبان سے ایمان کا اقرار کرکے چھوٹ جائیں گے اور کسی آزمائش میں نہ ڈالے جائیں گے ــــ اَحَسِبَ النَّاسُ

اَنۡ یُّتۡرَکُوۡۤا اَنۡ یَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَهُمۡ لَا یُفۡتَنُوۡنَ (عنکبوت ع ۱)

اسی طرح دوسری جگہ اگلے پیمبروں اور ان کی مثال سے تنبیہ فرماکر ارشاد ہے کہ:۔

"کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (ایمان و اسلام کے نام کی محض چھاپ لگاکر) جنت میں پہونچ جاؤ گے حالاں کہ ابھی تم پر امتحان (و ابتلا) کی کوئی ایسی (معاشی وغیر معاشی) تنگی سختی نہیں آئی جیسی تمھارے پہلوں پر کہ وہ بالکل ہلاڈالے گیے یہاں تک کہ خود پیمبر اور ان کے ساتھ دوسرے ایمان لانے والے چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی (گھبراؤ مت) یاد رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اس کی مدد (دور نہیں) قریب ہی ہے (آیا ہی چاہتی ہے)

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ مَعَهٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِیۡبٌ۔

(بقرہ ع ۲۶)

اس سے معلوم ہوا کہ اس دنیا کی حد تک جانی و مالی کچھ نہ کچھ ابتلائی مصائب و مشکلات سے گذرنا عوام و خواص فرد و جماعت سب کے لیے دولت ایمان و اسلام کے لوازم میں ہے جس سے مقصود کبھی انابت و استغفار کی طرف متوجہ فرمانا ہوتا ہے۔ کبھی معاصی و سیئات کا کفارہ یا تطہیر مدنظر ہوتی ہے، کبھی روحانی و قلبی بیماریوں کا علاج یا ہدایت قلب مطلوب[1] ہوتی ہے، اور کبھی رفع درجات یعنی بڑے بڑے اولیا و اتقیا بلکہ حضرات انبیا تک بھی اسی طرح طرح کی مصیبتوں اور سختیوں میں مبتلا نظر آتے ہیں اس ابتلا کا مدعا ان کے درجات، قرب، و لایت یا مقبولیت کو اور بلند کرنا یا بڑھانا ہوتا ہے۔

ذلیل کا خدائی قانون بنا بریں ہذا جس طرح ایک طرف دنیوی زندگی کی ظاہری تنگیاں اور سختیاں یا ناکامیاں خدا کی ناراضی کی دلیل یا ایمان و تقوے

[1] ما اصاب من مصیبۃ الا باذن اللّٰہ ومن یومن باللّٰہ یہد قلبہ۔ (تغابن)

کے منافی نہیں بلکہ بار ہا اس کی ترقی و تکمیل کے لیے ہوتی ہیں، اسی طرح دوسری طرف دنیا کی ظاہری کامیابیاں و خوش حالیاں یا مال و متاع کی فراوانی نہ خدا کی خوشنودی کا پروانہ ہے اور نہ کفر و عصیان کی زندگی کی سند۔ بلکہ اکثر جب فرد یا جماعت کا طغیان و عصیان، سرکشی و نافرمانی حد سے گذر جاتی ہے تو رسی ڈھیلی کردی جاتی ہے۔ اور شیطان کی طرح شیطان کی ذریت کو بھی مہلت دے دی جاتی ہے۔ اور بظاہر جاہ و ثروت، مال و معیشت، حکومت و سیاست، علوم و فنون دنیا کی ہر ہر چیز کے دروازے ان پر کھول دیے جاتے ہیں جن کا اصطلاحی نام استدراج ہے اور خود حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص گناہوں اور سرکشیوں میں بے باکی سے مبتلا ہے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ دنیا کی مرغوب و محبوب چیزیں جاہ و مال وغیرہ اس کو عطا فرما رہا ہے، تو سمجھ لو کہ یہ استدراج ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے سورۂ انعام کی وہ آیات تلاوت فرمائیں جن میں خود قرآن نے اس استدراج و تمہیل یا ڈھیل کے خدائی قانون یا عادۃ اللہ کو بیان فرمایا ہو۔

جب (حضرات انبیاء کی لائی ہوئی تعلیم و) تذکیر کو وہ جان بوجھ کر بھلا بیٹھے تو ہم (خدا) نے بھی (رسی ڈھیلی کردی اور (دنیوی ساز و سامان کی) ہر شئی کے دروازے ان پر کھول دیے یہاں تک کہ جب وہ اس (ساز و سامان) کے ملنے پر خوب مگن تھے، تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا جس پر وہ ہکابکا ہو کر رہ گئے (اور کچھ بنائے نہ بنی)	فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُم بَغْتَةً فَإِذَا هُم مُّبْلِسُونَ۔ (ع ۵)

نیک و بد ہر راہ میں خدائی مدد کی حکمت

انسان کو اس کی خلاقی خلقت و فطرت کی بنا پر چونکہ ارادہ کی آزادی یا اختیار و قدرت اراد ے کر پیدا کیا گیا ہے اس لیے قدرۃ پیدا کرنے والا اپنی شان ربوبیت و پروردگاری کے تحت ہمارے ارادے کی اختیار کردہ ہر راہ میں مدد کرتا ہو۔ وہاں روک اور کمی ہی کس چیز کی ہو۔

كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا۔

سورۂ ہود میں اسی حقیقت کا کس وضاحت و قوت کے ساتھ واشگاف اعلان ہو کہ:۔

جو کوئی اس دنیا کی پست زندگی اور اس کی رونق و بہار ہی کا ارادہ کر لیتا ہے تو ہم دنیا کی حد تک اس کے اس ارادہ پر جتنی کاموں کو بھرپور پورا کر دیتے ہیں۔ کوئی کمی و کسر نہیں رہنے دیتے۔	مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۔ (۲۴)

لیکن ساتھ ہی دوسری طرف دنیا کے ان مریدوں اور پرستاروں کے لیے

"آخرت (کی ابدی زندگی) میں بجز جہنم کی آگ کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور دنیا کے کارنامے (اور کامیابیاں) وہاں سب کی سب اکارت ثابت ہوں گی۔	أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (۲۴)

"فتح ابواب" کا نقشہ

مطلب یہی ہوا کہ خدا و آخرت کو بھلا کر خالص دنیا کی زندگی میں استغراق اور اس کی ظاہری کامیابیاں اور کامرانیاں اسلام کی نگاہ میں اس زندگی کے جواز و صحت کی دلیل و علامت کسی درجہ میں بھی نہیں۔ آج کل کی خدا بیزار اور آخرت فراموش دنیا کی ظاہری چمک۔ بھڑک، چہل پہل اور نت نئی سائنسی ایجادات و اکتشافات دیکھ کر راقم سطور کی آنکھوں کے سامنے تو بالکل "فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ اور هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ" کا نقشہ کھنچ جایا کرتا ہے۔ بلکہ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کی نئی ایجادات و تجربات سے تو اندیشہ ہونے لگتا ہو کہ اچانک پکڑ۔۔۔ اخذنا هم بغتة ۔۔۔ کا وقت کہیں سر ہی پر تو نہیں آگیا! ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسرين۔

آگ سے پیاس بجھانے کی ضد

لیکن یہاں خصوصیت سے معاشی مسائل و مشکلات کے ذیل میں زیادہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ظاہر میں اس لادینی یا خدا اچھوڑی زندگی پر ہر چیز کے دروازے کھل جانے کے باوجود ظاہر و باطن

دونوں کے اعتبار سے ماڈرن دنیا کو معاشی سکھ چین کتنا نصیب ہے؟ باطن کی راحت یا دل کی طمانیت، کو خالی معاشی معیار کی بلندی یا ظاہری اسباب اور مال و دولت کی حرص و ہوس میں تلاش کرنا پیاس کو آگ سے بجھانے کی نسدا اور دانشمندی کے سوا کیا ہے۔ اس کی تو ایک ہی راہ جیسا کہ ابھی اوپر ہی معلوم ہو چکا، ایمان و عمل صالح کی زندگی یا خدا کی یاد و تعلق ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ رہی ظاہر کی معاشی فراغت و وسعت تو تاریخ کے تاریک سے تاریک زمانوں نے بھی وہ ہمہ گیر مہیب گرانی و قلت کیوں دیکھی ہوگی جو ماڈرن دنیا کی روشن ترین بیسویں صدی کے عین وسط میں قریب قریب ساری دنیا نے دیکھی کہ آدھا نہارا پیٹ بھرنے اور ستر عورت ڈھکنے بھر کے غلے کپڑے کے لیے بھی ہاتھ میں راشن کارڈ لیے گھنٹوں بھوکوں ننگوں کو قطاریں بنائے دوکانوں پر کھڑے رہنا پڑتا ہو۔ غلے کپڑے کا ذکر ہی کیا نمک تک کے راتب بندی سے ملنے کی نوبت آگئی! اور نت نئے ماڈرن منصوبوں (پلانوں) اور کروروں اربوں روپیہ پانی کی طرح بہا دینے والی تدبیروں کے باوجود خود ہمارا ہندوستان اور پاکستان کھانے پینے کی اس فراغت کو ترس رہا ہو جو اپنی سائنسی دنیا سے ہر طرح کی پسماندگی کے باوجود ابھی دس بارہ سال قبل تک نصیب تھی۔

معاشی اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی رضا طلبی

معاشی مسائل و مشکلات کے حل کے سلسلہ میں ذکر اسلام کے دو ایمانی حلوں کے بعد اس کے تیسرے عملی و کلیدی حل تقویٰ کا چل رہا تھا۔ رزق و معاش کے سلسلہ میں تقویٰ نام ہے طلب رزق کے ذرائع و اسباب سے زیادہ مسبب الاسباب کی رضا طلبی و فرمانبرداری کے اہتمام کا جس کے ہاتھ میں سارے معاشی و غیر معاشی معاملات بلکہ ساری زمین و آسمان کی کائنات کی کنجیاں ہیں۔ وہی اپنے علم کے مطابق کم زیادہ جس کو جتنا چاہتا ہے رزق عطا فرماتا ہے۔ لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَاءُ وَیَقْدِرُ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ (شوریٰ) بالفاظ دیگر جس کے قبضۂ قدرت میں ہر طرح کے اسباب و وسائل ہیں بلکہ جس کی انتظامی حکمت و قدرت ہی نے کنجیوں کو کنجیاں یا اسباب کو اسباب بنا رکھا ہے، جب وہ ہماری اطاعت و تقویٰ کی بنا پر ہم سے راضی ہو تو اسباب بلا اسباب اپنی حکمت کے موافق جس کو جو کچھ اور جتنا چاہے دیتا اور دے سکتا ہو۔ اور اگر اسباب ہی کی راہ سے دینا چاہے، جیسا کہ عام عادت اللہ ہی،

تو اسباب کا پیدا کر دینا یا کمزور اسباب کو قوی کر دینا بھی تو تمام تر اسی کے اختیار میں ہے۔

اسلامی توحید کی ابجد لہٰذا اسباب کی راہ سے بھی معاشی مسائل و مشکلات کا اسلامی حل نفس ظاہری اسباب و تدابیر پر بھروسہ کرنا نہیں، بلکہ تمام انفرادی و اجتماعی تدبیروں اور منصوبوں (Planing) میں بھی قدم قدم پر اللہ تعالیٰ ہی کے احکام و مرضیات کو مقدم رکھنا ہے، کہ ان کو کامیاب و کارگر بنانا بھی بالکلیہ اسی کی مشیت مرضی پر موقوف ہے۔ اسلام کی توحیدی تعلیم کی تو یہ بالکل ابجد ہے کہ اسباب ہی نہیں اسباب کے نتائج کا پیدا کرنے والا بھی صرف اللہ ہی ہے۔

تقویٰ کی حقیقت اور اسی لیے لازماً رزق و معاش کے معاملہ میں بھی جن لازم و غیر لازم ظاہری اسباب و تدابیر یا تشریعی اوامر و نواہی مثلاً زکات و انفاق کا امر و حکم اور سود وغیرہ حرام کسب کی مختلف صورتوں کی نہی و ممانعت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کو متعلق فرما دیا ہے، وہی ظاہری طور پر معاشی مسائل و مشکلات کے حل میں کارگر و بابرکت ثابت ہوں گے۔ اس طرح اسبابی نقطہ نظر سے بھی تقویٰ یا پرہیزگاری کی زندگی پر غور کیجئے تو چونکہ تقویٰ کی معنوی و اصطلاحی حقیقت ہی اللہ تعالیٰ کے ڈر سے اس کی ناخوشی و نافرمانی کی ہر چھوٹی بڑی چیز سے حتی الامکان پرہیز و احتیاط ہو۔ لہٰذا مال و معاش کے کسب و حصول اور خرچ و انفاق دونوں میں بھی ہر طرح کی دانستہ یا اختیاری بے عنوانیوں سے مقدور بھر بچنے کی فکر اس کا لازمہ ہوگا۔

متقی آدمی ایک طرف کسب میں جعل و فریب، رشوت و خیانت، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اغرہ پروری وغیرہ کی تمام ایسی ناجائز و نامناسب راہوں سے دور رہے گا جن سے دوسروں کو کوئی چھوٹا بڑا معاشی ضرر و نقصان پہونچتا ہو۔ دوسری طرف خود اپنے مال و متاع کے انفاق میں شراب خوری و حرام کاری کے سے کھلے کھلے معاصی و محرمات ہی سے احتراز نہ کرے گا، بلکہ مکروہات تک سے اجتناب ہی کو پسند کرے گا۔ مباحات میں بھی تن پروری عیش کوشی اور نمود و نمائش وغیرہ کی فضول خرچیوں یا اسراف و تبذیر کے قریب نہ جائے گا جس کی بدولت آپ سے آپ کم و بیش ہر چھوٹی بڑی آمدنی یا ادنیٰ و اعلیٰ ہر معاشی سطح والے افراد و طبقات سب کے مصارف معتد بہ حد تک گھٹ کر صرف خود اپنی غذا و لباس وغیرہ کی حقیقی معاشی ضروریات کے لیے

تھوڑی بہت وسعت و فراغت نصیب ہو جائے گی بلکہ بہتیروں کی آمدنی میں اتنی برکت ہوگی کہ اپنے پرائے حاجتمندوں کی معاشی مشکلات کو اعانت و قرض وغیرہ کی انفاقی ذہنیت والی ہمدردانہ مدد و تعاون سے کچھ نہ کچھ حل کر سکیں۔ نہ کہ بنیوں مہاجنوں یا کسی حرص والوں کی طرح دوسروں کو کنگالی پہ پا کر اُلٹے ان ہی سے اپنی تجوریوں کا پیٹ بھرنے کی فکروں میں لگ جائیں۔

معاشی مشکلات کا عملی حل

اسی لیے مذہب اور اس کی رزقی ضمانت نیز دنیا کی فانی زندگی پر نظر سے زیادہ آخرت کی باقی و ابدی زندگی پر ایمان اور اسی ایمان پر مبنی عمل صالح یا تقویٰ کی زندگی ہی دراصل معاشی مسائل و مشکلات کے جس عملی حل پر اسلام اور کتاب اسلام کا سب سے زیادہ زور ہے وہ معاشرہ کے افراد و طبقات سب میں زیادہ سے زیادہ انفاقی ذہنیت پیدا کرنے کا کام ہے۔ اسی سے آدمی اپنے اور اپنے زیر دستوں کی واقعی و حقیقی معاشی حقوق پورا کر کے جس کے پاس کم یا زیادہ جو کچھ بچے گا حسب گنجائش دوسروں کی معاشی مشکلات کو دُور کرنے اور اپنے پس انداز سرمایہ کو سرمایۂ آخرت بنانے اور خوشی خوشی خدا کی خوشنودی حاصل کرنے میں لگا تا رہے گا۔

الفرقان ۔ ابھی اس سلسلہ کا کچھ حصہ اگرچہ باقی ہے لیکن جس کتاب (تجدید معاشیات) کا یہ باب ہے چونکہ وہ اب چھپ کر تیار ہو چکی ہے، نیز اس دوسری قسط پر بات ایک حد تک پوری بھی ہو چکی ہے اس لیے اسی قسط پر یہ سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔

● ہمارا ایمان ہے کہ دنیا و آخرت کی فلاح قرآن ہی کے اتباع پر منحصر ہے

اور

● ہماری تیرہ سو سال کی تاریخ کا تجربہ بتلاتا ہے کہ دنیا میں عزت و سربلندی بھی قرآن ہی کے اتباع پر موقوف ہے
● اس ایمانی اور تجرباتی حقیقت کے احساس کو بیدار کرنے اور اسے صحیح راہ پر لگانے اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے

ماہنامہ صبح صادق لکھنؤ ۱۵ جنوری ۱۹۵۶ء کو

"قرآن نمبر" پیش کر رہا ہے

● آپ اس نمبر میں قرآن کی دعوت، اس کے مطالبات اس کی تاثیر اور انقلاب انگیزی اس قسم کے تمام موضوعات پر بلند پایہ اور اعلیٰ قدر و قیمت کے مضامین پڑھ سکیں گے۔

یہ "قرآن نمبر"

● علوم قرآن، تاریخ قرآن، اشخاص قرآن، امکنہ قرآن، فضائل قرآن اور آداب قرآن سے متعلق مضامین کا ایک قابل قدر خزانہ ہوگا۔

● قرآن کی تدوین کب اور کس طرح ہوئی، قرآن فہمی کے شرائط اور اصول کیا ہیں، قران کی خدمت کن کن زبانوں میں ہوئی اور کن حضرات نے یہ خدمت انجام دی ان تمام سوالات کے جوابات بسط و تفصیل کیساتھ اس نمبر میں ملینگے

● ارکان ادارہ صبح صادق کے علاوہ جن جلیل القدر علماء اور ماہرین علوم قرآنی نے اس نمبر میں قرآن کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی ہے ان میں سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:۔
"مولانا عبدالماجد دریاآبادی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین، مولانا شاہ معین الدین ندوی، مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی"

نوٹ:۔ جن حضرات کا زر تعاون سالانہ مبلغ چار روپیہ یکم جنوری ۵۶ء تک دفتر صبح صادق پہنچ جائے گا تو یہ نمبر مستقل خریداروں کی طرح بلا کسی مزید قیمت کے ان کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

۵۰ پہلے ۵۰ طالب علم جو مبلغ تین روپیہ ۲۰ دسمبر تک دفتر صبح صادق میں بھیج دینگے وہ سال بھر کے لیے خریدار بن سکتے ہیں اور اس طرح تین روپے میں قرآن نمبر بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ
ناظم ماہنامہ صبح صادق "مکارم نگر، لکھنؤ"

پاکستان کے معاونین ذیل کے پتہ پر اپنا زر تعاون بھیج کر ہمارے پاس رسید بھیج دیں
جناب شجاعت علی صاحب، نمبر ۲۷، کاٹن ایکسچینج بلڈنگ
میکلوڈ روڈ، کراچی، پاکستان

اجمال کی تفصیل

از، عتیق الرحمٰن

جماعت اسلامی کے حلقہ سے شائع ہونے والے ایک مضمون پر، ذیقعدہ سنہ ۷۴ھ کے الفرقان میں تنقید کرتے ہوئے ہم نے اپنا یہ احساس ظاہر کیا تھا کہ سلف صالحین اور امت کے مسلّمہ ائمہ و مجددین کے ساتھ ایسی بے تکلفی و بے باکی ذہن کا مظاہرہ اس مضمون میں کیا گیا تھا) کی ذمہ داری ایک حد تک اکابر جماعت اسلامی پر بھی عائد ہوتی ہے ۔۔۔۔ اور کیوں عائد ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں ہم نے کچھ اجمالی اشارات کیے تھے، جن کا حاصل یہ تھا کہ ان حضرات کی تحریروں میں ایک ایسا عنصر موجود ہے جو اسلاف سے بے اعتمادی پیدا کرتا ہے بلکہ بعض تحریریں تو صراحۃً اس نتیجہ تک پہونچاتی ہیں کہ یہ جو ائمۂ دین و مجددین کہلاتے ہیں دین کو سرے سمجھے ہی نہیں۔ جماعت اسلامی کے حضرات نے ہمارے اس کہنے کا بہت بُرا مانا اور نہ صرف بُرا مانا بلکہ یہاں تک کہدیا کہ یہ صرف بہتان تراشی اور افترا پردازی ہے جس کا مقصد محض جماعت اسلامی کو بدنام کرنا اور اسکے خلاف اشتعال پیدا کرنا ہے۔

ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ جہاں ایک طرف جماعت اسلامی کے بعض مخالفین نے جوش مخالفت میں یہ وطیرہ اختیار کرلیا ہے کہ صحیح اعتراضات کے ساتھ ساتھ بہت سے ناحق الزامات بھی وہ اس جماعت کے سر عائد کر رہے ہیں اور مستقبل کے شبہات و خطرات کی بنا پر، اس کے ساتھ وہ معاملہ کر رہے جو حال کے حقائق و واقعات کی بنا پر کیا جاسکتا تھا، وہاں دوسری طرف جماعت اسلامی کا جوش مدافعت بھی ایک مستقل جارحانہ رنگ اختیار کرتا جا رہا ہے۔ اور وہ یہ کہ ہر اس شخص پر بیک جنبش قلم بہتان تراشی اور اشتعال انگیزی کی فردِ جرم عائد کردی جاتی ہے جو جماعت اسلامی

پر کسی پہلو سے بھی تنقید کرے۔ خواہ وہ ایسا کرنے میں کتنا ہی حق بجانب کیوں نہ ہو۔ ناظرین الفرقان واقف ہیں کہ ہم نے (جماعت اسلامی کے بعض افکار کو انتہائی غلط سمجھتے ہوئے بھی) کبھی اسکی اندھا دند مخالفت میں حصہ نہیں لیا، اور نہ کبھی کسی انداز سے اس طرز مخالفت کی تائید کی۔ بلکہ اللہ جانتا ہو کہ جب کبھی کسی حلقہ سے بھی جماعت اسلامی یا مولانا مودودی کی جانب ایسی چیزیں منسوب کی گئیں جن میں ہمارے علم کی حد تک واقعیت نہیں تھی، ہم نے اپنے دل میں انتہائی کوفت محسوس کی۔ اور آج بھی جبکہ خود ہمارا شمار "معاندین" اور "متعصب مخالفین" میں کیا جا چکا ہے، جب ایسے اخبارات و رسائل نظر سے گزرتے ہیں جنھوں نے جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی مخالفت میں ہر بات کو جائز کر رکھا ہو تو ہمیں انتہائی افسوس ہوتا ہو، بلکہ حال ہی میں ہندوستان میں جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن نے (جو جماعت سے الگ کر دیے گیے تھے) ایک رسالہ نکالنا شروع کیا ہے جس نے نکلتے کے ساتھ ہی مولانا مودودی اور ان کے بعض رفقاء کو ہدف بنا لیا ہے، ممکن ہے مدیر رسالہ ایسا کرنے میں اپنے نزدیک مخلص اور حق بجانب ہوں۔ مگر ہمارے نزدیک چونکہ ان کا انداز مخالفت نہایت نامناسب تھا اس لیے ان سے تبادلہ تک سے معذرت کر دی گئی اور لکھ دیا گیا کہ براہ کرم آئندہ رسالہ بھیجنے کی زحمت نہ فرمائیے! انھوں نے تبصرہ کی فرمائش کی تو اس کی تعمیل سے بھی صرف اسی بناء پر معذرت کر دی گئی کہ ہم اگر دیانت داری کے ساتھ تبصرہ کریں گے تو بہت سخت ہوگا، جو خواہ مخواہ ان کی ناگواری کا باعث ہوگا۔ رسالے کا نام لینے کی ضرورت نہیں، جماعت اسلامی کے حضرات ہمارا اشارہ یقیناً سمجھ گیے ہوں گے۔

بہرحال اس واقعہ کے ذکر سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ ہم بحمد اللہ کسی اندھے بغض یا گروہی عصبیت میں مبتلا نہیں ہیں ورنہ ایسے اخبارات و رسائل سے بجائے ناگواری کے ہمیں خوش ہونی چاہیئے تھی، انھیں ہاتھوں ہاتھ لینا چاہیئے تھا، اور اپنے ناظرین سے ان کا تعارف کرانا چاہیئے تھا۔ مگر جیسا کہ بتلایا جا چکا، جماعت اسلامی کے یہاں اب اپنے ناقدین اور مخالفین کی کوئی تقسیم نہیں رہی ہو۔ سب کے لیے ایک ہی نام ہے معاند، افترا پرداز اور بہتان تراش!

——— بلکہ حال ہی میں جماعت اسلامی کے ترجمان "دعوت" نے جماعت اسلامی کی مخالفت کرنے والے اخبارات و رسائل کی جو بلیک لسٹ شائع کی ہو اور جس میں اس مخالفت کا مقصد

صاف الفاظ میں "صدٌ عن سبیل اللّٰہ" بتلایا گیا ہے، تعجب نہ کیجئے کہ اس میں "الفرقان" کا نام اسی رسالہ کے پہلو بہ پہلو رکھا گیا ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہوا ہے ۔۔۔۔ اس منظر کو دیکھ کر مذکورہ رسالہ کے مدیر کو اور بعض دوسرے رسائل کے مدیران کو بھی (جن پر الفرقان کا موقف واضح ہے) الفرقان بیچارہ کے حال پر جتنی بھی ہنسی نہ آئی ہو تھوڑی ہے کہ بیچارہ نے اپنی دیانت دارانہ رائے کے مطابق ہزار اپنے کو اوروں سے الگ رکھنا چاہا مگر جس سے انصاف کی خاطر اس نے ایسا کیا خود اسی نے اس کو اوروں کی صف میں ڈھکیل دیا ۔۔۔۔ اس لیے اب اپنی انصاف پسندی کا یقین دلانے اور اپنی واقعی پوزیشن بتانے سے کسی فائدہ کی امید نہیں۔

البتہ یہ ضروری ہو کہ ہم نے اکابر جماعت اسلامی کی تحریروں کے متعلق جو بات کہی تھی اسکے ثبوت میں چند مثالیں ان کی تحریروں سے پیش کر دیں تاکہ کم از کم غیر جانبدار ناظرین یہ فیصلہ کر سکیں کہ ہم نے جو کچھ کہا کسی معقول بنیاد پر کہا تھا یا محض بہتان تراشی کی تھی ۔۔۔۔ اور اس سے مقصد صرف اپنی برأت اور صداقت ظاہر کرنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی پیش نظر ہے کہ اگر ہمارے اجمالی اشارات سے ذمہ داران جماعت اسلامی کی نظر واقعۃً ان چیزوں کی طرف نہیں جا سکی تھی جو ان اشارات سے مراد تھیں تو اب وہ چیزیں ان کے سامنے صراحت اور تعین کے ساتھ آجائیں۔ اور اس شدید بدگمانی کی فضا میں بھی کچھ بعید نہیں ہے کہ دو چار حضرات ایسے نکل آئیں جو ٹھنڈے دل سے ان چیزوں پر غور کر سکیں۔

اکابر جماعت اسلامی کی ایسی تحریریں تو بہت سی ہیں جنھیں کسی خاص طبقہ کے حق میں اس کے مخصوص مزاج کے پیش نظر اسلاف سے بے اعتمادی کا موجب قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر جس طرح ان تحریروں کے بارہ میں ایک رائے یہ ہو سکتی ہے اسی طرح اسکے برخلاف بھی ہو سکتی ہے ورنہ کم از کم اتنا تو کہا ہی جا سکتا ہے کہ یہ تحریریں بذات خود کسی حضرت کی حامل نہیں ان میں اگر مضرت کا کوئی پہلو پیدا ہوتا ہو تو وہ خارجی اثر ہے۔ یعنی کسی خاص طبقہ کے حق میں ان کی مضرت اسکے مخصوص مزاج کی بناء پر پیدا ہوتی ہے، اور ہو سکتا ہے کہ لکھنے والے کے پیش نظر وہ خاص طبقہ نہ رہا ہو یا اس کے مخصوص مزاج کا اندازہ یا اسکی طرف توجہ نہ ہو ۔۔۔۔ اس لیے ہم ایسی تمام تحریروں کو نظر انداز کرتے ہوئے جن کے بارہ میں دو رائیں ہو سکتی ہیں اکوئی عذر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت صرف ایسی

چند تحریریں مثال میں پیش کریں گے جو بلا کسی خارجی عامل کے بذات خود اسلاف کے اعتماد کو مجروح کرتی ہیں اور منطقی طور پر ان کے بارہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔

(۱)

اس سلسلہ میں پہلے نمبر پر ہم مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی مشہور کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کا "مقدمہ" پیش کرینگے۔ اس کتاب میں مولانا نے قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات ــــ الٰہ، رب، عبادت، دین ــــ کی تشریح فرمائی ہے۔ اور مقدمہ میں اس تشریح کی ضرورت یہ بیان فرمائی ہے کہ قرآن کی ان بنیادی اصطلاحات کے صحیح مفہوم پر صدیوں سے پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم، بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہو گئی ہے اس لیے ضرورت ہے کہ ان اصطلاحوں کی پوری پوری تشریح کی جائے۔ اس سلسلہ میں مولانا لکھتے ہیں کہ:۔

"عرب میں جب قرآن پیش کیا گیا تھا اس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ اِلٰہ کے کیا معنی ہیں اور رب کسے کہتے ہیں، کیوں کہ یہ دونوں لفظ ان کی بول چال میں پہلے سے مستعمل تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ ان الفاظ کا اطلاق کس مفہوم پر ہوتا ہے، اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ اللہ ہی اکیلا اِلٰہ اور رب ہے اور الوہیت و ربوبیت میں کسی کا قطعاً کوئی حصہ نہیں، تو وہ پوری بات کو پا گئے۔ انھیں بلا کسی التباس و اشتباہ کے معلوم ہو گیا کہ دوسروں کے لیے کس چیز کی نفی کی جا رہی ہے اور اللہ کے لیے کس چیز کو خاص کیا جا رہا ہے۔ جنھوں نے مخالفت کی یہ جان کر کی کہ غیر اللہ کی الوہیت و ربوبیت کے انکار سے کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے اور جو ایمان لائے وہ یہ سمجھ کر ایمان لائے کہ اس عقیدہ کو قبول کر کے ہمیں کیا چھوڑنا اور کیا اختیار کرنا ہو گا۔ اسی طرح عبادت اور دین کے الفاظ بھی ان کی بولی میں پہلے سے رائج تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ عبد کسے کہتے ہیں عبودیت کس حالت کا نام ہے۔ عبادت سے کونسا رویہ مراد ہے اور دین کا کیا مفہوم ہے۔ اس لیے جب ان سے کہا گیا کہ سب کی عبادت چھوڑ کر صرف اللہ کی عبادت کرو اور ہر دین سے الگ ہو کر اللہ کے دین میں داخل ہو جاؤ

ع۵ ان دو تین سطروں میں جو الفاظ آئے ہیں وہ قریب قریب سب مولانا ہی کے ہیں جو مقدمہ کے آخری حصہ سے ماخوذ ہیں۔

تو انھیں قرآن کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی غلط فہمی پیش نہ آئی۔ وہ سنتے ہی سمجھ گئے کہ یہ تعلیم ہماری زندگی کے نظام میں کس نوعیت کے تغیر کی طالب ہو۔

لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے، بدلتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لیے خاص ہو گیا۔ اسکی ایک وجہ تو خالص عربیت کے ذوق کی کمی تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی سوسائٹی میں جو لوگ پیدا ہوئے تھے ان کے لیے الٰہ اور رب اور دین اور عبادت کے وہ معانی باقی نہ رہے تھے جو نزول قرآن کے وقت غیر مسلم سوسائٹی میں رائج تھے۔ انہی دونوں وجوہ سے دور اخیر کی کتب لغت و تفسیر میں اکثر قرآنی الفاظ کی تشریح اصل معانی لغوی کے بجائے ان معانی سے کی جانے لگی جو بعد کے مسلمان سمجھتے تھے"

(قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں صفحہ ۹ مقدمہ)

یہ بغیر کسی خیانت، تحریف اور کاٹ چھانٹ کے خود مولانا کی عبارت ہو۔ یہ عبارت اتنی صاف ہو کہ ہمیں اپنی طرف سے اس کا مطلب اور اسکے مضمرات بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ مولانا کا کھلا ہوا دعویٰ یہ ہو کہ قرآن کی الٰہ، رب، عبادت اور دین جیسی بنیادی اصطلاحات کے جو اصلی مفہومات تھے وہ صدر اوّل کے بعد باقی نہیں رہے اور صدر اوّل سے جتنا جتنا بعد بڑھتا گیا اتنے ہی ان الفاظ کے معنیٰ بدلتے، گھٹتے اور مبہم ہوتے چلے گیے۔ پھر مولانا کے اس بیان میں کوئی استثنا نہیں ہے جس کا صاف مطلب یہ ہو کہ بعد کی صدیوں میں کوئی ایک بھی ایسا قابل ذکر شخص نہیں گزرا جو ان اصطلاحات قرآن کے اصلی معنیٰ اور ان کی پوری وسعتوں سے آگاہ ہو۔ رہا یہ پورا سلسلہ جو حاملین علوم دین اور ائمہ و مجددین کا ہمیں صدر اوّل کے بعد یا بعد کی صدیوں میں نظر آتا ہے۔ اس کا تو ذکر ہی کیا۔ بہر حال قطع نظر اسکے کہ "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ" (الحدیث) جیسے نصوص کی موجودگی میں مولانا کا یہ بیان صحیح ہو بھی سکتا ہے یا نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مولانا کے اس بیان سے متاثر ہونے کے بعد، بعد کی صدیوں کی ان تمام شخصیتوں کے متعلق جنھیں ہم دین کے شارح، مفسر اور معتمد نمائندگان کی

حیثیت سے بات تو ہے ہی یہ خیال قائم ہوجانا ضروری اور لازمی ہے کہ یہ لوگ من اولہم الی آخرہم قرآن کی بنیادی اصطلاحات کے اصلی اور مکمل مفہومات سے نابلد تھے۔ اور اسکے نتیجہ میں لازماً یہ خیال پیدا ہوجانا بھی ضروری ہے کہ ان کی نگاہوں سے قرآن کی حقیقی روح مستور تھی۔ قرآن کی پوری تعلیم ان کے لیے غیر واضح تھی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود ان کا عقیدہ اور عمل دونوں ناتکمل تھے۔ اس لیے کہ جو شخص قرآن کی بنیادی اصطلاحات سے پوری طرح واقف نہ ہوگا اس کا یقیناً یہی حال ہوگا۔

آپ خفا نہ ہوں یہ نتیجہ کی بات بھی ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے ہیں خود مولانا قرآن فہمی میں ان بنیادی اصطلاحات کی اہمیت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:-

"اگر کوئی شخص نہ جانتا ہو کہ الٰہ اور رب کا مطلب کیا ہو، عبادت کی تعریف کیا ہے اور دین کسے کہتے ہیں تو دراصل اس کے لیے پورا قرآن بے معنیٰ ہوجائے گا۔ وہ نہ توحید کو جان سکے گا، نہ شرک کو سمجھ سکے گا، نہ عبادت کو اللہ کے لیے مخصوص کرسکے گا اور نہ دین ہی کو اللہ کے لیے خالص کرسکے گا۔ اسی طرح اگر کسی کے ذہن میں ان اصطلاحوں کا مفہوم غیر واضح اور نامکمل ہے تو اس کے لیے قرآن کی پوری تعلیم غیر واضح ہوجائے گی اور قرآن پر ایمان رکھنے کے باوجود اس کا عقیدہ اور عمل دونوں نامکمل رہیں گے۔" اھ (صدٔ مقدمہ)

اب فرمایئے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ خیال کرلیا جائے کہ ان کی نگاہوں سے قرآن کی حقیقی روح مستور تھی، اور اس کی پوری تعلیم ان کے لیے غیر واضح تھی، ان کے علم و فہم پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے اور [illegible] بزرگان کے انھیں کیا وقعت دی جاسکتی ہے؟ اور پھر اگر طبیعت [illegible] تو ایسے حضرات کی آراء و افکار پر تنقید کرتے ہوئے کیا چیز بے باکی اور بے [illegible] مانع ہوسکتا ہے؟

ہم مولانا کی نیت کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں کرتے ممکن ہے مولانا کو اس کا اندازہ بھی نہ ہو کہ ان کے اس بیان کی زد کہاں اور کس طرف پڑے گی۔ مگر منطقی نتائج تو کسی نیت کے پابند نہیں ہوا کرتے۔ "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کا مقدمہ بذات خود اسلاف سے بے اعتمادی

پیدا کرنے کی پوری صلاحیت اپنے اندر رکھتا ہے وہ منافیت برو‌ئے کار آ کر رہے گی اور رہی!

(۲)

اس کے بعد ہم جماعت اسلامی ہند کی دوسری بڑی شخصیت مولانا صدر الدین صاحب اصلاحی کا وہ مضمون پیش کریں گے جو "دین کا قرآنی تصور کیا ہے اور کیا نہیں؟" کے عنوان سے ماہنامہ "زندگی" رام پور کی کئی اشاعتوں[۵] میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، یہ بتلایا ہے کہ دین اور خدا پرستی کا کونسا تصور خالص قرآنی اور اسلامی ہے اور کونسا تصور غیر قرآنی۔ اس تحقیق کے سلسلہ میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ دین کے قرآنی اور غیر قرآنی تصورات کا جائزہ لیا ہے۔ پھر ان میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے تقاضے بتلائے ہیں، اس کے بعد یہ دکھلایا ہے کہ کتنے غیر قرآنی افکار جو دراصل غیر قرآنی تصور دین کے تقاضے تھے مسلمانوں میں گھس آئے اور اسلامی تعلیمات میں سے سمجھے جانے لگے۔

اس جائزہ میں انھیں سب سے زیادہ قابل فکر و حیرت انگیز واقعہ یہ نظر آیا کہ یہ غیر قرآنی افکار صرف عام، دنیادار اور نام نہاد پیروان قرآن ہی تک محدود نہیں رہے ہیں بلکہ بڑے بڑے مخلص دیندار اور اساطین امت تک کسی نہ کسی حد تک ان افکار کو شرف قبول بخشتے ہوئے نظر آتے ہیں مثلاً امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ہرویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، اور یہ دو چار نہیں ایسی بے شمار قابل احترام ہستیاں ہیں جو کم و بیش اسی حال میں نظر آتی ہیں۔ اور اس حیرت انگیز واقعہ کا سبب ان کے نزدیک یہ ہے کہ ان حضرات کے بنیادی تصور دین ہی میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ "پیروان قرآن میں غیر قرآنی افکار" کی مثالیں پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"یہ ہیں وہ چند بہت ہی نمایاں اور اہم غیر قرآنی افکار، جو پیروان قرآن کے ذہنوں میں سرایت کر گئے ہیں، اور برسوں سے امت کے اجتماعی کردار پر غیر معمولی اثر ڈالتے رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک کا عمل دخل یکساں گہرا نہیں، اور نہ سب کے دائرہ ہائے اثر یکساں وسیع ہیں، لیکن قرآن کی تعلیمات سے اس کے نزاع،

---

۵ اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۵۳ء۔ جنوری ۱۹۵۴ء

اس کے مطمح نظر سے، اس کے افکار و تصورات سے میل نہ کھانے میں سب برابر کے شریک ہیں اور کارزار حیات کے اندر قرآنی تصور دین کے کارفرما ہونے کی فطری راہ روکنے میں کوئی پیچھے نہیں ہے"

آگے چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:۔

"سوال یہ ہے کہ ان بیگانے اور زہریلے افکار کو اس دراندازی کا موقع کیسے مل گیا؟ اگر دنیا کے طلبگاروں ہی تک ان کی پذیرائی محدود ہوتی تو یہ سوال کوئی سوال نہ تھا۔ ہر شخص بیک نگاہ جان لے سکتا تھا کہ یہ دراصل اغراض پرستی کے کرشمے ہیں جو انسان کو دین (کی)[1] ایسی ہی تعبیرات کی تلاش میں سرگرداں رکھتی ہے، جس کے ذریعے دنیوی اغراض کا حصول آسان تر ہو جائے، دنیا کے پیچھے بھاگنے والا تو کبھی اس امر میں کوئی باک ہی نہیں محسوس کرتا کہ حسب ضرورت ہو، نفسانیت کی قینچی اٹھائے اور دین کی قطع و برید کر ڈالے۔ اپنے مفاد کے موقف سے اسلام کی جیسی تصویر چاہے بنا ڈالے ـــــ لیکن معاملہ بڑا ہی صبر آزما اور سخت پیچدار بن جاتا ہے جب (ان) افکار کو کسی نہ کسی حد تک شرف قبول بخشتے ہوئے کچھ دوسری طرح کے لوگ بھی دکھائی پڑتے ہیں[2] جن پر اس طرح کی کسی اغراض پرستی اور زمانہ سازی کا الزام لگانا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاص کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں۔ جن کی بلندیوں تک نفسانیت کے زاغ و زغن پرواز کرنے کی ہمت ہی نہیں رکھتے، جن کی تابناک سیرتوں پر نگاہوں کا ٹھہرنا بھی آسان نہیں، اور جن کی پوری زندگی اللہ کی تقدیس اور حمد و تسبیح میں تحلیل ہو کر رہ گئی تھی۔ ایسے ارباب خلوص و دیانت کے بارے میں یہ گمان کہ انھوں نے جانتے بوجھتے ان افکار کے لیے اپنے سینے کھول دیے ہوں گے، وہی شخص کر سکتا ہو جو یا تو دماغی فتور میں مبتلا ہو یا قلبی شقاوت

---

[1] کہیں کہیں الفاظ چھوٹے ہوئے معلوم ہوئے انھیں اپنی طرف سے اس طرح قوسین میں لکھ دیا گیا ہو۔ (ع)

[2] انھیں لوگوں میں امام غزالی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ ہیں۔ (ع)

ہیں اس لیے صورت واقعہ اس کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ کچھ خاص اسباب کے ماتحت ان کے یہاں دین کے بنیادی تصور ہی کے اندر کسی ایسے انحراف نے راہ پالی جو معمولی صورت تھا اور اپنے آب و رنگ سے مشکل پہچانا جاسکتا تھا جس کے باعث انہیں ذرا نہ محسوس ہو پایا کہ اس طرح کا کوئی حادثہ پیش آ رہا ہے۔"

(زندگی بابت جنوری ۵۴ء صفحہ ۲۳-۲۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ متعدد غیر قرآنی افکار جو دراصل غیر قرآنی تصور دین کے برگ و بار ہیں نہ صرف یہ کہ عرصۂ دراز سے عوام اور نام نہاد پیروان قرآن کے ذہنوں میں سرایت کیے ہوئے ہیں بلکہ بہت سے وہ حضرات بھی جن کے سروں پر امامت و تجدید کے تاج رکھے ہوئے ہیں، جو گذشتہ صدیوں میں دین کے کامل و معتمد ترین نمائندے اور کتاب و سنت کے انتہائی مستند شارح مانے گئے ہیں اور جن کی یہ حیثیت اہل حق میں آج بھی مسلم ہے، ان غیر قرآنی افکار کو سینہ سے لگائے رہے ہیں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے یہاں دین کے بنیادی تصور ہی میں کچھ بگاڑ آگیا تھا یعنی ان حضرات کا تصور دین خالص قرآنی نہیں تھا، بلکہ اس میں غیر قرآنی تصور دین کی کچھ آمیزش ہو گئی تھی۔

جناب مضمون نگار نے کہنے کو تو یہ بات کہدی کہ ائمہ و مجددین کی صف کے ان اہم ترین اشخاص کے بنیادی تصور دین ہی میں بگاڑ پیدا ہو گیا تھا مگر پھر انھوں نے محسوس کیا کہ یہ گولی اتنی کڑوی ہے کہ بعض لوگوں کے حلق سے آسانی سے نہیں اتر سکتی اور اس بات کو تسلیم کرنے میں ذہنوں کو رکاوٹ پیش آئے گی۔ چنانچہ انھوں نے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ لوگ شرح صدر کے ساتھ ان کے اس نتیجہ فکر کو تسلیم کرلیں۔ خود ہی لکھتے ہیں کہ:-

"اگرچہ پچھلی بحثوں کے ضمن میں اس بات کے متعدد کھلے ہوئے آثار و قرائن معرض تحریر میں آچکے ہیں کہ مذکورہ بالا انحراف نظر یا غلطی افکار کا سبب تصور دین ہی کا بگاڑ ہے، لیکن چونکہ یہ بات بڑی اہم ہے اور اس کا اثر امت کی بے شمار قابل احترام ہستیوں پر کچھ اس طرح کا پڑتا ہے جو ہماری عقیدتوں پر گراں ہو سکتا ہے؏ اس لیے ضرورت ہے کہ اس کی کچھ اور شہادتیں بہم پہونچالی جائیں تاکہ ذہنوں کو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے۔" (صفحہ ۲۷)

؏ ان الفاظ کو اچھی طرح ذہن میں رکھیے۔ ہم آگے صرف یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ "کچھ اس طرح کا" اثر کیا ہوگا۔ (ع)

ہمیں اس وقت اس سے بحث نہیں کہ فاضل مضمون نگار کی یہ تحقیقات صحیح ہیں یا غلط! اور ہم اس چیز سے بھی صرف نظر کرتے ہیں کہ مضمون نگار کی یہ کوشش کہ امام غزالیؒ، مجدد الف ثانیؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے ائمہ ہدیٰ کے بنیادی تصور دین میں بگاڑ کا وقوع تسلیم کر لینے میں ذہنوں کو کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے، کس مقصد کی غمازی کرتی ہے۔ اس وقت سوال صرف اتنا ہے کہ کیا ان تحقیقات سے متاثر ہونے کے بعد اور پورے شرح صدر کے ساتھ یہ سمجھ لینے کے بعد کہ امام غزالی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ جیسے ائمہ و مجددین کا بنیادی تصور دین ہی صحیح نہیں تھا بلکہ وہ کچھ قرآنی اور کچھ غیر قرآنی تصور دین کا معجون مرکب تھا۔ ان حضرات کے فہم دین پر کسی قسم کا اعتماد باقی رہ سکتا ہے؟ اور دین میں ان کے آراء و اقوال کو کوئی وزن دیا جا سکتا ہے۔؟

بالکل سیدھی سی بات ہے کہ دین کا قرآنی تصور جو بھی کچھ ہو وہ بہرحال قرآن کی بنیادی تعلیمات کے صحیح فہم سے پیدا ہوتا ہے۔ پس جن لوگوں کے متعلق یہ خیال کر لیا جائے گا کہ ان کا تصور دین خالص قرآنی نہیں تھا ان کے متعلق لازماً یہ رائے قائم ہوگی کہ ان کو قرآن کی بنیادی تعلیمات کا صحیح فہم حاصل نہیں تھا۔ اور ایسے حضرات جنھیں قرآن کی بنیادی تعلیم کا صحیح فہم حاصل نہ ہو فہم دین کے معاملہ میں یقیناً کسی اعتماد کے مستحق نہیں ہو سکتے اور کتاب و سنت کی شرح و تفسیر میں ان کے اقوال اور ان کی آراء کا بجائے خود کوئی وزن نہیں محسوس کیا جا سکتا! ــــ اور جب یہ گذشتہ صدیوں کے منتخب اشخاص قابل اعتماد نہ رہیں گے تو ــــ بدیگراں چہ رسد!

اسی بنا پر اس مضمون کے متعلق ہم قطعی طور پر یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس سے متاثر ہونے کے بعد گذشتہ صدہا برس کے سلف صالحین و ائمہ و مجددین پر دین کو سمجھنے سمجھانے میں کسی قسم کے اعتماد کا سوال باقی نہیں رہ جاتا ـــ خواہ انھیں نہایت مخلص و باخدا اور ذاکر و شاغل قسم کے بزرگ سمجھا جاتا رہے۔

سلف صالحین کے اعتماد کو سب سے زیادہ مجروح کرنے والا تو اس مضمون کا یہی پہلو ہے کہ اس میں ان کے تصور دین کو غلط تسلیم کرانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس حد تک کی گئی ہو کہ "ذہنوں کو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہ جائے" اس کے علاوہ ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ

وہی ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ذیقعدہ کے "نگاہِ اوّلیں" میں ہم نے لکھا تھا کہ مودودی صاحب کی صولی نشان دہی کے بعد جماعت اسلامی کے بعض اہل قلم نے اکابر امت و ائمہ دین کی غلطیوں کی تفصیلات اور جزئیات مہیا کرنے کا کام شروع کیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس مضمون کی تیسری قسط میں مضمون نگار نے ان افکار و مقتضیات کو گنایا ہے جو دین کے غیر قرآنی تصور سے پیدا ہو سکتے ہیں (اور وہ یہ ہیں۔ ترکِ دنیا[1]، وحی و رسالت سے بیگانگی[2]۔ دین کی محدودیت[3]، اور وحدتِ ادیان[4]) پھر چوتھی قسط میں یہ دکھایا ہے کہ یہ غیر قرآنی افکار، پیروانِ قرآن کے ذہنوں میں بھی سرایت کیے ہوئے ہیں اور اُس کے ثبوت کے طور پر انھوں نے گزشتہ دور کے دینی لٹریچر سے نکال کر ایک طویل فہرست ان عبارات و اقوال کی پیش کی جو انھیں ان غیر قرآنی افکار کے حامل نظر آئے۔ یہ عبارات اور یہ اقوال جہاں کچھ مجذوبین کے ہیں وہیں کچھ صوفیائے محققین اور غزالیؒ و شاہ ولی اللہ جیسے ائمہ مجددین کے بھی ہیں۔ اس کے بعد پانچویں قسط میں انھوں نے اپنے قارئین کو یہ بتلایا کہ ایسی ایسی عظیم المرتبت شخصیتوں کے ان غیر قرآنی اور زہریلے افکار کے لیے اپنے سینے کھول دینے کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ ان کے بنیادی تصورِ دین ہی میں کچھ فتور پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے بعد — جیسا کہ ہم سابق میں بتلا چکے ہیں — انھوں نے محسوس کر کے کہ یہ بات بہت سخت اور دور رس ہے اور آسانی سے تسلیم نہیں کی جا سکتی، اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے دعوے کے حق میں کچھ اور شہادتیں بہم پہنچائی جائیں تاکہ ناظرین پورے شرحِ صدر کے ساتھ یہ بات مان لیں کہ ہاں واقعی ان مخلص و باخدا بزرگانِ دین اور ائمہ مجددین کے بنیادی تصورِ دین ہی میں کچھ بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے ایک بار پھر گزشتہ دور کے دینی لٹریچر کا جائزہ لیا اور پھر ایک طویل فہرست ان بزرگانِ دین اور ائمہ و مجددین کی ان عبارتوں کی پیش کی جو انھیں غیر قرآنی افکار کی حامل نظر آئیں یا یوں کہیے کہ جو اُن بزرگوں کی غلطی افکار کی مثالیں ہیں۔ چنانچہ وہ مزید شہادتوں کی ضرورت کا اظہار اُن الفاظ میں کرنے کے بعد جو سابق میں نقل کیے جا چکے ہیں۔ لکھتے ہیں:-

"ظاہر ہے کہ اس غرض کے لیے ہمیں پھر اُسی دینی لٹریچر کا جائزہ لینا پڑیگا جو گزشتہ زمانوں میں عبادت اور خدا پرستی کے موضوع پر فراہم ہو چکا ہے ...... اس ذخیرے سے منتخب کی ہوئی حسبِ ذیل چند باتوں پر غور کیجیے" (زندگی بابتہ جنوری ۱۹۶۵ء ص ۲۷)

اس کے بعد مسلسل چھ سات صفحوں میں وہ عبارتیں نقل ہوتی چلی گئی ہیں۔ اور یہ عبارتیں جن حضرات کی ہیں ان میں حضرت شاہ ولی اللہ کی اہم شخصیت کے علاوہ دو اور اہم شخصیتیں شیخ الاسلام ہروی اور حضرت مجدد الف ثانی کی بھی ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہم۔

بہرحال ہمیں کہنا یہ تھا کہ سلف صالحین کے اعتماد کو مجروح کرنے والا، اس مضمون کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ان حضرات کی غلطی افکار کی مثالوں کی ایک پوری فہرست مرتب کر کے رکھ دی گئی ہے جسے دیکھ کر وہ لوگ جو ان حضرات کے مقام سے واقف نہیں ہیں یقیناً یہی کہہ اٹھیں گے کہ انھوں نے تو دین کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے کہ رہبانیت اور روح رسالت سے بیگانگی، جیسے صریح غیر قرآنی افکار تک کو دین میں گھسا دیا!

ہم سمجھتے ہیں کہ اکابر جماعت اسلامی کی تحریروں میں اگر اس طرح کی کوئی اور چیز نہ بھی ہو تو یہی دو تحریریں صدر اول کے بعد کے سلف صالحین اور مسلمہ ائمہ مجددین سے بے اعتماد کر دینے کے لیے بالکل کافی ہیں اور ان سے متاثر ہونے کے بعد ناواقفوں کو یہی سمجھنا چاہیے کہ شروع کی ایک آدھ صدی کو چھوڑ کر دین کی حقیقی روح اور اس کا کامل صحیح تصور مستور ہی رہا حتیٰ کہ اب چودھویں صدی میں آ کر مودودی اور ان کے رفقا نے اس حقیقی روح پر سے پردہ اٹھایا اور اس کامل صحیح تصور کو اجاگر کیا جو صدر اول میں پایا جاتا تھا۔

اس خیال کے قائم ہو جانے کا ایک قدرتی نتیجہ تو یہ ہے جس کی طرف ہم نے پہلے توجہ دلائی تھی کہ سلف صالحین کے علم و فہم کی دقعت دلوں سے نکل گئی اور ہر ایرے غیرے کو جرأت ہو گئی کہ ان کے آراء و افکار کو نشانہ تنقید بنا لے اور اگر طبیعت میں بے باکی کے جراثیم ہیں تو پھر وہ تنقید اس نمونہ کی ہو جس کا ایک نمونہ ذی قعدہ کے الفرقان میں پیش کیا جا چکا ہے۔

یہ نتیجہ جو ظہور میں آ چکا ہے، صورتاً شنیع تو بہت ہے مگر دین کے لیے اتنا مضر حقیقتاً نہیں ہے جتنا ایک دوسرا نتیجہ جو ظہور میں آ سکتا ہے اور وہ یہ کہ دین ایک بازیچۂ اطفال بن جائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دس پانچ صدیاں تو درکنار بیچ کے کسی ایک دور کے متعلق بھی یہ کہنا کہ اس دور میں دین کی بنیادی حقیقتوں کا وہ مفہوم محفوظ نہیں رہا جو صدر اول میں سمجھا گیا تھا، اس بات

کا اعلان ہو کہ صدر اوّل کا مفہوم ہم تک متواتر نقل کے ذریعہ نہیں پہونچ سکا ہے —— پھر وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے ہمیں قطعیت کے ساتھ معلوم ہو سکے کہ صدر اول میں ان حقیقتوں کا کیا مفہوم تھا؟ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی ذریعہ ہمارے پاس نہیں۔ قطعیت اور یقین کا فائدہ دینے والا ذریعہ صرف نقل متواتر ہو سکتی تھی اور اس کا ہم انکار کر چکے ہیں۔ اب معاملہ ہمارے فہم پر آکر ٹھہر جاتا ہے کہ ہم کتاب وسنت کے الفاظ پر عربی لغت، اہل زبان کے استعمالات اور دیگر قرائن کی روشنی میں غور کر کے ان حقیقتوں کا کوئی مفہوم متعین کریں۔ مگر ظاہر ہے کہ کیسے ہی روشن دلائل ہم اپنے متعین کردہ مفہوم کے حق میں لے آئیں مگر وہ دلائل مفید یقین ہرگز نہیں ہو سکتے۔ ہمیں زیادہ سے زیادہ ظن غالب اس امر کا حاصل ہو سکتا ہے کہ صدر اوّل میں ان حقیقتوں کا یہی مفہوم رہا ہوگا۔ اور ہو سکتا ہے کہ واقعہ بھی یوں ہی ہو مگر ہم قطعیت کے ساتھ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ یہی مفہوم صدر اوّل میں ان حقیقتوں کا تھا۔ پس پہلی قباحت تو اس خیال میں بذات خود یہی ہے کہ دین کی بنیادی حقیقتوں کا مفہوم بھی قطعی الثبوت نہ رہا۔ اور دوسری بڑی قباحت بلکہ فتنۂ عظیم جو اس کے بطن سے پیدا ہوگا (اور جس کی طرف توجہ دلانا یہاں مقصود ہے) وہ یہ ہے کہ (جب ان بنیادی حقائق کا کوئی مفہوم قطعی الثبوت نہ ہوگا تو) ہر شخص کو حق ہوگا کہ وہ اپنے فہم کے مطابق ان کا کوئی مفہوم متعین کر لے اور اس کی بنیاد پر دین کا ایک جداگانہ تصور اپنے ذہن میں قائم کر لے —— یہی مطلب ہے دین کے بازیچۂ اطفال بن جانے کا۔

ذی قعدہ کے "نگاہ اوّلیں" میں ہم نے اکابر جماعت اسلامی کی بعض تحریروں کے متعلق اپنے صرف اسی احساس کا اظہار کیا تھا کہ ان سے سلف صالحین کے فہم دین سے بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے (نہ کہ ان کی ذات سے بدظنی اور ان کی شان میں گستاخی کی جرأت) اور پھر یہ بے اعتمادی جب کہیں طبیعت کی بے باکی کے ساتھ جمع ہو جاتی ہے تو پھر ان بزرگوں کے ساتھ بھی اس بے باکی کا استعمال بے تکلف ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ اب تک جو تحریریں مثالاً پیش کی گئیں وہ اپنے اسی احساس کے حق بجانب ہونے کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں اور ناظرین نے یہاں بھی دیکھ لیا ہوگا کہ ان پر صرف اسی پہلو سے گفتگو کی گئی ہے کہ یہ بے اعتمادی کی موجب کیونکر ہیں اس کے برعکس کسی ایک لفظ سے بھی انھیں بدظنی اور گستاخی کی جرأت کا موجب ٹھہرانے کی کوشش نہیں کی گئی —— بلکہ ہمیں اعتراف ہے کہ ان میں کوئی چیز

ایسی نہیں ہے، بلکہ دوسرے نمبر کی تحریریں تو ــــــ بات اگرچہ بہت ہی سخت اور درشت کہی گئی ہو لیکن ــــــ کوئی شبہ نہیں کہ ادب و احترام کے تقاضوں کو بھی پوری طرح نباہا گیا ہے ــــــ مگر خدا معلوم کیوں جماعت اسلامی کے حلقہ میں ہمارا احساس یہ سمجھا گیا کہ ہم جن تحریروں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ سلف صالحین سے بدظنی اور ان کی شان میں گستاخی کی جرأت پیدا کرتی ہیں۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی طرف سے جو جواب دیا گیا اس میں ہمارے احساسات کی تغلیط و تردید اسی بنیاد پر کی گئی اور لکھا گیا کہ اکابر جماعت اسلامی نے اکابر امت کے طرز عمل یا طرز فکر پر جو تنقیدیں کی ہیں وہ صرف بقدر ضرورت اور ان حضرات کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھ کر نہایت مناسب اور علمی انداز میں کی گئی ہیں، اور ایسی تنقیدیں نہ سوءِ ظن کا موجب ہو سکتی ہیں نہ توہین و تنقیص کے مترادف کہی جا سکتی ہیں۔

ہم کہہ چکے ہیں کہ ہمارا اشارہ جن تحریروں کی طرف تھا ان کے متعلق نہ ہمارا یہ احساس تھا اور نہ ہم نے یہ بات ان کے متعلق کہی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اکابر جماعت اسلامی کی تحریروں میں اس قسم کی تنقیدیں ہیں ہی نہیں۔ ہماری نظر میں ایسی بھی بعض تحریریں ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ اس وقت ایسی بھی ایک تحریر ذمہ داران جماعت اسلامی کے سامنے متعین طور سے پیش کر دیں تاکہ اگر وہ نہیں چاہتے ہیں کہ ان کے حلقے میں اکابر امت اور بزرگان دین سے سوءِ ظن اور ان کی توہین و تنقیص کا رجحان پیدا ہو ــــــ جیسا کہ ان کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے ــــــ تو وہ اس قسم کی تحریروں کے اثرات کے ازالہ کی فکر کریں۔

اس قسم کی جو تحریر ہم اس وقت پیش کرنا چاہتے ہیں وہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کا وہ مضمون ہے جو "ترجمان القرآن" (لاہور) میں "تزکیہ نفس" کے عنوان سے جولائی ۵۴ء کے شمارہ میں شائع ہوا ہے[1]۔ اس مضمون میں مولانا موصوف نے بتلایا ہے کہ علم حقیقی کا سرچشمہ خدا کی معرفت ہے۔ پھر معرفت سے اپنی مراد واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہم معرفت کا لفظ اس معنیٰ میں نہیں بول رہے ہیں جس معنیٰ میں ہمارے ارباب تصوف بولتے ہیں .... ارباب تصوف والی

---

[1] یہ مضمون کئی قسطوں پر مشتمل ہے۔ مذکورہ شمارہ کی قسط کا موضوع "تزکیہ علم" ہے۔

معرفت کیوں مراد نہیں ہے؟ اس لیے کہ اس معنی میں حصول معرفت ناممکن ہے — یہاں تک جو کچھ فرمایا گیا اس کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کا انداز نامناسب ہے یا ارباب تصوف کی توہین وتنقیص کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ مگر اس کے بعد ان لوگوں کے متعلق جو اس معنی میں حصول معرفت کی کوشش کرتے ہیں — یعنی ارباب تصوف — جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ :-

"ہمارے نزدیک وہ لوگ ایک سعی لاحاصل میں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہنا بھی کچھ بے جا نہ ہوگا کہ یہ لوگ درحقیقت اس گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں جس گستاخی کے مرتکب یہود ہوئے تھے اور لازماً وہ اسی سزا کے بھی مستحق ہیں جو سزا اس گستاخی پر یہود کو دی گئی تھی۔" ص ۱۵

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ انداز تنقید نہایت مناسب ہے اور اس سے ان حضرات سے (جن میں بڑے بڑے ائمہ ہدیٰ اور مجددین بھی شامل ہیں) بدظنی اور ان کی توہین وتنقیص کی جرأت پیدا ہونے کے بجائے ان کے ساتھ حسن ظن اور ان کی تعظیم وتکریم کا رجحان پیدا ہوگا؟

تعجب ہے کہ اصلاحی صاحب کی یہ تحریر کچھ ایسی پرانی بھی نہیں ہے۔ ابھی ایک ہی سال اس کی اشاعت کو ہوا ہے۔ پھر بھی جماعت اسلامی کے جواب نگار بزرگ نے اس بات کو بالکل بے بنیاد قرار دیا کہ اکابر جماعت اسلامی کی کسی تحریر میں اکابر امت کا استخفاف اور ان کی توہین وتنقیص کی گئی ہے۔ اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ایسی بے بنیاد بات کہنے سے ہمارا (الفرقان کا) مقصد عـــہ جماعت اسلامی کے خلاف اشتعال انگیزی کرنا ہے — جماعت اسلامی کے حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہمارا مقصد جماعت اسلامی کے خلاف اشتعال انگیزی کرنا ہوتا یا ہم اسے پسند کرتے تو مولانا امین احسن صاحب اصلاحی کی تحریر کا جو اقتباس یہاں پیش کیا گیا ہے، اس پر اس مقصد کے تحت بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔ اس میں تمام ارباب تصوف کا ... جن میں مسلمہ ائمہ دین ومجددین بھی شامل ہیں — جو کھلا استخفاف بلکہ "مغضوب علیہم" سے

(باقی ص ۵۵ پر)

عـــہ حالانکہ اس وقت ہم نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ ع

انتخاب

قائل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو | پنڈت جواہر لال نہرو کی تازہ تقریر کتب خانوں کے بین الاقوامی مباحثہ میں :-

مجھے یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے ملک کے نوجوانوں میں کتب بینی کی عادت نہیں ہے مفکر بننے کے لیے کتب بینی بہت ضروری ہے، میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے گاؤں گاؤں میں لائبریری ہو اور لوگ کتابیں پڑھ پڑھ کر دماغ کو روشن کریں اور خیالات میں وسعت پیدا کریں۔"

لیکن یہ پنڈت جی سے کس نے کہدیا کہ ہمارے نوجوان کتابیں نہیں پڑھتے ہیں؟ "بازاری محبوبہ" اور "لذت شباب" اور "پہلی رات" "دوشیزہ کی ڈائری" اور ...... "قسم کی کتابوں کے ایڈیشن پر ایڈیشن جو نکلتے رہتے ہیں تو کیا یہ بغیر پڑھے ہی ختم ہو جاتے ہیں؟ فلمی رسالوں اور جاسوسی ناولوں "ترقی پسند افسانوں" والوں کو بھی کبھی قدر دانوں کی کمی کی شکایت ہوئی ہے؟ اور اُسکا تعلق محض اُردو سے نہیں، ہندی، مراہٹی، انگریزی، بنگالی سب زبانوں کا حال یکساں ہے، تو سوال مطلق صورت میں اس کا نہیں کہ کتابیں سرے سے پڑھی ہی نہیں جاتیں۔ کتابیں کسی نہ کسی قسم کی تو اب بھی پڑھی جاتی ہیں بلکہ ضرورت سے کہیں زیادہ پڑھی جاتی ہیں اور اُس کے جو نتائج ہر قسم کے جرائم کی گرم بازاری کی صورت میں نکل رہے ہیں وہ بھی بالکل ظاہر ہیں سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ مطالعہ کس قسم کا اور کن کتابوں کا رہنا چاہیئے؟ ——— رہا پنڈت جی کا دوسرا مفروضہ کہ کتب بینی کی ضرورت مفکر بننے کے لیے ہے۔ تو خود مفکر بننا ہی کس کو مطلوب ہے! اور یہ دھن ہے کس کو کہ پڑھ کر دماغ میں روشنی اور خیالات میں وسعت پیدا کیجائے؟ کیا مطالعہ برائے "لذت" کوئی ادنیٰ مطلوب ہے؟ کیا مطالعہ برائے "ہیجان نفس" کوئی کم درجہ کا مقصود ہے؟ ——— اور پھر گستاخی معاف، یہ ملک بھر میں سنگیت سبھائیں قائم کرانا۔ فلمی میلوں ٹھیلوں کی سرپرستی کرتے رہنا۔ ناچ رنگ کے لیے کالج اور اکیڈمیاں کھلوانا، نامی نامی بھانڈوں ایکٹروں نچنیوں کو جاہ و منصب و اعزاز سے سرفراز کرتے رہنا۔ کیا یہی طریقے ملک کے نوجوانوں میں فکر سلیم

اور سنجیدہ دماغی کو ترقی دینے کے ہیں؟ تصویردار صرف مجرم ہی ہیں یا جج اور مجسٹریٹ بھی۔
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو!

ایک ناکام قصیدۂ مدح یو پی کے ایک ضلع میں وزیر اعلیٰ کے دورہ کے موقع پر ضلع کی انجمن ترقی اردو کی طرف سے سپاسنامہ:-

"ہمارے ضلع میں آپ کا ورود مسعود باعث عزت و مسرت ہو۔ ہم آپ کا خلوص دل سے استقبال کرتے ہیں۔ معزز مہمان ہم آپ کے بیحد ممنون ہیں کہ آپ نے ہمارے چھوٹے سے ضلع کو اپنے مبارک قدموں سے نوازا ہے

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

مکرم لیڈر ہمیں فخر ہو کہ قدرت نے ہمارے وطن کو آپ کا سا روشن دماغ مدبر اور کارکن عنایت کیا جن کی رہنمائی میں دیش تیز رفتاری سے ترقی کی منزلیں طے کرتا جا رہا ہو۔ زندگی کے ہر شعبہ میں وطن نے قابل رشک ترقی کی ہو...... صرف زبان اردو ہو جو آپ کے فیضان کرم سے محروم ہو کر پکار رہی ہو۔

نگاہ لطف کے امیدوار ہم بھی ہیں"

خوب خیال فرمایئے۔ الفاظ کا یہ بیش بہا ہدیہ۔ نثر میں قصیدہ مدح کس کے حضور میں پیش ہو رہا ہے؟ پنڈت جواہر لال کے؟ جی نہیں۔ یوپی کے معروف وزیر اعلیٰ شری سمپورنانند بہادر کے! جن کے "احسانات" اردو پر کسی یاددہانی کے ہرگز محتاج نہیں —— کیا اس سے بڑھ کر خوشامدانہ ایڈریس انگریزی دور کے بڑے سے بڑے خاں بہادر" بھی سر انتھنی میکڈانل (یوپی کے مشہور "محسن اردو" لاٹ صاحب) کی خدمت میں پیش کر سکتے تھے؟

اور اس ایڈریس کا جو حشر ہوا۔ اُسے بھی پیش کرنے والوں ہی کی زبان سے سُن لیجیے۔

"اُسے بدقت تمام پیش کیا جا سکا، اور انتہائی سکوت کے ساتھ وزیر اعلیٰ نے اسے قبول کیا"!

بے حمیتی اور تذلیل کا کوئی اور درجہ بھی اردو والے اس کے بعد حاصل کرنا چاہتے ہیں!

درسگاہیں بطور ناٹک گھر کے نئی دہلی ۱۰ر اکتوبر کلکتہ یونیورسٹی نے اس کی ممانعت کر دی ہے کہ طلبہ و طالبات کا کوئی مخلوط ڈراما ہوا کرے۔ آئندہ یونیورسٹی کے حدود میں جو ڈرامے ہونگے

ان میں ایکٹر یا تو سب لڑکے ہی ہوں گے اور یا سب لڑکیاں ہی ہیں۔

یہ کلکتہ یونیورسٹی بھی کوئی بڑی رجعت پسند ہی معلوم ہوتی ہے۔ جو لڑکیوں لڑکوں کی یکجائی اور اختلاط کے موقعوں کو بڑھانے کے بجائے ان میں کمی کرنے اور ان پر قیدیں لگانے کی فکر میں ہے!

یہ اصلاح یقیناً کوئی بڑی اصلاح نہیں کہ عاشقانہ ناٹک کالج میں جاری تو بدستور رہیں ترمیم صرف اتنی ہو کہ یا صرف ایکٹر ہی ایکٹر ہوں، یا صرف ایکٹرسیں ہی ایکٹرسیں۔ لیکن بہرحال مخلوط مجموں کے نقصانات پر کچھ تو نظر حکام یونیورسٹی کی گئی اور اتنے تجربوں کے بعد کچھ تو خیال روک تھام کا پیدا ہوا۔ باقی نفس عاشقانہ لہو ولعب کے اندر جو زہر پوشیدہ ہے اسے ان لوگوں کی آنکھیں چیر چیر کر کیسے دکھا دیا جائے جو سرے سے دیکھنا ہی نہیں چاہتے۔

تعارف و تبصرہ

تحفۃ الموحّدین | از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی۔ شائع کردہ کتب خانہ راہ نما۔ شاہ اجمل لین الہ آباد قیمت ۶

شاہ ولی اللہ صاحب کا یہ مختصر لیکن نہایت مفید اور جامع رسالہ شرک سے متعلق ہے۔ اس میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں کو شرک کے اقسام سے آگاہ فرمایا ہے۔ ان اقسام میں سے متعدد قسمیں ایسی ہیں جن میں بہت سے مسلمان اپنی ناواقفی کی وجہ سے مبتلا ہیں اور کچھ، بقول شاہ صاحب کے، حیلہ گری کر کے مبتلا رہتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ اپنی توحید کو شرک کی ہر قسم سے پاک اور بے داغ رکھیں اور ناشر کو جزائے خیر دے کہ انھوں نے اسی غرض سے اس مفید رسالہ کی نایابی کو دیکھ کر اس کو نہایت اہتمام سے دوبارہ طبع کرایا ـــــ رسالہ کی اصل زبان فارسی ہے اس لیے اس کا اردو ترجمہ جو مولانا محمد رحیم بخش صاحب دہلوی نے کیا تھا وہ بھی اصل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ ترجمہ مجموعی اعتبار سے اچھا اور مطلب خیز ہے، پھر بھی کہیں کہیں تغیر کی ضرورت تھی۔ مثلاً ص۲ پر "وقتیکہ لاحق شوند باصحاب" کے ترجمہ میں اصحاب کا ترجمہ "اپنے یاروں" سے کیا گیا ہے حالانکہ یہاں اصحاب سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ ص۵ پر "اعرابی" کا ترجمہ "جنگلی" خاص کر اس بنا پر نہایت نامناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعرابی اصحاب رسول اللہ میں سے تھے۔ علیٰ ہذا یہ ترجمہ کتنوں ہی کے لیے چیستاں ثابت ہوگا کہ:-

"دفعتاً اعتقاد کا چہرہ ان کی بزرگی کے بچھونے سے چین زلینا چاہیے" (صفہ)

بہتر یہ ہوتا کہ ایسے مقامات پر ترجمہ میں تغیر کر دیا جاتا، یا فٹ نوٹس میں توضیح کر دی جاتی۔

آخر میں ہم جناب [illegible] سے معذرت خواہ ہیں کہ ان کے رسالہ پر تبصرہ کی نوبت بہت دیر میں آسکی وجہ یہ ہوئی کہ یہ رسالہ بعض کتابوں کے نیچے دب کر عرصہ تک نظر سے اوجھل رہا۔

یہ کتاب شاہ ولی اللہ رحمہ کا نام دیکھ کر تبصرہ کیلئے ایک عزیز درست نہیں سمجھ گئی کر دی کتاب حرف بحرف ترجمہ جائے صدف

رسالہ تفصیل البیان فی انواع الشرک والطغیان

مؤلفہ حاجی محمد ابراہیم صاحب مفتی مانگرول کاٹھیاوار (سوراشٹر)
مطبوعہ رحیمی پریس۔ کماٹی پورہ ۔ اصطبل اسٹریٹ بمبئی قیمت ۶ر

اس رسالہ کا موضوع بھی جیسا کہ نام سے ظاہر ہو۔ شرک کے انواع و اقسام ہیں اس میں شرک کی تین قسمیں تبلائی گئی ہیں اور اُن کا شرک ہونا آیات واحادیث اور اقوال علماء و فقہا سے واضح کیا گیا ہے کہیں کہیں ضمناً اسی قبیل کے ضروری مسائل کے جوابات بھی لکھ دیئے گئے ہیں ـــــ کتاب طباعت بہت معمولی ہے۔

تجدید و احیاء دین پر شرعی و محققانہ تبصرہ

از علامہ شیخ محمد علی حسین الاعظم العسکری مہاجر مدنی
۴۸ صفحات قیمت ۱۲ر

مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی مشہور تصنیف "رسالہ تجدید و احیاء دین" کئی سال سے مختلف دینی حلقوں میں تنقید و تبصرہ کا موضوع بنی ہوئی ہو اور مختلف پہلوؤں سے اس پر تنقیدیں اور اعتراضات کیے جا چکے ہیں۔ زیر تبصرہ رسالہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہو مگر اسکے اکثر حصہ میں بریلوی نقطۂ نظر نمایاں ہے اور تنقید کا زیادہ تر تعلق مودودی صاحب کی انھیں عبارات و الفاظ سے متعلق ہے جن سے بریلوی مکتب خیال پر زد پڑتی ہے ۔ بریلوی مکتب خیال کے بارے میں الفرقان کا موقف کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔ مگر اتفاق و اختلاف سے قطع نظر تنقید کا عمومی رنگ جذباتی سے زیادہ استدلالی ہو۔ اگرچہ استدلالات میں رطب و یابس بھی کافی ہو اور بہت سی ایسی روایات بھی بطور حجت پیش کی گئی ہیں جو محققین کے نزدیک بالکل بے اصل ہیں ـــــ اس تنقید میں کہیں ایسے جملے بھی آگئے ہیں۔

"حقیقت یہ ہو کہ ایسے مجددین در پردہ مدعی نبوت ہونا چاہتے ہیں" الخ

ہمارا خیال یہ ہو کہ اس قسم کے شبہات پر خواہ کسی کو وجدانی طور پر کتنا ہی وثوق کیوں نہ ہو مگر کسی کھلے ثبوت کے بغیر ان کا برملا اظہار مناسب نہیں۔

اس رسالہ کے ملنے کے پتے متعدد مرقوم ہیں ان میں سے دو یہ ہیں۔

(۱) حافظ احمد سعید صاحب ندوی ۔ بیت السعید ۔ جہانگیر آباد ۔ بھوپال (ہندوستان)

(۲) عبدالقوی صاحب کلبران اینڈ کمپنی ۔ پوسٹ بکس ۶۴۸ کراچی ۔ (پاکستان)

اسوۂ حسینی از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت فیوضہم۔ شائع کردہ۔ کتبخانہ دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ۔ بندر روڈ کراچی۔ ۲۱ صفحات۔ کاغذ کتابت طباعت عمدہ۔ قیمت ۴ر

پاکستان کو اس وقت دستور سازی کا مرحلہ درپیش ہے۔ ایک طرف متفرنجین کا گروہ ہے جو پاکستان کے لیے غیر اسلامی دستورِ حکومت بنانے کی کوشش میں ہے۔ دوسری طرف مومنین کا گروہ ہے جو پاکستان کے لیے کتاب و سُنّت پر مبنی دستور حکومت بنوانا چاہتا ہے۔ مفتی صاحب موصوف قدرتی طور پر دوسرے گروہ میں ہیں انھوں نے اس رسالہ میں واقعہ شہادت کو ازاول تا آخر مفصل طور پر بیان کرکے عام مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کی حکومت خلافت نبوت کے طرز پر ہونی چاہیے۔ لہذا ان سے محبت رکھنے والوں کا فرض ہے کہ وہ بھی اس مقصد کی خاطر کسی ایثار و قربانی سے گریز نہ کریں۔

ہمیں اس سے اختلاف ہے کہ میدانِ کربلا میں جو جنگ ہوئی تھی، ہمیں سیدنا حسینؓ کا مقصد یزید کی غیر اسلامی حکومت کو ختم کرنا تھا بلکہ ہمارے نزدیک واقعہ کی صحیح نوعیت یہ ہے کہ یہ جنگ صرف لشکرِ یزید کے مجبور کرنے پر حضرت حسینؓ کو اپنے ذاتی دفاع میں لڑنا پڑی تھی اگر اہل کوفہ غداری نہ کرتے تو ممکن تھا بلکہ اغلب تھا کہ اس مقصد کیلئے بھی جنگ کی نوبت آتی مگر میدان کربلا میں حضرت موصوف نے کوفیوں کی کھلی غداری کا جو نقشہ دیکھا اس نے مجبور کردیا کہ (خواہ عارضی طور پر ہی) اس مقصد سے دستبردار ہوجائیں۔ مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ کی اصل کوشش یہی تھی اور آپ یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو یزید کی ملوکیت سے نجات ملے۔ اور خلافت عادلہ قائم ہو اس لیے بیشک اسوۂ حسینی یہی ہے کہ خلافت عادلہ قائم کرنے کے لیے تا حدِ امکان کوشش کیجائے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان میں اسوۂ حسینی پر عمل کرنے والوں کو کامیاب اور بامراد کرے!

(بقیہ صـــــ ۴۹)

ان کو تنبیہہ دے کہ جس طرح ان کی توہین ہی نہیں تضلیل کی گئی ہے۔ وہ اس مقصد کے لیے بیحد مفید ہوسکتی ہے مگر ہمارا یہ مقصد نہ پہلے تھا نہ اب ہے ـــــ البتہ بدگمانی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔

نعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

(از نسیم احمد فریدی امروہی)

وہ آئے روضۂ سرکار اطہر دیکھنے والے　　بہارِ گنبدِ خضرا کا منظر دیکھنے والے

مزے جنت کے لوٹیں بزمِ سرور دیکھنے والے　　بہاریں درمیانِ قبر و منبر دیکھنے والے

یہاں دراصل رسمِ عشق کی تکمیل ہوتی ہے　　مدینہ دیکھ لیں، اللہ کا گھر دیکھنے والے

نہیں جچتا نظر میں بیش طیبہ، گلشن جنت　　ذرا دونوں کو دیکھیں تو ملا کر دیکھنے والے

کبھی منت کش جام و سبو ہوتے نہیں دیکھے　　فروغِ جلوۂ ساقیٔ کوثر دیکھنے والے

تعالی اللہ وہ انکے خلد آرا کوثریں جلوے　　بہے جاتے ہیں غرقِ موجِ کوثر دیکھنے والے

وہ کوئی اور ہوں گے، دور ہیں جو انکے جلوؤں سے
فریدی ہم تو ہیں دل میں بٹھا کر دیکھنے والے

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

— از مولانا محمد منظور نعمانی —

اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تفصیل کے ساتھ دلنشین اور مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان تازہ ہوتا ہے اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں توحید و رسالت کے متعلق کوئی اور ایسا محققانہ اور مؤثر رسالہ موجود نہیں ہے جس سے عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوں —— تازہ اڈیشن — قیمت ۸/

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

اسلام کیا ہے

تالیف: مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل انشاء اللہ کافی ہے، اسلام کی ضروری تعلیمات کو ۲۳ سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور مؤثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے کہ سب پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجئے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجئے، اور اگر آپ کا کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے ...... کاغذ و طباعت اعلیٰ ....

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنؤ

نماز کی حقیقت

از مولانا محمد منظور نعمانی

تعلیم یافتہ مسلمان کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ نماز کے مقام اور اس کی روح و حقیقت سے واقف ہونے کے لیے اور اپنی نمازوں میں حضوری اور لذت پیدا کرنے کے لیے اس رسالہ کو ضرور پڑھیں، نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور ائمہ دین و عارفین خصوصاً امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ نکات کا عطر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے — کلمہ طیبہ کی طرح یہ بھی عقل و جذبات اور دل و دماغ کو یکساں طور پر متاثر کرتا ہے —

تازہ اڈیشن ... کاغذ و طباعت اعلیٰ ... قیمت ۱۲/

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ

Regd No (A-353)

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ

الفرقان
لکھنؤ
ماہنامہ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ادارۂ الفرقان
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

شرح چندہ
ہندستان میں سالانہ صہ/
پاکستان میں سالانہ ~~۷~~/
" " ششماہی ۳/

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

قیمت فی کاپی آٹھ آنے

اعزازی خریداروں سے
سالانہ ۱۵/

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ دس شلنگ

جلد ۲۳ | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۵۵ء | شمارہ ۴

◯ اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ر تاریخ تک پہنچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگ، لاہور کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت: رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ر کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ر تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر "الفرقان" لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارے ملک میں سات آٹھ برس سے "عوامی جمہوری" حکومت قائم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں کے اصل حکمراں عوام ہیں اور ارکان حکومت ان کے نمائندے اور خادم ہیں جو ان کے سونپے ہوئے اقتدار کو ان کی بہبودی کے لیے استعمال کریں گے۔ عوام کا کیا حال ہے؟ اس کا اندازہ کم وبیش ہر شخص کو ہو سکتا ہے۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو دو وقت روٹی نہیں پاتے۔ تن ڈھکنے کے لیے ضروری کپڑا نہیں مہیا کر سکتے۔ سردی اور گرمی سے بچاؤ کے مناسب اسباب نہیں فراہم کر سکتے۔ یہ سردی کا موسم ہے۔ زیادہ نہیں تو اپنے محلے ہی کے اعداد و شمار جمع کر کے دیکھ لیجیے، کتنی بڑی تعداد آپ کو ایسے لوگوں کی ملے گی جو اس موسم کی ابتدائی ضروریات تک سے محروم ہیں۔ فجر کے بعد اپنے مکان سے نکل کر کسی سڑک پر کھڑے ہو جائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ کڑاکڑی کے جاڑے میں صرف ایک قمیض اور دھوتی یا زیادہ سے زیادہ ایک میلی چادر میں ٹھٹھرتے ہوئے مزدور اپنے کام پر جا رہے ہیں ——— الغرض یہ حال ہے یہاں کے عوام کی ایک بڑی تعداد کا۔

اس صورتِ حال کا رونا ارکان حکومت دن رات روتے ہیں۔ اور بقول خود ان کی سب سے بڑی فکر یہ ہے کہ اس صورت حال کا جلد سے جلد خاتمہ ہو اور ہر شخص کو زندگی کی بنیادی ضروریات ملنے لگیں۔ اسی خدمت کے لیے لوگوں سے ووٹ مانگا جاتا ہے اور اسی خدمت کے لیے وزارت کی کرسی اور وزارت کا قلمدان سنبھالا جاتا ہے ——— مگر حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خدام عوام اپنے عوام کی سطح سے پچاسوں گنی اونچی سطح پر رہتے ہیں۔ اور صرف اپنی خواہش اور اپنی رائے سے عوام کے مال و دولت کو پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ ایک طرف تو

عوام کا یہ حال ہے کہ انھیں ضروریات زندگی میسّر نہیں۔ دوسری طرف صوبائی حکومتیں ملک کے وزیر اعظم کی سالگرہ کی تقریب پر لاکھوں روپے صرف کرڈالتی ہیں اور وزیر اعظم صاحب بجائے اس لغویت پر ٹوکنے کے اسے بکمال مسرت گوارا کرتے ہیں، اس تقریب میں شریک ہوتے ہیں اور خراج عقیدت قبول کرتے ہیں۔ کسی دوسرے ملک کے سربراہ آتے ہیں تو ان کے استقبال اور ان کے اعزاز و اکرام پر لاکھوں نہیں شاید کروڑوں روپے سرکاری خزانہ سے پھونک دیئے جاتے ہیں ——— کیا وہ غربت و افلاس کے مارے عوام جن کی خدمت کے وعدہ پر وزارت کی کرسیاں سنبھالی گئی تھیں۔ اور جنھوں نے اسی امید پر اپنے مال و دولت کی امانت ان لوگوں کے سپرد کی تھی ان کے دل اس پر راضی ہو سکتے ہیں اور اپنی اس خستہ حالی کے دور میں وہ اس فضول خرچی کی بخوشی اجازت دے سکتے ہیں؟

ایک طرف یہ عوامی حکومتیں ہیں جو دن رات عوام عوام چلاتی ہیں اور اقتدار و اختیار کا اصل مالک عوام ہی کو بتلاتی ہیں مگر اس کے باوجود عوام کے یہ "خدام" آقاؤں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور عوام کے اموال میں مالکانہ انداز پر تصرف کرتے ہیں اور پھر بھی عوام کو یقین دلاتے ہیں کہ آج عوام کو جو اختیارات حاصل ہیں وہ کبھی حاصل نہ تھے اور دوسری طرف ہم آج سے تیرہ سو برس پہلے کی ایک حکومت کو دیکھتے ہیں — جبکہ دنیا بھر میں شاہی خسروی کا دور تھا ——— کہ اس حکومت کے سربراہ نہ عوام سے لمبے چوڑے وعدے کرتے تھے۔ نہ عوام کے ووٹوں سے منتخب شدہ کوئی پارلیمنٹ ان کے ارد گرد تھی۔ اور نہ ان کے سامنے کسی "آیندہ انتخاب" میں برسر حکومت نہ آسکنے کا خطرہ تھا، مگر اس کے باوجود عوامی حکومت کے لفظ کا صحیح مصداق اگر کوئی حکومت ہو سکتی ہے تو صرف وہی حکومت تھی اور اس معیار کو اگر آج کے نام نہاد عوامی حکمرانوں کے لیے ضروری قرار دے دیا جائے تو وہ شاید آئندہ ایوان حکومت کا رخ بھی نہ کریں اور وزارت کی کرسیوں کے عاشق ان کرسیوں کو دور ہی سے سلام کریں۔

عوام کے سچے خدمت گزاروں اور ان کے مال و دولت کے امینوں کا پہلا فرض یہ ہے کہ ان کا معیار زندگی اپنے عوام کے کم سے کم معیار زندگی کے ہم سطح ہو اور جس حال میں عوام ہوں

اسی حال میں ان کی بھی گزرے۔ آپ دیکھئے کہ جس حکومت کی طرف ہم اشارہ کر رہے ہیں اس کے سربراہ اس سخت ترین معیار پر کس کامیابی کے ساتھ پورے اترے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما سرکاری خزانہ سے اتنا معمولی وظیفہ لیتے تھے کہ بلامبالغہ اس میں صرف بیٹی اور روٹی چل سکتی تھی۔ انھیں یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان کے بچے منہ میٹھا کرنے کی جائز خواہش کو پورا کرنے کے لیے عوام کا پیسہ صرف میں لائیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں ایک مرتبہ قحط پڑا اور مخلوق پریشانی میں رہنے لگی۔ تو جب تک قحط کی حالت ختم نہ ہوگئی آپ نے وہی غذا کھائی جو ان دنوں ایک عام آدمی کو مل سکتی تھی۔ اس عرصہ میں آپ نے گیہوں کھانا چھوڑ دیا تھا کسی نے عرض کیا کہ امیر المومنین اتنی سختی تو نہ اٹھائیے! تو آپ نے فرمایا کیا میری رعایا میں تمام لوگوں کو آجکل گیہوں کھانے کو مل رہا ہے۔ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ فرمایا تو پھر میں وہ چیز کیسے کھاؤں جو میرے زیر حکومت لوگوں کو میسر نہیں ہے۔

سرکاری اشیاء کے استعمال میں اس قدر احتیاط ملحوظ رہتی تھی کہ ایک مرتبہ اس حکومت کے تیسرے سربراہ حضرت عثمانؓ رات کے وقت چراغ کی روشنی میں کچھ سرکاری کام کر رہے تھے۔ ایک صاحب کسی ذاتی بات کے لیے آپ کے پاس پہونچے تو چونکہ چراغ بھی سرکاری تھا اس لیے ان کی طرف متوجہ ہونے سے پیشتر چراغ بجھا دیا تاکہ ایک قطرہ تیل بھی غیر سرکاری مصرف میں نہ آئے۔

فتح بیت المقدس دور فاروقی کی ایک اہم ترین فتح ہے۔ اس موقع پر آپ کو خود بیت المقدس تشریف لے جانا پڑا۔ ایک فاتح مملکت کا سربراہ جب ایسے مواقع پر جائے گا تو کیا کچھ تزک و احتشام نہ ہوگا۔ ایک زبردست فوجی جلوس ہوگا۔ اعلیٰ درجہ کی سواری ہوگی۔ رعب دار لباس ہوگا۔ غرض فاتحانہ طمطراق اور حاکمانہ کروفر کے سارے ہی لوازم ہوں گے اور حکومت کی شان و شوکت کے نام پر اس موقع پر لاکھوں روپیہ پانی کی طرح بہ جائے گا مگر عمر فاروق کس طرح تشریف لے گئے کہ ایک غلام ساتھ ہے اور صرف ایک سواری پاس ہے۔ ایک منزل خود سوار ہوتے ہیں اور ایک منزل غلام کو سوار کر کے خود اونٹ کی مہار پکڑ کر چلتے ہیں۔ بیت المقدس کو فتح کرنے والے لشکر کے سپہ سالار حضرت ابو عبیدہؓ کچھ دور آ کر راستہ میں استقبال کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضرت فاروقؓ کپڑے بھی وہی پیوند لگے پہنے ہوئے ہیں جو مدینہ میں بے تکلف پہنا کرتے ہیں۔ موقع کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ امیر المومنین شہر میں داخل ہونے کے لیے لباس

تبدیل فرمالیں۔ تو تعجب سے فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہ کم از کم تمہارے منہ سے تو میں ایسی بات سننا نہیں چاہتا تھا۔

خلفاء راشدین کے بعد یہ حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں آئی انھوں نے ملوکیت کا انداز اختیار کرلیا۔ خلفاء اور امراء شاہی ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے لگے۔ حتیٰ کہ مورخین نے لکھا ہے کہ سلیمان بن عبدالملک اموی (م ۹۹ھ) تک پہونچ کر سلسلۂ خلافت نے قیصر و کسریٰ کا قالب اختیار کرلیا تھا۔ مگر اس کے باوجود جب سلیمان کے بعد زمام خلافت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں آئی جو فرض شناس تھا اور خلافتی اختیارات کا مصرف اپنی ذاتی راحت اور شان و شوکت کو نہیں بلکہ عوام کی خدمت کو سمجھتا، اور خزانۂ سرکاری کی ایک ایک پائی اور حکومت کی ایک ایک چیز کو امانت کی نظر سے دیکھتا تھا تو اس نے پہلے ہی دن سے اپنے پیشرووں کی روش ترک کرکے ابو بکر و عمر کا انداز خلافت اختیار کیا ــــــ یہ تھے عمر بن عبدالعزیزؒ!

لکھا ہے کہ ــــــ سلیمان کی تجہیز و تکفین کے بعد تمام شاہی سواریاں حاضر کی گئیں لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ کہہ کر ان کو واپس کردیا کہ میرے لیے میرا خچر کافی ہے" اور اُن شاہی سواریوں کے متعلق اپنے غلام کو حکم دیا کہ بیت المال میں داخل کردی جائیں۔ افسر پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا، تو اس کو ہٹادیا اور کہا کہ "میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں"

نئے شخص کی تخت نشینی کی تقریبات کے لیے خاص شامیانے نصب کیے جاتے اور خصوصی فرش بچھائے جاتے تھے۔ اس رواج کے مطابق آپ کے لیے بھی یہ سب کچھ کیا گیا۔ آپ کے سامنے جب یہ چیزیں آئیں تو ان تکلفات سے بچا کے گزر کر چٹائی پر بیٹھے اور غلام کو حکم دیا کہ یہ سب چیزیں بھی بیت المال میں داخل کردو۔

آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ پہلے ہی سے درویش صفت اور سادہ منش ہوں گے؟ جی نہیں! امراء میں سے تھے خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے۔ مختلف جگہ کے گورنر رہ چکے تھے۔ اپنے خاندان بھر میں سب سے زیادہ عیش و تنعم کے دلدادہ اور تکلفات پسند مشہور تھے۔ حد یہ ہے کہ لباس کے متعلق خود ان کا اپنا بیان ہے کہ "جب میرے کپڑوں پر لوگوں کی نظر پڑجاتی تھی تو میں

سمجھتا تھا کہ بس یہ پرانا ہو گیا"۔۔۔۔۔۔ مدینہ کے گورنر ہو کر جب روانہ ہوئے تھے تو تیس اونٹ ذاتی ساز و سامان سے لدے ہوئے ساتھ تھے۔۔۔۔۔۔ مدینہ کی گورنری کے زمانہ کا ایک واقعہ ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک جبّہ خرید کر لانے کا حکم دیا گیا میں دس اشرفی کی قیمت کا ایک جبہ خرید کر لایا۔ اُسے چھو کر بولے کہ اس میں سختی محسوس ہوتی ہے"۔

خلافت سے پہلے عمر بن عبدالعزیز کا حال یہ تھا! لیکن خلافت کا بار پڑتے ہی جب اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا تو پھر اس تنعم و تکلف کے دلدادہ کا حال یہ تھا کہ چھ چھ مہینہ صرف ایک جوڑے میں گزارتے تھے۔ ہر جمعہ کو وہی دھو کر پہن لیتے تھے۔ وہی صاحب جو مدینہ کی گورنری کے زمانہ میں جبہ کی خریداری کے راوی ہیں دور خلافت کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک اشرفی کا ایک جبہ خرید کر لایا تو (انھیں عمر بن عبدالعزیز نے جنھیں دس اشرفی کے جبہ میں بھی سختی محسوس ہوتی تھی) دیکھ کر فرمایا کہ کس قدر نرم ہے"۔۔۔۔۔ وہی عمر بن عبدالعزیز جن کا ذاتی ساز و سامان خلافت سے پہلے تیس تیس اونٹوں پر بار ہوتا تھا خلافت کے بعد ان کے عمامہ سے لے کر موزہ تک کی قیمت لگائی گئی تو صرف بارہ درہم ٹھہری[1]

کوئی تبلائے کہ سچی عوامی حکومت یہ ہے یا آج کی نام نہاد حکومتیں؟۔۔۔۔۔ یہ طرز حکومت صرف اسلام کی برکت ہے اور بلا شرکت غیرے تنہا نبوت محمدی کا فیض ہے۔ اس طرح کی حکومت کی توقع صرف انھیں لوگوں سے کی جاسکتی ہے جن کے دلوں میں اسلام رچ بس گیا ہو جو نبوت محمدی سے پوری طرح فیضیاب ہوں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا تصور آخرت جن کے دل کا حال بن چکا ہو اور جو دنیا اور دنیا کی زندگی کو آپ کی نظر سے دیکھتے ہوں۔۔۔۔۔ نئے ہندستان کے باپو گاندھی جی کو بھی اس طرز حکومت پر رشک آتا تھا اور انھوں نے اپنے وزراء کو نصیحت کی تھی کہ وہ ابو بکر و عمر کے طرز حکومت کی پیروی کریں! مگر کاش وہ جان سکتے کہ ابو بکر و عمر کی پیروی کے قابل بننے کے لیے کیا شرائط ہیں۔

---

[1] سیرت عمر بن عبدالعزیز از مولانا عبدالسلام ندوی۔

ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

مکتوبات کے پیرائے میں

مترجمہ

(مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی)

۳

مکتوب (۷۹) میر کِ معین الدین کے نام:-

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والصلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہٖ سید الانام وعلیٰ آلہٖ الکرام وصحبہٖ العظام ——

"صحیفۂ گرامی" پہونچا — مسرت ہوئی — چونکہ وہ شوق وطلب پر مشتمل تھا اس لیے مسرت میں اور اضافہ ہوا — اللہ تعالےٰ "آتشِ شوق" کو مشتعل اور "شعلۂ طلب" کو سربلند کرے تاکہ ماسوا سے چھٹکارا ملے اور خوشبوئے مطلوب مشامِ جان میں پہونچے ۔۔ ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

جس قدر بھی شوق وطلب ہو غنیمت ہے اور اُمید بخش ——

اس صحیفے میں گم شدہ "نسبت" کے حصول کی درخواست بھی کی گئی ہے ——

مخدوما —— جو کچھ طالب کو ضروری ہے یہ ہے کہ اظہار طلب اور رجوع لوازم طلب ہے انکا اظہار

شیخ سے کرے مگر "طریقِ وصول" کا تعین شیخ کے حوالے کرے ــ مریض کے ذمّے بس اپنے مرض کا حال حاذق طبیب سے بیان کرنا ہے، ازالۂ مرض کے طریقے کا تعین چاہنا (کس طرح اور کیا علاج ہوگا؟) بالکل غلط ثابت ہو .... مکرما ــ "افادہ واستفادہ" کا دار و مدار...... صحبتِ شیخ پر ہے ــــ ایک مستعد طالب اپنی استعداد محبت کے مطابق کسی شیخ کامل کے باطن سے فیض یاب ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ "رذائل اوصاف" سے خالی ہوکر "برنگ شیخ کامل" ظہور پذیر ہوجاتا ہے ــــ بزرگوں نے کہا ہے کہ فنافی الشیخ ہونا ہی فنافی اللہ کا مقدمہ ہے ــــ اگر صحبت میسر نہ ہو تب بھی خالی محبت سے شیخ کی توجہ کے بقدر بہرہ یاب ہوسکے گا لیکن صحبت یافتہ اور غیر صحبت یافتہ میں بہت بڑا فرق ہے ــــ

(دیکھو) حضرت اویس قرنیؒ ہر چند آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنِ مبارک سے نفع مند ہوئے اور اعلیٰ درجۂ ولایت کو پہونچے لیکن مرتبۂ صحابہ کو نہ پہونچ سکے ــــ ہاں خیر التابعین ضرور ہوگئے ــــ تم کو فقراء سے جو محبت ہے اس کو نعمتِ عظمیٰ تصور کرو اور اس دولت کی کثرت طلب کرو ــــ المرء مع من احب [انسان کا حشر اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے] یہ حدیث تم نے سنی ہوگی ــــ

امید ہے کہ فقراء کے باطن سے بہرۂ کامل حاصل کروگے اور "فیض مند" ہوگے ــــ یہ فقیر اپنے اندر اتنی لیاقت نہیں دیکھتا کہ تم کسی "امرِ عظیم" کی درخواست مجھ سے کرو ــ لیکن چونکہ ازراہِ حسنِ ظن لکھا ہے اس لیے امید ہے کہ تمہارے اس ظن کے مطابق، اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ معاملہ ہو اور ویرانے سے خزانہ برآمد ہوجائے ــــ یہ بھی حدیث قدسی ہے انا عند ظنِ عبدی بی [میں اپنے بندے کے گمان کے قریب ہوں] ــــ بہرحال میں توجہ غائبانہ سے دریغ نہیں کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ ــــ

اپنے اوقات کو طاعات میں مشغول رکھو، لہو لعب سے بچتے رہو ــــ "بیوفائی دنیا"، "احوالِ گور" اور "ہولِ قیامت" کو پیش نظر رکھو ــــ اور نجات کو اتباعِ سنت واجتناب از بدعت میں یقین کرو ــــ اہلِ بدعت اور ملاحدہ سے تعلقِ صحبت نہ رکھنا اس لیے کہ یہ لوگ دین کے چور ہیں ...... جو فقیر شرعی وضع پر نہیں اور سنت نبوی سے آراستہ نہیں، اس کو

اپنی مجلس میں راہ نہ دینا۔ ماحصل کلام (اس ارشاد ربانی پر پورا پورا عمل ہو

ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ، وما نہاکم عنہ فانتھوا واتقوا اللّٰہ الاٰیہ (سورہ حشر)

پیغمبر جو تم کو حکم دیں اسے (بجان و دل) قبول کرو اور جس چیز سے منع کر دیں اس کو چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔)

والسّلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ۔

مکتوب (۹۳) نذر بیگ سمرقندی کے نام:-

حامداً اللّٰہ العظیم و مصلیاً علیٰ رسولہ الکریم ـــ اللہ تعالےٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور ایک لحظہ اپنی معیت سے نہ چھوڑے ـــ جو خط از راہ محبت ارسال کیا تھا ـــ پہونچا ـــ خوش وقت کیا، اپنے احوال اسی طرح لکھتے رہا کرو تاکہ غائبانہ توجہ کا سبب پیدا ہو .... جو خواب دیکھے ہیں خوب ہیں ـــ مبشرات ہیں ـــ اپنے کام میں سرگرم رہو ـــ احوال باطن، ذکر و فکر اور اسکے نتائج کے بارے میں کچھ تحریر نہیں کیا اوّل اس کو لکھنا چاہیئے دوسری باتیں اسکے ضمن میں ہوں ع

طفیلِ دوست باشد ہرچہ باشد

ـــ ماحصل کلام ـــ اس قدر مداومت ذکر کرو کہ "ذکر وحضور" ملکہ، دل بن جائے .... اور "مذکور" کے علاوہ ہر چیز صحن سینہ سے رخصت ہو جائے کوئی مراد اور مقصد غیر از حق سبحانہ، باقی نہ رہے۔

ع این کار دولتست کنوں تا کرا دہند

دوستوں سے دعاء سلامتی خاتمہ کی امید ہے ـــ والسلام اوّلاً و آخراً ـــ

مکتوب (۹۵) سید علی (بارہہ) کے نام ـــ

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ـــ مکتوب گرامی پہونچا ـــ مسرت بخشی ـــ ملاقات کا شوق ظاہر کیا ہے۔ یہ وقت پر موقوف ہے ـــ لکل اجلٍ کتاب ـــ دنیا تو محل جدائی ہے دعا کرو کہ حق تعالےٰ آخرت میں ہم سبھیں جمع کرے ـــ اللہ تعالےٰ کی ملاقات بھی آخرت کے لیے موعود ہے ـــ موت اس کا "دریچہ" ہے ـــ دنیا مزرعہ سے زیادہ نہیں ہے ـــ جتنا عمل میں اخلاص ہوگا۔ ثمرات و نتائج اخروی اور درجات قرب کی بھی زیادہ امید ہوگی ـــ عمل، کتب شرعیہ سے لیا جاتا ہے اور "حقیقتِ اخلاصِ عمل" "اسلام حقیقی" اور "اطمینان نفس" سے متعلق ہے اور اسلام حقیقی و اطمینانِ نفس

صحبت صوفیا کرام سے وابستہ ہے ——— "عمل بے اخلاص" جسم بے روح کی مانند ہے ———

والسلام علیٰ سائر من اتبع الہدیٰ ———

مکتوب (۹۶)

سید نور (دکھرا) کے نام ———

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— سیادت پناہ کو اس مسکین کا سلام عافیت انجام — جو خط از راہ محبت بھیجا تھا پہونچا — خوش کیا — اسی طرح اپنے احوال ظاہر و باطن لکھتے رہا کرو، یہ سلسلۂ خط و کتابت توجہ غائبانہ کا ذریعہ ہوتا ہے — مخدوما — اشرف عمر (جوانی) ختم ہوتی چلی جارہی ہے اور ارذل عمر (بڑھاپے) کی آمد آمد ہے۔ افسوس ہو کہ اشرف اشیا یعنی معرفت اللہ کو ارذل عمر کے حوالے کیا جائے اور اشرف عمر کو ارذل اشیاء (ہوا و ہوس اور زینت دنیا) میں صرف کیا جائے (ایسا نہ ہونا چاہئیے) چاہیے کہ اوقات کو ذکر و فکر سے معمور کرو اور توشۂ آخرت مہیا کرو۔

والسلام علیکم وعلیٰ من اتبع الہدیٰ۔

مکتوب (۹۸)

حافظ محمد شریف لاہوری کے نام : ———

اللہ تعالیٰ مدارج قرب میں ترقیات بے اندازہ نصیب کرے۔ خط پہونچا۔ خوش وقت کیا — اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ عافیت ہو...... مخدوما! — بندگی نام ہے "گردن نہادن" کا اور اپنے ارادے سے باہر آجانے اور مرضی خدا کے ساتھ وابستہ ہوجانے کا — جو کچھ محبوب کی طرف سے پہونچتا ہے محبوب ہوتا ہے انعام ہو یا تکلیف — محب، فدائے محبوب ہوتا ہے اسکی نظر میں محبوب کے تمام افعال و کردار "بغایت زیبا" ہوتے ہیں۔ ہر تلخی جو اس طرف سے پہونچتی ہے۔ عاشق اس کو شکر کی طرح استعمال کرتا ہے اور شیریں کام ہوتا ہے.........

حدیث شریف میں ہے عجبت من قضاء اللہ للمومن ان اصابہ خیر حمد ربہ وشکر وان اصابہ مصیبۃ حمد ربہ وصبر۔ یوجر المومن فی کل شیٔ حتی فی اللقمۃ یرفعھا الیٰ فی امراتہ (مومن کے حق میں اس فیصلۂ خداوندی سے متعجب ہوں کہ جب مومن کو خیر پہونچتی ہے تو اپنے رب کی حمد کرتا ہے اور شکر کرتا ہے اور جب اس کو کوئی مصیبت پہونچتی ہے تو بھی حمد کرتا ہو

اور صبر کرتا ہے ___ مومن کے ہر عمل پر اجر ملتا ہے حتیٰ کہ اس لقمے میں بھی جو وہ اپنی بیوی کے منہ میں دے۔

والسلام اولاً و آخراً

مکتوب (۹۹)

سید نور رکبجر کے نام: ___

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ___ خط پہونچا ___ بہجت افزا ہوا ___ الحمد للہ کہ تمہارے اوقات ذکر سے معمور رہیں .... اتباع سنت میں کوشش کرو بدعت اور اہل بدعت سے دور رہو۔ صحبت صلحاء و فقراء، پابند شرع کی طرف راغب رہو۔ جس جگہ خلاف شرع دیکھو وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ ___ ؎

با عاشقاں نشین و ہمہ عاشقی گزیں　　با ہر کہ نیست عاشق ہرگز مشو قرین

اور عاشق صادق وہ ہے جو متابعت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر راسخ ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ___ سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے۔

سلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدیٰ

مکتوب (۱۰۱)

مرزا اخاں کے نام: ___

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التحیات ___ اس طرف کے فقراء کے حالات متوجب حمد ہیں تمہاری سلامتی، استقامت شریعت و سنت اور ترقی درجات صوریہ و معنویہ کا خواستگار ہوں ___ تمہارا خط پہونچا ___ مکرما ___ "ادعیہ و اذکار" جو فقیر نے تم کو بتائے تھے وہ اس عنوان سے نہ تھے کہ اس "طریقے" میں وہ شرائط کا درجہ رکھتے ہوں یا سلوک طریق کا ان پر دار مدار ہو، بلکہ اس طور پر تھے کہ تم خالی نہ رہو اور حصول محبت تک اپنے اوقات کو معمور رکھ سکو غفلت میں اوقات ضائع نہ ہوں ___ اس فقیر نے "رسالہ اذکار و ادعیہ ماثورہ" (موقتہ و غیر موقتہ) کو احادیث معتبرہ سے مرتب کیا ہو۔ بعض اذکار و ادعیہ کے فضائل بھی لکھے ہیں۔ اس رسالے کی نقل تم کو بھیجدی گئی ہے

جس قدر بھی اس پر عمل کر سکو عمل کرو، رسالہ بڑا ہے فارسی زبان میں ہے فوائد کثیرہ کو متضمن ہے

اگر تمام رسالہ مطالعہ کرو تو بہتر ہے یہ رسالہ کیا ہے ایک خزانہ ہے "اسرار و دقائق قرب" کے اسرار کا اور ایک دریا ہے۔ "منازل قدس" تک پہونچانے والا ــــ کسی غواص کی ضرورت ہے کہ وہ اس کی گہرائی سے نفیس موتی حاصل کرے اور کوئی پیراک ہو جو شناوری کر کے "شہر مطلوب" تک پہونچ جائے ــــ

تم نے لکھا تھا کہ ہر چند صحبت شیخ کامل ــ سلوک میں ــ ضروری ہے لیکن اس سلسلۂ عالیہ میں غائبانہ بھی "افادہ و استفادہ" کی محفل گرم ہوتی رہی ہے جیسا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور حضرت مجددؒ کے درمیان (غائبانہ افادہ و استفادہ ہوتا رہا) اشفاق پناہا! ــــ ہمارے حضرت مجدد صاحبؒ) کو جو کچھ "مقامات ولایت" کے سلوک اور "منازل قرب" کی رسائی میں درکار تھا وہ تمام تر حضرت خواجہؒ کی خدمت ہی میں ظہور پذیر ہوا اور انھیں کی صحبت پر نور میں مراتب کمال و تکمیل کا حصول ہوا ــــ

چنانچہ یہ امر حضرت مجددؒ کے مکتوب سے ظاہر ہے ــ ہاں یہ ضرور ہے کہ سلوک طے کرنے کے بعد جب (دہلی سے) مکان کو رخصت ہو گئے تو مراسلات و مکاتبات کا سلسلہ جاری رہا اور سوال و جواب ہوتے رہے اس ضمن میں جو "افادہ و استفاضہ" ہوا تو وہ خارج از بحث ہے کیونکہ یہ بعد از حصول کمال و مراتب سلوک ہے ــ نفس حصول کمال اور کسب منازل سلوک کے لیے صحبت شیخ ضروری چیز ہے .... حضرت ایشان (حضرت مجددؒ) "نسبت محبوبیت" رکھتے تھے اگر غائبانہ بے صحبت پیر بھی اخذ فیوض و برکات کر لیتے تو گنجائش تھی کیونکہ محبوبوں کا معاملہ ہی جدا ہوتا ہے ان کو "اجتبار" کے راستے سے لے چلتے ہیں اور کشاں کشاں منزل پر پہونچا دیا جاتا ہے۔

ع۔ گر نہ آید بخوشی موئے کشانش آرند

اگر پیر ظاہر کا واسطہ بھی نہ ہو تب بھی ان کو اللہ تعالیٰ نواز دیتے ہیں اور راہ میں نہیں چھوڑتے ــ ان کے (محبوبوں کے) علاوہ باقی سب براہ "انابت" چلتے ہیں اور صحبت پیر ظاہر کے محتاج ہوتے ہیں ان میں اور ان میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت ایشانؒ کی محبوبیت حضرت خواجہ صاحبؒ کے نزدیک بھی مسلم تھی۔ حضرت خواجہؒ ہمارے حضرت کے بارے میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

عشق معشوقاں نہاں است و ستیر	عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر
لیک عشق عاشقاں تن زہ کند	عشق معشوقاں خوش و فربہ کند

اس فقیر نے جو کچھ لکھا ہے وہ "راہ انابت" سے متعلق ہے کہ عام طور پر راہ مریدی یہی ہے اور اسی راہ کے متعلق میں نے تحریر کیا ہے کہ ترقی اکثر و بیشتر صحبت شیخ ہی سے وابستہ ہے...... آں مکرم کے اخلاق کریمانہ سے کچھ دور نہیں کہ دعاء سلامتی خاتمہ میں یاد رکھیں گے ــ والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفےٰ علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات، والبرکات اعلےٰ۔

مسئلہ نزولِ مسیح

چند شبہات کا جواب

(از محمد منظور نعمانی)

۲۰ر اکتوبر کے "صدق" میں —— "ایک قرآنی سوال" —— کے زیرِ عنوان کسی صاحب کا ایک مراسلہ شائع ہوا تھا، جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اُٹھائے جانے اور اُن کی دوبارہ آمد کے عقیدہ کو غلط ثابت کرنے کے لیے چند باتیں لکھی گئی تھیں —— مضمون علمی حیثیت سے آنا سطحی اور بے وزن تھا کہ اس عاجز کے نزدیک بھی اس کی طرف توجہ کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی —— لیکن ایک تو صاحب مراسلہ کے متعلق صاحب "صدق" کے کلماتِ خیر نے اس کو کچھ وزنی بنا دیا تھا، اور دوسرے مراسلہ نگار صاحب نے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے حوالہ سے اس میں ایک ایسی بات نقل کر دی تھی جس نے اس بے جان مضمون کو پورا جاندار بنا دیا تھا، ان وجوہ سے اس عاجز کو انتظار رہا کہ کوئی صاحب اس بارے میں کچھ لکھیں، لیکن اب تک کوئی چیز نظر سے نہیں گزری۔ اس لیے خود ہی چند باتیں اختصار کے ساتھ عرض کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمانوں کے عقیدہ نزولِ مسیحؑ کی بنیاد دو چیزوں پر ہے ——
قرآن مجید کی بعض آیات —— اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کثیر التعداد احادیث جو مجموعی اور معنوی حیثیت سے قطعاً حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں۔

اس تواتر کا مطلب یہ ہے کہ مختلف حدیثوں میں مختلف تعبیروں اور مختلف سیاقوں کے ساتھ اس

مسئلہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والے اتنے صحابۂ کرام ہیں کہ نہ تو ان کے متعلق عقلاً و عادۃً یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے دانستہ کوئی سازش کر کے حضورؐ پر یہ بہتان باندھا اور نہ یہ کہ انھیں سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی، پھر ان صحابہ کرام سے روایت کرنے والوں اور پھر ان روایت کرنے والوں کی تعداد بعد کے ہر طبقے میں اتنی بڑھتی چلی گئی کہ خالص عقلی اور عادی طور پر ان کے متعلق بھی اس قسم کے کسی شبہہ کی گنجائش نہیں ہو سکتی۔

ہمیں دنیا کی جن ان دیکھی چیزوں کا یقین ہے وہ عام طور سے ایسے ہی تواتر کی بنیاد پر ہے مثلاً ہم نے لندن شہر نہیں دیکھا، پیرس نہیں دیکھا، ماسکو نہیں دیکھا، نیویارک نہیں دیکھا۔ لیکن ہمیں اس میں قطعاً شبہہ نہیں کہ یہ شہر ہماری دنیا میں موجود ہیں اور ان کی یہ خصوصیات ہیں، یہ یقین ہمیں کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ ہم نے ان شہروں کا اتنا چرچا سنا ہے اور کتابوں اخباروں میں ان کا ذکر اس قدر دیکھا ہے کہ اس کے بعد کوئی دیوانہ ہی ان کے بارے میں کوئی شک و شبہہ کر سکتا ہے ـــــ اس تواتر کو علمی اصطلاح میں "تواتر قدر مشترک" کہتے ہیں ـــــ بہر حال نزول مسیح کی احادیث اس معنی میں متواتر ہیں، اور ان احادیث کو سامنے رکھنے کے بعد ہر صحیح العقل اور سلیم الفہم کو بالکل قطعی اور یقینی علم اس بات کا ہو جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ اس دنیا میں آنے کی خبر امت کو ضرور دی تھی، ـــــ نفاق اور تکذیب کے بیماروں کو تو قرآن کریم سے بھی شفا نہیں ہو سکتی، لیکن اگر کوئی طالب صادق واقعی اس یقین کو حاصل کرنا چاہے تو اب اس کو حدیث کا سارا کتب خانہ کھنگالنے کی بھی ضرورت نہیں، حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ سے متعلق احادیث و روایات کتب حدیث سے منتخب کر کے ایک رسالہ مرتب کرایا تھا جو عربی میں "التصریح بما تواتر فی نزول المسیح" کے نام سے اب سے قریباً ۳۰ برس پہلے شائع ہوا تھا، اس میں اس سلسلہ کی سَتر سے اوپر مرفوع حدیثیں جمع کی گئی ہیں، حالانکہ جن کو علم دین سے کچھ بھی مس ہے وہ جانتے ہیں کہ تواتر اور حصول یقین کے لیے اس سے بہت کم تعداد بھی کافی ہوتی ہے۔

بہر حال اس مسئلہ کی حدیثیں بلاشبہہ حد تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں اور حضرات محدثین نے اس تواتر کی تصریح بھی کی ہے۔ بخاری کے شارح اور مشہور مفسر قرآن حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ

اخبار بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیمۃ (صفحہ ۱۳۲ ج ۴)

احادیث متواترہ سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے کی خبر امت کو دی تھی۔

اور اگر کوئی براہ راست کتب حدیث ہی میں ان متواتر روایات کو دیکھنا چاہے تو اس کے لیے بھی حدیث کی صرف مشہور و متداول کتابوں کا مطالعہ ہی کافی ہوگا، حدیث کی کوئی جامع کتاب ایسی نہیں ہے جس میں حضرت مسیح کی آمد ثانی کا تذکرہ نہ ہو اور جامع ترمذی میں تو امام ترمذی نے ۱۶ صحابیوں کا نام لے کر بتایا ہے کہ یہ سب حضرات آخری زمانہ میں مسیح علیہ السلام کا اس دنیا میں دوبارہ آنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

پس کیا کوئی عقل و ایمان رکھنے والا یہ باور کر سکتا ہے کہ مختلف زمانوں میں پیدا ہونے والے اور مختلف علاقوں میں رہنے بسنے والے ان سب محدثین نے جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے یا اُن کے اساتذہ اور شیوخ نے جن کی تعداد اُن سے بھی کئی گنا زیادہ ہے، یا ان کے شیوخ کے شیوخ نے یا سب سے اوپر کے راویوں یعنی صحابۂ کرام نے باہم سازش اور اتفاق کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ بہتان باندھا اور ایک ایسے عقیدہ کی تعلیم و تبلیغ کو حضورؐ کی طرف منسوب کر دیا جو بقول منکرین (معاذ اللہ) اسلام اور توحید کے بالکل خلاف ہو۔ یا کوئی عقل اس کو سوچ سکتی ہے کہ حضور کا مطلب تو در اصل کچھ اور تھا لیکن ان سب نے آپ کی بات کو غلط سمجھا اور ایسا غلط سمجھا کہ ایک مشرکانہ عقیدہ اس کی بنیاد پر قائم ہو گیا۔ اور اگر کوئی عقل باختہ اسی پر اصرار کرے کہ ان سب لوگوں نے دانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھا یا یہ کہ یہ سب لوگ حضورؐ کی بات کو غلط سمجھے تو کیا پھر دین کی کسی بات پر بھی یقین اور اطمینان کی کوئی گنجائش رہتی ہے اور کیا پھر قرآن مجید پر بھی اطمینان رہ سکتا ہے۔ آخر ہم موجودہ قرآن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کیا ہوا قرآن تواتر ہی کی بنیاد پر تو مانتے ہیں۔[۵]

---

[۵] میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ دونوں تواتر بالکل ایک درجہ کے ہیں بلا شبہ قرآن مجید کا تواتر اعلیٰ ہے۔ لیکن قرآن پاک کے سوا جو چیز بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطریق تواتر ہم تک پہونچے وہ بھی موجب یقین ہے، یقین کی اصل بنیاد نفس تواتر پر ہے۔ ۱۲

بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ نزولِ مسیح کا عقیدہ جو اُمت میں شروع سے چلا آ رہا ہے (یہاں تک کہ صحابہؓ و تابعین اور بعد کے ائمہ دین اور رجالِ علم میں سے کسی ایک کا کوئی معتمد و مستند قول بھی اس کے خلاف نہیں ملتا[1]) اس کی بنیاد قرآن مجید کی بعض آیات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُن احادیثؒ پر ہے جو حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں اور جو اس سلسلہ کی قرآنی آیات کا مطلب سمجھنے میں بھی ہر دوسری چیز سے زیادہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں، قرآن فہمی کے باب میں اُمت کے لیے اصل مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہی تھی (خود قرآن مجید کا بیان ہے " یعلمھم الکتاب والحکمۃ " اور " لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ ") ـــــ اور اب جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان نہیں ہیں تو اگر آپ کی کوئی بات ہم تک بطریقِ تواتر پہونچی ہے اور اُس سے قرآن مجید کی بعض آیات کے مطلب پر روشنی پڑتی ہے تو ہمارا ایمانی فرض ہو کہ ہم اس کی روشنی میں ان آیات کو سمجھنے کی کوشش کریں، پس جن آیات سے صحابۂ کرام یا حضرات تابعین نے یا بعد کے اکثر ائمہ تفسیر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اٹھایا جانا یا آپ کا دوبارہ اس دُنیا میں آنا سمجھا ہو انھوں نے دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی رہنمائی میں ایسا سمجھا ہے اور بالکل صحیح سمجھا ہے۔

ان لوگوں کے متعلق تو کچھ نہیں کہا جا سکتا جن کا مبلغ علم صرف اُردو یا انگریزی کے چند تراجم اور ان کے حواشی ہوں، البتہ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جن لوگوں کو نظمِ قرآن اور قرآنی اندازِ بیان سے علمی مناسبت نصیب ہے اُن کو تأملِ صادق کے بعد اس میں شبہ نہیں رہ سکتا کہ نظمِ قرآن اور عربیت کی رو سے بھی ان آیات کے وہی معنی راجح ہیں جو عموماً سلف نے کیے اور سمجھے ہیں ـــــ حضرت استاذ مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع (حیاتِ مسیح و نزولِ مسیحؑ) سے متعلق اپنے دو عربی رسالوں (عقیدۃ الاسلام اور تحیۃ الاسلام) میں خاص کام یہی کیا ہے کہ جن آیات کا اس مسئلہ سے خاص تعلق ہے نظمِ قرآن اور دوسرے نہایت محققانہ ترجیحی وجوہ سے ثابت کیا ہے کہ ان آیات کے وہی معنی متعین یا راجح ہیں جو اکثر سلف نے کیے ہیں، لیکن دونوں رسالوں کی زبان عربی ہے اور زیادہ تر مضامین اور مباحث ایسے

---

[1] قادیانی مصنفین نے اس سلسلہ میں جن بعض حضرات کا نام لیا ہے میں اُس سے ناواقف نہیں ہوں اور جانتا ہوں کہ اس کی بنیاد یا جہالت پر ہے، یا تحریف اور خیانت پر۔ بہرحال میرا یہ دعویٰ الحمد للہ علیٰ وجہ البصیرۃ ہے ۱۲

ہیں کہ اردو میں منتقل ہو کر بھی غیر عربی دانوں کے لیے زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ــــــ یہاں صرف اس لیے ان رسالوں کا تذکرہ کر دیا گیا ہے کہ جن حضرات کو اس مسئلہ پر زیادہ غور کرنا ہو اور وہ عربی داں ہوں تو ان کی طرف رجوع کر سکیں، اس عاجز کے نزدیک یہ دونوں رسالے حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ کے فہم قرآن کی خاص نشانی ہیں۔

---

(۲) صدق کا جو مراسلہ اس وقت ان سطروں کے لکھنے کا محرک ہوا ہے اس میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ "مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ عقیدہ برنابا کی انجیل سے آیا اور پھر ہمارے مفسرین نے اسی کی بنیاد پر متعلقہ آیات کی تفسیر کر ڈالی" (ملخصاً)

عجیب ذہن ہے جو بلا کسی ثبوت اور دلیل کے یہ تو سوچ سکتا ہے اور یہ دور کی کوڑی لاتا ہے کہ مسلمانوں نے اور ان کے مفسرین نے یہ عقیدہ برنابا کی انجیل سے لے لیا۔ لیکن یہ نہیں سوچ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان متواتر حدیثوں سے جو آج بھی ہمارے سامنے ہیں انھوں نے اس کو لیا اور اسی کی روشنی میں ان آیات کی یہ تفسیر کی ــــــ حالانکہ اصل واقعہ بالکل یہی ہے، ہاں برناباکی انجیل نے جس طرح اور بہت سے حقائق بالکل قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق بیان کیے ہیں اسی طرح حضرت مسیحؑ کے بارے میں بھی ٹھیک وہی بیان کیا ہے جو قرآن کے بیان " وما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لھم " ــــ اور ــــ " وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ " ــــــ کے بالکل مطابق اور اس کا مصداق ہے ــــــ واقعہ یہ ہے کہ انجیل برناباس کی فصل ۲۱۴ سے آخر فصل ۲۲۲ تک حضرت مسیحؑ کے حواری برناباس نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ گویا قرآن مجید کے بیان کی پوری پوری تشریح اور تصدیق ہے لیکن وہ اس قدر طویل ہے کہ اگر نقل کیا جائے تو ۱۰-۱۲ صفحات میں بھی مشکل سے آئے گا ــــــ برنابا کی یہ انجیل نایاب نہیں ہے۔ کم از کم اہل علم کو اسے ضرور دیکھنا چاہیے!

---

(۳) صدق کے مراسلہ نگار نے اپنے مراسلہ میں سب سے پہلے سورۂ زخرف کی آیت "وانہ لعلمٌ للساعۃ الخ" کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، آپ لکھتے ہیں:-

"علم للساعة" کم از کم ایک مرتبہ تو ضرور کلام پاک میں اور آیا ہے مگر اس کے
معنی علم ہی کے ہیں نشانی کے نہیں، اس قدر دور از کار معنی صرف اس لیے جائز قرار
دیے گئے کہ پہلے حضرت عیسیٰ کی دوبارہ آمد پر اعتماد کر لیا گیا"

پہلی بات تو یہ عرض کرنی ہے کہ نہ معلوم مضمون نگار صاحب کو کہاں سے یہ مغالطہ لگا کہ قرآن کریم میں کم از کم ایک مرتبہ اور بھی کہیں "علم للساعۃ" کا لفظ آیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ لفظ سورہ زخرف کی اس زیر بحث آیت کے سوا سارے قرآن میں کہیں بھی نہیں ہے، ہاں اضافت کے ساتھ "علمُ الساعۃ" کا لفظ قرآن کریم میں جا بجا آیا ہے" وعندہ علم الساعۃ" (زخرف) ان اللہ عندہ علم الساعۃ" (لقمان)" الیہ یرد علم الساعۃ" (فصلت) لیکن "علمٌ للساعۃ اور علم الساعۃ" میں بالکل کھلا ہوا لفظی اور معنوی فرق ہے اور جو حضرات قرآنی الفاظ کے ایسے فرق کو بھی نہ سمجھتے ہوں اُن سے یہ عرض کرنا تو ضروری ہے کہ وہ خود ہی غور فرمائیں کہ ایسے مباحث میں یہ مجتہدانہ گفتگو میں اُن کے لیے مناسب ہیں یا نہیں؟

اس کے بعد دوسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ صاحب مراسلہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں ہے کہ وہ اتنی عربی جانتے ہیں یا نہیں کہ جن تفاسیر پر وہ تنقید کرنے بیٹھے ہیں ان کا خود مطالعہ کر سکیں لیکن ان کے اس مضمون سے ضرور اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس آیت کے متعلق مفسرین کا کلام خود بالکل نہیں دیکھا ہے، اگر وہ دیکھتے تو اتنی لغویات شاید نہ کہتے ـــــ صاحب مضمون غالباً یہ سمجھ رہے ہیں کہ "علم" کے معنی تو ہیں جاننا لیکن جن مفسرین نے اس آیت میں "علم" کے معنی نشانی کے لیے ہیں انھوں نے بالکل غلط اور زبردستی اپنے ایک غلط عقیدہ کی بنیاد پر یہ دور از کار معنی کر ڈالے جس کے لیے لغت میں کوئی گنجائش نہیں ـــــ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس آیت میں "انہ" کی ضمیر کا مرجع خواہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا جائے (جیسا کہ آیت کے سیاق وسباق کا تقاضہ ہے اور جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے) خواہ قرآن مجید کو قرار دیا جائے، خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو (جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں) بہر حال علم سے مراد ذریعہ علم ہی ہوگا (جس کو عربی میں کہا جائے گا "مَا یُعْلَمُ بِہٖ") کیونکہ علم بمعنی مصدر (جاننا) یا حاصل مصدر (جو کسی علم والے کی صفت ہوتی ہے) اس کا اطلاق نہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہو سکتا ہے نہ عیسیٰ علیہ السلام کی ذات پر، نہ قرآن پاک پر ـــــ یہ تینوں اپنی اپنی حیثیت سے قیامت کے علم کا ذریعہ ہی ہو سکتے ہیں

——— علم بمعنی مصدری یا خود صفت علم نہیں ہیں ——— بہرحال مفسرین نے اس آیت میں علم کو بمعنی "مَا یُعْلَمُ بِهٖ" لیا ہے اور اردو میں اسی کی مختصر اور مغز و تعبیر نشانی سے کی جاتی ہے اور "الساعۃ" پر "ل" کا آنا اس کا واضح لفظی قرینہ ہے۔ علم بمعنی مصدری یا حاصل مصدر کے مفعول یعنی معلوم پر لؔ نہیں لایا جاتا ہے[1]۔ ہاں علم بمعنی "مَا یُعْلَمُ بِهٖ" یعنی ذریعہ علم کے بعد لؔ کا موقع ہے۔ بہرحال اس کا آیت میں علم کے معنی بیان کرتے ہوئے اگر نشانی کا لفظ یا اس کے کوئی ہم معنی لفظ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہاں علم کے معنی مصدری یا حاصل مصدر والے نہیں ہیں بلکہ "مَا یُعْلَمُ بِهٖ" (ذریعہ علم) مراد ہے۔ اور جب انّہ کی ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السّلام کو قرار دیا جائے جیسا کہ سیاق آیت کا تقاضہ ہے اور جس کو جمہور مفسرین نے اختیار کیا ہے تو پھر اس کی مختصر ترین تعبیر نشانی سے کیجا سکتی ہے

واضح رہے کہ مفسرین کی طرف سے یہ توجیہ میری طبع زاد نہیں ہے بلکہ اکثر تفسیروں میں اس کی تصریح موجود ہے، اسی لیے میرا یہ گمان ہے کہ مراسلہ نگار صاحب نے اصل تفاسیر کو شاید دیکھا ہی نہیں ہے ورنہ وہ نشانی کے معنی کو "دوراز کار" کہنے کی غلطی نہ کرتے ——— اور معلوم ہوتا کہ صاحب مراسلہ کے علم میں یہ بھی نہیں ہے کہ انہ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السّلام کی طرف راجع ہونے کی تقدیر پر ایک دوسرا مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السّلام اپنی اس حیثیت سے کہ خدا کے امر سے پیدا ہو گئے اور اپنے معجزہ احیاء موتیٰ کے پہلو سے قیامت کو جاننے سمجھنے کا ذریعہ ہیں ——— اگرچہ ہمارے نزدیک راجح دوسرا ہی مطلب ہے۔

---

(۴) صدق کے مراسلہ نگار نے قرآن مجید کے لفظ "بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ" سے بھی تعرض کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔

> میں "بل رفعه الله" کے معنی زندہ آسمان پر اٹھائے جانے کے نہیں سمجھتا"

[illegible] صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ وہ خود اس کے معنی کیا لیتے ہیں، غالباً رفع روحانی اور رفع درجات ہی مراد لیتے ہوں گے، جیسا کہ قادیانی صاحبان کہا کرتے ہیں۔

اس بارہ میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ "بل رفعه الله" کے معنی پر غور کرتے وقت اس حقیقت

[1] اسی لیے قرآن مجید میں جہاں جہاں "علم الساعۃ" آیا ہے وہاں لام نہیں لایا گیا کیونکہ وہاں صفت علم مراد ہے۔ ۱۲۔

کو سامنے رکھنا چاہیے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان شدید اختلاف تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ وہ معاذ اللہ جھوٹے مدعی نبوت اور ایسے ویسے تھے ہم نے ان کو قتل کر ڈالا پھانسی پر لٹکا یا، اور اُن کو اپنے کرتوتوں کی سزا مل گئی اور اس طرح ان کا بہت برا خاتمہ ہوا۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ قرآن مجید میں بھی نقل کیا گیا ہے (انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم)

عیسائی بھی یہ بات مانتے تھے کہ حضرت مسیحؑ کو ان کے دشمنوں نے صلیب پر چڑھایا قتل کیا اور اس طرح وہ مرگئے اور اُن کو دفن بھی کردیا گیا[۱] (اور اُن کا یہ صلیب پر چڑھنا اور نہایت سخت تکلیفوں کے ساتھ دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول و مصلوب ہونا ان کے سارے ماننے والوں کے لیے کفارہ اور نجات کا ذریعہ ہوگیا) لیکن اسی کے ساتھ وہ کہتے تھے کہ تیسرے دن وہ پھر جی اٹھے اور پھر آسمان پر اٹھالیے گئے آج بھی انجیل لوقا مرقس اور اعمال میں بھی مذکور ہے اور اردو ترجموں میں بھی آسمان پر اٹھائے جانے کا لفظ موجود ہے (دیکھی جائے لوقا باب ۲۴ آیت نمبر ۵۱ مرقس ۱۶ آیت ۲۹ اعمال باب اوّل آیت نمبر ۹، ۱۰، ۱۱)

قرآن مجید میں ان دونوں گروہوں یہودیوں اور عیسائیوں کی گمراہیوں اور غلطیوں کو واضح کرکے اصل حقیقت کو بیان کیا گیا ہے (اور اہل کتاب کے اس قسم کے گمراہانہ اختلافات کے متعلق صحیح فیصلہ دینا قرآن مجید کا ایک خاص مقصد ہے) اب ذرا دیکھیے کہ ان اختلافات اور اس سلسلہ کے ان کے عقیدوں کے متعلق قرآن مجید نے کیا فیصلہ دیا ہے۔ سب سے پہلے تو قرآن پاک نے یہ بتایا کہ مسیح علیہ السلام کے مقتول و مصلوب ہونے کے متعلق دونوں فریقوں کا عقیدہ سرے سے بالکل غلط ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ:-

وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم (مسیح کو نہ انھوں نے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ قدرت کی طرف سے ان کے لیے شبہ کی ایک صورت پیدا کردی گئی جس کی وجہ سے وہ ایسا خیال کرنے لگے)

---

[۱] حافظ ابن تیمیہؒ نے "الجواب الصحیح" میں لکھا ہے کہ عیسائیوں میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو مسیح علیہ السلام کے مقتول و مصلوب ہونے کا انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے دشمنوں یہود نے دراصل (یہودا) مقتول و مصلوب ہوا جسنے جاسوسی کی تھی، اللہ نے اسکی صورت مسیح کی سی بنادی اور مسیح کو صحیح سلامت آسمان پر اٹھالیا اور وہی جاسوس ان کے دھوکے میں مقتول و مصلوب ہوا — برناس کی انجیل میں بھی یہی ہے — لیکن اناجیل کے موجودہ مجموعہ میں عام عیسائی عقیدہ کے مطابق (بقیہ ص۲۱ پر)

پھر فرمایا :-

" اِن الذین اختلفوا فیه لفی شكٍّ منه ما لهم به من علمٍ الا اتباع الظن وما قتلوه یقینًا بل رّفعه الله الیه وکان الله عزیزًا حکیمًا ○ (النساء ع ۲۲)

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ (یہودی اور عیسائی) مسیحؑ کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں (کہ مقتول و مصلوب ہوکر ختم ہوگئے یا پھر زندہ ہوکر آسمان پر اٹھا لیے گئے) اُن کے پاس اس واقعہ کا صحیح علم ہے ہی نہیں۔ صرف بے اصل اٹکلیں اور بے بنیاد قیاس آرائیاں ہیں جن پر وہ چلتے ہیں۔ صحیح اور یقینی بات یہ ہے کہ انھوں نے ان کو قتل کیا ہی نہیں بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا ـــــ اور اللہ پوری طاقت اور حکمت والا ہے (جس نے اپنی کامل قدرت اور حکمت سے یہ سب کچھ کیا)

ان آیات میں قرآن مجید نے حضرت مسیحؑ کے مقتول و مصلوب ہونے کی تو پوری صراحت کے ساتھ قطعی نفی کردی (بلکہ ایک دوسری آیت " واذ کففتُ بنی اسرائیل عنك " (مائدہ) میں یہ بھی بتلادیا کہ اللہ نے اُن کو ایسا بچایا کہ اُن کے دشمن اُن کو ہاتھ بھی نہ لگا سکے) اس نفی نے یہودیوں کا دعوائے قتل بھی ختم کردیا اور عیسائیوں کے نہایت خطرناک اور دین کو برباد کردینے والے عقیدہ کفارہ کو بھی جڑ بنیاد سے اکھاڑ دیا۔ اور قتل و صلب کی اس نفی کے ساتھ قرآن مجید نے عیسیٰ کے لیے رفع کا اثبات کیا اور بل کا کلمہ درمیان میں لاکر فرمایا گیا کہ " بل رفعه الله الیه " (یعنی اُن پر قتل و صلب کا فعل واقع ہی نہیں ہوا بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھا لیا۔)

جس شخص کو ذرا بھی عربیت کا ذوق ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں رفع کے معنی اب ایسے ہونے چاہئیں جو قتل کی ضد ہوں یعنی مقتول ہونے کے ساتھ جمع نہ ہوسکیں اور ظاہر ہے کہ کسی نبی کے رفع روحانی اور رفع درجات میں اور دشمنوں کے ہاتھ سے ان کے مقتول ہونے میں قطعاً کوئی منافات اور تضاد نہیں ہے بلکہ راہِ خدا میں مظلومانہ قتل کیے جانے سے تو درجے اور زیادہ بلند ہوجاتے ہیں۔ اور شہید کی رتبہ کو غیر معمولی رفعت نصیب ہوجاتی ہے اسی لیے کہنے والے نے کہا ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ـ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰) حضرت عیسیٰؑ کے مقتول و مصلوب ہونے اور اس کے بعد آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے۔

قرآن مجید نے متعدد جگہ انبیاء علیہم السلام کے ناحق مقتول ہونے کا ذکر کیا ہے "وقتلهم الانبياء بغير حق" "يقتلون النبيين بغير الحق" "ففريقا كذبتم وفريقا تقتلون" ظاہر ہے کہ اللہ کے یہ سب پیغمبر جو ظالموں کے ہاتھ سے شہید ہوئے، اس شہادت کی وجہ سے ان کے درجے بلند ہی ہوئے ـــــ الغرض رفع روحانی اور رفع درجات ہرگز مقتول ہونے کی منافی نہیں ہاں جسم کیساتھ صحیح وسالم اٹھالیا جانا بیشک مقتول ہونے کے منافی ہے، اس لیے آیت "بل رفعه الله اليه" کا مطلب یہی صحیح ہوگا کہ مسیح کو ان کے دشمن قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ نے صحیح وسلامت ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اپنی طرف اٹھانے کا مطلب یہی ہوگا کہ آسمان پر اٹھالیا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اگرچہ ہماری طرح کسی مکان کا مکین نہیں ہے، لیکن قرآن مجید کے بیان کے مطابق آسمان کو اس سے ایک خاص مکانی نسبت ضرور ہے۔ قرآن مجید سورہ ملک میں ہے:۔

"ءامنتم من فى السماء ان يخسف بكم الارض فاذا هى تمور ۞ ام امنتم من فى السماء ان يرسل عليكم حاصبا" اور کئی جگہ فرمایا گیا ہے "ثم استوى على العرش"

اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو "مومنہ" فرمایا جس سے پوچھا گیا تھا کہ خدا کہاں ہے تو اس نے جواب دیا تھا "فى السماء" "آسمان میں (صحیح مسلم صفحہ ۲۰۴ جلد ۱)

اس بسلسلہ میں ایک دوسری قطعی فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی میں نے اوپر بتلایا تھا۔ عیسائی عام طور سے عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کا عقیدہ رکھتے تھے اور آج بھی انجیلوں میں صراحتاً یہ عقیدہ موجود موجود ہے پھر بعض مقامات پر آسمان پر اٹھائے جانے کے الفاظ ہیں اور بعض جگہ صرف اوپر اٹھائے جانیکا ذکر ہے اور انجیل کے عربی ترجموں میں ان موقعوں پر رفع ہی کا لفظ ہے، اب اگر یہ مانا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول ومصلوب ہونے کے عقیدہ کی طرح ان کے اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی غلط اور مشرکانہ تھا تو قرآن مجید پر سنت الزام آئے گا کہ اس نے اس موقع پر اس عقیدہ کی بالکل تردید نہیں کی بلکہ غضب یہ کیا کہ "بل رفعه الله اليه" اور دوسری جگہ "رافعك الى" فرما کر عیسائیوں کے اس عقیدے پر گویا مہر تصدیق ثبت کردی اور انتہا یہ ہے کہ اس نے لفظ بھی وہی رفع کا بولا جو خود عیسائی اپنے اس عقیدے کے اظہار کے لیے بولتے تھے، اور جو انجیل میں اب تک موجود ہے اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا

کہ آج تک جمہور اُمت نے بھی قرآن مجید کے ان الفاظ سے یہی سمجھا کہ حضرت عیسیٰ اوپر اٹھا لیے گئے۔ پھر تو (معاذ اللہ) قرآن مجید نے گویا خود ہی لوگوں کو گمراہ کیا اور ساری اُمت کو ایک شرک میں جھونک دیا ——— الغرض سلیم عقل کی کچھ رکھنے والا بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کے قتل و صلب کے عقیدہ کی طرح اُن کے اٹھائے جانے کا عقیدہ بھی غلط ہوتا تو پھر جس طرح "ما قتلوہ وما صلبوہ" فرما کر اور پھر "وما قتلوہ یقیناً" کو مکرر لا کر عقیدہ قتل و صلب کی پوری قوت اور صراحت کے ساتھ تردید کی گئی۔ اس طرح عقیدۂ رفع کی بھی واضح تردید اس موقع پر کی جاتی ——— لیکن ہوا یہ کہ بجائے نفی اور تردید کے صاف صاف "بل رفعہ اللہ الیہ" اور دوسری جگہ "ورافعک الیّ" فرما کر رفع کو ثابت کیا گیا ——— الغرض عیسائی عقیدے اور انجیل کی تصریحات کو سامنے رکھنے کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن مجید نے ان کے عقیدہ کے اس جزو کی (یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے اٹھائے جانے کی) تردید نہیں کی بلکہ اس کی تصدیق کی ہے جس طرح کہ مسیحؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی اور احیاء موتی وغیرہ ان کے اُن معجزات کی تصدیق کی ہے جن کا عیسائی عقیدہ رکھتے تھے اور جن کا آج بھی انجیل میں ذکر موجود ہے۔

اسی سے یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ "بل رفعہ اللہ الیہ" اور "رافعک الیّ" سے اُمت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر اٹھایا جانا کیوں سمجھا اور حضرت ادریسؑ کے بارہ میں "ورفعناہ مکاناً علیاً" کی بنا پر اُن کا آسمان پر اٹھایا جانا کیوں اُمت کا عقیدہ نہیں بنا ——— علاوہ ازیں از روئے عربیت ان دونوں ترکیبوں میں جو فرق ہے۔ عربی کا صحیح ذوق رکھنے والے اس کو بھی سمجھ سکتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اس ناچیز کے نزدیک تو بات اتنی صاف، واضح اور یقینی ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد بھی جو لوگ "بل رفعہ اللہ الیہ" اور "رافعک الیّ" کی تاویل صرف رفع روحانی یا رفع درجات سے کریں اور رفع جسمانی کے انکار ہی پر مصر ہیں، میرے نزدیک تو ان کی غلطی صرف علم و نظر کی غلطی نہیں ہے اور وہ صرف ذہن کے بیمار نہیں ہیں بلکہ قلب کے مریض ہیں

(۵) صدق کے مضمون نگار صاحب نے ایک بات اس سلسلہ میں یہ بھی لکھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جو بالکل انوکھی نہ تھی (کیونکہ حضرت آدمؑ اُن سے پہلے بغیر ماں باپ کے پیدا کیے جا چکے تھے) اس کا ذکر تو قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے یہاں تک کہ پوری سورۂ مریم ان کے پیدائش کے متعلق وارد ہوئی ہے[1] لیکن ان کا زندہ آسمان پر اٹھ جانا اور وہاں قیام کیے رہنا جو کہ بالکل ہی حیرت انگیز

---

[1] یہ حاشیہ صفحہ ۲۴ پر دیکھا جائے

واقعہ ہے بجز(۱) اس عجیب معجزے کے متعلق صرف "بل رفعہ اللّٰہ" کے الفاظ سے زیادہ کوئی زائد تفصیلی بیان نہیں۔

صاحب مضمون کے اس عجیب وغریب فکریہ کی بنیاد دراصل یہ ہے کہ اُن کے خیال میں حضرت مسیحؑ کی پیدائش کا ذکر قرآن مجید میں تفصیل سے اس لیے کیا گیا ہے کہ وہ ایک عجیب واقعہ اور معجزہ ہے اپنے اسی خیال کی بنیاد پر وہ فرماتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کی بات اگر صحیح ہوتی تو قرآن مجید میں اس کا ذکر بھی پیدائش ہی کی طرح یا اُس سے بھی زیادہ تفصیل سے ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ معجزہ اپنی حیرت انگیزی میں ان کی پیدائش کے معجزہ سے بھی بڑھا ہوا ہے۔

جو شخص قرآن مجید کی روح اور اس کے خاص مقاصد اور اسالیب سے کچھ بھی واقف ہو وہ جانتا ہے کہ معجزات اور عجائبات کا بیان کرنا قرآن مجید کا کوئی خاص مقصد نہیں ہے اور جہاں کہیں بھی کسی معجزہ کا کوئی ذکر یا بیان ہے وہاں عموماً اختصار ہی سے کام لیا گیا ہے اور مسیح علیہ السّلام کی پیدائش کا بیان سورۂ مریم وغیرہ میں جہاں جہاں تفصیل سے کیا گیا ہے اس کی وجہ ہرگز یہ نہیں ہے کہ مخاطبین کو ایک عجیب وغریب معجزانہ واقعہ سنایا جائے بلکہ اس کا مقصد اصل حقیقت بیان کر کے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق افراط اور تفریط کی اُن گمراہیوں کی تردید کرنا ہے جن میں نصاریٰ اور یہود مبتلا تھے، چنانچہ سورۂ مریم میں بھی حضرت مسیح علیہ السّلام کی پیدائش کا ذکر فرما کر بات کو اس آیت پر ختم کیا گیا ہے "ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (سورۂ مریم ع ۲)"

اسی طرح آل عمران میں جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش وغیرہ کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا گیا ہے وہاں بھی آخر میں فرمایا گیا ہے " اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ " گویا دونوں جگہ اس کی تصریح ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اس موقع پر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خاص مقصد ان گمراہیوں کی اصلاح اور اُن غلط خیالات کی ...

حاشیہ متعلقہ صفحہ
(۱) مقدمہ کے مراسلہ نگار صاحب کا یہ کہنا کہ "پوری سورۂ مریم حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق وارد ہوئی ہے۔" یہ بھی ان کے ناقص مطالعہ کی ایک دلیل ہے، ورنہ ہم لوگ تو اتنا ہی جانتے ہیں کہ اس پوری سورہ میں ۶ رکوع ہیں اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش وغیرہ کا ذکر ایک رکوع سے بھی کم ہی میں ہے باقی ۵ سے زیادہ رکوعوں میں بعض دوسرے انبیاء علیہم السّلام کا تذکرہ اور دوسرے مضامین ہیں۔

کی تصحیح ہے جن میں لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ میں مبتلا تھے ۔۔۔۔

الغرض یہ سمجھنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر تفصیل سے قرآن مجید میں اس لیے کیا گیا ہو کہ وہ ایک عجیب و غریب واقعہ ہے اور اس بنا پر پھر یہ کہنا کہ چوں کہ ان کا آسمان پر اٹھایا جانا پیدائش سے بھی زیادہ انوکھا اور حیرت انگیز معجزہ ہے لہٰذا اس کا ذکر بھی اسی تفصیل سے ہونا چاہیے تھا ۔۔۔ اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ قرآن مجید کے مقاصد اور اس کے اسالیب سے ناواقفی ہی پر مبنی ہے۔

---

(۶) صدق کے مراسلہ نگار صاحب نے ایک سوال یہ بھی اٹھایا ہے کہ اتنے بڑے معجزے کی (یعنی حضرت مسیحؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے اور پھر دوبارہ آنے کی) غایت کیا ہے؟

اس سلسلہ میں اہل علم نے جو حکمتیں اور جو لطائف اپنے اپنے خیال سے لکھے ہیں۔ غالباً صاحب مضمون ان سے بالکل ناواقف تو نہ ہوں گے بلکہ میرا خیال ہے کہ ان سے مطمئن نہ ہوئے ہوں گے اس لیے بجائے کسی غایت بتانے کے میں عرض کرتا ہوں کہ کیا کسی حقیقت کو تسلیم کرنے اور کسی عقیدہ کو ماننے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی غرض و غایت بھی آپ کو معلوم ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بن باپ کے پیدا کیا جانا قرآن مجید میں مذکور ہے، کیا صاحب مضمون بتا سکتے ہیں کہ بن باپ کے ان کی پیدائش کی وہ کیا خاص غایت تھی جو بدون اس کے حاصل نہیں ہو سکتی تھی؟ اور کیا جب تک ایسی کوئی غایت نہ معلوم ہو جائے عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کو تسلیم نہیں کیا جائے گا؟

---

(۷) اسی مراسلہ میں ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو زمین میں دفن ہوں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر براجیں، یہ بھی ایک تکلیف دہ مسئلہ ہے"۔

کس قدر عامیانہ بات ہے۔ آخر فرشتے آسمانوں پر ہیں۔ تارے اوپر ہیں، زمین پر چلنے پھرنے والے لوگ بھی دفن شدہ اموات کی بہ نسبت تو اوپر ہی ہیں۔ تو کیا ان سب کا اوپر ہونا بھی تکلیف دہ ہے، علاوہ ازیں فضیلت کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کا تعلق و تقرب اور اس کی محبوبیت ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ اس لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ لیکن جزئی فضیلتیں دوسروں کو بھی حاصل ہو سکتی ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام ہی کو لے لیجیے قرآن مجید ہی کا بیان ہے کہ وہ بن باپ کے براہ راست

اللہ کے حکم سے پیدا ہوئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق معلوم ہے کہ وہ توالد وتناسل کے عام انسانی قانون کے مطابق ماں باپ سے پیدا ہوئے۔ پھر قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ مریم صدیقہ کی جابجا بڑی تعریف و توصیف کی ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین میں سے کسی کی تعریف میں قرآن پاک میں ایک حرف بھی نہیں لکھا گیا، اسی طرح حضرت عیسیٰ ؑ کا گہوارہ میں معجزانہ کلام کرنا اور پھر بزمانہ نبوت مُردوں کو زندہ کرنا اور مٹی کے بنے ہوئے پرندوں میں ان کی پھونک سے جان پڑ جانا قرآن مجید نے بیان کیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے کسی معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں کیا گیا تو کیا ان سب باتوں کو بھی تکلیف دہ کہکر انکار کر دیا جائے؟ —— معلوم نہیں صاحب صدق نے اس مضمون کو اس کے سارے اجزا کے ساتھ چھاپنے کے ساتھ صاحب مضمون کے "صاحبِ فکر و نظر" ہونے کی شہادت صدق میں دینا کس لیے ضروری سمجھا؟

"صدق" کے اس مراسلہ میں مقطع کا بند یہ ہے کہ صاحب مراسلہ نے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ کسی مجلس میں موصوف نے صاحب مراسلہ ہی سے فرمایا کہ:-

"میں خود اس عقیدہ کا نہیں ہوں (یعنی نزول مسیح ؑ کا قائل نہیں ہوں) اور اس کے متعلق احادیث کو موضوع سمجھتا ہوں"

آج سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں کہ خود اُن سے رجوع کر کے اس روایت کا صحیح یا غلط ہونا معلوم کیا جا سکے، لیکن اُن کی علمی و دینی خصوصیات کے جاننے والے جن اہل علم سے بھی اس عاجز نے اس موضوع پر گفتگو کی (اور خود لکھنؤ میں دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والے ایسے متعدد اہل علم موجود ہیں) اُن سب نے یہی کہا کہ ہمارے نزدیک سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ بیان صحیح نہیں ہے ممکن ہے صاحب مضمون کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو ورنہ ہم جہاں تک جانتے ہیں سید صاحب ؒ کا عقیدہ حضرت مسیح علیہ السلام کی حیات و نزول کے بارہ میں وہی تھا جو ہمیشہ سے سلف صالحین کا ہے۔

اس عاجز کے نزدیک حضرت سید صاحب کے متعلق صاحب مراسلہ کے اس بیان کے غلط یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہونے کی ایک واضح دلیل خود اس بیان میں موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت موصوف سے نقل کیا گیا ہے

کہ "میں اس مسئلہ نزول مسیح ؑ سے متعلق احادیث کو موضوع سمجھتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ جو شخص فن حدیث و روایت

سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ مسئلہ نزولِ مسیح کی احادیث کے لیے موضوع کا لفظ وہی شخص بول سکتا ہے جو فنِ حدیث کی ابجد بھی نہ جانتا ہو۔ حالانکہ سید صاحب اس فن میں اس زمانہ کے ماہرین میں سے تھے اگر بالفرض وہ نزولِ مسیح کے قائل نہ بھی ہوتے تب بھی ان احادیث کے لیے وہ موضوع کا لفظ ہرگز نہ بولتے بلکہ دوسری کوئی بات کہہ سکتے تھے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کے موجودہ اساتذہ میں شیخ التفسیر جناب مولانا محمد اویس صاحب ندوی ایک طویل مدت تک حضرت سید صاحب کی خدمت اور صحبت میں دار المصنفین میں رہے اور سید صاحب نے اُن کو خاص طور سے قرآن مجید پڑھایا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سید صاحب ہی کے ساختہ پرداختہ ہیں۔ میں نے اُن سے خاص طور سے اس بارہ میں سوال کیا تھا اور یہ بھی دریافت کیا تھا کہ قرآن مجید کی جن آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق توفی اور رفع کے الفاظ آتے ہیں۔ درس میں ان کی تاویل تفسیر سید صاحب کیا کرتے تھے؟ میں نے مولانا موصوف سے درخواست کی تھی کہ وہ مجھے جواب تحریر میں دیں تاکہ وہ انھیں کے الفاظ میں شائع کیا جا سکے چنانچہ موصوف کا جواب بلفظہ درج ذیل ہے:۔

مخدومِ گرامی! زاد مجدہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی مسئلہ میں سلف صالحین کے مسلک سے جدا رائے نہیں رکھتے تھے۔ کبھی پہلے جو بعض تفردات تھے اُن سے بھی رجوع فرما لیا تھا جس کا اعلان بھی معارف میں ہو گیا تھا ایک بار مجھ سے بڑے درد کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میں آپ کو اپنی پچاس سالہ تصنیفی زندگی کے تجربہ کے بعد نصیحت کرتا ہوں کہ کسی معاملہ میں سلف صالحین سے الگ راستہ نہ اختیار کیجیے۔

جس مسئلہ کی طرف جناب نے اشارہ فرمایا ہے اُس کے متعلق یہ عرض ہے کہ آیت توفی و رفع کے موقع پر سید صاحب نے مجھ کو ہدایت فرمائی تھی کہ اس موضوع پر حضرت مولانا انور شاہ رح کا رسالہ بہت تحقیقی اور نافع ہے اس کو دیکھ لیا جائے[1] ——— یہ ہدایت

---

[1] یہ رسالہ عقیدۃ الاسلام ہے جس کا پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے۔ "تحیۃ الاسلام" اس کا حاشیہ یا یہ کہیے کہ تکملہ ہے۔ بلاشبہ مسیح کی حیات و نزول کے بارہ میں یہ رسالے برہانِ قاطع ہیں۔ ۱۲

خود اس امر کی صریح دلیل ہے کہ توفی اور رفع کے متعلق حضرت شاہ صاحب کی تحقیق سے سید صاحب کو اتفاق تھا، اس لیے میرا بھی خیال ہے کہ صدق کے مراسلہ نگار کو فہم مطلب میں کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ سید صاحب کے متعلق مجھ کو بحمد اللہ پورا اطمینان ہے کہ وہ مسئلہ توفی اور رفع میں مفسرین سلف سے الگ رائے نہیں رکھتے تھے ورنہ ان آیات کے درس کے موقع پر کچھ نہ کچھ ضرور اظہار ہوتا۔

والسلام

ادریس ندوی نگرامی ۶ر دسمبر ۵۵ء

غلام محمد صاحب بی اے کا بیان

۲۵ر نومبر کے صدق میں ایک مراسلہ غلام محمد صاحب کا شائع ہوا ہے۔ ناچیز راقم سطور موصوف کے متعلق صرف غائبانہ طور پر اتنا جانتا ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے زمانہ قیام کراچی میں وہ ایک مسترشد کی حیثیت سے سید صاحب سے وابستہ رہے۔

موصوف نے ۲۸ر اکتوبر کے صدق میں شائع ہونے والے مراسلہ ہی کو پڑھ کر اپنا مراسلہ یا بیان صدق میں شائع کرایا ہے۔ اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خیال میں سید صاحب کے متعلق مراسلہ نگار کے بیان کی تصدیق و تائید کرنا چاہتے ہیں اگر ایسا ہی ہے تو بہت ہی افسوس اور دکھ کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ انھوں نے قلم اٹھانے سے پہلے اتنا غور کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی کہ صدق کے مراسلہ نگار کی گفتگو کس مسئلہ میں ہے اور اس نے سید صاحب کی طرف کس عقیدہ کا انکار اور اس سے متعلق احادیث کو موضوع بتلانا منسوب کیا ہے اور غلام محمد صاحب خود کس مسئلہ کی بابت اپنی معلومات کا اظہار فرمانا چاہتے ہیں۔ ۲۸ر اکتوبر کے صدق میں شائع ہونیوالے مراسلہ کا موضوع نزول مسیحؑ کا مسئلہ ہے اور اسی کے بارہ میں صاحب مراسلہ نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا ہے کہ وہ اس عقیدہ کے نہیں تھے اور اس سلسلہ کی احادیث کو موضوع سمجھتے تھے ـــــ اور غلام محمد صاحب نے سید صاحب کے حوالہ سے جو کچھ اپنی بیاض سے اپنے مراسلہ میں نقل کیا ہے اس میں سید صاحب کی گفتگو کا تعلق نزول مسیح کے مسئلہ سے نہیں ہے بلکہ مسئلہ ظہور مہدی سے ہے ـــــ اگر غلام محمد صاحب ان دونوں مسئلوں کو ایک سمجھ رہے ہیں تو ناواقفی کی انتہا ہے ـــ یہ دونوں مسئلے الگ ہیں اور ظہور مہدی کی روایت کے متعلق سید صاحب نے

جو یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ ان کی سندوں میں کوئی نہ کوئی شیعی راوی ضرور ہے، اس کا اظہار بعض اور علماء نے بھی کیا ہے، بہر حال یہ دونوں مسئلے بالکل الگ ہیں اور ان دونوں کے ثبوت کی نوعیت بھی یکساں نہیں ہے۔[1]

ممکن ہے ۲۴ر اکتوبر کے "صدق" کے مراسلہ نگار سے بھی یہی غلطی ہوئی ہو کہ حضرت سید صاحب نے ظہور مہدی کے متعلق وہی بات اُن سے کہی ہو جو غلام محمد صاحب نے نقل کی ہے اور انھوں نے "نزول مسیح" اور "ظہور مہدی" کو ایک ہی بات سمجھ کر سید صاحب کے متعلق اپنے مراسلہ میں وہ بات لکھ دی ہو اور احادیث کے بارہ میں موضوع کا لفظ اپنی فہم کے مطابق لکھ دیا ہو۔ ورنہ سید صاحبؒ کے الفاظ ظہور مہدی کی روایات کے بارہ میں بھی یقیناً اسی قسم کے ہوں گے جو غلام محمد صاحب نے اپنی بیاض سے نقل کیے ہیں اور جو سید صاحب کے علمی مقام سے مناسبت و مطابقت بھی رکھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

آخر میں یہ بھی گزارش ہے کہ اب سے ۳۰-۴۰ سال پہلے اس مسئلہ (حیات مسیحؑ نزول مسیحؑ) پر اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اب نئے سرے سے اس پر لکھنے اور وقت و محنت صرف کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ جو لوگ اس مسئلہ پر غور کرنا چاہیں وہ اس سلسلہ کے قدیمی رسائل حاصل کر کے مطالعہ کریں اور مضمون نگاری کا اس مسئلہ کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنا اور دوسروں کا وقت ضائع نہ کریں۔

---

[1] ائمہ سلف نے قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے بالاتفاق مسیح علیہ السلام کا اٹھایا جانا اور دوبارہ آنا سمجھا ہے لیکن اس طرح کسی ایک آیت کی تفسیر بھی ظہور مہدی سے نہیں کی گئی ہے۔ اسی طرح یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ ظہور مہدی کی کسی روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے نہیں لیا ہے۔ لیکن نزول مسیح کی روایات ان دونوں کتابوں میں بھی موجود ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک میں اس کا مستقل باب ہے۔

مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ

از ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی، ایم اے۔ پی، ایچ، ڈی

ہمارے دینی اور تہذیبی وجود کو سب سے بڑا خطرہ جدید تعلیمی نظام سے ہے۔ طبیعتوں اور ذہنوں کی ساخت کا انحصار تعلیم پر ہے اور سرکاری اسکولوں کی نام نہاد سیکولر تعلیم کے سایہ میں جو ذہنی فضا پیدا کی جا رہی ہے اس کا اندازہ ہر اس مسلمان کو ہوگا ـــــ یا ہو سکتا ہے ـــــ جس کے بچے ان اسکولوں میں پڑھتے ہیں۔ جوں جوں جبری تعلیم کا نفاذ ہوگا اور زیادہ سے زیادہ مسلمان بچے سرکاری یا نیم سرکاری اسکولوں میں داخل کیے جائیں گے۔ یہ فضا اور بھی پھیلتی اور مسموم ہوتی جائے گی اور مسلمانوں میں جو تھوڑا بہت دینی شعور باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور اُن کے طبائع اور رجحانات کا رُخ اس غار کی طرف ہو جائے گا جو ہمارے نقطۂ نظر سے ہلاکت کا مُرادف ہے۔

ہم بلا شبہ ملک کے تعلیمی نظام سے اپنا تعلق نہیں توڑ سکتے۔ ہم اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو خدا حافظ نہیں کہہ سکتے۔ یہ تو قومی خود کشی ہوگی۔ ہم کو وقت کے خلاف نہیں وقت کے ساتھ چلنا ہے لیکن اس طرح کہ اپنا روحانی اور کلچرل مال و متاع بھی محفوظ رہے اور ہم تعلیمی ترقی میں بھی پیچھے نہ رہیں۔

اس لیے وقت شناسی اور مصلحت اندیشی کا تقاضہ یہ ہے کہ اصل توجہ گھریلو تربیت اور پرائمری تعلیم پر کی جائے اور مسلمان بچوں کا ابتدا ہی میں دین سے تعارف کرا دیا جائے۔ اُن کے معصوم دلوں میں خدا کا خوف آخرت کا یقین اور حق کی لگن پیدا کر دی جائے تاکہ وہ آگے چل کر مشرکانہ و ملحدانہ اثرات کا شکار نہ ہو سکیں بچپن میں ذہن میں سب سے زیادہ تازگی اور اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور اس دور میں ذہنوں پر جو نقش پڑ جاتے ہیں وہ کم و بیش ساری عمر قائم رہتے ہیں۔ ہماری آنے والی نسلیں اگر اسلام کے لیے محفوظ کی جا سکتی ہیں

تو اسی ابتدائی تعلیم و تربیت کے انتظام و اہتمام کو سو کاموں کا ایک کام اور سو جہادوں کا ایک جہاد سمجھ کر۔

گزشتہ سال اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے بمبئی میں مسلم تعلیمی کنونشن منعقد کیا گیا تھا جس کی صدارت حیدرآباد کے مشہور اہل علم ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے کی تھی اور ملک کے بہت سے ممتاز علماء، اساتذہ اور مسلم تعلیمی مراکز کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی تھی۔ کنونشن کی تجویزوں کو عمل میں لانے کے لیے پروفیسر محمد مجیب کی قیادت میں ایک بورڈ بھی قائم ہوا تھا لیکن اس بورڈ کی کوئی عملی سرگرمی اب تک ہمارے علم میں نہیں آئی۔ خدا کرے کہ اہل حل و عقد اپنی ذمہ داریوں کو پوری طرح محسوس فرمائیں۔ ذیل میں کچھ باتیں اسی سلسلہ میں مشورۃً عرض کی جا رہی ہیں شاید کچھ مفید ہو سکیں۔

آج کل کوئی تحریک عوام سے براہ راست تعلق پیدا کیے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی، اور تعلیم کا مسئلہ تو بالخصوص ایک عمومی مسئلہ ہے۔ اس راہ میں اسی جفاکشی، ہمت اور قوت مجاہدہ کی ضرورت ہے جو قومی خطرہ کے وقت زندہ رہنے والی قومیں صرف کرتی ہیں۔ کام شروع کرنے سے پہلے ہی مادی وسائل ٹٹولنے لگنا اور ان کی کمی یا فقدان کا احساس کر کے ہمت ہار بیٹھنا بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے جو اکثر قومی خدمت کا شوق رکھنے والوں کو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھنے دیتی۔ حقیقت میں یہ اندیشے شوق اور ارادہ دونوں کی کمی کی دلیل ہوتے ہیں ورنہ اس طرح کی کوششوں کی کامیابی واقعۃً مادی وسائل سے باہر کی چیز ہے۔ اصل چیز مقصد کو اپنے اوپر غالب کر لینا اور اسی کو اپنی تمام تر توجہات، دلچسپی اور جدوجہد کا محور بنا لینا ہے، پھر راہیں خود بخود کھلنے لگتی ہیں اور بقول علامہ اقبال پہاڑ بھی سمٹ کر رائی ہو جاتے ہیں۔ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت" میں لکھا ہے کہ حاجی عبدالرحمٰن صاحب جنہیں مولانا محمد الیاس صاحب اپنی تحریک کا روح رواں سمجھتے تھے اور جن کے ہاتھ پر ایک ہزار سے اوپر آدمی مسلمان ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ "دین کا کام پیسہ سے نہیں چلتا۔ اگر دین کا کام پیسہ سے چلتا تو حضورؐ کو بہت مال و دولت ملتی۔" قرون اولیٰ میں اسلام کے سپاہی لڑنے نکلتے تھے تو ہتھیاروں کے علاوہ خورد و نوش کا سامان بھی اپنے گھروں سے ساتھ لے جاتے تھے۔

ثانیاً یہ کہ یہ کام شور اور ہنگامہ کا نہیں ہے اور نہ حکومت یا اکثریت سے کشیدگی پیدا کرنے یا جھگڑا مول لینے ہی کی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس حکومت کا زیادہ سے زیادہ تعاون حاصل کرنے کی کوششیں برابر جاری رکھنا پڑیں گی۔ تعمیری کام جلسوں، نعروں، اشتعال اور جھگڑوں سے نہیں ہوتے۔ ہماری ایک

بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہم میں نعرے لگانے اور جوشیلی تقریریں کرنے والے تو بہت مل جاتے ہیں لیکن خاموشی کے ساتھ اینٹ پر اینٹ رکھ کر دیوار کھڑی کرنے والے ڈھونڈھنے پر بھی نہیں ملتے۔

تیسرے اس تحریک میں ثبات و استحکام تب ہی پیدا ہوگا جب اسے ملک گیر پیمانہ پر چلایا جائے۔ اس میں شریک ہونے والوں کا یہ محسوس کرنا ضروری ہے کہ وہ ایک ایسی زنجیر کی کڑیاں ہیں جو ملک بھر میں پھیلی ہوئی ہو اور جس کی مضبوطی اور ترقی پر اُمت کی کھیتی کی حفاظت کا انحصار ہے۔ مقامی تحریکیں عموماً زیادہ عرصہ تک نہیں چل پاتیں، کیونکہ ان کے کارکنوں کے دل گرد و پیش کی بے حسی اور بے توجہی اور احساس تنہائی سے مُرجھا جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اجارہ دوبارہ جے کی بھوداں یا گنا کو سامنے رکھا جائے تو بہت فائدہ پہونچ سکتا ہے۔

چوتھے کام کا ایک مرتب خاکہ ہونا چاہیے۔ غیر مربوط اور منتشر کوشش بھلا کیا ٹھکانے لگے گی۔ لائحہ عمل تیار کرنے میں مندرجہ ذیل مشورے شاید مفید ثابت ہوں!

(الف) بچہ کا پہلا اسکول اس کا گھر اور اس کے پہلے معلم اس کے ماں باپ ہوتے ہیں۔ وہ آنکھ کھول کر جو ماحول دیکھتا ہے اُسے بلا تکلف قبول کر لیتا ہے اور اُس کے والدین کے عادات و اطوار غیر شعوری طور پر اس کی شخصیت کے اجزا بن جاتے ہیں۔ جو بعد میں آسانی سے مٹائے نہیں مٹتے۔ چنانچہ تعلیمی و تربیتی دو اد معاملہ کی ابتدا گھر ہی سے ہونا چاہیے۔

والدین کے یہ اچھی طرح ذہن نشین کرا دینا چاہیے کہ اگر وہ اپنی خاطر نہیں تو کم از کم اپنی نئی نسلوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے ہی مذہب کے ارکان کی پابندی ضرور کریں کیونکہ جن حالات میں ان کی اولاد کو زندگی بسر کرنا پڑے گی وہ ان سے کہیں زیادہ ناسا عد ہوں گے جن سے ان کا سابقہ رہا ہے اور اگر بچپن ہی میں اُن میں دینی شعور نہ پیدا کرا دیا گیا اور اُن کے عقائد کی تصحیح نہ کر دی گئی تو وہ اسلام سے اس طبیعی اور فطری وابستگی سے بھی محروم رہ جائیں گے جو اس گئی گزری حالت میں بھی مسلمانوں میں عموماً پائی جاتی ہے، اور شاید کچھ عرصہ بعد ان کی صورت شکل وضع قطع حتیٰ کہ ان کے ناموں سے بھی پتہ لگانا دشوار ہو جائے کہ وہ مسلمانوں کی اولاد ہیں۔

تعلیم یافتہ مسلمان گھرانے اگر یہ معمول بنالیں کہ روزانہ رات کو سونے سے قبل بچوں کو جمع کر کے کسی ایسی کتاب کا کچھ حصہ سُنا دیا جایا کرے جس میں دین کی باتیں سیدھی سادی مگر دلکش زبان میں بیان

کی گئی ہوں تو اُن کے سادہ ذہنوں میں ایمان ویقین کے بیج بونے کا یہ بہت اچھا طریقہ ہو سکتا ہے۔ اب سے کچھ قبل شریف عیسائیوں میں یہ عام دستور تھا کہ سونے سے قبل مائیں لیٹ بچوں کو انجیل کے اجزا پڑھ کر سنایا کرتی تھیں۔

(ب) اُردو ہمارے روحانی اور کلچرل سرمایہ کی کنجی ہے، اور شاید اسی لیے ارباب وطن اس سے اتنا زیادہ متنفر ہیں۔ ورنہ بنگالی، پنجابی، گجراتی، مرہٹی وغیرہ کی طرح اُسے بھی ایک علاقائی زبان تسلیم کرلینے سے اتنا زیادہ انکار نہ ہوتا، لیکن یہ ایک دوسری بحث ہے۔ یہاں کہنا یہ ہے کہ حکومت کی سرد مہری اور ہندی والوں کی تنگ نظری کے باوجود اُردو کو زندہ رکھنا ہم کو اپنے اُوپر بطور ایک فریضہ کے عائد کر لینا چاہیے۔ ورنہ ہمارے نخلِ آرزو کی جڑیں ہی کٹ جائیں گی اور دینی صلاح وفلاح کی تدبیریں سب کی سب بیکار ہو جائیں گی۔

ابھی سے جب کہ ہندی کو سرکاری زبان ہوئے صرف چند سال گزرے ہیں اکثر اسکول جانیوالے مسلمان بچوں کی یہ کیفیت ہو گئی ہے کہ ہندی تو خوب جانتے ہیں مگر اُردو ایک لفظ بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے۔ خطا ظاہر ہے کہ ان بچوں کی نہیں ان کے والدین کی ہے۔ جنھوں نے اس طرف سے اتنی بے توجہی برتی، اگر اس صورت کی اصلاح نہ کی گئی اور کل کے کل مسلمان اُردو سے نابلد ہو گئے تو اُن سے اپنے روحانی اور تہذیبی اثاثہ کے تحفظ کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

اُتر پردیش حکومت نے جو اُردو دشمنی میں سب سے ممتاز ہے۔ بہت ردّ وقدح کے بعد مان لیا ہے کہ جن اسکولوں میں چالیس (۴۰) طالب علموں کی مادری زبان اُردو ہوگی وہاں بیک تعلیم اُردو میں بھی دینے کا انتظام کیا جائے گا۔ اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ اسکولوں میں اس معیّنہ تعداد بھر اُردو پڑھنے والے بچے داخل کرائیں۔ اور اس کے بعد مسلسل تقاضے کرکے حکومت سے اس کا وعدہ پورا کرائیں

(ج) جگہ جگہ ایسے پرائمری اسکول کھولے جائیں جن میں سرکاری نصاب کے ساتھ ساتھ قرآن شریف، ابتدائی دینیات اور اُردو بھی پڑھائی جاتی ہو۔ ان اسکولوں کے طلبہ کا بعد میں بغیر کسی دقت کے سرکاری اِئر سکنڈری اسکولوں میں داخلہ ہو سکتا ہے۔ اور اگر ان میں اسلامی دینیات سے استثنا رکے ساتھ دوسرے مذاہب کے بچوں کو بھی پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو ان اسکولوں کو سرکاری امداد بھی مل سکتی ہے۔

(۵) ہر ہر محلہ ایسے مدرسے قائم کیے جائیں جہاں سرکاری اسکولوں میں جانے والے بچے شام کو گھنٹہ آدھ گھنٹہ دینی تعلیم حاصل کرلیا کریں۔ یہ تعلیم ہلکے پھلکے طرز کی ہو اور نوشت وخواند کا اس میں کم سے کم حصہ ہو تاکہ بچے ہنسی خوشی اور شوق و رغبت کے ساتھ شریک ہوں اور باتوں باتوں میں دین کی باتیں سیکھ لیں۔

(۶) حکومت سے اس کا برابر مطالبہ کیا جاتا رہے کہ سرکاری نصاب تعلیم صحیح معنوں میں سیکولر ہو اور ہندی کے لباس میں ہندو مائتھالوجی اور کلچر داخل کرنے کی کوشش ختم کی جائے۔ ہندی ملک کی سرکاری اور دفتری زبان ہے، مسلمانوں کے لیے ہندی سیکھنا ضروری ہے لیکن یہ بھی دیکھنا ہے کہ سرکاری درسگاہوں میں اُسے ہندوئیت کی اشاعت کے لیے نہ استعمال کیا جائے جیسا کہ بعض صوبوں میں آج کل ہو رہا ہے۔

کام ذرا بھی دیر یا غفلت کرنے کا نہیں۔ مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ صرف ان کی دینی تہذیب اور ملی معاشرت کی بقا کا نہیں، ایک طرح سے ان کے دین و ایمان کے تحفظ کا مسئلہ ہے۔ اور اُسے قومی معاملہ نہیں بلکہ اپنا ذاتی معاملہ سمجھ کر حل کرنے کی فکر کرنا چاہیے ورنہ ہمارے لیے سخت وبال اور باز پرس کا خطرہ ہے، کتنی شرم اور کتنے گناہ کی بات ہے کہ ماحول کی بے دینی، اور تعلیم کی شرک نوازی ہماری نئی نسلوں کو نگلتی چلی جائے اور اس پر ہمارے دلوں میں کوئی درد اور اس کے تدارک کے لیے ہمارے پیسوں اور ہمارے وقت میں کوئی حصہ نہ ہو!

اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدک لم تملکنا منھا شیئاً فاذا فعلت ذلک بنا فکن انت ولینا واھدنا الی سواء السبیل،

(اے اللہ! ہمارے دل، ہماری پیشانیوں کے بال اور ہمارے قویٰ اور جوارح سب تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو نے ان میں سے کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں دیا ہے اور جب تو نے ایسا کیا ہے تو تو ہی ہمارا کارساز ہو جا اور ہم کو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت دے)

تعارف و تبصرہ

"سید احمد شہید"[1]

(از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کی مخلصانہ جد و جہد نے اگرچہ کوئی ایسی مادی یادگار نہیں چھوڑی جو ظاہری نگاہ رکھنے والوں کے لیے کسی تحریک کے قائد اور کسی اولوالعزم فاتح کی کامیابی کا معیار اور اُن کی زندگی کی نشانی ہوتی ہے۔ آج کسی چپہ زمین پر اُن کے جانشینوں کی کوئی ایسی حکومت نہیں ہے جو اسی بنیاد اور انھیں مقاصد پر قائم ہو جو اُن کے پیش نظر تھے اس کے باوجود سارے قرائن و آثار ان کی کامیابی اور قبولیت کے ہیں۔ اُن آثار و قرائن میں سے (جن کی تفصیل کا یہ محل نہیں) ایک واقعہ یہ بھی ہو کہ اُن کی شہادت پر عرصہ گزر جانے کے بعد اس ملت اسلامیہ کو جس کے احیاء کے لئے انھوں نے اپنی اور اپنے منتخب روزگار رفیقوں کی قربانی پیش کی تھی یکایک توجہ ہوئی اور ان کی زندگی کے حالات اور ان کے مقاصد عزائم کی وضاحت اور اُن کے کارناموں کی تفصیل کا ایسا غیبی سامان مہیا ہوا جو اس بات کی روشن دلیل ہو کہ ان کی قربانی رائیگاں نہیں گئی، یہ "بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ" کی ایک نئی تفسیر ہو، ناقص معلومات اپنے اور بیگانوں کے مغالطوں، اوراق پارینہ، ملت کی مسلسل بے اعتنائی اور ناآشنائی کے کہر سے ان کی عظمت کا آفتاب اس طرح طلوع ہوا کہ جیسے ان کا واقعہ بالکل تازہ اور ان کے اخلاص و عزیمت کی داستان کوئی نئی داستان ہو۔

---

[1] از جناب چودھری غلام رسول صاحب مہر۔ ناشر۔ کتاب منزل کشمیری بازار لاہور، صفحات ۹۲۵ سائز ۲۶×۲۰، کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ۔ مجلد۔ قیمت بارہ ۱۲ روپے۔

۱۹۳۰ء میں ایک نوعمر اور نومشق طالب علم کو (جس کو سیّد صاحب سے خاندانی تعلق بھی تھا) ہر نوع پر نئے طرز پر کتاب لکھنے کی توفیق ہوئی جو سیرت سیّد احمد شہید کے نام سے چھپی۔ اس کتاب میں اقعات کی تفصیل کے لحاظ سے بھی اور موضوع کی تحقیق کے لحاظ سے بھی نیز تاریخ کے نقطۂ نظر سے بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں تھیں۔ لیکن کچھ صاحب سوانح (رحمۃ اللہ علیہ) کی مقبولیت اور کچھ مسلمانوں کا ذوق و طلب اور خاص حالات کا تقاضا تھا کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور اپنی خامیوں کے باوجود بہت پڑھی گئی۔

اگرچہ اس کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے اور مصنف کتاب نے (جو ان سطور کا راقم بھی ہے) اس میں اضافہ اور ترقی کی بھی کوشش کی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس گرامی مرتبت شخصیت اور اس کی عہد آفریں تحریک دعوت کی ترتیب کے لیے ایک بڑے کہنہ مشق ادیب اور مصنّف اور ایک تجربہ کار اور صاحب نظر مورخ کی ضرورت تھی ـــــ اللہ تعالیٰ نے اس کا سامان اس طرح کیا کہ مولانا غلام رسول مہر جو اردو کے مشہور صاحب قلم اور تجربہ کار مصنّف و اخبار نویس ہیں اس موضوع پر لکھنے کے لیے تیار ہوئے وہ ان پیشہ ور مصنفین یا مورخین کی طرح نہیں ہیں جو ہر موضوع پر لکھنے کے لیے آسانی سے تیار ہو جاتے ہیں اور ہر شخصیت کو ہیرو ثابت کر سکتے ہیں اور محض اپنے زور قلم یا مواد کی ترتیب سے موضوع کو کامیاب بنا لیتے ہیں ان کا استحقاق اس سے زیادہ وسیع ہے۔ وہ ذہنی (اور غالباً خاندانی طور پر بھی) سیّد صاحب کے فکر دعوت سے اتفاق رکھتے ہیں۔ قلبی طور پر وہ اس عظیم شخصیت کے بیحد معتقد اور اسکی عظمت سے متاثر ہیں۔ اُن کے لیے اس موضوع پر لکھنے کے صرف علمی اور ذہنی محرکات نہیں بلکہ قلبی محرکات بھی تھے

آج سے تقریباً بیس برس پہلے سُنا تھا کہ مہر صاحب سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر کام کر رہے ہیں۔ وہ جس طرز پر کام کرنے کے عادی ہیں اور تصنیف کا جو نقشہ سامنے رکھتے ہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کی کاوش و محنت کا نتیجہ جلد سامنے آجائے۔ غالباً ۴۵ء سے اس موضوع پر میری ان کی مراسلت شروع ہوئی۔ لاہور کے سفروں میں کئی بار ملاقاتیں ہوئیں اور ان کے مسودات کو دیکھنے کا بھی شرف حاصل ہوا، اس باب میں ان کی بلند نظری، ذوقِ جستجو، دیدہ ریزی اور اہتمام سے مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ انھوں نے اس موضوع کو گویا زندگی کا موضوع بنا لیا تھا۔ ایک ایک مقام اور ایک ایک نام کی تحقیق میں بعض اوقات ان کو سیکڑوں صفحات دیکھنے پڑتے تھے۔ سیّد صاحب کے خاندان سے متعلق معلومات میں انھوں نے ہمارے خاندانی سرمایہ سے فائدہ اٹھایا اور اس سلسلہ میں

میں اُن کی جو خدمت کر سکتا تھا اس کو اپنی سعادت سمجھا۔ ان کو اپنے موضوع سے عشق تھا اور سید صاحب کی شخصیت کی عظمت اور محبت اُن کے اندر اس طرح سما گئی تھی۔ ع

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحرگاہی کا نم

اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کی غیبی مدد بھی بہت فرمائی اور سید صاحب کی سیرت و سوانح کا نادر ذخیرہ ان کو غیر متوقع طور پر ملتا رہا۔ بالآخر وہ اپنی محنتوں اور سامان کی فراہمی سے اتنے مطمئن ہوئے کہ انھوں نے کتاب مکمل کر دی اور اس سال کے شروع میں وہ کتاب جس کا برسوں سے انتظار تھا چھپ کر آگئی اس موضوع پر کام کرنے اور شریک سفر ہونے کی بنا پر میں اپنے اوپر حق سمجھتا ہوں کہ میں ان کی محنت اور کامیابی کا اعتراف اور اس کے متعلق اظہار خیال کروں۔

یہ کتاب دو جلدوں میں منقسم ہے۔ پہلی جلد تقریباً ساڑھے چار سو صفحے پر دوسری پونے پانچسو صفحے پر تمام ہوئی ہے۔ کتاب کی لوح پر علامہ اقبال کے دو شعر لکھے گئے ہیں جن سے زیادہ موزوں اور برمحل شعر اور صاحب سوانح کی شخصیت کے لیے تعارف کے لفظ نہیں مل سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال ان شعروں میں سید صاحب کا نام لیتے لیتے رہ گئے۔ پھر بھی یہ شعر بول رہے ہیں کہ شاعر کے سامنے وہی شخصیت ہے ؎

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند
کار حق گاہ بہ شمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہ خرقہ زرہ می پوشند
عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند

پہلے حصہ میں اُنتالیس باب ہیں جو سید صاحب کے "اجداد کرام" سے شروع ہو کر ان کی دعوتِ جہاد پر ختم ہو جاتے ہیں۔ کتاب کی ابتدا میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ اپنے مآخذ کا ذکر کیا ہے اور جن اشخاص سے ان کو اپنے اس کام میں مدد ملی ہے ان کی اعانت کا فراخدلی سے اعتراف کیا ہے۔ دیباچہ میں ان کے قلم سے بے اختیار چند سطریں ایسی نکل گئی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو اپنے سفر کی طوالت اور اپنی محنت کا احساس ہے یہ احساس اور اس کا اظہار ممکن ہے کہ خود ستائی پر محمول کیا جائے لیکن ایک دور دراز کے مسافر کو منزل پر پہونچ کر اس کے اظہار کی ضرور اجازت ہونی چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں:-

"سید صاحب کے متعلق اردو، فارسی، انگریزی اور عربی میں جس مکتوب یا مطبوع ذخیرہ کا

مجھے علم ہوسکا اور اس تک پہونچنا نصیب ہوا وہ دیکھ چکا ہوں۔ ایک ایک واقعہ کی صحیح کیفیت معلوم کرنے کے لیے میں نے کٹھن وادیاں طے کی ہیں اور نہایت دشوار گزار گھاٹیوں میں تنوں چکر لگائے ہیں جہاں قدم قدم پر خستگی و شکستگی کو قبول کیے بغیر چارہ نہ تھا۔ ایسے کام میں جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے والے بھی خیرہ ذوقی کے اس عہد تاریک میں بہت کم اصحاب نظر آتے ہیں، میں نے زندگی کے بہترین اوقات بے تامل صرف کیے۔ نہ ہمت نے ساتھ چھوڑا، نہ صبر کی پیشانی پر کوئی شکن نمودار ہوئی، نہ طلب و جستجو کی آنچ مدھم ہونے پائی، نہ محنت و کاوش کے حوصلوں پر افسردگی چھائی۔ ہزاروں صفحات کی ایک ایک سطر کے پیچ و خم میں میری نظریں بار بار دوڑی ہیں۔ مختلف عقدوں کی کشائش میں میرے دماغ کی صلاحیت غور و فکر برسوں جولانیوں میں سرگرم رہی ہے۔ میں نے سید صاحب کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھا اس کا نقشہ آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں" ص۱۲

لیکن اس اظہار کو انھوں نے اس پر انکسار اور مؤثر اقرار پر ختم کیا ہے۔

"میں اپنے علم و عمل کی بے بضاعتی کے پیش نظر اس اہم کام کی تکمیل کا اہل نہ تھا جو کچھ ہوا یہ محض خدائے لایزال کا فضل تھا۔ ایک قرن کے لیل و نہار ان پاک نفس ہستیوں کے ذکر و فکر میں گزار چکا ہوں، جن کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا، جاگنا، سونا، جینا، مرنا صرف خدا کی رضا سے وابستہ رہا، شاید مجھ آلودہ داماں اور سراپا جرم و عصیاں کے لیے یہی مشغولیت وسیلۂ مغفرت بن جائے۔ ص۱۳"

اس کتاب پر مفصل تبصرہ تو شاید خود ایک کتاب بن جائے اس لیے اس مضمون میں اس کی نمایاں خصوصیات اور اپنے بعض تاثرات کا اظہار ہی کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اس کتاب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف کتاب کو صاحب سیرت سے بڑا گہرا تعلق اور ان کے فکر و عمل پر پورا اعتماد ہے۔ وہ ان کو ہندوستان کی پوری ہزار سالہ اسلامی تاریخ کی سب سے عظیم المرتبت شخصیت اور فکر اسلامی کا کامل ترین نمائندہ سمجھتے ہیں اور عزم و ہمت میں ان کو آپ کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا۔ شروع ہی میں صدا پر لکھتے ہیں :-

"تاریخ پاک و ہند میں جس عہد کو مسلمانوں کا دور زوال کہا جاتا ہے یہ اسی کا ایک

باب ہو۔ لیکن کیا کوئی حق پسند اور حق شناس انسان اس اعتراف میں تامل کرے گا کہ مسلمانوں کے عہد عروج و اقبال کا بھی کوئی حصہ اصولاً اس سے زیادہ شاندار یا زیادہ قابلِ فخر نہیں ہو سکتا۔ حکم و فیصلہ کا انحصار نتائج پر نہیں۔ بلکہ عزم جہاد، ہمتِ عمل اور راہِ حق میں کمال استقامت پر ہوتا ہے۔ کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کمال ہمت اور کمال عزیمت و استقامت کی ایسی مثالیں ہمارے عہد عروج کی داستانوں میں مل سکتی ہیں، جن میں مقصود و نصب العین دین اور صرف دین رہا ہو۔"

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"اس سرزمین کی پوری اسلامی تاریخ میں شیفتگی حق کی ایسی مثال شاید ہی مل سکے سید صاحب اس باب میں بالکل یگانہ نظر آتے ہیں۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء" (صفحہ ۲۴۶)

"احیاء و تجدید اسلامیت کا یہ مقام رفیع بہت کم خوش نصیبوں کو حاصل ہوا اور اس کے لیے بے باکانہ قربانیاں بہت کم خوش نصیبوں سے بن آئیں ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں" صفحہ ۲۴۵

"للّٰہیت کا یہ ایسا مقام ہے جس میں سید صاحب کے امتیاز و اختصاص کو کوئی دوسرا فائز نہ ہو پہنچ سکا" صفحہ ۲۶۷

ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"تاریخ ہند کے اوراق کو خوب کھنگال لو اور پھر بتاؤ کہ کیا کوئی ایسی جماعت مل سکتی ہے جس نے احیاء دین، اعلاء کلمۃ الحق اور آزادئ بلاد مسلمین کے لیے ایسی صعوبتیں ذوق و شیفتگی کے ساتھ قبول کی ہوں، جس طرح سید صاحب کی جماعت نے قبول کیں؟ اس ساری مدت میں ایک شخص کی زبان پر بھی کبھی حرف شکایت نہ آیا، راحت و آسائش کو چھوڑ کر اذیتوں کے مواج سمندر میں کود پڑنے پر ایک لمحہ کے لیے بھی کسی کو پشیمانی نہ ہوئی، یہ تھی وہ قدوسی جماعت، جسے ہم سوا سو برس تک یا تو مجاہدین کا گروہ سمجھتے

رہے یا دینداری کی رگ جوش میں آئی تو تکفیر کے تیر اس پر برسانے لگے یا بدرجۂ آخر اسے ناقابل توجہ قرار دے لیا، حالاں کہ اس متاع عزیز کو ہزار سالہ اسلامیت ہند کا ماحصل سمجھنا چاہیے۔ اگر اس متاع کو اپنے دامن سے نکال پھینکیں تو تاج و تخت یا مادی عظمت و جبروت کے لیے ایک ہنگامۂ مسلسل کے سوا ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے؟ اسی ہنگامہ کی ہمہ سوز آگ آخر ہمارے تاج و تخت اور عظمت و جبروت کو بھی خاکستر بنا گئی" (صفحہ ۳۲۹)

مؤرخ کے لیے سید صاحب کی سوانح نگاری کے سلسلہ میں سب سے بڑے امتحان کے دو مقامات آتے ہیں ایک جب سید صاحب نے سلطان محمد خاں کو اس کے عہد و معاہدہ پر اعتماد کر کے پشاور حوالے کر دیا۔ دوسرے بالاکوٹ کا موقع جب آپ نے میدان سے ہٹنے کے کسی مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور وہیں رہ کر فیصلہ کن جنگ پر اصرار فرمایا۔ اس موقع پر مورخ بے اختیار ایک ذہنی کشمکش میں پڑ جاتا ہے اور پچھلے تجارب اور آئندہ کے نتائج اس کو اس فیصلہ کی صحت تسلیم کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن مہر صاحب کی رائے میں اب بھی کوئی تذبذب نہیں ہے، وہ اس فیصلہ کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں:۔

"سارے حالات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو واضح ہو جائے گا کہ سید صاحب کا فیصلہ بالکل درست تھا" (صفحہ ۲۷۵)

اسکے وجوہ و دلائل بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

"نظم عساکر اور ملک کے معاملات میں کم حوصلگی سے کام نہیں چل سکتا۔ سید صاحب خدا کے فضل سے کم حوصلہ نہ تھے انھوں نے جو مسلک اختیار کیا تھا وہی درست تھا بلا شبہ اس میں مضرتوں کے احتمالات بھی موجود تھے اور کس مسلک کو ایسے احتمالات سے کاملاً محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے لیکن دوسرا راستہ یقینی مضرتوں کا تھا۔ سید صاحب اُسے کسی حالت میں بھی اختیار نہیں کر سکتے تھے"۔ (صفحہ ۲۷۶)

بالاکوٹ کے اس نازک موقع پر وہ سید صاحب کے فیصلہ ہی کی تصویب کرتے ہیں:۔

"بلا شبہ وہ مقام شجاعت کا تھا تدبیر بھی یقیناً ضروری تھی اور سید صاحب نے کبھی اس میں تامل نہ کیا لیکن بالاکوٹ میں ایسے حالات پیش آگئے تھے کہ شجاعت و تدبیر میں تصادم

ہو گیا تھا۔ اس موقع پر یہی مناسب تھا کہ تدبر کا پہلو اختیار کرنے کے بجائے شجاعت کے تقاضوں کو مقدم رکھا جاتا۔ سید صاحب نے یہی کیا۔

فرض کر لیجیے کہ سید صاحب غازیوں کو لے کر غیبی پہاڑوں میں جا بیٹھے یا کوائی چلے جاتے اور سکھ بالاکوٹ پہونچ کر حسب عادت عوام پر سختیاں کرتے یعنی قصبے کو لوٹتے اور مکانوں کو جلاتے۔ پھر سید صاحب کے لیے اجراء کارو بار جہاد کی کون سی خوشگوار شکل باقی رہ جاتی۔ بالاکوٹ کا حشر سامنے رکھتے ہوئے کون بطیب خاطر ان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو سکتا۔ موقع ایسا آ گیا تھا کہ ذاتی شجاعت اور مردانگی کی نمائش کے لیے نہیں بلکہ کارو بار جہاد کے ناموس کو بچانے کیلیے۔ مرنے کے لیے نہیں بلکہ لوگوں کو رضائے باری تعالیٰ کی خاطر بیدریغ جانیں دیدینے کا سبق پڑھانے کے لیے ایک قدم بھی ادھر اُدھر نہ ہٹتے اور جس مقام پر بیٹھے تھے وہیں ہر اونچ نیچ جرأت اور ہر بلا کا مقابلہ صابرانہ کرتے۔ یہ منزل بڑی کٹھن اور دشوار تھی۔ لیکن سید صاحب کے لیے اس میں گامزن ہونا اتنا ہی سہل تھا جتنا دوسروں کے لیے کامرانی اور فیروزمندی کا تاج پہن لینا۔

یہ بھی ظاہر ہو کہ بچ نکلنے میں سیکڑوں آفتیں تھیں یا کم از کم آئندہ کے لیے اعانت اور رفاقت کے مواقع یقینی طور پر ضعف میں پڑتے تھے۔ مردانِ حق کی طرح لڑنے میں فتحمندی کا بھی امکان تھا پہلے راستہ کی مضرتیں روز روشن کی طرح مبرہن تھیں۔ دوسرے راستہ میں مضرتوں کے احتمال کے ساتھ ساتھ منافع بھی دسترس امکان میں نظر آتے تھے۔ سید صاحب نے وہی راستہ اختیار کیا جو عقل سلیم ایمانی حمیت اور دینی غیرت کے عین مطابق تھا۔ باقی رہا انجام کا معاملہ تو ؎

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن　　بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منھ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز　　اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

(۲) کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہو کہ وہ اس پوری دعوت و تحریک میں مرکزی شخصیت اور روح رواں سید صاحب کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس بارے میں ان کا موقف مرزا حیرت کے بالمقابل ہو جنھوں نے حیات طیبہ اس انداز سے لکھی ہے کہ گویا ساری تحریک و تنظیم کا محور مولانا اسمٰعیل شہید کی ذات ہے اور سید صاحب محض ایک صاحب سند شیخ اور رہبر طریقت ہیں خود مولانا ابوالکلام آزاد کا بھی (جن سے مہر صاحب گہرا تعلق رکھتے ہیں) یہی تاثر اور انداز فکر ہے۔

دلانے حال میں اس خیال کو کہ سید صاحب محض ایک آلۂ کار اور سپہ سالار تھے، ساری اسکیم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی تیار کی ہوئی تھی اور اُن کے اصحاب و تلامذہ اس کے نگراں اور ذمہ دار تھے، مولانا عبیداللہ صاحب نے ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر پیش کیا اور اپنی ذہانت سے اس کا ایسا خاکہ ابھارا کہ پڑھنے والے کو ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ جماعت عصر جدید کا کوئی مرتب کابینہ تھا جس کے مختلف شعبے اور وزارتیں تھیں۔ سید صاحب بھی ایک شعبہ کے انچارج تھے۔ باقی اصل دہلی کا مرکز تحریک کو کنٹرول کرتا تھا جب تک سارا کام اس مرکز کے تابع رہا، کام ٹھیک چلتا رہا، جب صوبہ سرحد کے مرکز میں استقلال پیدا ہو گیا تو انتشار پیدا ہوا۔ اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک" میں لکھتے ہیں:-

"مولانا عبدالحئی جب تک زندہ رہے کوئی فتنہ نہ اٹھا۔ اس لیے کہ سید احمد اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر پاتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ حکومت کر رہا تھا مولانا عبدالحی کی وفات کے بعد تحریک میں بنیادی تغیر پیدا ہو گیا۔ ماورائے سندھ کا مرکز (یعنی سید صاحب کا مرکز) مستقل بن گیا۔ دہلی کے مرکز سے اس نے سرکشی اختیار کر لی۔ حزب ولی اللہ کی حکومت کا طریقہ بورڈ کی حکومت سے شخصی امامت (ڈکٹیٹرشپ میں) تبدیل ہو گیا۔ اس طرح امیر شہید (سید صاحب) امیر المومنین اور دنیائے اسلام کے مصلح خلیفہ مانے گئے۔"

آخر میں فرماتے ہیں کہ:-

"سید صاحب کو کشف و کرامات کا مالک بنا کر ساری جماعت کا امام تسلیم کرایا گیا۔ حالانکہ اصل امام شاہ عبدالعزیز تھے۔ سید صاحب جماعت کے ایک سپاہی تھے، ان کی بزرگی میں مولانا عبدالحئی اور شاہ اسمٰعیل کا اشتراک ہے شاہ اسحٰق دوسرے بھتیجے تھے یہ تمام اصحاب شاہ عبدالعزیز کے تربیت یافتہ تھے۔ یہ سارا کام امام عبدالعزیز کا تھا انھوں نے آدمی تیار کیے۔ پروگرام بنایا اور کام شروع کیا۔ پھر غلطیاں اس قدر ہوئیں کہ ان کا لازمی نتیجہ شکست تھا[۱]"

---

[۱] شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۰۳، ۱۷۴

مہر صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان اعتراضات پر مفصل بحث کی ضرورت نہیں ان کا مدار سراسر قیاس ہے یا یہ خواہش کہ ایسا ہونا چاہیے تھا۔ شاہ ولی اللہ کے پورے خاندان اور خود سید صاحب کے متعلق جو مکتوب و مطبوع ذخیرۂ معلومات ابتک میری نظر سے گزرا ہے اس میں محولہ بالا قیاس آرائیوں کے لیے ابعید سا اشارہ بھی موجود نہیں اور خود مولانا مرحوم نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا۔" ص ۲۰۶

پھر اسکے خلاف جو تاریخی شہادتیں اور دلائل ہیں ان کو تفصیل سے بیان کرنیکے بعد لکھتے ہیں:۔

"بہر حال واقعہ یہ ہے کہ نہ شاہ عبدالعزیز نے بورڈ بنائے، نہ ان کی زندگی میں جہاد کی تنظیمات اس پیمانہ پر پہونچیں کہ وہ کوئی خاص مسلک تجویز فرمانا ضروری سمجھتے۔"

آگے بڑھ کر لکھتے ہیں:۔

"مولانا عبیداللہ مرحوم دورحاضر کے ایک عظیم الشان مجاہد تھے انھوں نے اپنی زندگی ملک کی آزادی کیلئے وقف کردی پچیس برس جلاوطنی میں گزارے۔ شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کے عمل کا ایک پروگرام مدون فرمایا۔ ان فضیلتوں کے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں مولانا کو شاہ صاحب اور انکے خاندان سے جو گہری عقیدت پیدا ہو گئی تھی، وہ بھی ہر مسلمان کے لیے افتخار کا گراں بہا سرمایہ ہے لیکن مولانا کا نقطۂ نگاہ کچھ اس قسم کا بن گیا تھا کہ شاہ ولی اللہ کے عہد سے لے کر اس وسیع سرزمین میں جو قابل ذکر علمی یا عملی کام ہوا وہ یا تو براہ راست اس بلند منزلت خاندان نے کیا یا اس کی تجویز سے لیکر تکمیل تک سب سے بڑا حصہ اسی خاندان کا تھا۔ اس نقطۂ نگاہ کی اندھا دھند توثیق کون کر سکتا ہے؟

"یقیناً تعلیم دین میں شاہ صاحب کے خاندان کی حیثیت نظام شمسی کی تھی جس سے آسمان ہند کے ہزاروں چاند تارے مستنیر ہوئے۔ بلکہ روشنی کی کرنیں ہندوستان سے باہر بھی پہونچیں لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو ہر فضیلت سے محروم کر دیا جائے خصوصاً سید احمد بریلوی نے فضائل عمل اور مکارم خدمت اسلام و مسلمین میں جو مقام عزیمت حاصل کیا اسکے اعتراف میں تذبذب کس بنا پر مناسب ہے؟ ولی اللّٰہی خاندان کے لیے اس کے اپنے فضائل بس کرتے ہیں، دوسروں کے فضائل اس خاندان کے دامن میں ڈالنے کا اضطراب بالکل غیر ضروری ہے۔" ص ۲۰۹-۲۰۸

ان کے نزدیک جہاد کا خیال اور اس کا عزم سید صاحب کا ذاتی خیال اور ان کی خصوصیت ہے جس میں وہ کسی کے تابع نہیں بلکہ پیشرو و متبوع ہیں۔ مہر صاحب لکھتے ہیں:۔

"جہاں تک میں تحقیق کرسکا ہوں سید صاحب کی بیعت سے پیشتر شاہ اسمٰعیل یا مولانا عبدالحی یا کسی دوسرے بزرگ کو تنظیم جہاد یا تحقیق احوال سلمین کا چنداں خیال تب نہ تھا ص ۲۵۹"

(۳) کتاب کی تیسری خصوصیت وہ نقطۂ اعتدال ہے جو مہر صاحب نے سید صاحب کے مقاصد جہاد کے بارے میں اختیار کیا ہے۔

ایک گروہ وہ تھا جو ہندوستان مجاہد اعظم کی ساری جد وجہد کو سکھوں کے دائرہ میں محدود رکھتا تھا اور خوش نیتی اور ناواقفیت سے یہ سمجھتا تھا یا مصلحتاً دوسروں کو سمجھاتا تھا کہ سید صاحب صرف سکھوں کے خلاف صف آرا تھے اور انکے مظالم کا سد باب کرنا اور مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کے علاوہ انکا کچھ مقصود نہ تھا۔ اس گروہ میں سید صاحب کے سوانح کی مشہور ومقبول کتاب "سوانح احمدی" کے مصنف مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری اور "حیات طیبہ" کے مصنف مرزا حیرت اور ان کے بعد مشاہیر میں سر سید احمد خاں مرحوم پیش پیش ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک انگریزوں سے جنگ اور ان کی طرف توجہ سید صاحب کے مقاصد وعزائم اور پروگرام سے بالکل خارج تھی بلکہ انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سید صاحب اس حکومت کی بے تعصبی اور عدل پروری کے بڑے معترف اور مداح تھے اور اس سے جنگ کرنا نا درست سمجھتے تھے۔ مولوی محمد جعفر صاحب نے "تاریخ عجیبہ" کے صفحہ پر صاف صاف لکھ دیا ہے کہ سید صاحب نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ "سکھوں سے جہاد کرنے کی صرف یہی وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادران اسلام پر ظلم کرتے اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کے ادا کرنے کے مزاحم ہوتے ہیں اگر سکھ اب یا ہمارے غلبہ کے بعد ان حرکات مستوجب جہاد سے باز آجائیں گے تو ہم کو اُن سے کبھی لڑنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ سرکاری انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کوئی ظلم اور تعدی نہیں کرتی اور نہ اُن کو عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ....

پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں۔"

اس غلط نمائندگی نے سید صاحب کی عزیمت وعظمت کے ساتھ بڑی ناانصافی کی اور اس کی وجہ سے ان کے معتقدین کی بڑی تعداد اُن کے اصل مقام کو نہ سمجھ سکی "سیرت سید احمد شہید" میں پہلی مرتبہ اس وقت جبکہ اس ملک میں انگریزوں کی حکومت موجود تھی یہ دکھایا گیا کہ سید صاحب کا اصل مقصود ہندوستان پر اسلامی حکومت کا قیام تھا اور ان کے اصل حریف انگریز تھے۔ اس کتاب میں سید صاحب کے بعد کے مجاہدین اور انگریزی حکومت کے تصادم کی داستان بھی پیش کی گئی تھی جس سے صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ سید صاحب کے تربیت یافتہ اصحاب میں کون سی روح کام کررہی تھی اور اُن کا دائرہ جہاد کتنا وسیع تھا۔ "سیرت

سید احمد شہید" کے تیسرے ایڈیشن میں سید صاحب کے مکتوبات کے اقتباسات کی مدد سے اس حقیقت کو مدلل و مفصل طریقہ پر ثابت کیا گیا ہے۔

مہر صاحب نے بھی مکتوبات کے وہ اقتباسات پیش کیے ہیں جن سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہو کہ سید صاحب انگریزوں کو اپنا اصل حریف اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے سب سے بڑا خطرہ سمجھ رہے ہیں ان کو ان کے بڑھتے ہوئے تسلط اور اس کی وجہ سے ظلمت و بے دینی اور کفر و شرک کی شیوع اور شعائر اسلام کی اہانت سے سخت کوفت اور اذیت ہے۔ وہ ان کی سیاست تدبیر اور سازشوں سے خوب واقف ہیں۔ سید صاحب کی فراست اور دور بینی کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو آپ نے شاہ بخارا کو لکھا ہے۔ اس میں فرماتے ہیں :۔

"جو فرنگی ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں وہ بحد تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں۔ اگر اہل خراسان (افغانستان) پر چڑھائی کر دیں تو سہولت کے ساتھ ان کے ملک پر قابض ہو جائیں گے۔ پھر ان کی حکومت کی حدیں آپ کی حکومت سے مل جائیں گی۔ دار الحرب اور دار الاسلام کے اطراف متحد ہو جائیں گے۔"

(مکاتیب سید صاحب)

مہر صاحب نے یہ دکھلانے کے بعد کہ ان کتابوں میں سید صاحب کے حقیقی مقاصد اور خیالات کی صحیح ترجمانی نہیں کی گئی ہے اور بعض جگہ تغیر و تبدل سے بھی اجتناب نہیں کیا گیا۔ ثابت کیا ہو کہ سکھ ان کے راستہ میں عارضی طور پر آ گئے تھے۔ اصل مقصود ہندوستان تھا اور اس کی تطہیر۔ جو انگریزوں سے جنگ اور ان کے اخراج کے بغیر ممکن نہ تھی۔

اس گروہ کے بالکل بالمقابل ایک دوسرا گروہ ہے جو ۱۹۴۷ء کے بعد پیدا ہوا ہے جو اسی وثوق اور جوش کے ساتھ یہ لکھنے لگا ہے کہ سید صاحب جنگ آزادی کے اولین رہنما تھے اور وہ صرف اس ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرا کے دیسی حکومت قائم کرانا چاہتے تھے۔ بعض معاصرین نے یہاں تک لکھ دیا ہو کہ "آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا تھا اس کے بعد حکومت کس کی ہو گی اس سے آپ کو غرض نہیں جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔" افسوس ہے کہ اس تعبیر میں بعض قابل احترام اشخاص کے قلم بھی شریک ہیں اور

کچھ عرصے سے اس کا اچھا خاصہ چرچا ہو گیا ہے۔ راقم سطور کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ساری عمارت کی بنیاد جس عبارت پر رکھی گئی ہے۔ وہ سب سے پہلے اس کی ایک کتاب "مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا" میں ایک خاص مناسبت سے سید صاحب کے ایک مکتوب[1] سے نقل کی گئی ہے۔ لیکن مصنف کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا کہ اس ٹکڑے کو اس کے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے اور سید صاحب کی پوری زندگی اور ان کے اصل جذبات و خیالات اور مقاصد و عزائم کے چوکھٹے سے نکال کر یہ ثابت کیا جائیگا کہ وہ محض انگریزوں کے اخراج کے درپے تھے اور اس ملک کے آقاؤں میں تبدیلی کا "فعل عبث" انجام دینا چاہتے تھے۔ نظام و روحِ حکومت میں کوئی تبدیلی اور حاکمیت خداوندی اور اسلام کے اقتدار اعلیٰ کا کوئی تخیل ان کے سامنے نہ تھا۔

مہر صاحب کی سلامت فہم اور توازن دماغی کی یہ بڑی خوشگوار مثال ہے کہ انھوں نے نہ اول الذکر تفریط کا راستہ اختیار کیا، نہ ثانی الذکر افراط کا بلکہ وہ اس معتدل نقطہ پر قائم رہے جس نے سید صاحب کا مقام وقتی جنگ آزماؤں اور قومی اور وطنی رہناؤں کے دونوں گروہوں سے کہیں بلند و برتر بنا دیا۔ وہ لکھتے ہیں:-

"ہم دیکھ چکے ہیں کہ سید صاحب نے جہاد کے لیے مسلمانوں کی تنظیم شروع کی۔ وہ تمام مسلمانوں کو اسلامی جہاد کی روح سے معمور کر دینا چاہتے تھے۔ ان کی آرزو یہ بھی کہ خدا کا کلمہ بلند ہو، سید المرسلین کی سنتیں تازہ ہو جائیں۔ تمام اسلامی بلاد غیروں کے تصرف سے آزاد ہو جائیں۔ وہ صرف سکھوں سے نہیں بلکہ ان تمام غیر مسلم قوتوں سے لڑنا چاہتے تھے۔ جو بلاد اسلامی پر قابض ہو چکی تھیں اور اُن کے نزدیک انگریزوں کا خطرہ سب سے بڑا تھا۔" ص ۲۶۲

دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"غرض سید صاحب کا مدعا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ کلمۂ حق سربلند ہو، رسول پاک کی سنتیں تازہ ہو جائیں۔ اسی مدعا کے لیے انھوں نے وطن چھوڑا۔ اہل و عیال اور عزیزوں سے جدائی قبول کی۔ زندگی کے بہترین لیل و نہار جدال و قتال کی مصیبتوں میں گزارے اور یہ مدعا دنیا و ما فیہا کی کسی غرض سے ملوث نہ ہونے دیا۔" ص ۲۶۵

[1] یہ مکتوب مہاراج دولت رائے راجہ گوالیار کے وزیر راجہ ہندو راؤ کے نام ہے۔

آگے بڑھ کر لکھتے ہیں :-

"سید صاحب کا نصب العین یہی تھا جو اسلام کے ابتدائی دور کے بعد کہیں قائم نہ رہ سکا اس لیے کہ محض ملک گیری اور کشور کشائی مقصود حقیقی بن چکی تھی۔ صرف اسی بات کو خدمتِ اسلام سمجھ لیا گیا تھا کہ وہ بڑے حلقوں پر قابض ہو جائیں اگرچہ اُن کا کوئی عمل بھی خدا اور رسول کے ارشادات کے عین مطابق نہ ہو۔ غور فرمائیے کہ یہ نصب العین صرف سکھوں کے خلاف جہاد سے پورا ہو سکتا تھا۔ کیا سکھ پنجاب کے مسلمانوں پر تعدیاں نہ کرتے تو یہ نصب العین خود بخود پورا ہو جاتا یا انگریزوں نے اپنے مقبوضات میں ایک گونہ رواداری برتی تو کیا ہم معاذ اللہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ نصب العین پورا ہوتا رہا۔

کورذوقاں داستاں ہا ساختند
وسعتِ ادراک و نشناختند ص۲۶۷"

یہ کلمۂ "حق" جو ایک ایسے ادیب و مورخ کی زبان سے ادا ہو رہا ہے جس کی ساری عمر صحافت و ادب کے ماحول میں گزری دینی حلقوں میں اس کے اظہار کی جرأت بہت کم لوگوں کو ہوگی۔ شیفتہ مرحوم نے کچھ غلط نہیں کہا ہے

جو راز سیکڑے میں ہو اک اک زبان پر — افسوس مدرسہ میں ہو بالکل نہاں ہنوز

(۴) کتاب کی چوتھی خصوصیت مہر صاحب کی وہ تاریخی تحقیق اور جستجو ہے جو اُنھوں نے اسماء و مقامات اور سنین کے بارہ میں کی ہے اور جو ایک طویل، پُرمشقت مطالعہ اور غور و فکر کا نتیجہ ہے خصوصاً شہروں کے نام، ان کے جغرافیے، جائے وقوع اور فاصلے اور منازل سفر کے بارہ میں مہر صاحب کی تحقیق ایک اچھے ریسرچ کا نمونہ ہے جس پر اُن کی محنت قابل داد ہے۔ سنین اور ترتیب واقعات کے بارے میں راقم سطور کو کہیں کہیں مصنف سے اختلاف ہے جو بعض خاندانی دستاویزوں اور تاریخی قرائن پر مبنی ہے۔ لیکن یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا ایک فن کے دو طالب علموں اور ایک موضوع پر علیحدہ علیحدہ کام کرنے والوں میں ہوتا ہے اور جس سے اس کتاب کی قیمت میں ذرا بھی کمی نہیں ہوتی۔ راجپوتانہ، مارواڑ، سندھ، بلوچستان کے بکثرت غیر معروف قریوں اور قصبوں کی انھوں نے سفر ناموں اور جغرافیہ کی کتابوں سے تحقیق کی۔ ان کے صحیح ناموں کا سُراغ لگایا اور ان کا صحیح مقام

متعین کیا۔ تحقیقی کام کرنے والوں کو اندازہ ہے کہ اس مقصد کے لیے کتنی غیر متعلق چیزیں دیکھنی پڑتی ہیں اور بعض اوقات سیکڑوں صفحات پڑھنے کے بعد مشکل سے چند کام کے لفظ ہاتھ آتے ہیں۔ سفر حج اور سفر ہجرت ان کی اس دیدہ ریزی کا نمونہ ہے۔

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے سرحد کی مجاہدانہ سرگرمیوں کی سرسری روئداد لکھنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ جس دور اور جس ماحول میں یہ واقعات پیش آئے اس کو پورے طور پر خود سمجھنے پھر قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی۔ اس بارہ میں مصنف کو تفرّد حاصل ہے کہ انھوں نے اس علاقہ اور اس عصر کو زیادہ سے زیادہ سمجھا ہے جن سے اس تحریک کی عملی سرگرمیوں کا تعلق ہے اس بارہ میں ان کا یہ کہنا بالکل حق بجانب ہے کہ:۔

"سید صاحب نے زندگی کی چالیس بہاریں وطن مالوف میں گزاریں، حیات مستعار کے باقی اوقات سرحد کے میدانوں اور کوہستانوں میں بسر کیے۔ جن حضرات نے ان کے متعلق کچھ تحریر فرمایا۔ وہ نہ یہاں کے مفصل حالات سے آگاہ تھے نہ سرحد کے بارہ میں تفصیلی معلومات حاصل کرنے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ تھا، نہ وہ سید صاحب کو ایک مخصوص تحریک کے داعی اور ناظم کی حیثیت میں دیکھ سکے۔ اس وجہ سے کسی واقعہ کے پس منظر کا کھوج لگانے کی بھی انھوں نے ضرورت محسوس نہ کی، خصوصاً سرحدی جنگوں یا رئیسوں کے حالات پر پہونچ کر تو ان کی حالت یہ ہو جاتی رہی گویا چلتے چلتے ایک تنگ و تاریک سُرنگ میں داخل ہو گئے جس کے گرد و پیش کی ہر شئے سے وہ کلاً نا آشنا تھے میں نے اپنے محدود علم کے مطابق ان کوتاہیوں کی تلافی کر کے سید صاحب کے پورے حالات کو روشنی میں لانے اور انھیں حقیقی معنوں میں تاریخی واقعات کا درجہ دینے کی سعی کی ہے یہ کہنا مشکل ہے کہ میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں" صد۱۱

اگر اس موضوع پر کام کرنے والے کا اعتراف کوئی قیمت رکھتا ہے تو وہ مہر صاحب کو مبارکباد دیتا ہے کہ وہ اپنے اس مقصد میں بہت کامیاب ہیں۔ دنیا کی کوئی چیز خصوصاً انسانی تصنیف آخری طور پر قطعی اور مکمل نہیں کہی جا سکتی خود مہر صاحب بھی اس میں اضافہ اور تکمیل کی ضرورت محسوس کرتے ہونگے لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ اس وقت تک یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں منفرد ہے۔

(۶) کتاب کی چھٹی خصوصیت اس کی شگفتگی، ادبیت اور زندگی ہے۔ کہیں بھی ان کے زبیان میں خشکی اور اکھڑاپن نہیں۔ پھر فارسی اشعار کے حسن انتخاب نے کتاب کے حسن کو دو بالا کر دیا ہے اس بارے میں مولانا آزاد کے بعد شاید کوئی ادیب مہر صاحب کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے وہ فارسی اشعار کو نگینہ کی طرح اس طرح جڑ دیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے یہ شعر اسی موقع کے لیے کہا تھا۔ وہ کتاب کی طوالت کی معذرت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ابتداء میں خیال تھا کہ سید صاحب اور جماعت مجاہدین کی سرگزشت زیادہ سے زیادہ دو جلدوں میں پوری ہو جائے گی۔ لکھنے بیٹھا تو سید صاحب ہی کے احوال اور وقائع کم و بیش ایک ہزار صفحات پر پھیل گئے ؎

ہمیں عشق است برخود چیدہ چندیں داستاں ورنہ
کے از معنیٔ یک حرف صد دفتر نمی سازد

پھر اپنے علم و نظر کی بے بضاعتی کا شکوہ کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ "شاید مجھ آلودہ داماں اور سراپا جرم و عصیاں کے لیے یہی مشغولیت وسیلۂ مغفرت بن جائے" عرفی کا شعر کیا برمحل لکھا ہے۔

امید ہست کہ بیگانگیٔ عرفی را
بہ دوستی سخنہائے آشنا بخشند

سید صاحب کی بے مثال عزیمت اور ان کی جماعت کی قوت ارادی اور اس کے جذبہ قربانی کا ذکر کرتے ہوئے نظیری کا شعر لکھا ہے

جائے کہ عاشقان اند اختر بعکس گردد
دل در بلا سعید است سر در خطر مبارک

سفر ہجرت کے باب کا آغاز کرتے ہیں تو یہ آبدار و جاندار شعر لکھتے ہیں۔

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است و منزل اول قیامت است

معرکۂ بالاکوٹ کا باب شروع کرتے ہوئے یہ شعر لکھتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کو تڑپا دیتے ہیں۔

صدائے تیغ تو آمد بہ بزم زندہ دلاں
کدام سر کہ درو ذوق ایں سرود نماند

مشہد بالاکوٹ کا سرعنوان ہے۔

سرا اگر نہ بہر نثار آفریدہ اند
بارے بہ گردنم بچہ کار آفریدہ اند

شہدا کی فہرست کے سر فہرست یہ شعر ہے۔

خیزند چوں زخاک شہیدانِ ما بحشر
در محشر آوریم دو عالم سپاہ را

سید صاحب کا مدفن شروع سے ایک مختلف فیہ مسئلہ بنا ہوا ہو اور واقعہ یہ ہے کہ خدا نے ان کو اس منت سے بھی آزاد رکھا، مہر صاحب نے یہ شعر لکھ کر کیا صحیح فیصلہ کیا ہے۔

تا راہِ طلبت بے خبراں پے نہ نہند
ہر کعبۂ وصل تو بے نام ونشاں ساختہ اند

اخلاق وعادات کا مختصر باب اس شعر سے شروع کرتے ہیں۔

در صد ہزار قرن سپہر پیادہ رو
نارد چو او سوار بہ میدان روزگار

فارسی کے اس کور ذوقی کے دور میں اس میں بڑا شبہ ہے کہ ان اشعار کا صحیح لطف اٹھایا جا سکے گا لیکن مضمون نگار مجبور رہے کہ وہ کتاب کے اس پہلو کو چھوڑ کر آگے نہ بڑھ سکا۔

آخر میں راقم سطور کو بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانے میں کچھ تکلف نہیں جن کے بارے میں تبصرہ نگار کو تھوڑی سی تشنگی محسوس ہوتی ہے۔

(۱) کتاب کے آغاز میں اسکی ضرورت تھی کہ عالم اسلام اور خاص طور پر ہندوستان کی دینی، اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی حالت کا نقشہ پیش کیا جاتا تاکہ پڑھنے والے کو اس کا اندازہ ہوتا کہ عالم اسلام اور اسکے ایک اہم ترین حصہ ہندوستان کا دینی اخلاقی تنزل اور سیاسی انتشار کس درجہ کو پہونچ چکا تھا۔ اور

معلوم ہوتا کہ سید صاحب جیسے داعی اور مصلح کو کتنا بڑا اصلاحی اور انقلابی کام کرنا تھا اور ان کے عزیمت و عظمت کا صحیح مقام کیا ہے؟ مہر صاحب جو اسلامی تاریخ اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی ہزار سالہ اسلامی تاریخ پر وسیع اور گہری نظر رکھتے ہیں اس موضوع پر قلم اٹھانے کے پورے طور پر اہل ہیں افسوس ہو کہ کتاب اس مفید و اہم حصہ سے خالی رہ گئی۔

(۲) دوآبہ کے تبلیغی دورہ کے (جو خاص اہمیت رکھتا ہے) واقعات و تفصیلات بہت کم ہیں خصوصاً وہ واقعات جن کا تعلق سید صاحب کی تربیت اور تزکیہ اور ہدایت و تاثیر سے ہے۔ یہ واقعات بڑے مؤثر اور مفید ہیں یہ باب کتاب میں بہت مختصر طریقہ پر آیا ہے۔

(۳) سفر ہجرت کے بعد وہ واقعات و جزئیات جن سے سید صاحب کی آدم گری و مردم سازی اور جماعت کی اخلاقی بلندی اور اخلاص و للٰہیت کا پورا اندازہ ہوتا ہے کسی قدر کم ہیں۔ یہ بات تسلیم شدہ ہو کہ تاریخ کے سلسلہ میں واقعات کا قلب و دماغ پر جو اثر پڑتا ہے وہ دلائل و عقلیات کا نہیں پڑتا۔ اس حصہ میں کافی اضافہ کی گنجائش ہے اور سید صاحب کے حالات کے قدیم ذخیرہ میں بہت بڑا قابل انتخاب مواد موجود ہو جس میں بجلی کی تاثیر اور بے انتہا دلکشی و دلآویزی ہے۔

(۴) اخلاق و عادات اور خصوصیات کا باب بہت تشنہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہر صاحب کو اسکے الحاق کا خیال اخیر میں ہوا۔ یہ صحیح ہو کہ اس سلسلہ کے بہت سے واقعات اور مثالیں سابقہ ابواب میں گزر چکی ہیں لیکن پھر بھی ضرورت تھی کہ سید صاحب کی وہ صفات اور خصوصیات بالاستقلال لکھی جاتیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کو ایک غیر معمولی دل و دماغ، عزم و حوصلہ، اخلاص و للٰہیت کا مقام عطا فرمایا تھا، ان کے اخلاق اور ان کا مزاج و مذاق، اخلاق نبوت اور مزاج و مذاق نبوی سے فطری مناسبت رکھتا تھا اور ان میں شریعت کی اصطلاح و مفہوم کے مطابق ایک "امام" کی بہترین صفات پائی جاتی تھیں، اس خفیف سی تشنگی کے باوجود جو کتاب کے محاسن کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ یہ کتاب کئی حیثیتوں سے ابھی تک اپنے موضوع پر یگانہ ہو۔ اور دورِ جدید کی اسلامی ادبیات میں ایک گرانقدر اضافہ۔ کوئی علمی کتب خانہ اور کسی صاحب ذوق مسلمان کا گھر اس سے خالی نہیں رہنا چاہیئے۔

انتخاب

ادارہ

عرب دُشمنی کی برکتیں

شری سمپورنانند جی وزیر اعلیٰ یو، پی کی زبان سے بنارس کے اُردو وفد کے جواب میں:۔

"مسلمان ہندوستان میں اگر عزت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ عرب اور ایران کی طرف دیکھنا چھوڑ دیں۔"

اور کم سے کم ان دونوں صاحبوں نے تو، جو وزیر اعلیٰ صاحب کے برابر ہی گوز رایا بین میں عزت کی کرسیاں سنبھالے بیٹھے ہوئے ہیں یقیناً عرب و ایران دونوں کی طرف سے نظریں ہٹا ہی لی ہوں گی! مبارک ہو حافظ قرآن وزیر خزانہ اور سید زادہ وزیر عدل دونوں کو یہ پروانۂ خوشنودی۔ اور مبارک ہو خود وزیر اعلیٰ کو یہ بلیغ لف و نشر مرتب! ـــــ مسلمانوں کی اس نسل نے تو اپنی سیاسی زندگی میں شاید ایک ہی بار عرب کی طرف دیکھا تھا۔ اور وہ زمانہ ۱۹ئہ سے ۲۲ئہ تک تحریک خلافت کے شباب کا تھا۔ سمپورنانند جی کا شمار اس وقت شاید والنٹیروں میں ہو تو ہو۔ باقی جو ان کے گرو اور نیتا اس وقت تھے یعنی مہاتما جی اور موتی لال نہرو، وہ اس عرب دوستی کو کیا سمجھتے تھے؟ اسے ہندستان کے خلاف غداری اور بے وفائی سمجھتے تھے۔ یا اسے عین تحریک ترک موالات میں جان ڈال دینے والی تحریک آزادی کی جڑ جما دینے والی قرار دیا تھا؟ اس پر کچھ چیں بجبیں ہوتے تھے۔ یا الٹے خود اس میں شریک ہو کر اسکے علمبردار بن گئے تھے؟ عبد الباری فرنگی محلی محمود حسن دیوبندی، محمد علی، شوکت علی، ابو الکلام، انصاری، اجمل خاں۔ سب اسی تحریک خلافت نے پیدا کیے تھے۔ یا کسی اور نے؟ وہ عرب دوستی اگر مسلمانوں میں آج بھی قائم رہتی تو انکی طرف ٹیڑھی نظر سے دیکھنے کی ہمت نہ کسی وزیر ادنا کو ہوتی نہ کسی وزیر اعلیٰ کو! ـــــ ضعف حافظہ کے ایسے کھلے ہوئے مرض میں، یا ایک روشن تاریخی حقیقت سے ایسے دانستہ اغماض میں، خدا نہ کرے کہ کوئی بھی وزیر۔ چہ جائیکہ صوبہ کے وزیر اعلیٰ مبتلا پائے جائیں!

(صدق)

Regd No. LA-3531

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ادارۂ الفرقان
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور دراصل یہ
اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے۔
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان رکھتے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں، ہم اسی کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
"ادارہ الفرقان"
مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

چندہ :- ہندوستان و پاکستان سے

ہندوستان و پاکستان سے		فی کاپی	غیر ممالک سے
سالانہ	(بلکہ ہندوستان) ۵/	۸/	سالانہ چندہ ۱۰ شلنگ
"	(بلکہ پاکستان) ۶/		اعزازی خریداروں سے
ششماہی	" " ۳/		سالانہ چندہ ۱۵/

جلد ۲۳ بابتہ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۵ھ مطابق جنوری ۱۹۵۶ء عدد ۵

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہو!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔
چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت: رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شایع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہندوستان میں رحمت للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے جو واقعات پیش آتے رہتے ہیں وہ حقیقت میں مسلمانانِ ہند کے لیے لمحاتِ فکر فراہم کرتے ہیں۔ حال ہی میں اس قسم کا ایک واقعہ جو اخبار پائنیر اور سوتنتر بھارت (لکھنؤ) میں شایع ہونے والے ایک اشتہار کی صورت میں پیش آیا ہے اس نے بھی ہمارے لیے ایک تازہ لمحۂ فکریہ فراہم کیا ہے۔

اس قسم کے واقعات پر ہمارا غیظ وغضب قدرتی ہے، مگر ساتھ ہی یہ انتہائی بدقسمتی بھی ہے کہ ہم ان لمحات کو صرف اظہارِ غیظ وغضب میں گذار دیں اور یہ غور وفکر کی جو دعوت ہمیں دیتے ہیں اس دعوت کو قطعی نظر انداز کر دیں۔

اس تازہ واقعہ سے پہلے تقریباً دو سال ہوئے جب الہ آباد کے ایک اخبار نے اسی قسم کی بدتمیزی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی تھی۔ اس وقت مسلمانوں کے غیظ وغضب اور شدتِ احساس کا اظہار اس موقع سے کہیں بڑے پیمانہ پر ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ اس وقت بھی یہ لمحات محض اظہارِ غیظ وغضب اور احتجاج واشتعال کی نذر ہو گئے۔ اور ان کے اصل تقاضے کی طرف بالکل دھیان نہیں دیا گیا۔

یہ لمحات ہمیں دعوت دیتے ہیں بلکہ ہم سے تقاضا اور مطالبہ کرتے ہیں یہ سوچنے کا کہ ایسے واقعات کیوں پیش آ رہے ہیں؟ ان کا حقیقی سبب کیا ہے؟ اور کیا ہم غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ناموس کے تحفظ کی خاطر اس سبب کو دور کرنے کے لیے تیار ہیں؟

اگر آپ اس دعوت پر لبیک کہنے کے لیے تیار ہیں! تو پھر غور و فکر کا سلسلہ اس طرح شروع کیجیے کہ

(۱) آخر ایک ہندو کو یا اسکی قوم کو اس سے کیا فائدہ پہونچ سکتا ہو کہ وہ آپکے نبی کی شان میں گستاخی کرے؟ —— اس سوال پر آپ چاہے جتنا غور کریں جواب بہرحال یہی ہوگا کہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں! نہ ظاہری نہ معنوی اور نہ اقتصادی نہ سیاسی!

(۲) پھر آخر وہ ایسی حرکت کیوں کرتا ہے؟ —— اس کے جواب میں دو امکان ہیں۔

(الف) اس سے وہ آپ کو چڑھا کر یا آپ کا دل دکھا کر اپنا دل خوش کرنا چاہتا ہے۔

(ب) وہ آپ کو اشتعال دلا کر فرقہ وارانہ فساد کی صورت پیدا کرنا چاہتا ہے —— بالفاظ دیگر آپ کو نقصان پہونچانا چاہتا ہے۔

(۳) اب تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ آپ کا دل دکھا کر اپنا دل خوش کرنا یا آپ کو نقصان پہونچانا کیوں چاہتا ہے؟

اگر کوئی پاگل ہے تو اسکے متعلق تو کیوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا! اور اگر پاگل نہیں بلکہ ایک صحیح الدماغ آدمی ہے تو اسکی اس خواہش کا سبب کہ آپ کا دل دکھے یا آپ کو نقصان پہونچے، اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ اُسے آپ سے کوئی عناد و پرخاش ہے —— اور یہ حقیقت کسی بیان و ثبوت کی محتاج نہیں کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان یہ چیز موجود ہے —— پس یہی عناد و پرخاش وہ حقیقی سبب ہو جو ان دلآزار اور مکروہ واقعات کے پیچھے کام کر رہا ہے۔ اور اس کا ازالہ کیے بغیر ایسے واقعات کا مکمل سدباب نہیں ہو سکتا —— کیا ہم غلامان محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپکے ناموس و حرمت کی خاطر اس کے ازالہ کی کوشش کے لیے تیار ہیں؟

عام مسلمانوں کا خیال کچھ اس طرح کا ہے کہ برادران وطن کو ہم سے عناد و پرخاش صرف ہمارے مسلمان ہونے (یعنی ہمارے خاص مذہبی عقائد و اعمال) کی وجہ سے ہے —— اگر فی الواقع ایسا ہی ہو تب تو ظاہر ہے کہ اس کے ازالہ کی کوئی صورت نہیں۔ کیونکہ ہم اپنے مذہبی عقائد و اعمال کو نہیں چھوڑ سکتے لیکن ذرا گہری نظر سے دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ اس عناد و پرخاش کا سبب ہرگز یہ نہیں ہے بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی سابقہ سیاسی اور مفاداتی کشمکش ہے جس نے دلوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھر دیا تھا اور اس کے اثرات آج تک چلے آرہے ہیں۔ ان اثرات کا نتیجہ جہاں یہ ہے کہ بعض دفعہ فی الطبع

حالات کو سازگار دیکھ کر اس قسم کی غیر شریفانہ حرکتیں کر ڈالتے ہیں۔ وہاں یہ بھی انھیں اثرات کا نتیجہ ہے کہ ایسی ذلیل حرکتوں پر شریف الطبع ہندوؤں کی شرافت انھیں اس اقدام پر مجبور نہیں کرتی جو عام حالات میں شرافت کا لازمی تقاضہ ہے اور جس کی ایک شریف انسان سے امید کی جاتی ہو۔

بہر حال اس عناد و پرخاش کا اب جو سبب سامنے آیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہم یقیناً اس عناد و پرخاش کے ازالہ کی کوشش سے معذور نہیں ہیں۔ اور اگر ہمیں اپنے لیے نہیں تو کم از کم اس ذات کے ناموس کے تحفظ کے لیے تو اس کے ازالہ کی کوشش کرنی چاہیئے جس پر اپنی جان و مال اور اپنے جذبات سب کچھ قربان کر دینے کا دعویٰ ہم رکھتے ہیں۔

آج اس کوشش کی راہ کے سلسلہ میں ہم چند اشارات کریں گے اور اگر ضرورت سمجھی گئی تو آئندہ ان نقاط پر تفصیل سے بھی روشنی ڈالیں گے۔

---

(۱) دوسروں کے دلوں سے کھوٹ نکالنے اور ان کے ذہنوں کو صاف کرنے کی کوشش سے پہلے ہمارے لیے ضروری ہوگا کہ اپنے دلوں کو صاف کریں اور عام مسلمانوں کے ذہنوں میں بھی پچھلی کشمکش کے جو بقایا ہیں ان کو نکالنے کی پوری جرأت کے ساتھ ایماندارانہ کوشش کریں۔

(۲) ہر جگہ کے شریف اور معقول قسم کے ہندوؤں کو اس کام کی ضرورت کی طرف متوجہ کر کے اس مسئلہ کو دونوں قوموں کا مشترکہ مسئلہ بنائیں اور اس کے لیے مشترکہ جد و جہد کریں۔

(۳) لیکن اس میں کامیابی کے لیے یہ شرط ہو کہ جد و جہد پورے خلوص سے اسی مقصد کے لیے ہو، اپنے اپنے دوسرے مسائل اور اغراض کے لیے اس کو آلہ نہ بنایا جائے بلکہ کام اتنی احتیاط سے کیا جائے کہ عوام کو اس بارے میں شک شبہ بھی نہ ہو، اس لیے یہ بہتر ہوگا کہ اس میں وہ حضرات آگے رہیں جن کو عوام بھی اس مقصد میں مخلص سمجھیں ــــــ اس کے لیے پارٹی بھی بنائی جا سکتی ہے لیکن اس کا نظام اور ڈھانچہ سیاسی پارٹیوں کا سا نہ ہو اور نہ اس میں منصب اور عہدے ہوں۔

(۴) مسلمانوں کے لیے مسلمان ہونے کی حیثیت سے یوں بھی ضروری ہے کہ ان کی زندگی اور ان کا کردار اسلام کے مطابق ہو اور ان کا حال اور ان کے معاملات ایمان والوں کے سے ہوں، یہی ان کو اللہ کی مقدس کتاب قرآن پاک کا حکم ہے اور یہی ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

سب سے بڑا مطالبہ ہے ــــ لیکن اس ملک میں مسلمانوں کے اس وقت کے حالات کا بھی یہ خاص تقاضا ہے اور یہی ان کے الجھے ہوئے تمام مسائل و مشکلات کا یقینی حل ہے ــــ اسلامی کردار کا مطلب یہی تو ہے کہ اللہ کے ساتھ بندگی، عبادت گذاری اور فرمانبرداری کا تعلق صحیح ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ ہمارا برتاؤ اور معاملہ ایماندارانہ اور شریفانہ ہو، ہمارے اخلاق کسی درجہ میں خلق محمدی کا نمونہ ہوں۔

پس اگر مسلمانوں میں یہ کردار کم از کم اتنا ابھر جائے کہ دیکھنے برتنے والے اس کو مسلمانوں کا قومی کردار اور اسلامی تعلیم کا نتیجہ سمجھنے لگیں تو کیا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے کہ ملک کے دوسرے تمام عناصر مسلمانوں سے محبت کرنے اور ان کا احترام کرنے پر فطری طور پر مجبور ہوں گے، بلکہ ہم تو قسم کھا کے کہہ سکتے ہیں کہ اسکے بعد اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو اپنے دلوں پر قبضہ کرنے سے اگر وہ خود بھی روکنا چاہیں گے تو نہ روک سکیں گے۔

یہ صرف خواب و خیال اور خالی ذہنی تجویز نہیں ہے بلکہ ہمارا اپنا مشاہدہ اور تجربہ ہے ہم اپنے اسی زمانہ اور اسی ملک کے مسلمانوں میں اللہ کے بعض ایسے بندوں کو جانتے ہیں جن کی زندگی اسلامی تعلیمات کے مطابق اور کسی درجہ میں اسوۂ محمدی کی نمائندگی کرتی ہے ہم نے دیکھا ہو کہ ان سے واقفیت رکھنے والے ان کے قرب وجوار کے ہندو ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادنیٰ غلام جانتے ہوئے ان سے ایسی ہی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں جیسی کہ ان کے عقیدت مند مسلمان۔ اور اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں اسلام کی اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی پوری عزت اور عظمت ہے۔

آج یہ بات چند افراد کے دائرہ میں ہے اور اگر ہم مسلمانوں میں یہ بات عام طور سے پیدا ہو جائے تو قدرتی طور پر اس کے نتیجہ میں ہندوؤں میں بھی عام طور سے دوسری بات پیدا ہو کر رہے گی۔

مسلمانوں کو پوری سنجیدگی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کرنا اور اپنے دلوں سے اس کا جواب لینا چاہیئے کہ وہ اس ملک کے تمام عناصر میں اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرانے اور ان کے دلوں میں ان کی عزت و عظمت پیدا

کرانے کے لیے اسلامی کردار کو اپنانے اور غلط اعمال اور غلط اخلاق کو چھوڑ کر اسوۂ محمدی کی پیروی کرنے کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟

ناموس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے جو اور کوششیں اور تدبیریں ہو سکتی ہیں ہم نہیں کہتے کہ ان سے قطعی دستبرداری دیدی جائے، لیکن یہ کہنا ہمارے لیے ضروری ہے کہ مسئلہ کا اصلی اور قطعی حل خود اپنے کو بدلنا ہے، اگر اس مقصد کے تقاضے سے خود ہم اپنے کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہیں، بلکہ صرف دوسروں سے ہی مطالبے کرتے ہیں تو ہمیں خود ہی سوچنا چاہیئے کہ ہماری پوزیشن کیا ہے، اور ہمیں کہاں تک مقصد میں کامیابی ہو سکتی ہے؟

معارف الحدیث

مسلسل

اچھے اخلاق یا بُرے اخلاق :-

(۱۲۲) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْصِنِیْ قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت مجھے کوئی وصیت فرمائیے! — آپ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔ اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیے، مگر آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے وصیت کی درخواست کرنے والے یہ صاحب کچھ غیر معمولی قسم کے تیز مزاج اور مغلوب الغضب تھے اور اس وجہ سے ان کے لیے مناسب ترین اور مفید ترین وصیت اور نصیحت یہی ہو سکتی تھی کہ "غصہ نہ کیا کرو" اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار ان کو یہی ایک نصیحت فرمائی۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ بُری عادتوں میں غصہ نہایت ہی خطرناک اور بہت ہی بد انجام عادت ہے غصہ کی حالت میں آدمی کو نہ اللہ تعالیٰ کی حدود کا خیال رہتا ہے نہ اپنے نفع نقصان کا، تجربہ اور شاہد ہے کہ انسان پر شیطان کا قابو جیسا غصہ کی حالت میں چلتا ہے ایسا شاید کسی دوسری حالت میں

نہیں چلتا گویا اس وقت انسان اپنے بس میں نہیں ہوتا بلکہ شیطان کی مٹھی میں ہوتا ہے، حد یہ ہو کہ غصہ کی حالت میں آدمی کبھی کبھی کفریہ کلمات بھی بکنے لگتا ہو، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ "غصہ دین وایمان کو اس طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح کہ ایلوا شہد کو خراب اور بالکل کڑوا کر دیتا ہے۔[۵۱]

لیکن واضح رہے کہ شریعت میں جس غصہ کی ممانعت اور سخت مذمت کی گئی ہو اس سے مراد وہی غصہ ہے جو نفسانیت کی وجہ سے ہو اور جس سے مغلوب ہو کر آدمی اللہ تعالیٰ کی حدود اور شریعت کے احکام کا پابند نہ رہے، لیکن جو غصہ اللہ کے لیے اور حق کی بنیاد پر ہو اور اس میں حدود سے تجاوز نہ ہو بلکہ بندہ اس میں حدود اللہ کا پورا پابند رہے تو وہ کمال ایمان کی نشانی اور اخلاق خداوندی کا عکس ہے۔

(۱۲۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوان اور طاقتور وہ نہیں ہے جو مد مقابل کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان اور شہ زور درحقیقت وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے۔

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کا سب سے بڑا اور بہت ہی مشکل سے زیر ہونے والا دشمن اس کا نفس ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے کہ "اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك" (تیرا سخت ترین دشمن خود تیرا نفس ہے) اور معلوم ہے کہ خاص کر غصہ کے وقت اس کا قابو میں رکھنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہو اس لیے فرمایا گیا ہے کہ طاقتور اور پہلوان کہلانے کا اصلی حقدار وہی مرد خدا ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور نفسانیت اس سے کوئی بیجا حرکت اور کوئی غلط کام نہ کرا سکے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ بندہ کے دل میں وہ کیفیت ہی پیدا نہ ہو جس کو عموماً غضب اور غصہ کے لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے (کیونکہ کسی سخت ناگوار

---

[۵۱] رواہ البیہقی فی شعب الایمان عن بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدہ (مشکوٰۃ)

بات پر دل میں اس کیفیت کا پیدا ہوجانا تو بالکل فطری بات ہو اور اس سے انبیاء علیہم السلام بھی مستثنیٰ نہیں ہیں) البتہ مطالبہ یہ ہے کہ اس کیفیت کے وقت بھی نفس پر پورا قابو رہے ایسا نہ ہو کہ اس سے مغلوب ہو کر آدمی وہ حرکتیں کرنے لگے جو شان بندگی کے خلاف ہوں۔

(۱۲۴) عَنْ اَبِی ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ وَھُوَ قَائِمٌ فَلْیَجْلِسْ فَاِنْ ذَھَبَ عَنْہُ الْغَضَبُ وَاِلَّا فَلْیَضْطَجِعْ ———— رواہ احمد والترمذی

(ترجمہ) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو چاہیے کہ بیٹھ جائے پس اگر بیٹھنے سے غصہ فرو ہو جائے تو فبہا اور اگر پھر بھی غصہ باقی رہے تو چاہیے کہ لیٹ جائے۔

(مسند احمد جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کو فرو کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر بتلائی ہے جو بلاشبہ نہایت کارگر ہے، علاوہ اس کے اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ غصہ میں آدمی سے جو بیجا حرکتیں اور جو لغویات سرزد ہو سکتی ہیں، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانے سے اس کا امکان بہت کم ہو جاتا ہے، اور پھر لیٹ جانے سے ان کا امکان اور کم سے کمتر ہو جاتا ہے۔

(۱۲۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلِّمُوْا وَیَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْکُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْکُتْ وَاِذَا غَضِبَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْکُتْ۔

(رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو دین سکھاؤ، دین کی تعلیم دو اور تعلیم میں آسانی پیدا کرو، دشواری پیدا نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو چاہیے کہ وہ اس وقت خاموشی اختیار کر لے یہ آخری بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی۔ (مسند احمد، معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) غصہ کے برے نتیجوں سے اپنی حفاظت کرنے کے لیے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی

ہوئی دوسری تدبیر ہے کہ جب غصہ آئے تو آدمی خاموش رہنے کا فیصلہ کر لے، ظاہر ہے کہ پھر غصہ دل ہی میں گھٹ کر رہ جائے گا اور بات آگے نہ بڑھے گی۔

(۱۲۶) عَنْ عَطِيَّةَ بْنِ عُرْوَةَ السَّعْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغَضَبَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ خُلِقَ مِنَ النَّارِ وَإِنَّمَا تُطْفَأُ النَّارُ بِالْمَاءِ فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَتَوَضَّأْ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عطیہ بن عروہ سعدی سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غصہ شیطان کے اثر سے آتا ہے (یعنی غصہ میں حدود سے تجاوز شیطان کے اثر سے ہوتا ہے) اور شیطان کی آفرینش آگ سے ہوئی ہے (یعنی شیطان اپنی اصل کے لحاظ سے آتشی ہے) اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اس کو چاہیئے کہ وہ وضو کرلے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) غصہ کو فرو کرنے کی یہ خاص الخاص تدبیر ہے اور پہلی تدبیروں سے بھی زیادہ کارگر ہو واقعہ یہ ہو کہ غصہ کی حدت اور تیزی کی حالت میں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد آجائے اور اسی وقت اُٹھ کے اچھی طرح پورے آداب کے لحاظ کے ساتھ وضو کرلیا جائے تو غصہ کی حدت میں فوراً سکون پیدا ہو جائے گا اور بالکل ایسا محسوس ہوگا کہ وضو کا پانی براہ راست غصہ کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پڑا۔

(۱۲۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ أَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ يَكْظِمُهَا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالَى۔ (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی بندہ نے کسی چیز کا کوئی گھونٹ ایسا نہیں پیا جو اللہ کے نزدیک غصہ کے اُس گھونٹ سے افضل ہو جسے کوئی بندہ اللہ کی رضا کی خاطر پی جائے۔

(مسند احمد)

(تشریح) غصہ کو پی جانا جس طرح اُردو زبان کا محاورہ ہے اسی طرح عربی زبان کا بھی یہی محاورہ ہو

بلکہ اُردو میں یہ محاورہ غالباً عربی ہی سے آیا ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ پینے کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کا پینا اللہ کی رضا کا باعث ہو سکتا ہے لیکن ان سب میں افضل ترین اللہ کی رضا جوئی کی خاطر غصہ کو پی جانا ہے ـــــ جن خوشخصال اور پاکیزہ صفات بندوں کے لیے جنّت آراستہ کی گئی ہے، قرآن مجید میں ان کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" (غصہ کو پی جانے والے اور دوسرے کی زیادتی یا دوسرے کے قصور کو معاف کر دینے والے)

(۱۲۸) عَنْ سهل بن مَعاذ عَنْ ابيهِ ان النَّبى صَلّى الله عَليهِ وَسلّم قَال مَن كظم غيظاً وَهو يقدر على ان ينفذه دعاهُ الله على رؤس الخلائق يوم القيٰمة حتّٰى يخيّرهُ فى اَىّ الحُور شاءَ۔

(رواه الترمذى وابوداؤد)

(ترجمہ) سہل بن معاذ اپنے والد ماجد حضرت معاذ (رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پی جائے غصہ کو درانحالیکہ اس میں اتنی طاقت اور قوت ہے کہ اپنے غصہ کے تقاضے کو وہ نافذ اور پورا کر سکتا ہو (لیکن اس کے باوجود محض اللہ کے لیے اپنے غصہ کو پی جاتا ہے اور جس پر اُس کو غصہ ہے اس کو کوئی سزا نہیں دیتا) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلائیں گے اور اس کو اختیار دیں گے کہ حورانِ جنت میں سے جس حور کو چاہے اپنے لیے انتخاب کرلے۔ (جامع ترمذی سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ غصہ کی شدت کے وقت آدمی کے دل کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہو کہ وہ اپنے غصہ کے تقاضے کو پورا کر ڈالے پس جو بندہ قدرت کے باوجود محض اللہ کی رضا کے لیے اپنے دل کی اس انتہائی خواہش کو دنیا میں قربان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کی جزا اس شکل میں عطا فرمائیں گے کہ ساری مخلوق کے سامنے اس کو بلا کر فرمایا جائے گا کہ اپنے دل کی چاہت کی اس قربانی کے بدلے آج حورانِ جنت میں سے جو حور چاہو اپنے لیے انتخاب کرلو۔

(۱۲۹) عَنْ ابى هريرةَ قَال قَال رَسُول الله صلى الله عَليهِ وَسلّم قَال موسىٰ بن عمران عَليه السَّلام يَا رَبّ مَنْ اَعزّ عبادِكَ

عِنْدَكَ قَالَ مَنْ إِذَا قَدَرَ غَفَرَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار تیرے یہاں تیرا کون بندہ زیادہ عزیز ہے، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وہ بندہ جو سزا دینے اور بدلہ لینے کی قدرت رکھنے کے باوجود معاف کردے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) حضرت موسیٰ علیہ السلام پر چونکہ جلال کا غلبہ تھا اس لیے اس جواب سے گویا ان کو اشارہ فرمایا گیا کہ وہ معافی اور درگزر کو اپنا دستور بنائیں۔ واللہ اعلم

(۱۳۰) عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ خَزَنَ لِسَانَهُ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ كَفَّ غَضَبَهُ كَفَّ اللهُ عَنْهُ عَذَابَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنِ اعْتَذَرَ إِلَى اللهِ قَبِلَ اللهُ عُذْرَهُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی (دوسروں کی بدگوئی وغیرہ بری باتوں سے) اپنی زبان روکے گا اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی فرمائے گا (یعنی اسکے عیوب اور اس کی برائیاں دوسروں پر نہیں کھلنے دے گا) اور جو کوئی اپنے غصہ کو روکے گا اور پی جائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اپنے عذاب کو روکے گا اور وہ عذاب سے بچ جائے گا، اور جو بندہ اپنی تقصیر کی معذرت اللہ کے حضور میں کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی معذرت قبول فرمائے گا (اور اس کو معاف فرمادے گا.)

(شعب الایمان للبیہقی)

ارشادات خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

مکتوبات کے پیرائے میں

۴

(مترجمہ۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۱۰۶) مولانا برخوردار کابلی کے نام ــــــ

الحمد للہ المعطی الاعلیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الوریٰ صاحب قاب قوسین اوادنیٰ وعلیٰ آلہ وصحبہ نجوم الہدیٰ ـــ امابعد ـــ مکتوب مرغوب جو اس مسکین کو لکھا تھا اس کے ورود سے مشرف ومسرور ہوا ـــ مقصد اعلیٰ کے طلب وشوق کا اظہار اس مکتوب میں کیا ہے نیک اور مبارک بات ہے ـــ اللہ تعالیٰ آتش طلب کو مشتعل کرے۔ شعلۂ شوق کو بھڑکائے اور ماسوا سے کلیتہً رہائی دے کر قرب ومعرفت کی بارگاہ تک پہونچائے انہٗ قریبٌ مجیبٌ ـــ جو خواب دیکھا تھا وہ بالکل واضح ہے اور "مناسبت معنویہ" کا پتہ دے رہا ہے ـــ ہماری ملاقات ہونے تک کلمۂ طیبہ کی تکرار میں مشغول رہو اور یہ ذکر موافقتِ قلب کے ساتھ کرو جس قدر بھی کر سکو ـــ اگر خلوت میں ذکر ہو تو بہتر ہے ـــ یہ کلمۂ طیبہ "تطہیرِ باطن" میں تاثیر عظیم رکھتا ہے۔ اس کے ایک جزو (لا الٰہ) میں "ماورائے حق" کی نفی ہے اور دوسرے جزو (الّا اللہ) میں معبود برحق کا اثبات ہے ـــ اور سلوک کا خلاصہ یہی ہے ـــ حدیث شریف میں ہے افضل الذکر لا الٰہ الّا اللہ ـــ طاعات پر یعنی بہ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر مضبوطی کے ساتھ عمل کرو ـــ بدعت سے بچو اور منکرات سے یکسو رہو۔ ایک بزرگ کا مقولہ ہے کہ اعمال نیک تو نیک وبد دونوں قسم کے اشخاص کر لیتے ہیں، لیکن

معاصی سے اجتناب کرنا "صدیق" کا خاص شیوہ ہے ــــــــ اس مسکین کو دعائے سلامتی خاتمہ میں یاد رکھنا (اس کے بعد ایک سوال کے جواب میں حدیث "استبدال خمیصہ" "بانجانیہ" پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ حدیث کے مختلف طرق پیش نظر رکھ کر اس بات کو ثابت کیا ہے کہ نفیس لباس، سالک کے لیے مضرت رساں نہیں ہے۔ حدیث کا اصل مفہوم ظاہر کرتے ہوئے شراح حدیث کی عبارات بھی پیش کی ہیں اور اپنے ذاتی فہم سے بھی عجیب عجیب نکتے بیان کیے ہیں چونکہ یہ بحث کئی صفحوں میں ہے اور دقیق ہونے کی وجہ سے ماہرین حدیث کے سمجھنے کی ہے اس لیے اس کا ترجمہ چھوڑتا ہوں)

(اس مکتوب کے آخر میں فرماتے ہیں) ــــــــ تم نے لکھا تھا کہ کسی بدعتی، رشوت ستاں یا علی الاعلان فسق و فجور کرنے والے کے یہاں جانا اور کھانا تناول کرنا کیسا ہے؟ مخدوما! ــــــــ اس میں شک نہیں کہ .... ایسے لوگوں کے یہاں جانے سے پرہیز اولیٰ ہے بلکہ طالبان طریق کے لیے تو پرہیز لازم ہے ــــ ہاں مواضع ضرورت مستثنیٰ ہیں .... "باب لقمہ" میں (خلاصہ کلام) یہ ہے کہ اگر معلوم ہو کہ یہ کھانا حرام طریقے پر ہے تو اس کا کھانا حرام ہے اور اگر یہ معلوم ہو کہ وجہ حلال سے ہے تو حلال ہے۔ کچھ نہ معلوم ہو تو وہ "مشتبہ" ہے اس کا نہ کھانا بہتر ہے۔

تم نے ایک بات یہ بھی لکھی تھی کہ بعض منکرین کہتے ہیں کہ مرید کرنا اس مخصوص طریقے پر بدعت ہے۔ مخدوما! طلب حق کرنا اور راہ دین میں رہنما منتخب کرنا اور اس سے ارادت کا تعلق قائم کرنا "ماموراتِ شرعیہ" میں سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہو وابتغوا الیه الوسیلہ ــــــــ "افادہ و استفادہ معنوی" کا سلسلہ جس کو بعنوان دگر "پیری و مریدی" کہہ لو ــــ زمانۂ پیغمبر علیہ وعلی آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اس وقت تک برابر جاری ہے ــــ کوئی ایسی نئی بات نہیں ہے جس کو مشائخ کرام نے یوں ہی اپنی طرف سے گڑھ لیا ہو ــــ تمام مشائخ کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوتا ہے۔ سلسلۂ نقشبندیہ حضرت صدیق اکبرؓ کے واسطے سے اور باقی سلاسل حضرت علیؓ کے ذریعے سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتے ہیں ــــــ پھر یہ طریقۂ بیعت بدعت کیسے ہو گیا؟ ہاں یہ کہہ لو کہ لفظ "پیری و مریدی" نیا لغت ہے مگر الفاظ کا کوئی اعتبار نہیں ــــــــ "رابطۂ معنوی" اور "افاضۂ معنوی" بحال خود رہے گا ــــــــ اور یہ کہنا کہ اس مخصوص طریقے پر مرید کرنا بدعت ہے معلوم نہیں کہ مخصوص طریقے سے کیا مراد ہے؟ ہمارے طریقے میں تعلیم و تعلم اور ذکر ہے ــــــــ ذکر خود "ماموراتِ شرعیہ" سے ہے

.... یہ تو ایسا ہی ہوا کہ کوئی کہدے کہ صحیح بخاری پڑھنا اور ہدایہ کا درس دینا بدعت ہو۔

والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدی والتزم متابعة المصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات والتحیات والبرکات العُلی ۔

مکتوب (۱۱۰) عبد الحکیم کے نام (مواعظ ونصائح اور عبرت صالحین میں)

اے بھائی ــــــ ناجنس اور مخالفِ طریق کی صحبت سے بچتے رہنا اور بدعتی کی مجلس سے گریزاں رہنا ــــــ یحییٰ معاذ رازی قدس سرہٗ کا مقولہ ہے کہ ان تین اصناف سے اجتناب کرو (۱) علماءِ غافلین (۲) قُراءِ مداہنین (۳) متصوفۂ جاہلین

جو شخص مسندِ مشیخت پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کا عمل موافقِ سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اور نہ وہ خود زیورِ شریعت سے آراستہ ہے ــــ خبردار ــ خبردار ــ اس سے دور رہنا بلکہ (احتیاطاً) اس شہر میں بھی نہ رہنا جس میں ایسا (مکار) رہتا ہو ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصے بعد اس کی طرف دل کا کچھ میلان ہو جائے اور کارخانۂ روحانیت خلل پذیر ہو ــــ ایسا شخص ہرگز اقتداء کے لائق نہیں ہوتا وہ تو درحقیقت ایک چور ہے پنہاں ــــ ...... ہرچند کہ اس سے طرح طرح کے خوارق عادات دیکھو اور اس کو دنیا سے بظاہر بے تعلق بھی پاؤ (کبھی اس کی طرف ملتفت نہ ہونا) اس کی صحبت سے اس طرح بھاگنا جس طرحِ شیر سے بھاگتے ہیں ــــ سید الطائفہ حضرت جُنید بغدادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں " کامیابی کے تمام راستے بند ہیں سوائے اس شخص کے راستے کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم کی پیروی کرے " ــــــ سید الطائفہ ہی کا یہ قول بھی ہے کہ " مقربین صادقین " کا راستہ درحقیقت کتاب وسنت کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ علماء جو شریعت و طریقت پر حامل ہیں اور وارث النبی کہلانے کے مستحق ہیں وہ اقوال، اخلاق اور افعال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوتے ہیں "

مکرر لکھتا ہوں کہ آدابِ نبوتؐ کا خیال نہ رکھنے والے اور سننِ مصطفویؐ کو چھوڑنے والے کو ہرگز ہرگز " عارف " خیال نہ کرنا اس کے (ظاہری) تبتل و انقطاع، خوارق عادات، زہد و توکل اور (زبانی) معارف توحیدی پر فریفتہ و شیفتہ نہ ہو جانا ...... مدار کار اتباع شریعت پر ہو اور " معاملۂ نجات " " پیروی نقش قدم رسول " سے مربوط ہو ــــ محق و مبطل میں امتیاز

پیدا کرنے والی چیز اتباع پیغمبر ہی ہے ــــ زہد، توکل اور تبتل بغیر اتباع رسول کے نامعتبر ہیں ــــ
"اذکار و افکار" اور "اشواق و اذواق" بے توسل سرکار دو عالمؐ غیر مفید ہیں ــــ خوارق عادات
کا دارو مدار بھوک اور ریاضت پر ہے، اُس کو معرفت سے کیا تعلق؟

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا ہے "جس نے آداب سے سستی برتی وہ سنن سے محروم ہو گیا،
جس نے سنن سے غفلت اختیار کی وہ فرائض سے محروم ہوا اور جس نے فرائض سے تہاون کیا وہ معرفت
سے محروم ہو گیا"......

شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ سے لوگوں نے کہا فلاں شخص پانی پر چلتا ہے انھوں نے فرمایا (اِس گھاس کا
تنکا بھی پانی پر چلتا ہے (یہ کوئی کمال کی بات نہیں ہے) پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ہوا میں اڑتا ہے
فرمایا (ٹھیک ہے) چیل اور مکھی بھی ہوا میں اڑتے ہیں پھر کہا گیا کہ فلاں آدمی ایک لحظے میں ایک
شہر سے دوسرے شہر میں چلا جاتا ہے فرمایا (اس میں کیا رکھا ہے) شیطان تو ایک دم میں مشرق سے
مغرب تک چلا جاتا ہے ان باتوں کی کوئی قیمت نہیں ہے مرد حق دراصل وہ ہے جو مخلوق کے
درمیان نشست و برخاست رکھے، بیوی بچے رکھتا ہو اور پھر ایک لحظہ خدائے عزوجل سے غافل نہ رہے"

شیخ علی ابن ابی بکر قدس سرہٗ نے معارج البدایہ میں فرمایا ہے کہ ہر انسان کا حسن و کمال تمام
امور میں ظاہراً و باطناً، اصولاً و فروعاً، عقلاً و فعلاً، عادۃً و عبادۃً کامل اتباع رسول میں مضمر ہے"

...... اگر کوئی گناہ وقوع میں آ جائے تو بہت جلد اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کر لینا چاہئے
گناہِ پوشیدہ کی توبہ پوشیدہ طریقے پر اور گناہِ آشکارا کی علانیہ طریقے پر توبہ ہو۔ توبہ میں دیر نہ کی
جائے ــــ منقول ہے کہ کراماً کاتبین تین ساعت تک گناہ لکھنے میں توقف کرتے ہیں اگر اس درمیان
میں توبہ کر لی تو اس گناہ کو نہیں لکھتے ورنہ اپنے رجسٹر میں اس گناہ کا اندراج کر لیتے ہیں ــــــ
جعفر بن سنانؒ فرماتے ہیں "توبہ سے غفلت کرنا ارتکاب گناہ سے بھی زیادہ بری بات ہے"۔ اگر
جلدی توبہ میسر نہ ہو سکے تو جب بھی توبہ کرے غرغرۂ موت سے پہلے پہلے ــــــ وہ توبہ مقبول ہو۔
حدیث میں آیا ہے اللہ تعالیٰ رات کو اپنا دست نوازش دراز کرتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ
کر لے اور دن کو بھی اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تاکہ رات کا گنہگار توبہ کر لے ــــ انسان کو چاہئے
کہ ورع و تقویٰ کو اپنا شعار بنائے اور منہیات میں قدم نہ رکھے کیونکہ اس راہ سلوک میں نواہی

سے باز رہنا (درحقیقت) ادامر کے امتثال سے زیادہ ترقی بخش اور سودمند ہے ـــــ ایک درویش نے
کہا ہو کہ اچھے اعمال تو نیک اور فاجر دونوں کرلیتے ہیں لیکن معاصی سے بچنے کا (اہتمام) "صدیق" کا
کام ہے ....

حدیث میں آیا ہے کہ حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ـــــ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اس
کو چھوڑ دے الخ ....

اگر اپنے اور اہل وعیال کے لیے تجارت یا اس کے مانند کوئی حلال کسب کرے تو وہ مُضر
نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے کیوں کہ سلف نے اس کو اختیار کیا ہے ـــــ احادیث میں فضل کسب
بہت کچھ بیان کیا گیا ہے ـــــ اگر کوئی توکل اختیار کرے تو یہ بھی بہتر ہے لیکن اس شرط کے ساتھ
کہ پھر کسی سے طمع نہ رکھے ....

ابو محمد منازل نے فرمایا ہے کہ توکل کسب حلال کے ساتھ ساتھ کرنا بہتر ہے بمقابلہ خالی توکل
کے "کھانا کھانے میں اعتدال کا خیال رکھے نہ اتنا زیادہ کھائے کہ وہ کھانا عبادت میں کسل اور
سستی پیدا کردے اور نہ اس قدر کم کھائے کہ (ضعف کے باعث) اذکار وطاعات سے باز
رہے ـــــ حضرت خواجہ نقشبند کا ارشاد ہے کہ لقمہ تر کھاؤ لیکن (دینی) کام خوب کرو، حاصل
کلام یہ ہے کہ "طاعت" میں جس قدر کھانا ممد ومعاون ہو وہ خوب اور مبارک ہے اور اس
"کارخانے" میں جتنی زیادتی طعام خلل انداز ہو جائے وہ البتہ ممنوع ہے۔

تمام افعال وحرکات میں اس کا قصد کرے کہ نیت صحیح ہو جب تک نیت صالحہ نہ ہو حتی الامکان
کوئی قدم نہ اٹھائے .... لوگوں کے ساتھ اختلاط بقدر ضرورت کرے ...... وہ اختلاط
جو برائے افادہ واستفادہ ہو البتہ محمود بلکہ ضروری ہے ....

ہر ایک وجہ کے ساتھ خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے خواہ اس سے باطن میں انبساط
پیدا ہو یا انقباض جو شخص عذر خواہی کرے اس کے عذر کو قبول کرنا چاہیئے ـــــ اخلاق اچھے
ہوں ـــــ (خواہ مخواہ) اعتراض کسی پر نہ کیا جائے، نرم وملائم گفتگو ہو ـــــ کسی کے ساتھ سختی
و درشتی سے معاملہ نہ کرے ہاں خدا کے لیے سختی کر سکتا ہو ـــــ

شیخ عبداللہ نے فرمایا ہے کہ درویشی نہ فقط نماز روزے کا نام ہے اور نہ صرف احیاء شب کا

یہ تو اسباب بندگی ہیں، درویشی یہ ہے کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے۔ اس خوبی کو حاصل کرے گا تو واصل ہوگا۔"

محمد بن سالمؒ سے لوگوں نے دریافت کیا اولیاء کی پہچان کیا ہے؟ انھوں نے فرمایا اولیاء کی علامات یہ ہیں ــــ لطفِ لسان، حسن اخلاق، بشاشت چہرہ، سخاوت نفس، قلت اعتراض، عذر خواہ کے عذر کو قبول کرنا، تمام مخلوق خدا پر شفقت کرنا خواہ نیکوکار ہوں یا بدکار۔"

ابوعبداللہ احمد مقری قدس سرہ فرماتے ہیں " جوانمردی یہ ہے کہ تو جس شخص سے کدورت رکھتا ہو اس سے حسن خلق سے پیش آئے اور جس آدمی سے کراہت کرتا ہو اس پر مال خرچ کرے اور جس سے نفرت ہو اس سے اچھا سلوک کرے۔" بات چیت کرنے میں " رعایت قلت" مدنظر رہے۔ زیادہ نیند اور زیادہ ہنسنا بھی درست نہیں کیونکہ اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے۔

اپنے تمام امور کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرے اور خدمت مولیٰ میں چست ہوجائے ــــ ایسا کرے گا تو تدبیر امور سے فارغ ہوجائے گا (اور سب کام غیب سے بن جائیں گے) سیدالطائفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خوب فرمایا ہے کہ دنیا کی تمام حاجتوں میں کامیابی کا راز ان حاجتوں کو ترک کردینے میں پوشیدہ ہے جب دل ایک جانب (خدا کی طرف) ہوجائے گا خداوند کریم سب کام پورے کردے گا ــــ حدیث میں ہے ــــ جو شخص اپنے تمام غموں کو ایک غم (غم آخرت) بنا دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دنیا اور آخرت کے تمام کام بنا دے گا ــــ" نیز ایسا کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو تیرے اوپر مہربان کردے گا کہ وہ تیرے کاموں کو (خود بخود) انجام دیں گے یحییٰ معاذ رازیؒ فرماتے ہیں ــــ جس قدر تجھے اللہ سے محبت ہوگی مخلوق خدا بھی تجھ سے اتنی ہی محبت کرے گی، تجھے خدا کا جس قدر خوف ہوگا مخلوق بھی تجھ سے اتنا ہی ڈرے گی اور تو جتنا خدا کے حکموں میں مشغول ہوگا مخلوق بھی تیرا اتنا ہی کہنا مانے گی۔"...............

کسی پر اعتماد سوائے فضل پروردگار کے نہ ہو ــــ اہل وعیال کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیئے اور بقدر ضرورت ان سے اختلاط ہو تاکہ ان کا حق ادا ہوجائے ــــ " موانست تام" ان سے نہ ہو اس صورت میں اللہ تعالےٰ سے اعراض کا اندیشہ ہے۔

" احوال باطن" نااہل سے نہ بیان کیے جائیں ــــ مالداروں سے حتی المقدور میل جول

نہ رکھا جائے۔ بجمیع حالات میں سنت نبوی کو اختیار کیا جائے بدعت سے حتی الوسع اجتناب ہونا چاہیئے...... سالک کو چاہیئے کہ حوادث میں متذبذب نہ ہو۔ عیوب مردم پر نظر نہ کرے اور اپنے عیوب ہمیشہ پیش نظر رکھے۔ اپنے آپ کو کسی مسلمان پر ترجیح نہ دے سب کو اپنے سے بہتر سمجھے۔ ہر مسلمان کے متعلق یہ اعتقاد رکھے کہ اسکی برکت اور دعا سے مجھے کشود کار میسر ہو سکتا ہو........ سلف صالحین کے حالات پیش نظر رکھے ـــ ساکین کی ہم نشینی پسند کرے۔ کسی کی غیبت کی جانب خود بھی مائل نہ ہو اور جہاں تک ہو سکے دوسرے کو بھی اس سے روکے ـــ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ بنائے۔ اللہ کے راستے میں انفاق مال پر حریص ہو ـــ حسنات کے صدور سے خوشی محسوس کرے اور سیئات کے ارتکاب سے دور دور رہے...... حدیث شریف میں آیا ہے ـــ کہ جو شخص ایسا ہو کہ اپنا گناہ اس کو ناگوار گذرے اور نیکی اس کو خوش کرے پس وہ مومن (کامل) ہے ـــ

مفلسی سے ڈر کر بخیلی اختیار نہ کرے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الشیطٰن یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء (شیطان تم کو فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے اور بری باتوں کا حکم کرتا ہے) ـــ قلت معیشت سے تنگدل نہ ہو عیش کا زمانہ تو آگے آ رہا ہے ـــ

اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ ـــ یہاں کی تنگی "وہاں" کی فراخی کا سبب ہو جائے گی.......

فقراء اور اخوانِ دینی کی خدمت میں کوتاہی نہ کی جائے جعفر خلدیؒ نے فرمایا ہے کہ "احرار" کی کوشش اپنے بھائیوں کے فائدے کے لیے ہوتی ہے نہ کہ اپنے نفسوں کے لیے ـــ ابو عبداللہ خفیفؒ فرماتے ہیں کہ ایک درویش میرا مہمان ہوا اتفاقاً اس کو پیٹ کا مرض لاحق ہو گیا میں نے اسکی خدمت و تیمارداری اپنے اوپر لازم کر لی تمام رات طشت اس کے لیے رکھتا اور اٹھاتا تھا، اتفاق سے تھوڑی دیر کے لیے میری آنکھ لگ گئی تو اس درویش نے مجھے لعنت ملامت کرنی شروع کی اور غصے میں آکر "لعنک اللہ" کہا ـــ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ جب اس نے تم کو لعنک اللہ کہا تو تم نے اپنے نفس کو کس حال میں پایا؟ میں نے کہا کہ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا گویا کہ اس نے مجھے دعا دی اور "رحمک اللہ" کہا۔

صوفیا کی خدمت آداب کے ساتھ کرے تاکہ ان کی برکات سے بہرہ ور ہو جائے ــــ الطریقۃ کلہا ادب" ــــ کوئی بے ادب خدا رسیدہ نہیں ہوا ــــ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ آداب صوفیاء کو علیحدہ (رسالے کی شکل میں) جمع کروں ــــ حضرت ایشان (حضرت مجدد الف ثانیؒ) نے اس باب میں ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے اور بعض "آداب ضروریہ" کو اس میں درج کیا ہے اگر مل جائے تو اس کا مطالعہ کر لینا ــــ بالجملہ خاک اور بے وجود ہو کر ان بزرگوں کی خدمت میں پہونچے ورنہ ان کی مصاحبت کی ہوس نہ کرے کیوں کہ اس کے خلاف کرنے میں احتمال ضرر غالب ہے، اور نفع بالکل نہ ہوگا ــــ ابوبکر بن سعدان فرماتے ہیں جو صوفیا کی ہمنشینی اختیار کرے اسے چاہیئے کہ "بے نفس و بے دل" اور "بے ملک" ہو کر ان کے پاس رہے اور اگر اپنی چیزوں میں سے کسی چیز پر نگاہ رکھے گا تو یہ امر اس کو مطلوب تک پہونچنے سے روکے گا۔

طلب حق جل مجدہٗ میں اپنے آپ کو آرام نہ دے اور مضطرب رہے ــــ ابوبکر طمستانیؒ فرماتے ہیں "تصوف" اضطراب کا دوسرا نام ہے جب سکون آیا تصوف نہ رہا ــــ محب کو بغیر محبوب کے چین میسر نہیں ہوتا اور اس کے ماسوا سے الفت نہیں ہوتی اس کے اندرون سے ہمیشہ یہ ندا نکلتی ہے ــــ

شعر
بچہ مشغول کنم دیدۂ و دل را کہ مدام
دل ترا می طلبد دیدہ ترا می جوید

مرید کو اس صفت پر ہونا چاہیئے جو اس آیت[1] میں بیان کی گئی ہے ــــ حتیٰ اذا ضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم وظنوا ان لا ملجأ من اللہ الا الیہ (توبہ) (جب کہ ان پر زمین تنگ ہو گئی باوجود کشادگی کے ــــ اور ان کی جانیں ان پر تنگ ہو گئیں اور انھوں نے جانا کہ اللہ کے قہر سے نجات نہیں، سوائے اللہ کی طرف پناہ لینے کے) ــــ جب مرید کی پیاس اس درجے پر پہونچے گی اور تمام روئے زمین باوجود فراخی کے

---

[1] یہ آیت ان تین صحابیوں کے بارے میں ہے جو غزوۂ تبوک کی شرکت سے رہ گئے تھے ــــ مقاطعہ کی وجہ سے پچاس دن تک ان پر سخت حالت گزری بالآخر ان کی توبہ قبول ہوئی۔

اس پر تنگ و تاریک ہو جائے گی تب یہ امید ہے کہ رحمت جوش میں آجائے اور اس خانماں برباد عاشق کو اپنے آغوش میں لے لے ....

؎ دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

اس مسکین کا التماس تم جیسے دوستوں سے یہ ہے کہ اس مہجور و عاصی کو دعاؤں سے فراموش نہ کروگے اور اللہ تعالیٰ کے کرم عمیم سے درخواست کروگے کہ یہ گنہگار تباہ کار کل قیامت کے دن "دکم ازکم" زمرہ عاصیانِ مرحوم میں داخل و شامل ہو جائے۔

؎ کجا ما و کجا زنجیر و نعش
عجب دیوانگی اندر سر افتاد

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین

دُعا

سیرتِ نبویؐ کا ایک اہم باب

(از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو کمالات جمع تھے اُن کو دو شعبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے
عبدیتِ کاملہ و نبوتِ جامعہ۔

عبدیت کا ظہور اور نتیجہ دُعا ہے۔ اور نبوت کا مظہر دعوت ہے۔ یہ دونوں سیرتِ محمدیؐ کے اہم اور نمایاں عنوان اور اس صحیفۂ اعجاز کے دو مستقل باب ہیں۔ دعوت پر سیرتِ محمدی کے ہر طالب علم اور ہر مصنف کی نظر پڑتی ہے۔ اس کی تفصیلات سے کتابیں لبریز ہیں اور اُس کے آثار و نتائج تمام دُنیا میں درخشاں و تاباں ہیں۔ دعوت جلوت کی چیز ہے۔ اس لیے سب کو بے پردہ و بے نقاب نظر آئی۔ لیکن (میری کوتاہ نظر میں) اس حقیقت پر بہت کم لوگوں کی نظر پڑی کہ دُعا کو سیرتِ نبوی میں کیا مقام حاصل ہے۔ اور خود دعوتِ نبویؐ کی تاثیر و تسخیر میں اُس کا کتنا بڑا حصہ ہے اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عبدیت کے اس شعبہ کو عروج و ترقی کی کس حد تک پہونچایا۔ کس طرح آپؐ نے اس شعبہ کا (جو عبدیت و عبادت کے تمام شعبوں و مظاہر کی طرح مُردہ و افسردہ ہو چکا تھا) احیاء اور اُس کی تجدید فرمائی پھر اُس کی تکمیل اور تعمیم فرما کر دُنیا سے تشریف لے گئے۔

جن لوگوں کی مذاہب و عقائد کی تاریخ پر گہری اور تفصیلی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اُس دور میں جو جاہلیت کے نام سے موسوم ہے عبد و معبود کے تعلق میں اتنا اضمحلال پیدا ہو گیا تھا کہ دُعا کا سرچشمہ (جو یقین و محبت و خوف کے بغیر جاری نہیں ہو سکتا) اندر ہی اندر خشک ہو گیا تھا۔ عبد اپنے اور معبود کے متعلق اتنی غلط فہمیوں اور اتنی جہالتوں کا شکار تھا کہ اُس کے اندر دُعا کا جذبہ اور تقاضہ پیدا ہونا ہی مشکل تھا۔ دعا کے لیے اس

ہستی کے یقین کی ضرورت ہو جس سے دُعا کی جائے۔ پھر اس یقین کی کہ اُس کو ہر طرح کی قدرت ہے۔ اور دینے کے لیے اُس کے پاس سب کچھ ہے۔ پھر اس یقین کی کہ اُس کے در کے سوا کوئی اور در نہیں۔ پھر اس یقین کی کہ وہ خود بھی دینا چاہتا ہے۔ اور محبت و رحمت، بخشش و عطا، اور احسان و انعام اس کی خاص صفت ہے اور کوئی لے کر اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا وہ دے کر خوش ہوتا ہے۔ پھر اس یقین کی کہ مخلوق محتاجِ محض اور سراپا کشکولِ گدائی ہے۔ پھر اس یقین کی کہ وہ معبود اپنی ہر مخلوق سے دُنیا کی ہر چیز سے۔ یہاں تک کہ اُس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہو۔ وہ ہر ایک کی سُنتا ہے اور ہر ایک کی ہر حال میں مدد کر سکتا ہے۔

جاہلیت کی تاریخ پر نظر ڈالیے۔ ان میں سے ہر یقین کتنا نایاب اور مضمحل ہو چکا تھا۔ اور ان حقائق میں سے ہر حقیقت کے بارے میں کتنے شبہات و حجابات اور کتنے توہمات اور مغالطے پیدا ہو چکے تھے۔ یونانی فلسفہ کو "واجب الوجود" یا "مبداء اول" کی صفات سے جتنا گریز و انکار اور صفات کی نفی اور مجرد و بلا صفت ذات کے اثبات پر جتنا اصرار تھا اس کے بعد اس کے حلقۂ اثر میں دُعا و التجا کا کیا امکان باقی رہ جاتا تھا! جس ذات کے متعلق کسی صفت کا علم نہیں بلکہ اس سے ہر صفتِ کمال کی نفی کی جا رہی ہے۔ اس سے سوال کرنے کا اور مدد چاہنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟ جس کو کارخانۂ قدرت میں کوئی دخل نہیں۔ جو "عقلِ اول" کو پیدا کر کے "معطل" ہو گیا۔ جس "واحد" سے ایک ہی "واحد" کا صدور ہو سکتا ہے[1]۔ اور وہ ہو چکا اُس سے ہر دم اور ہر آن نئے نئے افعال و احکام کے صدور کی توقع کب حق بجانب ہو سکتی ہے؟

اس کے مقابلہ میں مشرکانہ جاہلیت اور "وثنیت" نے صفاتِ الٰہیہ میں سے تقریباً ہر صفت کو کسی نہ کسی مخلوق کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ کوئی احیاء پر قادر تھا۔ کسی کے ہاتھ میں رزق تھا۔ کسی کا علم محیط و ہمہ گیر تھا۔ اور ہر "غیب" اس کے لیے "شہود" تھا۔ کسی کے لیے زمان و مکان کے حجابات اٹھ چکے تھے اور وہ اپنے پرستاروں کی ہر جگہ اور بیک وقت سب کی مدد کر سکتا تھا اور ہر جگہ پہونچ سکتا تھا۔ و قس علی ھذا۔ ایسی حالت میں "اللہ واحد" کی طرف رجوع کرنے اور اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے کا کیا امکان تھا۔ خصوصاً جب کہ وہ نظر سے اوجھل ہو اور شفعاء و آلہ نظر کے سامنے اور [illegible] کے اندر ہوں۔ اسی کے ساتھ اس کو بھی ذہن میں رکھیے کہ جاہلیت کے اس دور میں صفات و افعالِ الٰہیہ و ذاتِ الٰہ ہی مفقود اور ان کا علم صحیح تقریباً معدوم ہو چکا تھا اور "آلہۂ کثیرہ" کی کارفرمائیوں اور

۱؎ جیسا کہ یونانی فلسفہ کے قواعد و مسلمات میں ہے۔

کارسازیوں کی داستانوں سے مجلسیں معمور اور قلب و دماغ مسحور رہتے ۔ ایسی حالت میں وہ ذہنی کیفیت بالکل قدرتی اور طبعی تھی جس کا قرآن مجید نے نقشہ کھینچا ہو کہ :-

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ (الزمر)

اور جب کہ ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے اُن کے دل نفرت کرتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو فوراً خوش ہو جاتے ہیں۔

بہر حال یونانی فلسفہ نے (اس مسلک کی بنا پر جو اس نے صفات کے بارے میں اختیار کیا تھا) دعا و التجا کا دروازہ ہی بند کر دیا تھا۔ دونوں کا مجموعی نتیجہ یہ تھا کہ براہِ راست خدا سے طلب و سوال، اور دُعا و التجا کا رواج ہی تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ زمانہ بعثت میں پُورے پُورے ملک اور وسیع علاقوں میں ایسے چند آدمی بھی ملنے مشکل تھے جن کو خدا سے دُعا کرنے کی عادت اور اس کا سلیقہ ہو۔ اور جو اس سے تسکین حاصل کرتے ہوں اور اسی کی دعوت دیتے ہوں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحنا ونفوسنا فداہ) نے محروم و محجوب انسانیت کو دوبارہ دُعا کی دولت عطا فرمائی اور بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا۔ اور دعا کی کیا دولت عطا فرمائی۔ بندگی کی بلکہ زندگی کی لذت اور عزت عطا فرمائی۔ اس طور د انسانیت کو پھر اذن باریابی ملا اور آدم کا بھاگا ہوا فرزند پھر اپنے خالق و مالک کے آستانے کی طرف یہ کہتا ہوا واپس ہوا :-

بندہ آمد بر درت بگریختہ آبروئے خود بعصیاں ریختہ !

دعا سے محرومی کا ایک بڑا سبب جاہلیت کا یہ غلط تخیل تھا کہ خدا ہم سے بہت دُور ہے۔ ہماری آواز وہاں کہاں پہونچ سکتی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان فرمایا اور یہ منشور سُنایا کہ :-

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۔ (البقرہ - ۲۳)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو میں نزدیک ہوں دُعا کرنے والوں کی دُعا قبول کرتا ہوں۔

دوسرا یہ غلط عقیدہ تھا کہ خدا کے سوا کوئی اور بھی نفع و ضرر کا مالک اور انسانوں کی امداد و اعانت پر قادر ہے۔ اس عقیدے نے دعا و استعانت کو "حقیقی مانع و مختار" سے ہٹا کر خیالی معبودوں اور دیوتاؤں کی طرف متوجہ کر دیا تھا اور عالم کا عالم شرک و بت پرستی کا شکار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری قوت اور وضاحت کے ساتھ اس فرمان کا اعلان کیا جس میں آپ ہی کو خطاب تھا۔

قل یا ایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ولکن اعبد اللہ الذی یتوفٰکم وامرت ان اکون من المؤمنین ۔ وان اقم وجھک للدین حنیفاً ولا تکونن من المشرکین ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذاً من الظالمین ۔ وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم۔ (یونس ع ۱۱)

"کہہ دو۔ اے لوگو اگر تمھیں میرے دین میں شک ہے تو اللہ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ ایمان والوں میں رہوں اور یہ بھی کہ یکسو ہو کر دین کی طرف رُخ کیے رہو اور مشرکوں میں نہ ہو اور اللہ کے سوا کسی چیز کو نہ پکار جو نہ تیرا بھلا کرے اور نہ بُرا۔ پھر اگر تو نے ایسا کیا تو بیشک ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اور اگر اللہ تمھیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو کوئی ہٹانے والا نہیں اور اگر تمھیں کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اس کے فضل کو پھیرنے والا نہیں۔ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے اور وہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔

پھر آپ نے صرف اسی کو واضح نہیں کیا کہ بندہ اپنے مالک سے دعا کر سکتا ہے اور وہ اس کی سنتا ہے اور اس کی مدد کر سکتا ہے۔ بلکہ آپ نے ثابت کیا کہ خدا کو دعا مطلوب ہے اور وہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے بلکہ دعا نہ کرنے سے ناراض ہوتا ہے۔ دعا بندگی کا نہایت واضح اور موثر مظاہرہ اور عدم دعا بندگی سے گریز اور استکبار و سرکشی کی علامت ہے۔ آپ کے اس اعلان نے دعا کا پایہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اس کو بندگی کے

نفلِ اضطراری کے درجہ سے اعلیٰ عبادت اور قرب کے مقام تک پہنچا دیا۔

وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون

عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔ (المومنون - ع ۶)

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ بیشک جو لوگ

میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں عن قریب وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دُعا نہ کرنا محض محرومی کا باعث نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا بھی باعث ہے

حدیث کے الفاظ ہیں۔

من لم یسأل اللہ یغضب علیہ۔ (ترجمہ) جو اللہ سے سوال نہیں کرتا اُس

سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ دُعا کو مغزِ عبادت قرار دیا۔ الدعاء مخ العبادۃ دُعا کو رحمت و

برکت کے دروازے کی کلید قرار دیا گیا اور فرمایا گیا۔

من فُتح لہ منکم باب الدعاء فُتحت لہ ابواب الرحمۃ

جس کے لیے دعا کا دروازہ کُھل گیا اس کے لیے رحمت کے دروازے کُھل گئے

اس طرح دعا کا شعبہ جس کی زندگی میں کوئی جگہ نہیں رہ گئی تھی۔ عبادات اور معابد بھی اس کے نور سے

خالی ہو چکے تھے۔ اور جاہلیت کے سالکین و مرتاض اور عباد و زہاد بھی اس دولت سے محروم تھے۔ دوبارہ زندہ

اور تازہ ہوا اور یہ دولت اتنی عام ہوئی کہ۔ ع

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی !

نبوت محمدیؐ کی تجدید اور اس کا عملی تکمیل اسی پر ختم نہیں ہوتا۔ آپ نے ہمیں دُعا کرنا بھی سکھایا !

آپ نے انسانیت کے خزانے کو اور دُنیا کے ادب کو دعاؤں کے ان جواہرات سے الامال کیا جن کی نظیر

اپنی آبداری و درخشانی میں صحف سماوی کے بعد مل نہیں سکتی۔ آپ نے اپنے مالک سے ان الفاظ میں

دُعا کی جن سے زیادہ موثر اور بلیغ الفاظ۔ جن سے زیادہ موزوں و مناسب الفاظ انسان لا نہیں سکتا۔ یہ

دعائیں مستقل معجزات اور دلائلِ نبوت ہیں۔ ان کے الفاظ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ایک پیغمبر ہی کے

زبان سے نکلے ہیں۔ ان میں نبوت کا نور ہے۔ پیغمبر کا یقین ہے۔ "عبدِ کامل" کا نیاز ہے

محبوب رب العالمین کا اعتماد و ناز ہے۔ فطرتِ نبوت کی معصومیت و سادگی ہے۔ دلِ دردمند و ناشکیبِ مضطر کی بے تکلفی و بے ساختگی ہے۔ صاحبِ غرض و حاجت بندہ[1] کا اصرار و اضطرار بھی ہے۔ اور بارگاہِ الوہیت کے ادب شناس کی احتیاط بھی۔ دل کی جراحت اور درد کی کسک بھی ہے۔ اور چارہ ساز کی چارہ سازی اور دل نوازی کا یقین و سرور بھی۔ درد کا اظہار بھی ہے اور اس حقیقت کا اعلان بھی کہ ع

دردہا دادی و درمانی ہنوز!

یہ دعائیں اپنی روحانی و معنوی قدر و قیمت کے علاوہ اعلیٰ ادبی قدر و قیمت کی حامل ہیں اور دنیا کے ادبی ذخیرے کے وہ نوادر اور شہ پارے ہیں جن کی نظیر انسانی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ بہت سے ناقدینِ ادب نے نجی خطوط کو اس وجہ سے ادب میں اعلیٰ مقام دیا ہے کہ وہ بے ساختہ اور تکلفات سے دور ہوتے ہیں اور ان میں دلی جذبات کی بے تکلف ترجمانی ہوتی ہے۔ لیکن ان کو معلوم نہیں کہ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں!

ادب کی ایک صنف اور بھی ہے جس میں خطوط سے زیادہ بے تکلفی اور بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ جس میں سارے حجابات اور تکلفات ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں صاحبِ کلام اپنا دل کھول کر رکھ دیتا ہے اور اس کی زبان اس کے دل کی حقیقی ترجمان بن جاتی ہے۔ جب متکلم داد و تحسین سے بے پروا ہوتا ہے سامعین کی خاطر بات نہیں کرتا بلکہ اپنے دل کے تقاضے سے گویا ہوتا ہے۔ ادبِ عالی کی یہ صنف "دعا و مناجات"[2] ہے۔

ادب کا ایک اہم عنصر جس کو ناقدینِ فن نے نظر انداز کیا ہے اور جو ادب میں حقیقی روح اور لطافت پیدا کرتا ہے اور اس کو زندگی و دوام بخشتا ہے، صداقت اور خلوص ہے۔ اس عنصر کی جیسی نمود "دعا و مناجات" میں پائی جاتی ہے۔ ادب کی کسی اور صنف میں نہیں پائی جا سکتی۔ پھر جب صاحبِ دعا صاحبِ دردِ عجز ہو اور اس کو اپنے درد دل کے اظہار پر اعلیٰ درجہ کی قدرت بھی ہو تو پھر اس کی زبان سے نکلے ہوئے لفظ ادب کا معجزہ بن جاتے ہیں۔ اور وہ الفاظ نہیں ہوتے بلکہ دل کے ٹکڑے اور آنکھ کے آنسو ہوتے ہیں۔ اور وہ صدیوں تک ہزاروں انسانوں کو تڑپاتے رہتے ہیں۔ پھر جب ان مطالب کو ادا کرنے والی

۱؎ غرض اور حاجت اگر اپنے مالک اور آقا سے ہو تو اس میں مقام نبوت کے لیے کوئی سوءِ ادب نہیں بلکہ فخر و مباہات ہے۔

زبان وہ ہو جو وحی کی گزرگاہ اور فصاحت و بلاغت کی بادشاہ ہو تو پھر اُن کی تاثیر و اعجاز کا کوئی ٹھکانا نہیں۔

حدیث و سیرت کے دفتر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دُعائیں منقول ہیں اُن پر نظر ڈالیے کیا کوئی بڑے سے بڑا ادیب اپنی بے بسی و کمزوری کا نقشہ کھینچنے کے لیے، اپنا فقر و احتیاج بیان کرنے کے لیے، اور دریائے رحمت کو جوش میں لانے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر، اس سے زیادہ دلآویز اور اس سے زیادہ جامع الفاظ لا سکتا ہے۔ ایک بار سفرِ طائف کا نقشہ سامنے لائیے اور مسافرِ طائف کے شکستہ دل اور خون آلود پاؤں پر نظر ڈالیے۔ پھر غُربت و مظلومیت کی اس فضا میں ان الفاظ کو پڑھیے۔

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھوانی علی الناس ربّ المستضعفین الی من تکلنی الی بعید یتجھّمنی او الی عدوٍّ ملّکتہ امری ان لم یکن بک علیّ غضب فلا ابالی غیر ان عافیتک ھی اوسع لی۔ اعوذ بنور وجھک الّذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ من ان یحلّ بی غضبک او ینزل علیّ سخطک لک العتبیٰ حتّی ترضی ولا حول ولا قوۃ الّا بک [1]

الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے۔ مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ کیا بیگانہ ترش رو کے یا اُس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دُنیا و دین کے کام ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اُترے یا تیری رضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے

[1] یہ الفاظ تاریخ طبری کے ہیں۔ الفاظ کے ذرا فرق کے ساتھ یہ دُعا کنز العمال میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے"
کیا کبھی جب آپ کو ایسا وقت پیش آئے اور آپ کے دل کی کیفیت یہی ہو تو آپ ان سے بہتر اور ان سے زیادہ مؤثر الفاظ لا سکتے ہیں۔ یا آپ کو دنیا کے ادبی ذخیرے میں اپنے دل کی ترجمانی کے لیے اس سے بہتر لفظ مل سکتے ہیں؟

اسی طرح میدانِ عرفات کا تصور کیجیے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کفن بردوش انسانوں کا مجمع ہے۔ لبیک کی صداؤں اور حجاج کی دعاؤں سے فضا گونج رہی ہے۔ خدا کی شان بے نیازی اور عظمت و جبروت کا نقشہ سامنے ہے۔ انسانوں کے اس جنگل میں ایک برہنہ سر احرام پوش ایسا بھی ہے (فداہ ابی و امی) جس کے کاندھوں پر ساری انسانیت کا بار ہے جو ہر دیکھنے والے سے زیادہ خدا کی عظمت و جلال کا مشاہدہ کر رہا ہے اور ہر جاننے والے سے زیادہ انسان کی درماندگی۔ بے حقیقتی اور بے بسی سے واقف ہے۔ اس پُر تاثیر اور پُر ہیبت فضا میں اس کی آواز بلند ہوتی ہے اور سننے والے سنتے ہیں۔

اللّٰھمّ انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سرّی و علانیتی لا یخفی علیک شئ من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الوجل المشفق المقرّ المعترف بذنبہ۔ اسألک مسئلۃ المسکین وابتھل الیک ابتھال المذنب الذلیل وادعوک دعاء الخائف الضریر، دعاء من خضعت لک رقبتہ وفاضت لک عبرتہ وذل لک جسمہ ورغم لک انفہ، اللّٰھمّ لا تجعلنی بدعائک شقیاً وکن بی رؤفاً رحیما یا خیر المسئولین ویا خیر المعطین [1]

اے اللہ تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ میں مصیبت زدہ ہوں۔ محتاج ہوں۔ فریادی ہوں۔ پناہ جو ہوں۔ پریشان ہوں۔ ہراساں ہوں۔ اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں

[1] کنز العمال عن ابن عباسؓ۔ اس مقالہ کی اکثر ادعیہ کا ترجمہ مناجات مقبول سے ماخوذ ہے جو مولانا عبد الماجد دریابادی کے ترجمہ و تشریح کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔

اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں جیسے بےکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں۔ جیسے گنہگار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے۔ اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے۔ اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کیے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دُعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا۔ اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اے سب دینے والوں سے اچھے!۔

کیا خدا کی عظمت وکبریائی اور اپنی ناتوانی وبےنوائی، فقر واحتیاج، عجز ومسکنت کے اظہار واقرار کے لیے اور رحمتِ خداوندی کو جنبش میں لانے کے لیے ان سے زیادہ پُرتاثیر، پرخلوص اور دل نشین الفاظ انسانی کلام میں مل سکتے ہیں اور اپنے دل کی کیفیت اور عجز ومسکنت کا نقشہ الفاظ میں اس سے بہتر کھینچا جا سکتا ہے؟ یہ الفاظ تو دریائے رحمت میں تلاطم پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں۔ آج بھی ان لفظوں کو ادا کرتے ہوئے دل اُمنڈ آتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں اور رحمتِ خداوندی صاف متوجہ معلوم ہوتی ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں کہ ایسی پُرکیف اور اثر آفریں دعا اُمت کو سکھا گئے اور "بابِ رحمت" پر اس طرح دستک دینا بتا گئے :۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وسلم علیہ وعلی عترتہ بعدد کل معلومٍ لکَ!

سب جانتے ہیں کہ ایک قوی اور غنی ذات قادرِ مطلق، سلطانِ برحق، مالک الملک کو اپنی طرف متوجہ کرنے ا[illegible]ال رحمت کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے اپنی عجز ودرماندگی اور اپنی بندگی وبیچارگی کے زیادہ سے زیادہ اور مؤثر سے مؤثر اظہار کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس اعتراف کی کہ ہم خاندانی ونسلی غلام مملوک ابن مملوک اور اس دردولت اور آستانۂ شاہی کے قدیمی نمک خوار وپروردہ نعمت ہیں۔ جان ومال ہر چیز کے آپ مالک ہیں۔ کوئی چیز آپ کے قبضۂ قدرت سے باہر نہیں۔ ایسی حالت میں آپ ہی رحم نہ فرمائیں گے اور آپ ہی خبر نہ لیں گے تو کون لے گا۔ دیکھیے کسی دعا کے لیے اس سے بہتر تمہید اور مقصد کی کشائش کے لیے اس سے بہتر کلید کیا ہو سکتی ہے؟

اللّٰھم انی عبدك وابن عبدك وابن امتك ناصیتی بیدك ماضٍ فیَّ

حکمك عدل فی قضاؤك اسألك بكل اسم هو لك سمّیت به نفسك او انزلته فی کتابك او علّمته احدًا من خلقك او استأثرت به فی علم الغیب عندك ان تجعل القرآن العظیم ربیع قلبی و نور بصری وجلاء حزنی و ذهاب همّی لہ

اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا ہمہ تن تیرے قبضہ میں ہوں۔ نافذ ہے میرے بارے میں تیرا حکم اور عین عدل ہے میرے بارے میں تیرا فیصلہ۔ میں تجھے ہر اسم کے واسطے سے جس سے تو نے اپنی ذات کو موصوف کیا ہے یا اس کو اپنی کتاب میں اُتارا ہے یا اُسے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا ہے۔ یا اپنے پاس اُسے غیب ہی میں رہنے دیا ہے۔ درخواست کرتا ہوں کہ قرآن عظیم کو میرے دل کی بہار بنا دے اور میری آنکھ کا نور اور میرے غم کی کشائش اور میری تشویش کا دفعیہ۔

انسان کی ضروریات بے انتہا ہیں۔ ان میں انتخاب نہایت مشکل۔ اُن سب کا سمیٹنا ناممکن۔ ایسی حالت میں انسان اپنی کیا ضرورت بیان کرے کیا نہ کرے۔ ہم اپنے ہی حال پر غور کریں کہ اگر عرضِ مدعا کا موقع آئے تو ہمیں کیسی پریشانی پیش آئے اور بعد میں کیسی کیسی حسرت ہو کہ :۔ ع

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے!

لیکن دیکھیے پیغمبرِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کی (بشرطیکہ وہ فطرتِ صحیحہ پر ہو) اور انسانی ضروریات کی کیسی جامع نمائندگی کی ہے۔

لا الٰه الا اللّٰه الحلیم الکریم۔ سبحان اللّٰه رب العرش العظیم والحمد للّٰه رب العالمین۔ اسألك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنیمة من کل برّ والسلامة من کل اثم لا تدع لی ذنبا الا غفرته ولا همًّا الا فرّجته ولا حاجة هی لك رضی الا قضیتها یا ارحم الراحمین ۲ھ

نہیں ہے سوا کوئی معبود نہیں وہ حلیم و کریم ہے۔ پاکی ہے اللہ کی جو عرشِ عظیم کا مالک ہے

لہ طبرانی عن ابن مسعود۔ ۲ھ ترمذی و ابن ماجہ عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ۔

سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ میں تجھ سے وہ اعمال و خصائل مانگتا ہوں جو تیری رحمت کو واجب کرنے والے ہیں اور مغفرت کے یقینی اسباب اور ہر نیکی کی لوٹ اور ہر معصیت سے حفاظت۔ کوئی گناہ نہ چھوڑ جسے تو بخش نہ دے۔ نہ کوئی تشویش جسے تو دور نہ فرما دے۔ نہ کوئی ایسی ضرورت جو تیری مرضی کے مطابق ہے جس کو پورا نہ فرمائے

اے ارحم الراحمین!

ایک دوسری دعا میں فرماتے ہیں:-

اللّٰھم اصلح لی دینی الذی ھو عصمۃ امری واصلح لی دنیای التی فیھا معاشی واصلح لی اٰخرتی التی فیھا معادی، واجعل الحیاۃ زیادۃ لی فی کل خیر واجعل الموت راحۃ لی من کل شر [1]

اے اللہ میرا دین درست رکھ جو میرے حق میں بچاؤ ہے اور میری دنیا درست رکھ جس میں میری معاش ہے اور آخرت درست رکھ جہاں مجھے لوٹنا ہے اور زندگی کو میرے حق میں ہر بھلائی میں ترقی اور موت کو میرے حق میں ہر برائی سے امن بنا دے۔

انسان لطف و مسرت کا کتنا حریص ہے۔ لیکن اس کی نگاہ محدود اور کوتاہ۔ وہ فانی لذت کا جویا اور ختم ہو جانے والی مسرت کا طالب ہے۔ آپ دعا فرماتے ہیں اور دعا ہی دعا میں اس نکتہ کی تعلیم دے جاتے ہیں کہ اصل مانگنے کی چیز غیر فانی عیش اور غیر مختتم مسرت ہے اور اصل مطلوب شئے دوسری زندگی کی راحت اور دیدار الٰہی کی لذت ہے!

اللّٰھم انی اسئلک نعیما لا ینفد وقرۃ عین لا تنقطع واسئلک الرضاء بالقضاء وبرد العیش بعد الموت ولذۃ النظر الی وجھک والشوق الی لقائک [2]

اے اللہ تجھ سے ایسی نعمت مانگتا ہوں جو ختم نہ ہو اور ایسی آنکھوں کی ٹھنڈک جو جاتی نہ رہے اور میں تجھ سے مانگتا ہوں تیرے حکم (تکوینی) پر رضامند رہنا اور موت کے بعد خوش عیشی اور تیرے دیدار کی لذت اور تیری دید کا شوق۔

(باقی آئندہ)

---

[1] مسلم عن ابی ہریرہؓ [2] مستدرک عن عمارؓ بن یاسر۔

دنیا اور آخرت کے بارے میں ہمارا رویّہ

اِصلاح کی ضرورت اور اُس کی صُورت

(مدیر الفرقان کی ایک تازہ تقریر جو پہلی جنوری کو بھوپال کے تبلیغی اجتماع میں کی گئی)

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق، صلوات اللہ تعالیٰ علیھم وعلیٰ کل من تبعھم باحسان

دوستو اور دینی بھائیو!

ایک دُنیا یہ ہے جس میں ہم اور آپ رہتے بستے ہیں اور جس میں ہماری زندگیوں کا ایک حصّہ گزر چکا ہے اور کچھ باقی ہے، اس دُنیا کی چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں، یہاں کی آوازوں کو کانوں سے سُنتے ہیں۔ یہاں کی خوشبو بدبو کو ہم سونگھ کر جان لیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں کی سردی گرمی اور سختی نرمی کو چھُو کر اور اچھے بُرے مزہ کو چکھ کر دریافت کر لیتے ہیں۔ الغرض ہماری یہ دُنیا ایسی دُنیا ہے کہ اس کو ہم خود اپنے خداداد علم سے جانتے ہیں اور کوئی ہمیں بتائے یا نہ بتائے ہم اس کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ اسی طرح ہم خود اپنے علم سے اور اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے یہ بھی جانتے ہیں کہ اس دنیا میں آرام اور راحت بھی ہے اور تکلیف اور مصیبت بھی ــــ یہاں کی بھوک پیاس، بیماری آزاری، زیادہ سردی اور زیادہ گرمی یہاں کی تکلیف کی چیزیں ہیں اور اسی طرح تندرستی خوش حالی، کھانے پینے کی اچھی چیزیں، اچھا موسم اچھی ہوا، اچھا مکان اچھی فضا یہ یہاں کی آرام اور راحت کی چیزیں ہیں۔

پھر یہ بھی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ کر جانتے ہیں کہ یہاں کی ہماری زندگی ایک محدود مدّت کے لیے ہے اور یہاں کی ہر تکلیف و مصیبت اور ہر عیش و راحت بھی محدود و وقتی اور چند روزہ ہے۔ کتنے ہی پیدا ہونے والے جوانی سے بھی پہلے بچپنے ہی میں چل دیتے ہیں اور کتنے ہی جوانی میں چلے جاتے ہیں

اور جن کو جوانی کی بہار دیکھنے کا موقع ملتا ہے بڑھاپے میں وہ بھی چلے ہی جاتے ہیں۔ آج کل ۸۰-۹۰ سال کی عمر بھی کسی کو کم ہی ملتی ہے — بہرحال ہم اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے جس طرح اس دنیا کو جانتے ہیں اسی طرح یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ہر تکلیف و راحت بس چند روزہ ہے۔

لیکن ہم اور آپ اس دنیا کے علاوہ ایک اور دنیا کو بھی مانتے ہیں، وہ مرنے کے بعد والی اور آخرت کی دنیا ہے جس کو ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا اور نہ کسی اور طریقہ سے ہم نے اس کو اپنے علم سے جانا ہے بلکہ اس کی خبر اللہ کے پیغمبروں نے دی ہے جن کی سچائی پر ہمیں پورا یقین ہے۔

ہماری اس دنیا میں بھی جس میں ہم رہ بس رہے ہیں ایسی بہت سی چیزیں ہیں جن کو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے بلکہ دوسرے لوگوں سے سُن سُن کر ہی ہم ان پر یقین لے آئے ہیں۔ میں نے اور آپ نے لندن نہیں دیکھا، پیرس نہیں دیکھا، ماسکو اور نیویارک نہیں دیکھا، لیکن دوسروں سے سُن سُن کر اور اخباروں میں پڑھ پڑھ کر دنیا میں ان شہروں کے ہونے کا ہم سب کو ایسا یقین ہو گیا ہے کہ آج اگر کوئی شخص ان شہروں کے وجود سے انکار کرے تو ہم سب اس کو دیوانہ اور پاگل سمجھیں گے اسی طرح ایٹم بم کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اور اس کی ہلاکت خیزی کا ہم میں سے کسی نے بھی تجربہ نہیں کیا ہے لیکن دوسروں سے سُن سُن کر اور اخباروں میں پڑھ پڑھ کر اس کا بھی ہم کو ایسا یقین ہو گیا ہے کہ اس میں شک کرنے والے کو بھی ہم دیوانہ یا گنوار سمجھیں گے، اسی طرح سمجھنا چاہیئے کہ آخرت کو اور وہاں کی تکلیفوں اور راحتوں کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہو لیکن اللہ کے پیغمبروں خاص کر آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے اور اللہ کی کتاب قرآن مجید کے بیان سے ہم نے اس کو جانا اور مانا ہے — یہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ اپنے اپنے وقت میں اللہ کے سب پیغمبروں نے یہی بتایا کہ موت سے انسان کا بالکل خاتمہ نہیں ہو جاتا بلکہ انسان دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور اس کی روح جو انسان کی اصل حقیقت ہے وہ دوسری دنیا میں چلی جاتی ہے۔ اس لیے موت کو انتقال بھی کہتے ہیں — اس کی ایک مثال ہم سب پر گذر بھی چکی ہے جس کی وجہ سے اس کا سمجھنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر ایک اس دنیا میں آنے سے پہلے چند مہینے اپنی ماں کے پیٹ میں رہا ہے، ذرا سوچیے اگر کوئی ایسا آلہ ایجاد ہو جائے جس کے ذریعہ پیٹ کے بچہ تک بات پہنچائی جا سکے اور اس سے کہا جائے کہ اے بچے! اس وقت تو جس دنیا میں ہے یہ اصل دنیا

نہیں ہے، اصل دنیا میں تو چند دنوں کے بعد پہنچے گا اور وہ لاکھوں کروڑوں میل کی لمبی چوڑی دنیا ہے، اس میں دریا ہیں، پہاڑ ہیں، جنگل ہیں اور اربوں انسان بس رہے ہیں، ریلیں چل رہی ہیں، موٹریں دوڑ رہی ہیں، ہوائی جہاز اڑ رہے ہیں، حکومتیں قائم ہیں، جنگیں ہوتی ہیں، توپیں چلتی ہیں ــــ الغرض اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اگر ماں کے پیٹ کے بچے سے اس کا ذکر کیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ چند دن کے بعد تو بھی اس دنیا میں پہنچ جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بچہ جو ابھی اپنے ماں کے پیٹ کی ایک بالشت کی دنیا میں ہے اور اس سے باہر کی کسی بات کو جانتا ہی نہیں وہ اگر ان باتوں کو کسی طرح سمجھ بھی لے تو بھی آسانی سے یقین نہ کر سکے گا، لیکن پیدا ہونے کے بعد جب وہ اس دنیا میں آئے گا اور کچھ دیکھنے سمجھنے کے لائق ہو جائے گا تو ان سب چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ بالکل یہی مثال ہماری اس زندگی کی اور عالم آخرت کی ہے۔ ہم اس دنیا میں ہیں تو اس دنیا سے آگے کی کسی بات کو خود نہیں جان سکتے۔ اور اپنی ان آنکھوں سے آگے کی کوئی منزل نہیں دیکھ سکتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو عالم آخرت کا علم دیا ہے انھوں نے ہمیں بتایا اور سب سے زیادہ وضاحت اور تفصیل سے خدا کے آخری نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ مرنے کے بعد تم ایک دوسرے عالم اور دوسرے جہان میں پہنچ جاؤ گے جس کی پہلی منزل عالم برزخ ہے (یعنی موت سے لے کر قیامت تک جہاں اور جس حال میں رہنا ہوگا) دوسری منزل حشر اور حساب کی منزل ہے جہاں ہر شخص کے اعمال کی جانچ اور ان کا فیصلہ ہوگا اور اس سے آگے آخری منزل دوزخ یا جنت کا دائمی ٹھکانا ہے، پھر دوزخ میں جو طرح طرح کے دردناک عذاب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان قہاری کے جو نہایت ہیبتناک منظر سامنے آئیں گے ان کو بھی آپ نے تفصیل سے بتلایا اور جنت میں عیش و راحت اور لذت و مسرت کے جو بے انتہا سامان ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت و کرم کے جو نئے نئے تجربے اور مشاہدے ہوں گے ان کی بھی آپ نے پوری تفصیل فرمائی۔

میں مانتا ہوں کہ اس زندگی میں ان باتوں میں سے کسی ایک کو بھی ہم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھتے اور نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہمارا نہ دیکھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ کی منزل میں کسی بچہ کا اس دنیا کو نہ دیکھ سکنا، اور جس طرح ہر بچہ یہاں آجانے کے بعد وہ سب کچھ دیکھ لیتا ہے جو آنے سے پہلے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسی طرح ہمیں یقین ہے اور ہم اس پر قسم کھا سکتے ہیں کہ اس دنیا سے جانے کے بعد ہم میں سے ہر ایک وہ سب کچھ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لے گا جس کی اطلاع اللہ کے سارے سچے نبیوں اور رسولوں نے دی ہے اور سب سے آخر میں اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ تفصیل اور وضاحت سے دی ہے۔

بہرحال ہمیں کہنا یہ ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے ہم اور آپ جو اپنے کو مسلمان کہتے اور کہلاتے ہیں، آخرت والی دنیا کو مان چکے ہیں اور اس پر ایمان لاچکے ہیں —— بلکہ اللہ تعالیٰ کے آخری نبی سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس کی آخری کتاب قرآن مجید نے آخرت، اور دوزخ و جنت کی جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ہم اور آپ ان تفصیلات پر بھی ایمان لائے ہیں ——

مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ جس طرح ہماری اس زندگی میں بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوتی ہے اسی طرح دوزخ میں بھی دوزخیوں کو بھوک اور پیاس کی تکلیف ہوگی جو یہاں کی اس تکلیف سے ہزاروں گنا زیادہ ہوگی —— پھر اگر یہاں کسی کو بھوک لگے اور اسے کہیں سے کھانے کی کوئی چیز نہ ملے تو بس یہی تو ہوگا کہ دو چار ہفتے تڑپ تڑپ کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کے جان دیدے گا اور اس طرح موت کے ساتھ اس کی بھوک کی تکلیف کا بھی خاتمہ ہوجائے گا لیکن دوزخ میں دوزخی ہزاروں لاکھوں سال بھوک پیاس کی شدید تکلیف میں تڑپے گا اور اس سے چھٹکارا دینے کے لیے اسے موت بھی نہ آئے گی، قرآن مجید کا بیان ہے " وَلَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا " آخرت کے عذاب کے متعلق قرآن مجید نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیلات بیان فرمائی ہیں ان میں سے بس دو باتیں اور سن لیجئے۔ ان سے اندازہ ہوجائے گا کہ

دنیا کی بڑی سے بڑی تکلیف کو بھی آخرت کی تکلیفوں سے کیا نسبت ہے۔ ۔۔۔ خیال کیجئے! اس دنیا میں اگر کسی زندہ آدمی کو دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا جائے تو بس چند منٹ میں جل بھن کر اور تڑپ تڑپا کر جان دیدے گا، اور چند منٹ کی یہ تکلیف بھی ایسی ہوگی کہ جس بیچارہ پر گزرے گی اس کا تو کیا ذکر، دیکھنے والوں کے بھی ہوش خراب ہو جائیں گے اور کتنوں پر اختلاج کے دورے پڑ جائیں گے۔ لیکن قرآن مجید میں دوزخیوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کی آگ میں بھونکے جائیں گے اور ان کے جسم کی کھالیں پک پک جائیں گی اور پھر ان کی جگہ نئی کھال آ جائے گی اور پھر اسی طرح وہ بھونکے جائیں گے، الغرض ان کو یہ عذاب مسلسل دیا جاتا رہے گا ۔۔۔ قرآن مجید کے الفاظ ہیں ۔۔۔ کلما نضجت جلودهم بدلناهم جلوداً غيرها ليذوقوا العذاب" ۔۔۔ اللهم احفظنا!

اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سن لیجئے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ۔۔۔ " دوزخ میں جس شخص کو سب سے ہلکے درجہ کا عذاب ہوگا اس کا حال یہ ہوگا کہ اس کے پاؤں کے تلوے کے نیچے دوزخ کی آگ کی ایک چنگاری رکھ دی جائے گی جس سے اس کا بھیجا سر میں اس طرح پکے گا جس طرح چولھے پر ہانڈی پکتی ہے اور اس کا اپنا اندازہ اور احساس یہ ہوگا کہ سب سے زیادہ عذاب میں آج میں ہی ہوں۔

میرے بھائیو! ہم آپ سب اس پر ایمان لائے ہیں کہ آخرت اور دوزخ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اور قرآن مجید کے یہ بیانات بالکل صحیح ہیں۔ یقینی ہیں ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اب اسی طرح جنت اور اس کی نعمتوں کے متعلق بھی اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات اس وقت ذہن میں تازہ کر لیجئے!

یوں تو جنت اور اہل جنت کے متعلق قرآن مجید میں بہت کچھ بیان فرمایا گیا ہے لیکن ایک بات کسی جگہ قرآن مجید میں ایسی کہی گئی ہے کہ جنت کے متعلق کچھ اندازہ

کرنے کے لیے بس وہی کافی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ انسان کے دل اور اُس کی طبیعت میں جو بھی خواہشیں اور جو بھی اُمنگیں اور آرزوئیں ہیں یا ہوسکتی ہیں جنت میں اُن سب کے پُورا ہونے کا پُورا سامان ہوگا اور وہ سب پُوری کی جائیں گی۔ ارشاد ہے " ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم ولکم فیھا ما تدّعون ٥

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

" ولھم فیھا ما یشاؤن " اور ایک تیسری جگہ فرمایا گیا ہے " فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین " (یعنی جنّت میں تمھارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کو تمھارے جی چاہتے ہیں اور تمھاری آنکھوں کو جس کے دیکھنے سے لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے) ـــــ سوچیے اس کے بعد باقی کیا رہا؟ ہمارا جی عیش و راحت والی اور لذت و مسرّت والی ایسی زندگی کو چاہتا ہے جو کبھی ختم نہ ہو، جنّت میں وہ موجود ہے، ہمارا جی اچھے مکانات کو چاہتا ہو جن سے نکلنے کا کبھی اندیشہ نہ ہو، جنت میں وہ بھی موجود ہیں ہمارا جی اچھے کھانوں اور اچھے لذیذ میووں اور پینے والی اچھی خوش ذائقہ خوش رنگ چیزوں کو چاہتا ہے جنت میں وہ بھی موجود ہیں بلکہ ان کی نہریں بہہ رہی ہیں، ہمارا جی اچھی حسین اور سلیقہ دار اور خدا کو یاد کرنے والی بیویوں کو چاہتا ہے جنت میں وہ بھی موجود ہیں

یہ تو عام انسانوں کی خواہش کی چند چیزوں کا میں نے ذکر کیا اور جنت میں بلاشبہ یہ سب چیزیں بھرپور موجود ہیں۔ لیکن اس سے آگے اللہ تعالیٰ کی رضا، اللہ تعالیٰ کی وہ معرفت جس کا اس دُنیا میں امکان نہیں اور پھر سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اُس کا دیدار، یہ جنّت کی وہ نعمتیں اور لذّتیں ہیں جن کی چاہت سے اللہ کے خاص بندوں کے سینے بھرے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً اپنے اُن چاہنے والوں کی اس چاہت کو بھی وہاں پُورا کرے گا۔

اس کے بعد اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی سُن لیجیے ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور فرمانبردار بندوں کے لیے جنت میں جو نعمتیں اور لذت و راحت کے جو سامان تیار کیے ہیں وہ ایسے اچھوتے اور نرالے ہیں کہ کسی آنکھ والے کی آنکھ نے ان کی جھلک تک نہیں دیکھی اور کسی کے کان میں ان کی بھنک تک نہیں پڑی اور کسی کے دل میں ان کا خیال اور خطرہ بھی نہیں گزرا ہے حدیث کے الفاظ ہیں "مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علیٰ قلب بشر"

ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سلسلہ میں اور سن لیجیے جس میں آپ نے جنت کے عیش اور دوزخ کے عذاب کی شدت کو ایک خاص عنوان سے سمجھایا ہے —— آپ نے فرمایا کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو طلب فرمائیگا جس نے دنیا میں خدا سے بے تعلق اور بے خوف ہو کر اور اُس کے احکام سے بے پروا ہو کر کفر اور شرارت کی زندگی گزاری ہوگی اور دنیا میں ایسے عیش و آرام سے رہا ہوگا کہ کبھی کسی تکلیف کا اس نے منہ بھی نہ دیکھا ہوگا، پھر فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو دوزخ کی ہوا کھلا لاؤ۔ فرشتے حکم کی تعمیل کریں گے اور اُس کو دوزخ کی ذرا آنچ دکھا کر نکال لائیں گے۔ اسی سے اس کا یہ حال ہو جائے گا کہ سر سے پاؤں تک بس تکلیف اور بے چینی ہوگی چیخے گا اور تڑپے گا۔ پوچھا جائے گا کیا حال ہے؟ بیچارہ اپنی تکلیف اور اپنے دکھ کا حال بیان کرے گا، پھر پوچھا جائے گا کچھ یاد ہے کہ اس سے پہلی زندگی میں یعنی دنیا میں تو کیسے عیش و آرام سے رہا تھا، وہ بندہ غالباً قسم کھا کے کہے گا کہ خداوندا میں نے عیش و آرام کی کبھی صورت بھی نہیں دیکھی، میں تو بس اس تکلیف ہی کو جانتا ہوں جس میں اس وقت مبتلا ہوں۔ گویا دوزخ کی آگ کی صرف ہوا لگ جانے سے آدمی اس دنیا کی پوری زندگی کے عیش و راحت کو بالکل بھول جائے گا —— حضورؐ فرماتے ہیں کہ پھر ایک ایسے نیک بندہ کو بلایا جائے گا جو دنیا کی زندگی میں ہمیشہ تکلیف اور پریشانی ہی میں رہا تھا اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ جاؤ۔ ہمارے اس بندہ کو ذرا جنت کی ہوا کھلا لاؤ فرشتے اس حکم کی بھی تعمیل کریں گے اور اس کو جنت کی فضا میں سے گزار کر لے آئیں گے۔ بس جنت کی ہوا لگنے اور اس کی فضا میں سے صرف گزر جانے سے اس بندہ کو ایسا

چین وسکون اور ایسا عیش وسرور حاصل ہوگا کہ پہلی زندگی کی ساری عمر کی تکلیف بھول جائے گا اور جب اللہ تعالیٰ اس سے دریافت فرمائے گا کہ بندے کچھ یاد ہے کہ پہلی زندگی کیسی تکلیف سے گزری تھی تو وہ عرض کریگا کہ میرے پیارے پروردگار مجھے تو کسی تکلیف کی صورت دیکھنا بھی یاد نہیں "

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پورے بیان کا حاصل یہی ہے کہ آخرت کی تکلیفیں اور وہاں کا عذاب اتنا سخت ہے کہ اس کا ایک لمحہ اس دُنیا کے عمر بھر کے عیش کو بھلا دے گا۔ اور اسی طرح وہاں کا عیش و آرام اور وہاں کی لذتیں ایسی ہیں کہ انھیں صرف دیکھ کر بندہ ساری عمر کی تکلیفیں بھول جائے گا۔

اب میں کہتا ہوں کہ دوزخ اور جنت کے متعلق قرآن وحدیث کے ان بیانات پر الحمد للہ ہمارا ایمان ہے اور ہم آپ سب اس کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ سب حق ہے اور اس دنیا سے جانے کے بعد ہم یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ہمیں اس میں ذرہ برابر بھی شک شبہ نہیں ہے۔

میرے دینی بھائیو اور مخلص دوستو!

اب خدارا اپنی اور اپنے سب مسلمان بھائیوں کی اس حالت پر غور کرو کہ دنیا کی جن حقیقتوں کا اور یہاں کی جن تکلیفوں اور آراموں کا اور جن نفعوں اور نقصانوں کا ہمیں اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے علم ہوا ہے۔ ان کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ آگ جلا دیتی ہے تو اس علم کا ہم پر یہ اثر ہے کہ ہم بھول کے بھی آگ سے نہیں کھیلتے بلکہ جب کہیں آگ کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو اپنے جسم کو اور کپڑوں کو پوری طرح بچاتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اسی طرح ہم نے معتبر آدمیوں سے سُن رکھا ہے کہ زہر آدمی کو ہلاک کر ڈالتا ہے اور سانپ کے کاٹنے سے آدمی مرجاتا ہے تو کبھی ہم آزمائش کے خیال سے بھی زہر کھا کر دیکھنے کی یا سانپ کو ہاتھوں میں لے لینے کی جُرأت نہیں کرتے۔

اسی طرح ہم میں کے جو غریب یہ جانتے ہیں کہ وہ اگر آج محنت مزدوری نہیں کریں گے تو کل ان کے بچوں کو فاقہ ہو جائے گا وہ گھر میں نہیں بیٹھے رہتے بلکہ آج کل کی

دسمبر جنوری کی سخت کڑاکے کی سردی میں بھی اور جون کی جھلسا دینے والی لو میں بھی وہ بیچارے باہر گرم و سرد کی ... رہتے ہیں۔

اسی طرح ملازم پیشہ حضرات چونکہ جانتے ہیں کہ اگر ہم بروقت ڈیوٹی پر نہ پہونچیں گے تو ہم سے باز پرس ہوگی اور ہماری ملازمت خطرہ میں پڑ جائے گی اس لیے خواہ جی چاہے یا نہ چاہے بیچارے ڈیوٹی پر جانے اور وہاں کی مقررہ خدمت انجام دینے پر مجبور ہوتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ صرف اس لیے کہ اس دنیا کے نفع نقصان اور یہاں کے اپنے معاملات کے نتیجوں کا جو علم و یقین ہمیں اپنے ذریعوں سے حاصل ہوا ہے وہ ہم سے یہ سب کچھ کرا لیتا ہے

اب دیکھیے کہ آخرت کے نتائج کے بارہ میں جو باتیں ہمیں اللہ کی مقدس کتاب اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معلوم ہوئی ہیں اور جن پر ہم ایمان لائے ہیں اُن کے علم و یقین کا ہماری زندگی پر کتنا اثر ہے؟ —— میرے نزدیک یہ کوئی باریک علمی مسئلہ نہیں جس کا سمجھنا کسی کے لیے مشکل ہو، ہر شخص خود ہی سوچے کہ وہ دنیا کی آگ اور دنیا کے سانپوں بچھوؤں سے بچنے کی جتنی فکر کرتا ہے کیا آخرت کی دوزخ والی آگ اور دوزخ کے سانپوں بچھوؤں سے بچنے کی وہ اتنی فکر کر رہا ہے اور کیا یہاں کی بھوک پیاس سے اور یہاں کی تکلیفوں مصیبتوں سے بچنے کے لیے وہ جو محنت اور جیسی دوڑ دھوپ کرتا ہے کیا ویسی ہی وہ آخرت کی بھوک پیاس اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے لیے کر رہا ہے

اسی طرح ہر شخص سوچے کہ اس دنیا میں آرام اور عزت حاصل کرنے کے لیے اور ترقی کے بلند درجوں پر پہونچنے کے لیے وہ جیسی فکر اور جیسی جد و جہد کر رہا ہے کیا جنت کا عیش اور آخرت میں سرفرازی اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بھی وہ ویسی ہی فکر اور جد و جہد کر رہا ہے؟

میرا خیال ہے اور آپ سب کا بھی غالباً یہی خیال ہوگا کہ ہم میں اکثر کا بلکہ قریب قریب سب کا حال اس کے خلاف ہے ——

آخر ایسا کیوں ہو؟ ــــ اس وقت میری اس گفتگو کا خاص مقصد یہی ہے کہ میں آپ کو اس سوال کی طرف اور اس صورتِ حال کی طرف توجہ دلاؤں۔

دوستو یہ معمولی بات نہیں ہے یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے ــــ یہ وہ صورتِ حال ہے جو قرآن مجید نے ایمان نہ لانے والوں کی اور اللہ و رسولؐ کی باتوں کا یقین نہ کرنے والوں کی بتلائی ہے ــــ ایک جگہ ارشاد ہے۔ "کلا بل تحبون العاجلة وتذرون الآخرة"

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:۔

"ان ھؤلاء یحبون العاجلة ویذرون وراءھم یوماً ثقیلاً ٥ (یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کو دنیا کی تو چاہت ہے اور آخرت کے مسئلہ کو انھوں نے پس پشت ڈال رکھا ہے)

میرے بھائیو! میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدانخواستہ ہم سب ایمان سے خالی اور خدا اور رسولؐ کے منکر ہو چکے ہیں، بلکہ میں اپنے بشری علم کے مطابق بحمد اللہ شہادت دے سکتا ہوں کہ ہم آپ جو یہاں ہزاروں کی تعداد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اس طرح کے ہمارے وہ سب بھائی جو دنیا کے کسی علاقے میں بھی بس رہے ہیں الحمدللہ ہم سب کے دلوں میں ایمان موجود ہے اور ہم اللہ اور اللہ کے رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام باتوں اور ساری خبروں کو بالکل حق جانتے ہیں اور حق مانتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ہماری زندگی ایمان والی نہیں ہے، یا دوسرے لفظوں میں اسکو آپ یوں کہہ لیجیے کہ ہماری زندگی ہمارے ایمان سے مطابقت نہیں رکھتی ــــ

میں آپ کو بس اس سوال کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے؟

اس کی اصل وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ ہمارا آخرت والا یقین جو نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ ہمیں ملا تھا، وہ ہمارے دنیا والے اُن یقینوں کے مقابلہ میں کمزور ہو گیا ہے جو ہمیں اپنے مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے نیچے گویا دب کر بے اثر اور بے جان ہو گیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا والا یقین ہم

ہم سے اپنے سارے تقاضے پورے کرا لیتا ہے لیکن آخرت والا یقین ہم سے اپنے تقاضے اور اپنے مطالبے پورے کرانے سے عاجز رہتا ہے ــــ آپ اس کو واقعاتی مثالیں سامنے رکھ کر سمجھیے! مثلاً ایک شخص ہے اس کو اللہ و رسولؐ کے حکموں کے مطابق زکوٰۃ دینی چاہیے اب اپنے ذاتی علم و تجربے سے اُس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ جتنی رقم میں زکوٰۃ کی دوں گا میری دولت میں اتنی کمی ہو جائے گی اور اس طرح میرا مالی نقصان ہوگا، اور ایک دوسرا یقین یا عقیدہ اس کا یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ فرض ہے اس کا ادا نہ کرنا بہت بڑا جرم اور سخت ترین گناہ ہے جس کے نتیجہ میں آدمی کو دوزخ کا نہایت دردناک عذاب بھگتنا پڑے گا، اب ظاہر ہے کہ اگر دوسرا یقین پہلے یقین کے مقابلہ میں زیادہ طاقتور ہو اور اس سے دبا ہوا نہ ہو تو آدمی یقیناً زکوٰۃ ادا کرے گا، لیکن اگر یہ دوسرا یقین کمزور ہو اور پہلا والا یقین زیادہ طاقتور ہو تو پھر زکوٰۃ اس کی جیب سے نہیں نکلے گی۔

اسی طرح فرض کیجیے کہ ایک شخص حکومت کے کسی عہدہ پر ہے کسی معاملہ میں اس کو ایک ہزار روپیہ کی رشوت پیش کی جاتی ہے اب اپنے ذاتی مشاہدہ اور تجربے سے اس کو ایک یقین تو یہ ہے کہ یہ رقم اگر میں لے لوں گا تو اس سے میری دولت میں اضافہ ہوگا۔ میرے بہت سے کام نکلیں گے، اور دوسری طرف وہ بحیثیت مسلمان ہونے کے اس بات پر بھی یقین اور عقیدہ رکھتا ہے کہ رشوت حرام ہے اور اُس کے لینے والے پر خدا کی لعنت ہے، اور دوزخ میں اس کو اس کا سخت ترین عذاب بھگتنا ہوگا اب اگر وہ دوسرے یقین کو نظر انداز کر کے رشوت لے لیتا ہے تو اس کا سبب صرف یہی ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا یقین کمزور ہے اور پہلے یقین سے دبا ہوا ہے۔

الغرض ہماری زندگی میں جو یہ تضاد ہے کہ ہم عقیدہ کے لحاظ سے مسلمان ہیں اور ہماری غالب اکثریت کی عملی زندگی ایمان و اسلام کے تقاضوں کے بالکل خلاف ہے اس کی اصل وجہ اور علۃ العلل یہی ہے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت کے بارہ میں وہ یقین جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ہمیں ملا تھا۔ نہایت کمزور ہو گیا ہے اور

ہمارے دنیا والے وہ یقین جو ہمیں اور عام انسانوں کو اپنے مشاہدہ اور تجربہ وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں اُس پر پُوری طرح غالب آ گئے ہیں

صحابہ کرام کے حالات آپ نے سُنے ہوں گے اور آپ میں سے بہت سے حضرات نے کتابوں میں بھی پڑھے ہوں گے ان کی زندگی کا نقشہ ہمیں بالکل دوسرا نظر آتا ہو اُس کی اصل وجہ یہی ہو کہ اُن کا آخرت والا یقین اتنا جان دار اور طاقت ور تھا کہ ان کے مشاہدہ اور تجربہ والے اس دنیا کے یقینوں پر غالب تھا۔ ایک تابعی بزرگ غالباً سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہو کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کو دیکھا ہو، ان کا امتیاز یہ نہیں تھا کہ وہ نماز روزہ جیسی عبادات میں تم سے بہت بڑھے ہوئے تھے۔ آگے ان کے الفاظ ہیں " ولکنہ شئ وقر فی قلوبھم " یعنی اُن کا اصل امتیاز بس یہ تھا کہ ان کے دلوں میں اللہ اور آخرت کا یقین ایسا جما تھا کہ اُن کی پوری زندگی اور ان کا تمام ظاہر و باطن اس کے نیچے دبا ہوا تھا۔ ہمارے لیے جس طرح یہ مشکل ہو کہ ہم اپنے مشاہدہ اور تجربہ والے یقینوں اور اُن کے تقاضوں سے بے فکر اور بے پروا ہو کر زندگی گزاریں اسی طرح اُن کے لیے یہ مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا تھا کہ اللہ اور یوم آخرت والے یقین اور اُس کے مطالبات سے آزاد ہو کر کوئی قدم اٹھا سکیں۔

میرے دوستو اور دینی بھائیو!

اب ہمارے اور آپ کے سامنے دو راہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دین اور ایمان کے لحاظ سے اس وقت جو ہماری حالت ہو۔ ہم خدانخواستہ اس پر مطمئن ہوں اور اس میں تبدیلی کے لیے ہم میں کوئی بے چینی نہ ہو، اور دن اسی طرح گزرتے رہیں اور ہم اسی حال میں جیتے اور مرتے رہیں مجھے یقین ہو کہ سب تک ہمارے دلوں میں ایمان کا کوئی ذرہ ہو ہم اس راستہ کو شعوری طور پر ہرگز نہیں اپنا سکتے اور میں کہہ سکتا ہوں، کہ شاید آپ میں سے کوئی ایک بندہ بھی جان بوجھ کر اس کو پسند نہیں کرے گا۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ جس طرح ہم دُنیوی زندگی کے بگاڑ سے اور یہاں کی بیماریوں بربادیوں سے فکرمند ہوتے ہیں اور اُن سے نجات حاصل کرنے کے لیے جد و جہد کرتے ہیں اسی طرح ہم اپنے اس دینی بگاڑ اور اُخروی تباہی و بربادی سے فکرمند ہوں اور اپنی حالت کو درست کرنے کی اور اپنی زندگیوں کو ایمان والی زندگی بنانے کی جد و جہد کریں۔ ظاہر ہے کہ ہم میں سے

ہر ایک کا فیصلہ یہی ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ کام کس طرح ہو؟ یہ تو میں آپ حضرات سے تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ ہمارے اس سارے بگاڑ کی جڑ بنیاد یہ ہو کہ ہمارا ایمان والا یقین کمزور ہو گیا ہے اور دنیا والے ہمارے یقین اس پر غالب آ گئے ہیں، اس لیے اب ہمیں صرف اس کی جد و جہد کرنی ہو کہ ہمارے یقین کا کانٹا درست ہو جائے یعنی اس دنیا میں جو کچھ ہم اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے جانتے ہیں ہمیں اس پر بھی یقین ہو، لیکن اس سے بھی زیادہ گہرا اور پکا یقین ان باتوں پر ہو جو اللہ و رسولؐ کے بتلانے سے ہمیں معلوم ہوئی ہیں، بس یہ ہو ہمارا اصل مسئلہ!

اس کے بعد میں آپ سے صاف عرض کرتا ہوں کہ اگر ہماری تقریروں سے ہی یہ بات حاصل ہو سکتی تو مسئلہ بڑا آسان تھا آپ کو کچھ بھی کرنا نہ پڑتا، ساری محنت ہم کرتے یا تقریر کرنے والے دوسرے حضرات کے پاؤں پکڑتے اور اُن سے کہتے کہ اُمت میں ایمان والا یقین پھر سے پیدا کرنے کے لیے خوب تقریریں کیجیے اور اُس میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیے! اسی طرح میں صاف کہتا ہوں کہ اگر کوئی تعویذ کوئی وظیفہ کوئی جادو ایسا ہوتا کہ بس اُس سے کام چل جاتا جب بھی مسئلہ بڑا آسان ہوتا۔ لیکن ہمیں یقین ہو کہ کسی تعویذ اور وظیفہ سے بھی یہ کام بننے والا نہیں ہے ——

ایمان والے یقین کو بڑھانے کی اور دوسرے دُنیوی یقینوں پر اس کو غالب کرنے کی ہمیشہ سے ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی اپنے کو ایسے دینی اور ایمانی کاموں میں لگا دے جو ایمانی یقین کو بڑھانے والے ہوں اور اگر اس کا ماحول ایمان و یقین کے لیے سازگار نہیں ہے تو کم از کم کچھ عرصہ کے لیے کسی ایسے ماحول میں رہے جس میں ایمان و یقین کی ترقی کا سامان ہو۔ صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت والا ایمان آفریں ماحول نصیب تھا اور اُنھوں نے اپنے کو دین کے ان کاموں میں پوری طرح جھونک دیا تھا جو ایمان و یقین کو بڑھانے والے تھے اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ ان کا ایمانی یقین ان کے دوسرے تمام بشری معلومات پر غالب تھا پھر قرون اولیٰ کے بعد بزرگان دین یعنی صوفیائے کرام نے ایمان و یقین کی ترقی کے لیے جو راہ اختیار کی اُس میں بھی بنیادی چیز یہی تھی

ہمارا یہ دور جو ابھی گزر رہا ہے کا دور ہے اور ساتھ ہی دین کی طرف سے بے رغبتی اور آخرت کی طرف سے بے فکری کا دور ہے۔ اس دور میں اس مقصد کے لیے کسی ایسے طریقہ کار اور ایسی جد و جہد کی

ضرورت تھی جو عوامی بھی ہو اور بطالوں اور بھٹکے ہوؤں کو کھینچنے کا اس میں کچھ انتظام ہو ـــــ یہ تبلیغی جد و جہد جس کے سلسلہ میں یہ اجتماع یہاں تقریباً ہر سال ہوتا ہے در اصل اسی مقصد کی ایک عوامی کوشش ہے ـــــ آج صورت یہ ہے کہ ہمارے امیروں اور غریبوں کا ہمارے بڑوں اور چھوٹوں کا ہمارے پڑھوں اور بے پڑھوں کا سب کا ماحول غیر دینی ہے سوچیے ہمارا ماحول کیا ہے۔ ہمارا گھر، ہمارا محلہ، ہمارے اسکول، ہمارے کالج ہمارے دفتر، ہماری کچہریاں، ہمارے کارخانے، ہمارے کھیت کھلیان، ہمارے بازار اور ہماری منڈیاں سب کی زندگیاں بس انھیں ماحولوں میں گزر رہی ہیں، اور ہم آپ سب جانتے ہیں کہ یہ ساری چیزیں آج خدا اور آخرت کو یاد دلانے والی نہیں بلکہ بھلانے والی ہیں، اسی طرح آج ہمارے جو مشاغل ہیں اور ہمارے کھانے کمانے کے جو ذریعے ہیں وہ بھی ہمارے ایمان والے یقین کو غذا پہنچانے والے نہیں بلکہ دیمک کی طرح کھا کے اس کو کمزور کرنے والے ہیں، اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ ہماری زندگیوں کا پروگرام ایسا ہو کہ کچھ دنوں کے لیے ہم اپنے مشغلوں اور ماحولوں سے نکل کر جنھوں نے ہمارے ایمان و یقین کو کمزوری کی اس حد تک پہنچا دیا ہے کسی ایسے ماحول اور ایسے مشغلے اور ایسی فضا میں کچھ وقت گزارا کریں جو ایمان و یقین کے لیے سازگار اور اس کو غذا پہنچانے والی ہو، یہ تبلیغ کا کام اور اس کا خاص طریقہ اور نظام در اصل اسی کی عملی صورت ہے۔

میں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے آپ سب بھائیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں، آخر کب تک زندگی کی گاڑی غلط راستہ پر چلائی جائے گی اور کب تک ایمان کے دعووں کے ساتھ غیر ایمانی زندگی گزاری جائے گی ـــــ میں بغیر کسی تکلف اور حجاب کے کہتا ہوں کہ آپ میں سے جو حضرات ایسے مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں وہ اس مسئلہ پر پوری سنجیدگی سے غور کریں اور میرے جو بھائی ہم لوگوں پر اعتماد کر کے ہماری بات مان سکتے ہوں وہ اعتماد کر کے مانیں اور آگے بڑھیں، ہماری بات مان کر آپ کچھ کھوئیں گے نہیں بلکہ اپنے دین و ایمان کو درست کر لیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کی دنیا بھی درست کر دے گا اصحابِ کرام نے دین کو اصل مقصدِ زندگی بنا کر اس کی فکر کی تھی، اللہ تعالیٰ نے دنیا خود ان کے قدموں میں ڈال دی، وہی اللہ اب بھی ہے اور اس کا قانون اب بھی وہی ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین ○ وصلی اللہ وسلم علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ○

تعارف و تبصرہ

ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظرِ ثانی کی ضرورت

از، جناب آصف بن علی اصغر فیضی (سابق سفیر ہند برائے مصر)
ناشر: مکتبہ جامعہ ملیہ ، دہلی
صفحات ۲۲ ، قیمت ۸ آنے

یہ مقالہ دراصل انگریزی زبان میں، واشنگٹن (امریکہ) میں منعقد ہونے والی ایک کانفرنس (Islamic Studies Colloquium) کے لیے لکھا گیا تھا۔ اب مصنف نے اس کو، اردو میں ترجمہ کرا کے زیرِ تبصرہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہو۔

بڑی حد تک اصل مقالہ کا اور کسی حد تک ترجمہ کا سب سے پہلا قابل تنقید پہلو یہ ہے کہ عبارت کے الجھاؤ نیز مقالہ کی بے ربطی، خیالات کی بے ترتیبی اور غیر منطقی طرزِ بیان کے باعث پڑھنے والے کو سخت انقباض سے واسطہ پڑتا ہے اور مطالعہ ختم کرنے کے بعد اگر سوچئے کہ اس پورے مقالہ میں وہ مرکزی نقطہ کیا ہے جس پر پوری بحث مرکوز رہی ہو اور جس کو سامنے رکھ کر کوئی ایک منضبط بات حاصل بحث کے طور پر ذہن نشین ہو تو شاید ہر قاری کو اس تلاش میں ناکامی رہے گی۔

دو باتیں جو بالکل الگ الگ ہیں انھیں مقالہ نگار نے ایک ہی مقالہ میں گھسیٹ کر گڈمڈ کر دیا ہے۔ ان میں ایک تو یہ مسئلہ کہ جدید ہندوستان کے خاص حالات اور رجحانات اور اسلام کے موجودہ تصورات میں جو تصادم ہو رہا ہے وہ کیسے ختم کیا جائے؟ اور ایک مسئلہ یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے جو افراد اسلام کے موجودہ تصورات سے غیر مطمئن ہیں ان کی بے اطمینانی کو کیسے دور کیا جائے؟ —— ہر چند کہ دونوں مسئلوں کا حل مقالہ نگار کے نزدیک یہ ہے کہ اسلام پر نظرِ ثانی کی جائے، مگر اس سے دو جداگانہ ایک تو نہیں بن جاتے کہ انھیں ایک ہی مقالہ میں گھسیٹ لایا جائے —— یہ تو ہر مقالہ

کہ مذکورہ بالا عیب کا بنیادی سبب اور اس پر مستزاد یہ (جیساکہ ذکر کیا گیا) کہ مقالہ کے بعض اجزاء میں تو اپنے ماسبق کے ساتھ کوئی منطقی ربط اور تعلق پایا ہی نہیں جاتا بعض جگہ فی الواقع ربط موجود ہے، مگر بادی النظر میں نظر نہیں آتا۔ عبارت میں الگ۔ الجھاؤ اور اکھڑا پن ہے۔ بہت سے جملے اپنے ماقبل سے کوئی جوڑ نہیں کھاتے۔ جس کی بنا پر یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اگر مقالہ نگار دو مختلف موضوعوں کے بجائے ایک ہی موضوع تک مقالہ کو محدود رکھتے تب بھی کسی نہ کسی درجہ میں مذکورہ بالا عیب موجود ہی رہتا۔

بہرحال اب اس قصہ کو ختم کر کے صاحب مقالہ کے خیالات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

جیساکہ مقالہ کے عنوان سے اندازہ ہوگیا ہوگا، فیضی صاحب کا خیال یہ ہے کہ ہندوستان کے نئے حالات اور رجحانات کے پیش نظر اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت ہو! وہ کیا حالات اور رجحانات ہیں جن کی بنا پر نظر ثانی کی ضرورت ہے؟ اور کس پہلو سے نظر ثانی کی ضرورت ہے؟ ان سوالات کا جواب اُن کے یہاں کہیں نپے تلے اور واضح الفاظ میں تو ملتا نہیں کہ ان کی عبارت پیش کر دیجائے البتہ ہم نے کافی دردسری کے بعد جو کچھ سمجھا ہے وہ بڑی حد تک انہیں کے الفاظ میں یہ ہو کہ:۔

گو موجودہ جمہوری حکومت نے مسلمانوں کے شخصی معاملات میں ان کا مذہبی قانون برتا جانے کا سلسلہ پیشرو حکومت کی طرح فی الحال برقرار رکھا ہے مگر جدید قوانین نے اس کے حصار میں کچھ رخنے ڈالدیئے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک غیر جانبدار مبصر کو یہ صاف نظر آتا ہو کہ ہندوستان میں، اسلامی قانون کے تار و پود میں، شریعت پر قانون نے بھرپور حملہ کر دیا ہے۔ نیز زمانہ کی رفتار اور قانون سازی کے اس جدید اصول کے پیش نظر کہ "ہر شخص کے لیے ایک ہی قانون ہونا چاہیئے" یہ بات یقینی ہے کہ مستقبل میں ایسے تمام انفرادی اور شخصی قوانین جو قدیم معاشرتی اور سماجی اصولوں پر مبنی ہیں رفتہ رفتہ یا تو منسوخ ہو جائیں گے یا ان میں اتنی تبدیلی ہو جائے گی کہ قوانین کی ایک ایسی عام اسکیم کے ماتحت ہو جائیں جو بلا لحاظ اختلاف مذہب ہر شخص پر عائد ہو۔

یہ ہیں وہ حالات اور جدید ہندوستان کے رجحانات جن کی بنا پر فیضی صاحب ہندوستان میں مذہب اسلام پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ـــــ نظر ثانی وہ ایں معنیٰ چاہتے ہیں کہ

انسان کی انفرادی اور اجتماعی (دنیوی) زندگی کے معاملات میں شریعت کے منصوص احکام اور ان کی روشنی میں مرتب شدہ فقہ کو جو ابتک جزو مذہب سمجھا جاتا رہا ہے اس تصور کو ختم کرکے مذہب کے قانونی حصہ یعنی شریعت کو مذہب سے الگ کیا جائے اور اس میں ضروریات زمانہ اور عصری رجحانات کے مطابق ترمیم و تنسیخ کا حق مانا جائے۔ اور ایک مسلمان جو کسی غیر مذہبی اور جدید طرز کی حکومت میں رہتا ہو اسے جدید قوانین کی پیروی کی آزادی دی جائے خواہ وہ قانون مباحات شرعیہ کے ذیل میں آتا ہو یا نہ آتا ہو۔

اس نقطۂ نظر پر ہم بلا کسی برافروختگی اور جذباتیت کے یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اس میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔ ایسے حضرات جو صرف اس بنا پر کہ کسی ملک کی حکمراں اور قانون ساز طاقتیں اسلام کے کسی حصہ کو معطل کر رہی ہیں اور ان کے رجحانات مستقبل میں اس حصہ کے عملی نفاذ کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہنے دیں گے، یہ سوچتے اور مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ اتنے حصہ کے خارج از اسلام یا قابل تنسیخ و ترمیم ہونے کا خود ہی اعلان کر دیا جائے، ان کے لیے اس سے زیادہ معقول طریقہ کار یہ ہو کہ وہ اسلام سے اپنی وابستگی پر نظر ثانی کریں اور ضروری سمجھتے ہوں تو مسلمانوں کو بھی اس کا مشورہ دیں، بلکہ وہ لوگ بھی جو صرف حالات سے مجبور ہو کر اسلام کے کسی حصہ سے دستبردار ہونا نہیں چاہتے، بلکہ جدید افکار و رجحانات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اسلام کے کسی حصہ کو غیر معقول اور ناقابل تسلیم سمجھتے ہیں اور اس بنا پر اس میں ترمیم و تنسیخ کا عمل کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے بھی معقول طریقہ کار یہی ہے۔ الا یہ کہ یہ ثابت کیا جائے کہ وہ حصہ کتاب و سنت کے منصوصات یا ان کے مقتضیات میں سے نہیں ہو بلکہ اگلے لوگوں نے اپنی ضروریات اور اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق محض اپنے فہم و فکر سے کچھ چیزیں اختیار کی تھیں جنہیں بعد کے لوگوں نے غلطی سے جزو مذہب سمجھ لیا —— لیکن ہمارے مقالہ نگار نے اس مفروضہ کی کوئی تحقیق پیش نہیں کی ہے۔ رہا ان کا یہ خیال کہ

"یہ قوانین کا تبدیل، تبدیلی، شریعت اسلام کی بنیادی حقیقت کو متاثر نہیں پہونچا سکتی۔ اس مسئلہ کو صحیح طور پر بنظر تعمق دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ صرف اوپر کا چھلکا ہے جو اتر رہا ہے اور اندر کا پھل یعنی اسلام کا مرکزی نقطۂ نظر اسی طرح برقرار

رہ سکتا ہو کہ اس کی ہر عہد میں اور تہذیب کے ہر دور میں پھر سے تشریح کی جائے" (ص۲۵)

یہ بس ان کا خیال اور مجرد دعویٰ ہے جو اس نظر ثانی کی معقولیت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

علیٰ ہذا یہ کہنا بھی کہ :-

" موجودہ زمانہ میں یہ ہمارا کام ہے کہ اس بات کا تعین کریں کہ اسلام میں کون سے عناصر باقی رہنے والے اور کون سے تبدیلی کے قابل ہیں" (ص۲۵)

اپنے لیے ایک حق کا محض دعویٰ ہے جو بلا کسی واجب التسلیم سند کے ہرگز قابل تسلیم نہیں۔ صرف اس بات سے کہ ہندستان میں قانون سازی کا جدید رجحان شرعی قانون کے نفاذ کے لیے گنجائش نہیں چھوڑے گا کسی کو اسلام میں قطع و برید کا حق نہیں مل سکتا اور نہ اس کے لیے یہ بات کافی ہے کہ "علماء کی روایاتی شریعت موجودہ زمانے کے دماغوں کو مطمئن نہیں کرتی"۔

اب لیجئے دوسرے مسئلہ کو جس کو صاحب مقالہ نے اس مقالہ میں زیر بحث لاکر خلط مبحث کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ چونکہ علماء کی روایاتی شریعت موجودہ زمانے کے دماغوں کو مطمئن نہیں کرتی (ص۲۵) اور راسخ العقیدہ شارحین اسلام کے بنیادی عقائد کا جس شکل میں تعین کرتے ہیں وہ اس سے قطعاً غیر مطمئن ہیں (ص۱۹) اس لیے اسلام پر نظر ثانی ہونی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں ان کا خیال ہے کہ دین کے اصول اور عقاید اور شریعت کے مسائل، سب پر از سر نو غور ہونا چاہیئے اور پھر اسلام کی ایسی تشریح اور تشکیل ہونی چاہیئے جو ان لوگوں کی تسکین کا باعث ہو جن کا اعتقاد اسلام کے پرانے (اعتقادی اور عملی) ڈھانچہ پر نہیں رہا ہو —— انھوں نے صرف یہ مشورہ دینے، قابل نظر ثانی امور کی ایک عارضی فہرست پیش کرنے اور نظر ثانی کے لیے چند رہنما اصول (جن کے بیان میں منطقیت کا فقدان ہونے کی وجہ سے بعض جگہ ان کی اصولی حیثیت مبہم رہ گئی ہے) پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے خود کسی تشریح و تشکیل جدید کی کوشش نہیں کی ہے۔ لیکن کچھ تو اس فہرست سے اور کچھ اس جائزہ سے جو انھوں نے "ہندوستان میں موجودہ مذہبی فکر اور شرعی روایات" کا لیا ہے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نئی تشریح و تشکیل کا ڈھنگ کیا ہوگا۔ ماضی قریب اور حال کی جدت پسند اور آزاد مذہبی فکر کا جائزہ لیتے ہوئے انھوں نے مولانا آزاد اور ان کے پرائیویٹ سکریٹری

پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب کے طرزِ فکر کو بہت سراہا ہے۔ چنانچہ وہ مولانا آزاد کا ذکر کرکے لکھتے ہیں کہ

"اصول شریعت میں جدت کی تحریک کے لیڈر کی حیثیت سے آزاد کا کارنامہ مختصراً یہ ہے کہ وہ خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول پر کاربند ہیں اور مذہب، سیاست کے دلیلوں سے وہ سنی اور شیعہ کے اصول، جدید سائنس، دورِ جدید کے افکار اور گاندھیت کا فلسفہ کام میں لاکر اسلام کو بطور مذہب انسانیت کے اس شکل میں پیش کرتے ہیں جو زمانہ حال کے نوجوانوں کے لیے قابل قبول ہو، اس طرح ملک میں وہ سب سے ممتاز مذہبی رجحان کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن جیسا کہ اندیشہ کیا جا سکتا تھا روایاتی علماء ان کی قابلیت اور خلوص کا تو اعتراف کرتے ہیں مگر ان کے مذہبی نقطۂ نظر اور معقولیت کے معیار کو قبول کرنے کے لیے پورے طور پر تیار نہیں ہیں۔" (ص ۲۲ و ۲۳)

پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

"اسلام کے بنیادی اصولوں پر عہد حاضر کے مصنفین میں اجمل خاں کی حیثیت ایک آزاد مفکر کی ہے۔ وہ قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق مطالعہ کرنے کی اہمیت پر زور دیتے ہیں، اسلام کے پس منظر پر مورخانہ انداز سے نظر ڈالتے ہیں۔ قرآن کو سمجھ کر پیغمبر اسلام کی سوانح حیات کا خاکہ بناتے ہیں اور شروع سے آخر تک وہ اپنے نقطۂ نظر میں عہد جدید کے دوش بدوش، سائنٹفک اصول سے محتاط ہیں اور اسلام کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے بیسویں صدی کے عالم مشرقیات کی ناقدانہ صلاحیت کا اظہار کرتے ہیں۔ گو پرانے طرز کے علماء ان کے خیالات پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں، تاہم وہ عہد جدید کے افکار پر اپنا سکہ جما کر رہیں گے۔" (ص ۲۴)

مولانا آزاد کے خاص کارنامہ "اسلام کو مذہب انسانیت کی شکل میں پیش کرنے" سے بظاہر اشارہ ان کی تفسیر کے اس حصہ کی طرف ہو جس کی بدولت مذہب کے ہندوستانی دیا گاندھیائی تصور (وحدت ادیان) کو خود قرآن سے سند اور تائید حاصل ہوئی۔ اور اسی بنیاد پر ہم نے کہا تھا کہ مولانا آزاد کے[1]

---

[1] مولانا آزاد نے خود اس کا قصد کیا ہے یا نہیں اس بارہ میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنی مشکل ہے۔ مولانا موصوف کی بعض تحریروں اور ان کے طرز عمل نے اس معاملہ کو ابہام کی تاریکی میں ڈال دیا ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا فرض تھا اور ہے کہ وہ اس اہم مسئلہ کے بارہ میں کوئی واضح [illegible] (ن)

طرز فکر کو سراہنے سے خود مقالہ نگار کے طرز فکر کا اندازہ ہوتا ہے یعنی مقالہ نگار کے ذہن میں اسلام کا وہی تصور ہو جو تصور وحدت ادیان کے قائلین مذاہب کے متعلق عموماً رکھتے ہیں، پس ظاہر ہو کہ ان کے ذہن میں اسلام کی جدید تشریح و تشکیل کا کیا نقشہ ہو گا۔ علیٰ ہذا پروفیسر محمد اجمل خاں صاحب تو بہت کھلے ہوئے وحدت ادیان کے مبلغ ہیں۔ ان کی جن تین کتابوں کا تذکرہ فیضی صاحب نے اس مقالہ میں کیا ہو ان میں سے ایک کتاب (مختصر سیرت قرآنیہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھنے کا اتفاق ہمیں بھی ہوا ہے۔ اور اسی بنا پر ہمیں حیرت ہے کہ اجمل خاں صاحب کو مولانا آزاد کی صف میں کیسے رکھدیا گیا ہو! وہ عالم مشرقیات ہوں تو ہوں مگر نہ ان کا نقطۂ نظر (جیسا کہ وہ پیش کرتے ہیں) سائنٹفک نظر آتا ہے اور نہ ان کے طرز تحریر اور اندازِ استدلال سے "ناقدانہ صلاحیت" کا اظہار ہوتا ہے اُن کے اُن سائنٹفک (unscientific mind) انداز فکر اور غیر منطقی طرز استدلال کا تو یہ حال ہو کہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سورۂ علق کی ابتدائی پانچ آیتیں جو سب سے پہلے نازل ہوئیں ان میں سارا اسلام آگیا ہو یعنی اگر سلسلہ وحی بند ہو جاتا تو انسانیت کی ہدایت کے لیے جو حل ان میں پیش کیا گیا ہو وہ کافی تھا اور اس پر غزوہ اُحد میں نازل ہونے والی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ "أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ" انداز استدلال یہ ہے کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو اُن لوگوں کو زجر و توبیخ کی کوئی معقول وجہ نہیں ہو سکتی جو غزوہ اُحد میں "إن مات او قُتِلَ" کے وقوع کی صورت میں دین اسلام کو چھوڑ دیتے اس لیے کہ اگر اس وقت تک دین مکمل نہیں ہوا تھا تو لوگ اُسے ترک کر دینے میں معذور ہوتے لہٰذا ماننا چاہئیے کہ اصل دین پورا کا پورا پہلے ہی وحی میں آچکا تھا بعد کے عرصہ میں محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریحات فرماتے رہے۔ (ملاحظہ ہو "مختصر سیرت قرآنیہ" صفحہ ۲۲، ۳۲، ۶۴)

ذرا غور تو فرمائیے اس استدلال اور انداز بحث پر! کیا اس کی مضحکہ خیزی میں کچھ شبہ ہے؟[۵] — اس مبلغ فہم اور انداز فکر کے اصحاب کو بھی جو لوگ مفکرین اسلام کا درجہ دینے لگیں سمجھ میں نہیں آتا کہ اسلام کے بارے میں خود ان کے فہم و فکر کو کیا درجہ دیا جائے؟

---

[۵] اسی بنا پر ہم یہاں اس پر تنقید کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ویسے الفرقان جلد ۲۱ نمبر ۴ میں "مختصر سیرت قرآنیہ" پر تبصرہ کے ذیل میں اس استدلال کی مضحکہ خیزی کو ظاہر کیا جا چکا ہے۔ (ع، س)

بہرحال ـــــ بات میں بات نکل آئی، کہنا یہ تھا کہ اگر فیضی صاحب کے پیش نظر انھیں خطوط پر اسلام کی جدید تشریح و تشکیل ہے جن پر ابتدائی کام مولانا آزاد کر چکے ہیں اور جس کو اپنے طرز پر اجمل خاں صاحب آگے بڑھا رہے ہیں، تو یہ تشریح و تشکیل فی الواقع اس اسلام کی تو ہو گی نہیں جس کو قرآن نے پیش کیا ہے جس کی دعوت و تعلیم کے لیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے بلکہ اپنی طرف سے اس اسلام کے سر چپکائی ہوئی ایک چیز ہو گی۔ یا یوں کہیئے کہ تھوڑے سے اشتراک کے ساتھ اسلام سے مختلف ایک مستقل مذہب ہو گا۔ کسی چیز کی کوئی ایسی تشریح جس میں اس کی حقیقت اور ماہیت بدل جائے اور ایسی تشکیل جو اس کی ماہیت کے مزاج کے مطابق نہ ہو جدت پسندانہ تو کہلائی جا سکتی ہے لیکن حقیقت پسندانہ ہرگز نہیں کہلائی جا سکتی۔ یہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر ہم مولانا آزاد کو ان کے اس کارنامہ میں جسے فیضی صاحب ان کا کارنامہ قرار دے رہے ہیں اور پروفیسر اجمل خاں صاحب کو ان کی "مفکرانہ اور ناقدانہ" کاوشوں میں جدت پسند تو مان سکتے ہیں لیکن حقیقت پسند ماننے سے معذور ہیں۔

کسی چیز کی نئے زمانہ کے مطابق "نئی تشریح" کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ اسکی حقیقت کو اس زمانہ کی زبان اور مانوس الفاظ و عبارات میں بیان کیا جائے اور اسکی صحت و حقانیت پر زمانہ کے مناسب طرز استدلال اختیار کیا جائے۔

۲۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہو کہ اگر کسی زمانہ کا خاص ذہن اس کو اس کی نفس الامری حقیقت کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کرتا ہے تو اس کی اصل حقیقت بدل کر کچھ اور بنا دی جائے۔

پہلے معنیٰ میں تو نئی تشریح کی ضرورت یقیناً اسلام کو ہو اور باخبر علماء ہر زمانہ میں اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں لیکن دوسرے معنیٰ میں "نئی تشریح" درحقیقت تشریح نہیں بلکہ تحریف ہو جاتی ہو۔ علماء اگر مولانا آزاد کی پیش کردہ اسلام کی شکل (بشرطیکہ وہ ویسی ہی ہو جیسی فیضی صاحب اور ان کے ہم فکر اصحاب سمجھتے ہیں) کو قبول نہیں کرتے یا اجمل خاں صاحب کی تجدیدی کدوکاوش پر "ناک بھوں چڑھاتے ہیں" تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ یہاں اسلام کی واقعی حقیقت کی جدید تشریح سے زیادہ (ایک جگہ خفی اور دوسری جگہ جلی) تحریف پاتے ہیںؔ۔ اور ظاہر ہے کہ کوئی بھی دیانتدار اور حقیقت شناس

ؔ اور اجمل خاں صاحب کے خیالات پر "ناک بھوں چڑھانے" کی تو ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان کے افکار میں معقولیت اور منطق کی ضرورت سے زیادہ کمی کے باعث ایک سلجھے ہوئے ذہن کے آدمی کا انقباض طبعی ہے۔

آدمی اس معنیٰ میں کسی "نئی تشریح و تشکیل" کو نہ پسند کر سکتا ہو نہ قبول کر سکتا ہو۔

پس جو حضرات اپنے علم و مطالعہ کی بنا پر دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام جو اصول و عقائد اور احکام دیتا ہے ان میں سے بعض نظر ثانی اور ترمیم و تنسیخ کے محتاج ہیں۔ تو ان کے لیے بجائے اس کے کہ وہ ان چیزوں کو "روایاتی" اور کسی زمانہ کے لیے ناقابل قبول کہہ کر ان پر نظر ثانی شروع کریں، دیانتدارانہ راستہ یہ ہے کہ وہ اسلام کو خیرباد کہدیں۔ ہاں اسلام کے عقائد و احکام سے متعلق جو تفصیلات اور تفریعات منصوص نہیں بلکہ متکلمین و مجتہدین کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں (اور اس لیے سلف سے ان میں اختلاف رائے چلا آرہا ہے) ان پر بے شک ہر زمانہ میں غور و فکر ہو سکتا ہے لیکن کتاب و سنت کو اصل سند اور دین کا اصل ماخذ مان کر ---- مگر معلوم یہ ہوتا ہو کہ فیضی صاحب کو یہ بنیادی اصول ہی تسلیم نہیں ہے کہ دین میں نفیاً و اثباتاً کچھ کہنے کے لیے کتاب و سنت کی سند ضروری ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ "روایاتی علماء" کے سلف سے خلف تک کے اس مسلمہ بنیادی اصول کی غلطی واضح فرمائیں ورنہ اس بنیادی اختلاف کی موجودگی میں کوئی گفتگو نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔

حرف آخر ـ اس رسالہ میں "اسلام پر نظر ثانی" کی جو تجویز پیش کی گئی ہے اس کو قابل اعتناء سمجھا جائے یا نہ سمجھا جائے۔ البتہ اس کی ضرورت کو ظاہر کرنے کے لیے ہندوستان کے حالات کی جو رفتار اور یہاں کی قانون ساز طاقتوں کے جو رجحانات صاحب مقالہ نے بیان کیے ہیں وہ یقیناً قابل اعتنا ہیں۔ کیونکہ ان کے بیان کی حیثیت "شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا" کی ہے۔ ہمیں ماننا چاہیئے کہ جدید ہندوستان کی تعمیر کا کام جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے ان کی عملی سرگرمیوں کا رخ اور ان کا ذہنی رجحان بے شک یہی ہے جس کی گواہی حرم قیادت کے ایک رازداں نے ہمارے سامنے دی ہے اور اس رجحان کے زیر اثر (صاحب مقالہ کے بیان کے مطابق) "ہندوستان میں قانون نے (مسلم پرسنل لا کے تار و پود میں) شریعت پر بھرپور حملہ کر دیا ہے اور کرتا رہیگا"۔ اور اس کو مان لینے کے بعد ان تمام سوچنے سمجھنے والے مسلمانوں کو جو "مذہب اور قانون کی علیحدگی" کے اصول کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو، پہلی فرصت میں اس پر غور کرنے کی ضرورت ہو کہ اس صورت حال کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔

اس مقالہ کا یہی ایک پہلو ہماری نظر میں بہت قابل قدر ہو کہ صاحب مقالہ نے مسلمانان ہند کو ایک بہت قریبی خطرہ سے بہت واضح الفاظ میں خبردار کر دیا ہے۔ (ع، س)

انتخاب

اسلامی حکومت غیروں کی نظر میں

بمبئی۔ ۱۲ ربیع الاول کو سنان تالاب پر سیرت نبوی کا جو جلسہ منعقد ہوا اس میں عباس رضوی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ آج سیکولر اسٹیٹ کی جو بنیاد ڈالی گئی ہے وہ در اصل کوئی نئی بات نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلعم نے یہ بنیاد ڈالی تھی۔ بمبئی کے مشہور پادری فادر ولیم نے اپنی تقریر میں اپنے پیش رَو کے اس قول کی تردید کی کہ رسولؐ خدا پہلے شخص ہیں جنھوں نے سیکولر اسٹیٹ کی بنیاد ڈالی تھی انھوں نے کہا یہ غلط ہے اور سچ یہ ہے کہ انھوں نے خالص اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی تھی۔ جسمیں ہر ملت و مذہب کے افراد کی جان و مال و عزت کے تحفظ کی ضمانت تھی ...... میں بحیثیت ایک مسیحی کے ایسی اسلامی حکومت پر فخر کرتا ہوں .... قصاص تک میں سب کو ایک نظر سے دیکھا گیا۔ اور اگر کسی مسلم نے غیر مسلم کو قتل کر دیا تو اُسے بھی قصاص میں قتل کیا گیا انگریزوں نے یہاں دو سو سال حکومت کی مگر بتائیے کہ کس انگریز کو کسی ہندوستانی کے قصاص میں قتل کیا گیا! یہ کارنامہ اسلامی ہی حکومت کا تھا کہ اُس نے بُرائی کے روکنے میں اُونچ نیچ کا کوئی خیال نہیں کیا"

تثلیث کے آغوش میں آنکھ کھولنے والے کی زبان سے کلمۂ حق سُن کر شاید کہ فرزند توحید کو کچھ غیرت آئی ہو۔ آنحضورؐ کے لیے زبان سے یہ نکلنا کہ آپ نے "سیکولر" حکومت قائم کی تھی جس قدر تکلیف دہ ہے اسی قدر مضحکہ خیز بھی ہے اگر اسلامی اسٹیٹ بھی سیکولر تھی تو دینی حکومت دنیا کے پردہ میں آخر کہاں تھی؟

انگریزی حکومت کے "برکات، فضائل و مناقب" کی داستان ابھی بھولی نہ ہوگی۔ اچھے اچھے سنجیدہ و صاحب علم مذہبی۔ رہنما و پیشوا اسی داستان سرائی میں لگے رہتے تھے۔ اب نوبت "سیکولر حکومت" کی آئی ہے، کیسے کیسے قصیدے اس کی شان میں نکل رہے ہیں!

(صدق)

ہانگ کانگ (چین) کا چھپا ہوا

قرآن مجید مترجم و محشی

از حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اسیر مالٹا دیوبندی

زبدۃ المفسرین حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی

اس قرآن مجید کے متعلق علماء کی متفقہ رائے ہے کہ اس کا ترجمہ لفظ بلفظ صحیح اور سادہ ہے تفسیر محققانہ دلنشین اور عام فہم ہے۔ اس قرآن مجید کے ترجمہ اور تفسیر کی حقیقت مروجہ تراجم اور تفاسیر کے مقابلہ میں ستاروں میں درخشاں چاند جیسی ہے۔

۱۹۲۵ء سے ابتک ہزاروں کی تعداد میں شایع ہو چکا ہے۔ زمین، متن، ترجمہ سب بلاکوں کے ذریعہ ہلکے نیلے رنگ میں چھاپا گیا ہے۔ کاغذ اتنا اعلیٰ کہ جس کا ہندوستان میں تصور بھی مشکل بہترین آئیل کلاتھ کی جلد جس پر سنہری ڈائی سے طباعت ــــ پورا قرآن شریف ہانگ کانگ (چین) میں چھپا ہے۔

قیمت مجلد صرف بیس روپے (۲۰)

مثالی حکمراں

از مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی

اسلام میں حاکم و محکوم کی کیا حیثیت ہے؟ اسلامی ریاست کا صدر کیسا ہوتا ہے؟ رعایا کے حقوق اسلامی مملکت میں کیا ہوتے ہیں؟ یہ اور اسی قسم کے دوسرے تمام سوالات کے جواب آپ کو مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کی اس کتاب میں، اسلامی حکومت کے صحیح اور مستند تاریخی واقعات کی صورت میں ملیں گے۔

مجلد دیدہ زیب سرورق ـــــــ قیمت صرف عہر

Regd No (A-353)

اسلام کیا ہے

تالیف مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنو

مصنف نے ہندوستان و پاکستان کے مسلمانوں کی دینی ضرورت اور خاص وقتی تقاضوں کو سامنے رکھ کر توجہ اور محنت سے یہ کتاب لکھی ہے، اسلامی تعلیمات پر ایسی مفید اور جامع کتاب اردو زبان میں کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے، اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کیلئے ہی نہیں، بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لیے بھی اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ان شاء اللہ کافی ہو، اسلام کی ضروری تعلیمات کو بیس سبقوں کی شکل میں مرتب کر کے اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے، ہر سبق اپنے موضوع پر ایک مستقل مضمون اور موثر خطبہ ہے، زبان کو آسان بنانے کی خاص کوشش کی گئی ہے تاکہ بے پڑھے لوگ اور کم عمر بچے بھی آسانی سے سمجھ سکیں، خود پڑھ کر ایمان تازہ کیجیے، بیوی بچوں کو پڑھا کر انھیں پکا اور کامل مسلمان بنائیے، مسجدوں اور مجمعوں میں سنا کر تبلیغ کا حق ادا کیجیے، اور مسلمانوں میں ایمانی روح اور دینی زندگی پیدا کرنے کا بے انتہا ثواب حاصل کیجیے، اور اگر آپ کو کوئی غیر مسلم دوست اسلام کو جاننا اور سمجھنا چاہے تو اس کے ہاتھ میں بھی بے تکلف یہی کتاب دیجئے...... کاغذ طباعت اعلیٰ....

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان، گوئن روڈ لکھنو

قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنے

الفرقان
لکھنؤ
ماہنامہ
ہماری دعوت

شرح چندہ

ہندستان میں سالانہ عہ

پاکستان میں سالانہ ...

ششماہی (ہر دو) ...

جلد ۲۲ | بابت ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۷۵ھ مطابق فروری ۱۹۵۶ء | شمارہ ۶

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی۔ پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۰ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۰ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں، اگلے رسالے کے ساتھ دوبارہ بھیج دیا جائے گا۔

مقام اشاعت — دفتر الفرقان۔ باغ گونگے نواب۔ امین آباد۔ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

گذشتہ اشاعت میں ایک افسوسناک واقعہ کے سلسلے میں ایسے واقعات کے مستقل سدباب اور حقیقی علاج کے متعلق عرض کیا گیا تھا کہ یہ چیز خود ہم مسلمانوں پر موقوف ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ایمان باللہ اور اسلامی طریق عبادات کے ساتھ ساتھ اس مکمل اسلامی زندگی کو اپنائیں جو قلوب کی تسخیر میں اکسیر ہے۔ اور جسے ہمارے اخلاق و معاملات میں (وسیع معنیٰ میں) دیکھنے کے بعد اس ملک کی عام غیر مسلم آبادی اُس ذات کے آگے سرِ عقیدت جھکانے پر مجبور ہوگی جس کی طرف ہم اس زندگی اور ان اخلاق و معاملات کی تعلیم کو منسوب کریں گے (یعنی ــــ اَبی و اُمّی ــــ محمد عربی علیہ الصلوٰت والتسلیمات)

یہ چیز نظر و استدلال کی راہ سے بھی حرف بحرف سمجھ میں آنے والی ہے اور تجربات جو ایسے امور میں اصل اطمینان بخش ذریعہ ہیں اُن کی بھی پوری تائید و تصدیق اس دعوے کو حاصل ہے۔ اس لیے واقعہ تو یہ ہے کہ اس زندگی کو اپنانا اگر کسی کے نزدیک کسی اور وجہ سے ضروری نہ بھی ہو تب بھی صرف انسانیت کے محسنِ اعظم اور اپنے "مولائے کل" صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر اس کو اپنانا اور اپنی زندگی کو حتی المقدور اس کا نمونہ بنانا ہم میں سے ہر اُس شخص کا فرض ہوجاتا ہے جو آپ کے ناموس کا مستقل تحفظ چاہتا ہے۔

لیکن جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، اپنی زندگی کو، اسلامی تعلیمات کے مطابق بناکر "اسلامی زندگی" بنانا ہمارے لیے یوں بھی ضروری ہے ــــ جس طرح ہم اپنے مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت و بندگی کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طرز بندگی کو اختیار کیا جائے۔ اسی طرح مسلمان ہونے کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ ہم پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طرزِ زندگی کو اختیار کریں۔ اس میں کوتاہی اور اس سے لاپرواہی کرکے نہ صرف یہ کہ ہم آج کے ایک اہم مسئلہ کے قطعی حل سے لاپرواہی کریں گے بلکہ اسلام کا کلمہ پڑھ کر اپنے جینے جی تک کے لیے جو ذمہ داری ہم نے اپنے سر لی ہے اُس سے لاپرواہی کے مرتکب ہوں گے۔

اسلام کا کلمہ پڑھنا، دراصل دُنیا میں ایک اہم منصب سنبھالنا ہے۔ اور اس منصب کے تحت جو عظیم ذمہ داری ایک مسلمان پر عائد ہوتی ہے اُس سے عہدہ برآ ہونا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اپنی پوری زندگی کو اسلامی تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال کر ان تعلیمات کا ایک جیتا جاگتا نمونہ نہ بنا دیا جائے۔

اسلام کا کلمہ پڑھ کر اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طوق غلامی گلے میں ڈال کر انسان جس منصب سے سرفراز ہوتا ہے وہ ہے عالم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کا منصب! جس کے لیے قرآن کریم نے اُمت مسلمہ کے

سابقین اولین سے خطاب کرتے ہوئے "اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" کی تعبیر اختیار فرمائی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

عالم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے منصب کا ایک تقاضہ تو یہ ہے جس کو اسی آیت کے اگلے حصہ میں تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر" کے الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، نجات کا صحیح راستہ بتانا اور راستہ کھوٹا کر دینے والی چیزوں سے خبردار کرنا ــــ دوسرا تقاضہ یہ ہے کہ جس راستہ کی طرف رہنمائی کی جارہی ہے اور اس پر چلنے کی دعوت دی جارہی ہے، رہنمائی کرنے والا اسکے حق ہونے اور خود اسکو حق سمجھنے کی پرزور شہادت بھی دے۔ جس سے راہرو کے دل میں آنے والے فطری شکوک و وساوس دور ہو سکیں۔ اور تیسرا تقاضہ یہ ہے کہ خود اس راہ پر سب سے آگے آگے چلا جائے! یہ اس راہ کے حق ہونے اور اسکو حق سمجھنے کی عملی شہادت ہوگی جس کے بعد کسی راہرو کے لیے کسی شبہ اور کسی وسوسہ کا کوئی عذر باقی نہ رہے گا۔ اور عام انسانی طبیعت کے مطابق کاروانِ انسانیت کا بہت بڑا حصہ اسی راہِ نجات، راہِ فلاح اور راہِ حق پر گامزن ہو جائے گا ــــ ان تینوں تقاضوں اور اُمتِ مسلمہ کی ان تینوں منصبی ذمہ داریوں کے بیان کے لیے قرآن مجید نے "لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ" کی انتہائی جامع اور بلیغ تعبیر اختیار فرمائی ہے۔ اور کئی جگہ انھیں الفاظ میں ان ذمہ داریوں کو یاد دلایا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (رع ۱۷)

اور اسی طرح ہم نے بنایا ہے تم کو ایک ہر جہت کامل و متوازن امت تاکہ تم ہو گواہ لوگوں پر۔

سورۂ حج میں ارشاد ہے۔

هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (رع ۱۰)

اُسنے چنا ہے تمکو ــ اور نہیں رکھی تمہارے لیے دین میں کوئی دقت (دینی پرانا) طریقہ تمہارے باپ ابراہیم کا! اور اسی کا رکھا ہوا نام ہے تمہارا "مسلم" پہلے بھی اور اس کتاب میں بھی! ــ اس غرض سے کہ ہو وے رسول شہادت دینے والا (دین حق کی) تم پر اور تم گواہ بنو باقی تمام لوگوں پر۔

اس شہادت علی الناس میں وہ تینوں چیزیں داخل ہیں جن کو اوپر بیان کیا گیا۔ اولاً تو اس لیے کہ جس منصب کے تحت یہ (شہادت علی الناس کی) ذمہ داری عائد کی گئی ہے اس کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا جب تک کہ یہ تینوں کام نہ کیے جائیں۔ ہدایت و رہنمائی کا کوئی منصب دار اگر سرے سے راہ بتلاتا ہی نہیں، اور غلط روی پر ٹوکتا ہی نہیں تب تو ظاہر ہے کہ وہ اس منصب کا ادنیٰ حق بھی ادا نہیں کرتا۔ اور اگر صرف ضابطہ کی رہنمائی پر اکتفا کرتا ہے، اس راہ کے راہِ حق اور راہِ نجات ہونے اور خود اس کو ایسا سمجھنے کی مسلسل اور پرزور شہادت دے کر لوگوں کو اس راہ پر چلنے کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش نہیں کرتا تب بھی وہ اپنے منصب کا حق ادا کرنے میں قاصر ضرور سمجھا جائے گا۔ اور اگر

زبانی شہادت تو دیتا ہو، مگر خود اس راہ پر چل کر اس کے حق ہونے اور اسکو حق سمجھنے کی عملی شہادت نہیں فراہم کرتا تو وہ ـــــ نہ صرف یہ کہ قول کے خلاف عمل کا مجرم ہوتا ہے بلکہ ـــــ اپنے عمل سے گویا خود اپنی شہادت کی تکذیب کرتا ہے۔ اور ثانیاً اس لیے بھی یہ تینوں باتیں "شہادت علی الناس" کے مفہوم میں داخل ہونا ضروری ہیں کہ (جیسا کہ آیات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے) یہ دراصل منصب رسالت کی ذمہ داری تھی جو ختم رسالت کے بعد ختم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر عائد کردی گئی ہو۔ پس جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے "شہیداً عَلیکم" ہونے کا مطلب یہ ہو (اور یقیناً یہی ہو) کہ آپ نے راہِ حق اور راہِ نجات ـــــ اسلام کی طرف بلانے اور اس کے راہِ حق اور راہِ نجات ہونے کی پرزور شہادت دینے کے ساتھ ساتھ، خود اس راہ پر سب سے آگے آگے چل کر اور اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کا مرقع اور "اسوۂ حسنہ" بنا کر عمل کی رب سے زیادہ مؤثر اور سب سے زیادہ طاقتور، شہادت فراہم کی۔ اسی طرح آپ کے امتیوں کے "شُہَداءَ عَلَی النَّاس" ہونے کا مطلب بھی یقیناً یہی ہو کہ وہ عالم انسانی کو (اپنی پہونچ کی حد تک) دینِ حق کی طرف بلائیں بھی، اس کی حقانیت کا یقین بھی دلوں میں بٹھائیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ خود کو اسلامی تعلیمات کا ایک زندہ نمونہ بنا کر بھی دکھائیں! "شہادت علی الناس" کا حق اسی آخری چیز سے ادا ہوتا ہے اور آج ہندستان کے مسلمانوں کی یہی سب سے پہلی اور سب سے بڑی ضرورت ہے۔ فهل من مدکر؟

ایک اچھا علمی و دینی تحفہ

گذشتہ ماہ کی ۵ تاریخ کو ماہنامہ "صبح صادق" (لکھنؤ) نے علمی و دینی حلقوں کے لیے ایک قابل قدر اور بیش بہا تحفہ پیش کیا ہو۔ یہ ہے معاصر کا "قرآن نمبر" جس کے لکھنے والوں میں ادارۂ صبح صادق کے علاوہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (پروفیسر جامعہ عثمانیہ دکن)، مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی ایڈیٹر معارف (اعظم گڈھ)، اور مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی، جیسے مشہور اہلِ علم و قلم شامل ہیں ـــــ مجموعی حیثیت سے یہ ادارۂ صبح صادق کی کی ایک کامیاب اور مفید پیش کش ہو۔ اور امید ہے کہ علمی و دینی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

شائقین اس پتہ سے طلب فرمائیں:۔ دفتر ماہنامۂ صبح صادق، مکارم نگر، لکھنؤ

کشمیری ناظرین توجہ فرمائیں!

ماہ رواں کی یکم تاریخ کو ایک منی آرڈر وصول ہوا ہو جس کے بھیجنے والے ہیں پیر غلام مصطفےٰ صاحب، پتہ کوپن کی پشت پر لکھا ہوا تھا جو کوپن الگ کرنے میں پھٹ گیا ہو۔ صرف "براستہ گاندربل، کشمیر" رہ گیا ہے ـــــ اگر یہ سطریں پیر غلام مصطفےٰ صاحب کی نظر سے گذریں تو وہ اپنے پورے پتہ سے مطلع فرمائیں ـــــ منیجر

عِبادتِ نبوی

از محمد منظور نعمانی

[ذیل کا مقالہ ماہنامہ "فاران" کراچی کے سیرت نمبر کے لیے لکھا گیا تھا۔ اب یہ ہدیۂ ناظرین الفرقان کیا جارہا ہے۔ فاران کے نمبر کے لیے "ناسازیٔ طبع کی بنا پر" اس مقالہ کی تکمیل نہیں کی جاسکی تھی، بلکہ صرف اتنا ہی لکھا جاسکا تھا۔ جتنا اس قسط میں دیا جارہا ہے۔ اگر توفیق و فرصت میسر آئی تو الفرقان میں اس کی تکمیل کردی جائے گی]

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَقِنِيْ شَرَّ نَفْسِيْ

ناظرین کو جیسا کہ عنوان سے معلوم ہو چکا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "عبادت" پر لکھنا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے عبادت کی حقیقت کے متعلق کچھ عرض کرنا ضروری ہے "عبادت" کا اصل مادہ (ع ب د) ہے اور اصل عربی زبان میں اس کے معنی تذلل، انقیاد و اطاعت اور غلامی کے ہیں۔

لیکن جو عبادت دین کی ایک خاص اصطلاح ہے اور جس معنی میں عبادت نبوی اس مقالہ کا عنوان ہے۔ اس سے مراد وہ مخصوص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہوتے ہیں جو کسی ہستی کو انتہائی مقدس اور بالاتر اور کن فیکونی اختیار و تصرف کا مالک سمجھ کر اسکی رضا اور عنایت حاصل کرنے کے لیے کیے جاتے ہیں جن کا کرنے والا ان کے ذریعہ اپنے اس معبود کی انتہائی عظمت و قدوسیت اور اس کے حضور میں اپنے عبدیت اور اپنے عجز و تذلل کا مظاہرہ کرتا ہے۔

اہل علم اس حقیقت کو خوب جانتے ہیں کہ بہت سی اصطلاحات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کا مفہوم عام طور سے صحیح سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ان کی منضبط اور جامع مانع تعریف مشکل ہوتی ہے۔ "عبادت" بھی ان ہی دینی اصطلاحات میں سے ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ عام اہل علم بلکہ بہت سے عوام بھی

عبادت کا مطلب صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اپنی بول چال میں اس کو صحیح معنی ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اسکی منضبط اور جامع مانع تعریف تلاش کرنے والے کو کتابوں میں بھی مشکل سے ملتی ہے۔ بہت عرصہ ہوا حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے سنا تھا کہ عبادت کی جیسی منضبط اور منقح تعریف حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے ایسی کسی اور مصنف کی کتاب میں نظر سے نہیں گزری۔ کچھ دن ہوئے اس عاجز کو اس کی ضرورت پیش آئی کہ عبادت کی منضبط اور جامع مانع تعریف معلوم کی جائے۔ اپنی دسترس کی حد تک بہت سی کتابوں کی ورق گردانی کی۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ حجۃ اللہ البالغہ کے باب "حقیقۃ الشرک" میں حضرت شاہ صاحبؒ نے جو کچھ اس سلسلہ میں حوالہ قلم فرمایا ہے۔ اس عاجز نے بھی اسی کو سب سے زیادہ منقح اور منضبط پایا۔ اوپر کی سطروں میں عبادت کے اصطلاحی مفہوم کی وضاحت میں جو کچھ لکھا گیا ہے سو گویا حضرت شاہ صاحب ہی کے بیان کی ترجمانی یا تلخیص ہے۔

الغرض عبادت سے مراد وہی خاص تعظیمی اور تعبدی اعمال ہیں جن کو ہمارے عرف عام میں "عبادت" کہا اور سمجھا جاتا ہے اور جن کے ذریعہ عابد اپنے معبود کے سامنے اپنی عبدیت اور بندگی کا مظاہرہ کرتا ہے، تاکہ اس کی رضا وعنایت اور اُس کا قرب اُس کو حاصل ہو۔

البتہ جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے، عبادت کے معنی مطلق انقیاد واطاعت اور غلامی کے بھی ہیں۔ اور اس لحاظ سے جو کام بھی اللہ کے حکم کی تعمیل میں اور اس کی رضا جوئی اور اُخروی ثواب کی خاطر کیا جائے۔ اس کو اللہ کی عبادت کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ مذکورۂ بالا اصطلاحی معنی کے لحاظ سے وہ عبادت نہ ہو۔ لیکن یہ لفظِ عبادت کا دوسرا اطلاق اور دوسرا استعمال ہے اور دونوں کو ایک سمجھ لینا یا دونوں کے فرق کو نظر انداز کر دینا بھاری غلطی ہے۔ جس سے بہت سی غلطیاں بلکہ گمراہیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں!

ان دونوں میں ایک واضح اور عام فہم فرق یہ بھی ہے کہ فرمانبرداری اور اطاعت اللہ کے حکم کے تحت دوسروں کی بھی ہو سکتی ہے، بلکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اُولو الامر کی اطاعت کا خود اللہ کی طرف سے حکم ہے۔ اسی طرح اولاد کو ماں باپ کی فرمانبرداری کا اور بیوی کو شوہر کی اطاعت وتابعداری کا حکم ہے۔ لیکن عبادت کی جو اصطلاحی حقیقت اوپر بیان کی گئی ہے اور عرف میں جس کو عبادت کہا جاتا ہے۔ وہ کسی حال میں اور کسی نیت اور کسی تاویل سے بھی اللہ کے سوا کسی

کے لیے نہیں کی جاسکتی۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص اللہ کا حکم یا اس کے قرب کا وسیلہ سمجھ کر بھی غیر اللہ کی عبادت کرے (اگرچہ وہ غیر اللہ نبی و رسول ہی کیوں نہ ہوں) وہ بلاشبہ مشرک ہوگا!

اصطلاحی عبادت کی حقیقت اور عبادت و اطاعت کے فرق کو سمجھنے کے لیے اس پر بھی غور کیجیے کہ انسان کے تعلقات اور معاملات کی مختلف نوعیتیں ہیں۔ ایک تعلق وہ ہے جو اولاد کو مثلاً ماں باپ سے یا ماں باپ کو اولاد سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو بھائی سے یا ایک عزیز سے دوسرے عزیز کو ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو بیوی کو شوہر سے یا شوہر کو بیوی سے ہوتا ہے۔ ایک تعلق وہ ہے جو محکوم کو حاکم سے یا رعیت کو راعی سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک تعلق وہ ہے جو کسی قوم کے عوام کو اپنے محبوب لیڈروں سے یا کسی مخلص مرید کو اپنے دینی محسن اور مربی یعنی اپنے شیخ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک تعلق وہ ہے جو ایک امتی کو اپنے نبی سے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب تعلق بھی ایک درجہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان میں سے بعض بعض سے اہم اور اعلیٰ ہیں۔ لیکن ان سب سے اعلیٰ و بالا تعلق وہ ہے جو عبد یا عابد کو اپنے الٰہ اور معبود سے ہوتا ہے اور یہ دراصل خالص قلبی اور روحی تعلق ہوتا ہے۔ (اور عبدیت اسی تعلق کا عنوان ہے) پس عابد اپنے اس تعلق کو اپنے معبود کے حضور میں جن تعظیمی اور تعبدی اعمال سے ظاہر کرتا ہے۔ ان ہی کو "عبادت" کہا جاتا ہے۔ اور انسان کے تمام اعمال میں عبادت اسی لیے اعلیٰ اور اشرف ہے کہ اس کے ذریعہ دل اور روح کے مقدس ترین تعلق (عبدیت) کو ظاہر کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ خصوصیت اطاعت و فرمانبرداری کو یا کسی دوسرے عمل کو حاصل نہیں ہے!

عبادت کا اسی طرح کا ایک دوسرا امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کے علاوہ جو دوسرے اعمال بر و نیکی اور ثواب کے کام ہیں، مثلاً اخلاق حسنہ اور معاشرت معاملہ یا مثلاً نبوت کی نیابت اور دین کی نصرت کے سلسلہ کے کام دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔ اگرچہ یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کے اوامر ہیں اور اپنے اپنے درجہ میں ان سب کی بڑی اہمیت ہے۔ لیکن ان سب میں یہ بات مشترک ہے کہ ان کے عمل کے وقت بندہ کا رخ غیر اللہ کی طرف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ بس اتنا ہی تعلق ہوتا ہے کہ با توفیق بندہ ان کاموں کو بھی اللہ کے حکم سے اور اسی کی رضا جوئی میں کرتا ہے۔ لیکن عبادت میں بندہ کے ظاہر و باطن کا رخ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہی

ہوتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ اور کسی حیثیت سے بھی کسی کی کوئی شرکت نہیں ہوتی!

عبادت کی حقیقت اور اس کے امتیاز کو سمجھنے کے لیے اس کے موضوع و مقصد پر بھی غور کر لینا چاہیئے۔

عبادت کا موضوع و مقصد

انسان اس دنیا میں دو مختلف حیثیتوں کا حامل ہے ایک حیثیت اس کی یہ ہے کہ دوسرے حیوانوں کی طرح اس کے ساتھ بھی حیوانی تقاضے اور بہیمی خواہشات لگی ہوئی ہیں اور اس حیثیت سے وہ گویا ایک بڑھیا اور ترقی یافتہ حیوان ہے۔

اور دوسری حیثیت اسکی یہ ہے کہ اس میں ملکوتیت اور نورانیت کا بھی عنصر ہے۔ جو دراصل ملاء اعلیٰ کا لطیفہ ہے اور اسکی محبت اور چاہت کا مرکز اللہ تعالےٰ کی ذات مقدس ہے۔ اور اس حیثیت سے انسان اس زمین میں گویا عالم بالا کی ایک روحانی اور نورانی مخلوق ہے۔ اب انسان کی سعادت اور فلاح کا دار و مدار اس پر ہے کہ اسکی دوسری حیثیت پہلی حیثیت پر غالب اور حاکم رہے۔ جس کے نتیجہ میں زمین پر رہنے، بسنے اور اپنے فطری بہیمی تقاضوں کو پورا کرتے رہنے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اس کا محبت و عبدیت کا تعلق اور ملاء اعلیٰ سے اسکی مناسبت پوری طرح قائم رہے۔ بلکہ اس جہت میں وہ برابر ترقی کرتا رہے اور اس کا خاص ذریعہ عبادات ہی ہیں۔ اور دین میں عبادات کے ایک خاص نصاب کی لازمی تشریع اور کثرت عبادت کی ترغیب کا یہ خاص راز ہے۔ اور بلاشبہ اگر عبادت صرف رسمی اور بے روح نہ ہو تو اس کی یہ تاثیر اور افادیت بالکل بدیہی ہے!

اس کے قریب اور اس سے ملتی جلتی ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ انسان کی فطرت میں جو روحانیت اور ملکوتیت کا حصہ اور خدا طلبی کا جذبہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ اس کا قدرتی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس کو ملاء اعلیٰ سے اور اپنے رب قدوس سے وہ قرب میسر ہو جو اس عالم میں ممکن ہے۔ اور اس کا ذریعہ اس دنیا میں عبادات ہی ہیں۔ اذا قام احدکم یصلی فانہ[۵]

---

[۵] یہ ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ "تم میں کا کوئی شخص جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے پروردگار سے اپنے دل کی باتیں کرتا ہے۔

"یناجی ربہ" اور "ابیت عند ربی"[1] جیسے ارشاداتِ نبوی اسی حقیقت کے اشارات ہیں۔

عبادات کے متعلق یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا۔ ناظرین نے اس سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی ہوگی کہ "عبادت" جو دین کی خاص اصطلاح ہے اور جس کا غیر اللہ کے لیے کسی نیت اور کسی تاویل سے کرنا بھی شرک ہے۔ اس سے وہی خاص تعظیمی اور تعبدی اعمال مراد ہیں جو عابد اپنے معبود کے حضور میں اپنی عبدیت کے اظہار کے لیے کرتا ہے اور جن کو عرفِ عام میں "عبادت" کہا جاتا ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ انسان کے تمام اعمال میں عبادت ہی سب سے زیادہ عظیم الشان عمل ہے۔ کیونکہ وہ عابد کے اس مقدس قلبی اور روحی جذبہ کی عملی شکل ہے جو سارے تعلقات اور جذبات سے بالاتر ہے۔ اسی لیے اس میں کسی غیر کی شرکت کی، کسی تاویل اور کسی نیت سے بھی گنجائش نہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کے دوسرے اعمال کی یہ نوعیت نہیں ہے!

اس مسئلہ کی وضاحت اور تفصیل میں اس عاجز نے یہ چند سطریں لکھنا اس لیے ضروری سمجھا کہ ہمارے اس دور میں "عبادت" کی حقیقت اور اس کے اصطلاحی مفہوم کے متعلق بعض حلقوں میں چند ایسی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں جو بعض دوسرے بنیادی مسئلوں پر بھی اثر انداز ...... ہوتی ہیں۔ بلکہ یہ ناچیز اس موقع پر یہ اعتراف اور اعلان کرنا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ چند روز ہوئے "الفرقان" کے ایک بہت پرانے پرچے میں خود اپنی ایک تحریر ایسی نظر پڑی جس سے اس مسئلہ میں ناظر کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ عبادت چونکہ دین کی ایک اہم اور بنیادی اصطلاح ہے۔ اسلیے ہماری کسی تعبیری غلطی سے اگر اسکے متعلق غلط تصور قائم ہو جائے تو توحید جیسے دین کے مرکزی مسئلہ کے متعلق تصور غلط ہو سکتا ہے اور اس سلسلہ کی غلطیوں کے بعض بڑے عبرتناک نمونے خود اس عاجز نے دیکھے ہیں اور اسی چیز نے یہاں ان سطروں کے لکھنے پر مجبور کیا۔ ویتوب اللہ علی من تاب۔

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حال بیان فرمایا ہے کہ، رات دن میں میرا وقت اپنے پروردگار کے پاس گزرتا ہے۔

عبادت کی مذکورۂ بالا تشریح و تنقیح سے ناظرین نے یہ بھی سمجھ لیا ہوگا کہ اس مقالہ کا موضوع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا کونسا گوشہ ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس موضوع پر اگر تفصیل سے لکھا جائے تو خاصی ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن اس وقت تو "فاران" کے سیرت نمبر کے لیے چند صفحہ کا ایک مضمون لکھنا ہی پیشِ نظر ہے۔ اور لکھنے والا اپنے لیے یہ آسان اور بہتر سمجھتا ہے کہ ایک مجلاتی مقالہ کی محدود گنجائش کو پیش نظر رکھتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے متعلق کچھ متفرق مرویات اور معلومات کو بس یکجا کر کے ناظرین کی خدمت میں پیش کردے۔

آئیے! اب اصل موضوع شروع کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فطری ذوقِ عبادت

اوپر کی تمہیدی سطروں میں جیسا کہ ایک جگہ اشارہ کیا جا چکا ہو عبادت ہر پاکیزہ روح کی غذا اور ہر قلبِ سلیم کے لیے آرام اور چین کا وسیلہ ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس باب میں جو حال تھا اس کا کچھ اندازہ اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا نزول جب شروع بھی نہیں ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبادت کا بلکہ کسی چیز کا بھی کوئی حکم آپ کو نہیں ملا تھا تو آپ خود اپنے اندرونی جذبے اور تقاضے سے مجبور ہو کر سب سے الگ اور یکسو ہو کر مکہ کی آبادی سے کافی فاصلہ پر جبلِ نور کی بہت اونچی ایک چوٹی کے غار میں جا جا کر عبادت کیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ میں آغازِ نبوت کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو مفصل روایت ہے۔ اس کے الفاظ ہیں " وکان یخلو بغار حراء فیتحنث فیہ وھو التعبد اللیالی ذوات العدد " جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ سب سے یکسو ہو کر غارِ حرا میں کئی کئی دن معتکف رہتے تھے۔ اور اس تنہائی کے عالم میں صرف اللہ کی عبادت[1] میں مصروف رہتے تھے۔ یہاں تک کہ گھر بھی کئی کئی دن کے بعد تشریف لاتے تھے۔

میرے نزدیک آپ کے ذوقِ عبادت کا اندازہ کرنے کے لیے نبوت اور نزولِ قرآن سے پہلے کا

---

[1] کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس عبادت کا طریقہ کیا تھا۔ شارحین حدیث نے مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ لیکن وہ سب قیاسات ہی ہیں۔ کوئی واضح اطلاع کسی کے پاس نہیں ہے!

آپ کا یہ معمول ہی کافی ہے۔

اس کے بعد نبوت کا دور شروع ہوگیا اور رسالت کی ذمہ داریاں آپ پر عائد ہوگئیں جن کے لیے آپ کو وقت کا بڑا حصہ درکار تھا۔ نیز آپ کی زندگی کو اب اُمت کے لیے۔ یعنی مستقبل کی پوری انسانی نسل کے لیے اسوہ اور نمونہ بھی بننا تھا۔ اس لیے اب اس کی تو گنجائش نہیں رہی کہ سب سے الگ تھلگ رہ کر حرا جیسے کسی غار میں ہمہ وقت اپنے پروردگار کی یاد اور عبادت میں آپ مصروف رہ سکیں۔ چنانچہ اس کے بعد وحی الٰہی کی رہنمائی میں آپ کی عبادت کا ایک ایسا معتدل اور متوازن نظام قائم ہوگیا جس کے ساتھ سارے پیغمبرانہ کام بھی انجام پاتے رہیں اور امت کے لیے اس کی تقلید اور پیروی میں زیادہ زحمت اور مشقت بھی نہ ہو۔ دیکھنے والا اگر صحیح نظر رکھتا ہو تو آپ کی حیات طیبہ اس کو ایک نہایت جامع اور حسین و متوازن پیغمبرانہ زندگی نظر آئے گی۔ جس میں نماز، روزہ، اعتکاف، صدقات، و قربانی عمرہ، حج اور اذکار و دعوات جیسی تمام عبادات اپنی اپنی جگہ مختلف رنگ و بو رکھنے والے نہایت حسین و جمیل پھولوں کی طرح درخشاں ہیں۔ پھر ان سب میں چونکہ نماز سب سے اہم اور اکمل ہے۔ اس لیے آئیے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہی کی کچھ باتیں کریں۔

نماز آپ کی روح پاک کی غذا دل کا چین اور آنکھوں کی ٹھنڈک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو نماز میں جو کیفیت اور لذت حاصل ہوتی تھی اور روح پاک کو جو لطیف و لذیذ غذا ملتی تھی، بلاشبہ اس کا ادراک و احساس تو ان ہی بندگان خدا کا حصہ ہے جنھوں نے اس دولت سے کوئی حصہ پایا ہو اور اس کا کچھ ذائقہ کبھی چکھا ہو۔ "ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشی"۔ لیکن ہم جیسے عوام بھی "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ"[1] اور "فہ یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ"[2] جیسے آپ کے ارشادات سے اس کا کچھ نہ کچھ اندازہ کر ہی سکتے ہیں۔ جو خوش نصیب بندے اس دولت سے کچھ بہرہ ور ہوئے ہیں انھوں نے اپنی یافت اور اپنے تجربہ کے مطابق اس اجمال کی تفصیل بھی اپنے کلمات میں کی ہے۔ مثلاً امام ربانی مجدد الف ثانیؒ ایک

---

[1] "نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔ یہ ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔ [2] کبھی کبھی نماز کا وقت آجانے پر آپ حضرت بلالؓ سے یہ فرمایا کرتے تھے۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ بلالؓ اُٹھو نماز شروع کرکے میرے دل کو چین و راحت پہنچاؤ۔

مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"نماز است کہ راحت وہ بیماران است" "ارحنی یا بلال" رمزیست ازیں ماجرا و "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" اشارۂ ایست بایں متمنّٰی ...... مصلّی کہ از حقیقت نماز آگاہ است در وقت ادائے صلوٰۃ گویا از نشاء دنیوی مے برآید و در نشاء دنیوی مے درآید لاجرم دریں وقت دولتے کہ مخصوص بآخرت است نصیبے ازاں فراگیرد وحظے از اصل بے شائبہ ظلیت بدست مے آرد۔ (مکتوب ۲۶۱ جلد اوّل)

(نماز ہی بیماران عشق و محبت کا چین و آرام ہے۔ حضور کے ارشاد "ارحنی یا بلال" میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اور "قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" میں بھی اسی مدعا کا اظہار ہے ...... جو نماز پڑھنے والا نماز کی حقیقت سے آشنا ہے وہ نماز ادا کرتے وقت گویا اس دنیا کے دائرہ سے نکل کر ایک دوسرے عالم میں پہنچ جاتا ہے۔ پھر اس کو اُس دولتِ عظمیٰ میں سے کچھ حصّہ مل جاتا ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یعنی "اصل بے شائبہ ظلیت" کا ایک گونہ وصال ولقا میسر ہو جاتا ہے۔

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ان احدکم اذا قام فی الصلوٰۃ	تم میں سے کوئی جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو
فانما یناجی ربہ۔ الحدیث	اس وقت اللہ تعالیٰ سے وہ اپنے دل کی باتیں
(جمع الفوائد بحوالہ صحیحین ونسائی عن انس)	کرتا ہے۔

اس حدیث میں جس کیفیت کو "یناجی ربہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یقیناً اس کا اعلیٰ ترین درجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی حالت میں حاصل ہوتا تھا۔ اور غور کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہر چیز سے زیادہ پیارے اپنے رب سے اس بلا واسطہ مخاطبہ اور مکالمہ میں آپ کو کیسی لذت اور حلاوت ملتی ہوگی۔ اس کیفیت کے سمجھنے میں بھی امام ربانی ہی کا ایک اشارہ ہماری کچھ رہنمائی اور مدد کر سکتا ہے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"بدانند کہ رتبۂ نماز در رنگ رتبۂ رویت است در آخرت، نہایت قرب در دنیا در نماز است و نہایت قرب در آخرت در حین رویت" (مکتوب ص ۱۳۶ ج ۱)

(معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا میں نماز کا درجہ و مقام وہی ہے جو آخرت میں دیدار الٰہی کا ہے۔ اس دنیا میں بندہ کو مولا کا انتہائی قرب نماز ہی میں حاصل ہوتا ہے

اور آخرت میں انتہائی قرب دیدار کے وقت نصیب ہوگا۔)

نماز کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبی تعلق کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے طائف میں اور بعد کو اُحد کے معرکہ میں دشمنوں کے ہاتھ سے سخت سے سخت تکلیفیں پہنچنے پر بھی آپ نے اُن موذیوں کے حق میں بددعا نہیں فرمائی۔ بلکہ ان کی ہدایت اور انجام بخیر ہی کی دعا کی۔ لیکن غزوۂ احزاب میں جب دشمنوں نے ایک دن آپ کو نمازِ عصر پڑھنے کی مہلت نہ دی اور آپ کی وہ نماز اس دن قضا ہوگئی۔ تو اتنی سخت بددعا زبانِ مبارک سے نکلی کہ اس سے سخت بددعا کسی کے لیے شاید سوچی بھی نہیں جا سکتی۔ حدیث کی کتابوں میں آپ کی اس بددعا کے الفاظ یہ نقل کئے گئے ہیں:۔

حبسونا عن صلوٰۃ الوسطی صلوٰۃ العصر ملاء اللہ بیوتھم وقبورھم ناراً۔ (بخاری و مسلم)

ان لوگوں نے ہمیں آج عصر کی نماز نہیں پڑھنے دی۔ اللہ ان کے گھروں اور اوران کی قبروں کو آگ سے بھر دے۔

نماز میں روحِ پاک کو جو لذت و حلاوت ملتی تھی۔ اس کا اندازہ کرنے کی ایک راہ یہ بھی ہو کہ آپ کے نفس یافتہ بعض صحابہ کرام کی اس حالت سے اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلہ کے بہت سے قابلِ ذکر واقعات میں سے صرف ایک واقعہ یہاں یاد کر لیجیے۔ جو سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ میں خطرہ کے ایک موقع پر رات کو پہرہ دینے کے واسطے دو صحابیوں کو متعین فرمایا۔ ان میں سے ایک مہاجر تھے دوسرے انصاری۔ ان صاحبوں نے ڈیوٹی کو نصفا نصف تقسیم کر لیا۔ یعنی طے کیا کہ ہر ایک آدمی آدھی رات پہرہ دے اور دوسرا اس وقت سوئے۔ انصاری صحابی نے رات کے پہلے حصہ میں پہرہ دینا شروع کیا اور مہاجر ساتھی قرار داد کے مطابق سو گئے۔ پھر ان انصاری بزرگ نے خالی جاگنے کے بجائے یہ بہتر سمجھا کہ نماز میں مشغول رہ کر یہ وقت گزارا جائے۔ چنانچہ انھوں نے نماز شروع کر دی۔ دشمن

کی جانب سے کوئی شخص آیا اور اس نے آدمی کھڑا دیکھ کر تیر مارا اور جب یہاں کوئی حرکت نہ ہوئی اور نہ کوئی آواز نکلی تو شاید یہ سمجھ کر کہ نشانہ خطا ہو گیا دوسرا اور پھر اسی طرح تیسرا تیر مارا۔ اور یہاں ہر تیر ان کے جسم میں پیوست ہوتا رہا اور یہ اس کو جسم میں سے نکال نکال کر پھینکتے رہے اور نماز میں مشغول رہے۔ پھر اطمینان سے رکوع کیا، پھر سجدہ کیا اور نماز پوری کر کے مہاجر ساتھی کو جگایا۔ انھوں نے اٹھ کر دیکھا کہ ایک نہیں تین تین جگہ سے خون جاری ہے۔ انھوں نے ماجرا پوچھا اور کہا کہ تم نے مجھے شروع ہی میں کیوں نہیں اٹھا دیا۔ ان انصاری بزرگ نے جواب دیا کہ میں نے ایک سورۃ (سورۂ کہف) شروع کر رکھی تھی۔ میرا دل نہ چاہا کہ اس کو ختم کرنے سے پہلے رکوع کروں۔ لیکن پھر مجھے یہ خطرہ ہوا کہ اگر اسی طرح پے درپے تیر لگتے رہے اور میں یونہی مر گیا تو حضورؐ نے پہرہ داری کی جو خدمت ہمارے سپرد کی تھی وہ فوت ہو جائے گی۔ اس خیال سے میں نے رکوع کر دیا۔ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا تو سورہ ختم کرنے سے پہلے رکوع نہ کرتا اگرچہ مر ہی کیوں نہ جاتا۔"

تیر پہ تیر کھانے اور تین جگہ سے خون کا فوارہ جاری ہو جانے کے باوجود ان انصاری بزرگ کا نماز میں مشغول رہنا اور نماز کو مختصر کرنے کا بھی ارادہ نہ کرنا، نماز کے اندر کی جس لذت وحلاوت کا پتہ دیتا ہے یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ اس میں اپنے ان انصاری خادم سے بدرجہا زیادہ تھا۔ بلکہ جو کچھ ان کو ملا تھا یا امت میں کسی کو بھی ملا ہو وہ آپ ہی کے فیض اور نسبت کا ایک ذرہ تھا۔

دن رات میں آپ کتنی نمازیں پڑھتے تھے

اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کے سامنے آجانے کے بعد اس میں تو کسی کو شبہ نہیں رہ سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوقات میں آپؐ کی روحِ پاک کے لیے سب سے زیادہ لذت وسرور کا اور قلب مبارک کے لیے انتہائی راحت وفرحت کا وقت وہی ہوتا تھا جب آپؐ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر آپؐ کے قلب وروح کی خواہش یہی ہوگی کہ ہمہ وقت

یا زیادہ سے زیادہ اوقات آپ نماز ہی میں مصروف رہیں۔ لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا جا چکا ہے چونکہ منصبِ رسالت کے فرائض و وظائف، دعوت و تبلیغ، تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت وغیرہ کی انجام دہی کے لیے آپؐ کے اوقات کا خاص کر دن کے وقت کا بڑا حصہ درکار تھا۔ نیز آپ کی زندگی کو امت کے لیے نمونہ بھی بننا تھا۔ اس لیے آپؐ کے لیے ضروری ہو گیا کہ نماز میں صرف اتنے وقت مشغول رہیں کہ فرائضِ رسالت بھی پوری طرح ادا ہوتے رہیں اور امت کے لیے آپؐ کی تقلید و پیروی بھی بہت مشکل نہ ہو۔

نیز اس سے ملتا جلتا ایک اور سبب نماز جیسی عبادات میں آپؐ کے زیادہ مشغول نہ رہ سکنے کا یہ بھی تھا کہ اگر آپؐ ایسا کرتے یعنی اپنے اوقات کے بڑے حصہ میں نماز میں مشغول رہتے تو آپؐ کی محبت اور تقلید میں یقیناً صحابہ کرام بھی ایسا ہی کرتے اور حکمتِ تشریع کا یہ اصول ہے کہ اگر پیغمبر اور اس کے متبعین کوئی عبادت اہتمام اور پابندی سے کرنے لگیں تو وہ اس امت پر فرض کر دی جاتی ہے۔ پس امت پر فرض ہو جانے کے اندیشہ کی وجہ سے بھی آپؐ نے نفل نمازوں کی کثرت اور پابندی میں احتیاط فرمائی۔

بہر حال ان وجوہ سے دل کی چاہت کے باوجود آپؐ نفل نمازیں خاص کر دن کے اوقات میں بہت زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔ گویا یہ آپ کا نرالا مجاہدہ تھا کہ دل کی طلب اور خواہش تو زیادہ سے زیادہ وقت نماز جیسی عبادات میں مشغول رہنے کی تھی۔ لیکن مذکورہ بالا اسباب و مصالح کی وجہ سے اپنے اس شوق کو آپؐ پورا نہیں کر سکتے تھے اور اس طرح آپؐ نے اپنے دل کی چاہت کو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور امت کی عام مصلحت پر قربان کر دیا تھا ؎

میلِ من سوئے وصال و میلِ او سوئے فراق ترکِ کارِ خود گرفتم تا برآید کارِ او

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ چاشت کی مختلف موقعوں پر بڑی بڑی فضیلتیں بیان فرمائیں۔ لیکن خود پابندی سے آپؐ نے یہ نماز نہیں پڑھی۔ اس کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک اصولی بات فرمائی ہے۔ صحیح بخاری میں ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

ان كان رسول الله صلى الله عليه وسلم ليدع العمل وهو يحب ان يعمل به خشية ان يعمل به الناس فيفرض عليهم۔ (باب تحريض النبيؐ

علی قیام اللیل والنوافل)

اسی کو حافظ ابن القیمؒ زاد المعاد میں لکھتے ہیں :۔

وقد کان یترک کثیرا من العمل وھو یحب ان یعمل بہ خشیۃ المشقۃ علیھم۔[1]

اور آپ ترک فرمادیا کرتے تھے، بہت سے اعمال حالاں کہ وہ اعمال آپ کو بہت محبوب ہوتے تھے صرف امت کی دقت کے خیال سے۔

بہر حال یہ اسباب تھے جن کی وجہ سے آپ دل کی چاہت کے باوجود نفل نمازیں بہت زیادہ نہیں پڑھ سکتے تھے۔ محققین نے تمام روایات کی چھان بین کے بعد لکھا ہے کہ اہتمام اور پابندی سے آپ شب و روز میں صرف چالیس رکعت نماز پڑھتے تھے۔ سترہ رکعت فرائض پنجگانہ، اور دس یا بارہ رکعت رواتب (یعنی موکدہ سنتیں) جن کی تفصیل یہ ہے کہ فجر سے پہلے دو رکعت، ظہر سے پہلے دو رکعت یا چار رکعت (دونوں ثابت ہیں) ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت۔ عشاء کے بعد دو رکعت۔ یہ کل دس یا بارہ ہوئیں۔ اور تہجد مع تین رکعت وتر کے گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت (دونوں ثابت ہیں) ان کی میزان چالیس ہوئی۔ الغرض دن رات میں یہ چالیس رکعتیں تو آپ عموماً اہتمام اور پابندی سے ادا فرماتے تھے۔[2] ان کے سوا نوافل میں نماز چاشت اور زوال آفتاب کے وقت کی چار رکعتیں پڑھنا بھی متعدد صحابہ نے روایت کیا ہے۔

ان کے علاوہ خاصکر دن میں زیادہ نوافل جیسا کہ عرض کیا گیا۔ آپ اسی لئے نہیں پڑھتے تھے کہ امت پر زیادہ بوجھ نہ پڑجائے۔ نیز ذاتی اور خانگی ضروریات اور منصبِ رسالت کے دوسرے کاموں سے دن میں آپ کو زیادہ مہلت بھی نہیں ملتی تھی۔ اسی کو قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۔

---

[1] زاد المعاد صـ۱۹۳ برحاشیہ زرقانی جلد دوم

[2] زاد المعاد صـ۲۱۴-۲۱۵ برحاشیہ زرقانی جلد اول۔

آپؐ کی رات کی نماز

رات چونکہ عام طور سے خلوت میں یعنی گھر کے اندر گزرتی تھی اور دوسرے کاموں سے رات میں فراغت و فرصت بھی ہوتی تھی۔ اس لیے رات کی نماز یعنی تہجد آپ اکثر بہت طویل پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ صحیحین میں حضرت مغیرہؓ بن شعبہ سے مروی ہے:۔

قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ فقیل لہ لم تصنع ھذا وقد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر قال افلا اکون عبداً شکوراً۔ (جمع الفوائد و مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ یہاں تک کہ آپؐ کے دونوں پاؤں ورم کر گئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپؐ اتنا قیام کیوں فرماتے ہیں درآنحالیکہ آپؐ کی تو اگلی پچھلی سب چیزوں کی معافی دے دی گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔ کیا میں عبد شکور نہ بنوں۔

حضرت حذیفہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ تو آپؐ نے چار رکعتوں میں سورہ بقرہ۔ سورہ آل عمران۔ سورۃ النساء۔ اور سورہ مائدہ (یا بجائے مائدہ کے سورہ انعامؐ) پڑھیں۔ گویا قریباً سوا چھ سپارے پڑھے۔ (ابوداؤد)

اور حضرت حذیفہؓ ہی کی ایک روایت میں جو صحیح مسلم میں بھی ہے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رات کی نماز میں آپ نے یہ لمبی لمبی سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں کوئی ایسی آیت آتی جس میں اللہ کی تسبیح کا ذکر ہوتا تو وہاں آپ اللہ کی تسبیح کرتے اور جہاں سوال اور دعا کا ذکر آتا تو وہاں آپ دعا کرتے اور جہاں دنیا یا آخرت کی کسی بلا سے پناہ مانگنے کا ذکر آتا تو وہاں آپؐ اللہ سے پناہ مانگتے۔ نیز اس روایت میں یہ بھی ہے کہ اس نماز میں جس قدر طویل آپ نے قیام کیا اسی کے قریب قریب آپؐ نے رکوع و سجود بھی کیےؓ اب غور کر کے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ نماز کتنی طویل ہوئی ہوگی۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ "ایک رات کو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے لگا۔ آپ نے اتنی طویل نماز پڑھی کہ میرے لیے آپؐ کے ساتھ

---

[1] [illegible] ایک راوی کو شبہ ہو گیا ہے۔
[2] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جمع الفوائد باب صلوٰۃ اللیل

کھڑا رہنا سخت مشکل ہو گیا اور میرے دل میں ایک بُرا خیال آنے لگا۔ کسی نے پوچھا کیا بُرا خیال آنے لگا تھا؟ آپ نے فرمایا:- ..... یہ کہ میں بیٹھ جاؤں اور آپ کو کھڑا چھوڑ دوں[۱]۔

صحابہ کی ان روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کی رات کی نماز کس قدر طویل ہوتی تھی۔ لیکن یہ آپؐ کا ایسا دوامی معمول نہ تھا جس کے خلاف کبھی نہ ہوتا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو امت کے لیے آپ کی تقلید و پیروی سخت مشکل ہو جاتی۔ اس لیے کبھی کبھی آپؐ ایسا بھی کرتے تھے کہ رات کو کافی آرام بھی فرماتے اور باقی وقت میں تہجد پڑھتے۔ کبھی صرف آخری تہائی رات ہی میں تہجد پڑھتے۔ کبھی پہلے سوتے اور آخر میں اٹھ کر تہجد پڑھتے اور کبھی اس کے برعکس بھی کر لیتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی کر لیتے کہ اٹھے دو دو رکعتیں پڑھیں پھر کچھ دیر کے لیے سو گئے پھر اٹھ کر دو دو رکعتیں پڑھیں۔ اسی طرح بار بار سوئے اور بار بار اٹھ کر نماز پڑھی[۲]۔ ایسا آپؐ نے اسی لیے کیا کہ امت کے ضعفاء بھی آپؐ کی پیروی کر سکیں۔ ورنہ جیسا کہ عرض کیا گیا آپؐ کا اصل ذوق اور آپؐ کے دل کی چاہت یقیناً یہی ہو گی کہ ساری رات نماز ہی میں کھڑے رہیں۔ اسی میں آپ کے دل کا چین تھا۔ اور اسی میں روح کی راحت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی ؎

ہمارا شغل ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں　　ہماری نیند ہے محو خیالِ یار ہو جانا!

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رات کی نماز میں کسی آیت پر پہنچ کر آپؐ پر کوئی خاص کیفیت طاری ہو گئی اور پھر ساری رات اللہ کے حضور میں کھڑے، آپ وہی ایک آیت پڑھتے رہے۔ چنانچہ مسند احمد اور مسند بزار میں حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کی نماز میں برابر سورہ مائدہ کے آخری رکوع کی یہی ایک آیت پڑھتے رہے[۳]۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۔ (جمع الفوائد)

بعض صحابہ کرام کا بیان ہو کہ ہم نے دیکھا کہ نماز کی حالت میں گریہ و بکا کے غلبہ سے آپؐ کے سینہ مبارک سے چکی چلنے کی سی ایک آواز نکلتی تھی۔ سنن ابی داؤد میں عبداللہ بن الشخیرؓ کی روایت کے الفاظ ہیں:-

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصلی وفی صدرہ ازیز کازیز الرحی من البکاء

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اور اس وقت آپ کے سینہ مبارک سے گریہ کے اثر سے چکی کی سی آواز نکلتی تھی۔　　(ابو داؤد باب البکاء فی الصلوٰۃ) (باقی)

---

[۳] جمع الفوائد [illegible] ... امت کے ضمن آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ [illegible]

دُعا

سیرت نبوی کا ایک اہم باب

(از، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

۲

ایمان کی دولت کے بعد اخلاق حسنہ بڑی نعمت ہیں۔ جس نے اپنے متعلق خبر دی ہے کہ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ میری بعثت کی ایک اہم غرض مکارم اخلاق کی تکمیل ہے۔ وہ مکارم اخلاق کی اہمیت کیسے محسوس نہ کرے گا اور اسکی باریکیوں اور نزاکتوں پر اس کی نظر کیسے نہ ہوگی؟ ماثور دعاؤں کا ایک بڑا حصہ اخلاق و صفات حسنہ سے متعلق ہے۔ اور ان دعاؤں میں ایسی اخلاقی تحقیقیں اور ایسے نفسیاتی نکتے بیان کیے گئے ہیں جو علمائے اخلاق و علم النفس کے لیے مستقل موضوع مطالعہ ہیں۔

پہلے تو آپ کی ایک جامع دعا پڑھیئے۔ پھر مختلف اخلاق حسنہ پر ادعیہ ماثورہ کا مطالعہ کیجئے۔ تہجد کی ایک دعا میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اللھم اھدنی لاحسن الاعمال واحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت وقنی سیٔ الاعمال وسیٔ الاخلاق لا یقی سیئھا الا انت۔[1]

اے اللہ مجھے بہترین اعمال اور بہترین اخلاق کی توفیق و رہنمائی فرما۔ بہترین

---

[1] النسائی حسن مختصر۔

اعمال واخلاق کی توفیق و رہنمائی تو ہی فرما سکتا ہے اور مجھے بُرے اعمال واخلاق سے بچا۔ بُرے اعمال واخلاق سے تو ہی بچا سکتا ہے۔

• آئینہ دیکھ کر انسان کو اپنے اعضاء کے تناسب اور "احسن تقویم" کی صداقت کا احساس ہوتا ہے۔ اس موقع پر بھی اخلاق کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے۔ اور حسن صورت کے ساتھ حسن سیرت کی دعا کی تعلیم دی گئی ہے، کہ ان دونوں کی جامعیت کے ساتھ انسان خلیفۃ اللہ ہے۔ آئینہ دیکھ کر ارشاد ہوتا ہے:۔

الحمد للہ اللھم کما حسّنت خلقی فحسّن خُلقی۔[۱]

اللہ تعالیٰ کا شکر اور تعریف ہے۔ اے اللہ تو نے میری صورت اچھی بنائی تو میری سیرت بھی اچھی کر دے۔

کامل زندگی اور "حیات طیبہ" کی تکمیل ایمان صحت اور حسن اخلاق کے مجموعہ سے ہوتی ہے۔ ایک دعا میں ارشاد ہوتا ہے:۔

اللھم انی اسئلک صحۃ فی ایمان وایمانا فی حسن خلق۔[۲]

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں تندرستی ایمان کے ساتھ اور ایمان حسن اخلاق کے ساتھ۔

ایک دوسری دعا میں ہے:۔

واسئلک لسانا صادقا وقلبا سلیما وخُلقا مستقیما۔[۳]

تجھ سے مانگتا ہوں سچی زبان اور قلب سلیم اور اخلاق صحیح۔

اخلاق کی ان عمومی اور اجمالی دعاؤں کے ساتھ بعض ایسے محاسن اخلاق کی دعا کی گئی ہے (اور اس کے ذریعہ اُمت کو ان کی اہمیت اور اہتمام کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔) جو بڑے لطیف اور باریک ہیں اور کمال اخلاق کے لیے معیار کا درجہ رکھتے ہیں۔ تکمیل ایمان اور کمالِ انسانیت و شرافت و تقویٰ کی ایک علامت یہ ہے کہ خدا کے عاجز و مسکین بندوں سے محبت ہو۔

---

[۱] مسند احمد عن ام سلمہؓ۔ [۲] مستدرک حاکم عن ابی ہریرہؓ۔ [۳] ترمذی عن شداد بن اوسؓ۔

اہلِ دولت، قوت کی توقیر اور اُن سے محبت کرنے والے تو عام ہیں مگر فقراء و مساکین سے محبت کرنے والے بہت کمیاب ہیں۔ یہ اخلاق کا اعلیٰ درجہ ہے اور محض توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔ ایک دعا میں ارشاد ہوتا ہے:-

اللھم انی اسئلک فعل الخیرات وترک المنکرات وحب المساکین۔[1]

اے اللہ میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے کی اور برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کی۔

دنیا میں رواج دوسروں کو چھوٹا اور اپنے کو بڑا سمجھنے کا ہے۔ اس مرض سے صرف وہی برگزیدہ نفوس بچ سکتے ہیں جن کا تزکیہ ہو چکا ہو اور ان پر فضلِ الٰہی ہو۔ اگر گہری نظر سے دیکھا جائے تو بہت کم نفوس اس خود پرستی و خود بینی سے بچتے ہیں۔ ع

دو من سینے میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں!

اس کے لیے اہتمام سے دعا کی ضرورت ہو۔ کہ یہ مرض مشکل سے نظر آتا ہے اور مشکل سے اس سے چھٹکارا حاصل ہوتا ہے۔ سید المخلصینؐ خود اپنے حق میں اس طرح دعا فرماتے ہیں۔ اور گویا امت کو تعلیم دیتے ہیں:-

اللھم اجعلنی صبوراً واجعلنی شکوراً واجعلنی فی عینی صغیراً وفی اعین الناس کبیراً۔[2]

اے اللہ مجھے بڑا صبر کرنے والا بنا دے اور مجھے بڑا شکر کرنے والا بنا دے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دے۔

ظاہر و باطن کی مطابقت اور دونوں کا کمال و صلاح نعمتِ خداوندی ہے اور وہ دولت ہے جس کے لیے اہتمام سے دعا کی ضرورت ہو۔ معلمِ اخلاق فرماتے ہیں:-

اللھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ۔[3]

اے میرے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر کر دے اور میرے ظاہر کو صالح بنا دے۔

---

[1] مستدرک حاکم عن ثوبانؓ [2] کنز العمال عن بریدہؓ [3] ترمذی عن عمرؓ

اس کی مزید تفصیل اس دعا میں ملاحظہ فرمائیے:۔

اللھم طھر قلبی من النفاق وعلمی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانة فانک تعلم خائنة الاعین وما تخفی الصدور [1]

اے اللہ میرے دل کو نفاق سے پاک کردے اور میرے عمل کو ریا سے اور میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے۔ تجھ پر تو روشن ہیں آنکھوں کی چوریاں بھی اور دل جو کچھ چھپائے رکھتے ہیں۔

پیغمبر انسانیت نے دعا میں انسانوں کی طرف سے انسانی ضروریات کی بھی ایسی مکمل نیابت کی ہے کہ قیامت تک آنے والے انسانوں کو ہر زمان و مکان میں ان دعاؤں میں اپنے دل کی ترجمانی، اپنے حالات کی نمائندگی اور اپنے اطمینان کا سامان ملے گا۔ اور بہت سی وہ ضرورتیں ملیں گی جن کی طرف آسانی سے ہر ایک انسان کا ذہن جانا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر حسب ذیل دعا پڑھیے:۔

اللھم انی اعوذ بک من منکرات الاخلاق والاعمال والاھواء والادواء نعوذ بک من شر ما استعاذ منه نبیک محمد صلی اللہ علیه وسلم [2] ومن جار السوء فی دار المقامة فان جار البادیة یتحول، وغلبة العدو وشماتة الاعداء ومن الجوع فانه بئس الضجیع ومن الخیانة فبئست البطانة وان نرجع علی اعقابنا او نفتن عن دیننا ومن الفتن ما ظھر منھا وما بطن ومن یوم السوء ومن لیلة السوء ومن ساعة السوء ومن صاحب السوء [3]

اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں ناپسندیدہ اخلاق اور اعمال اور نفسانی خواہشوں اور بیماریوں سے۔ اور ہم تیری پناہ میں آتے ہیں ہر اس چیز سے جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔ اور مستقل قیام گاہ میں بُرے پڑوسی سے (اس لیے کہ سفر کا ساتھی تو چل ہی دیتا ہے) اور دشمن کے غلبہ سے اور دشمنوں کے

---

[1] کنز العمال عن ام معبد۔ [2] یہ جملہ امت کے ان افراد کی طرف سے ہو جو دعا کریں۔ [3] ترمذی عن ابی امامہ وغیرہ۔

طعنہ سے اور بھوک سے کہ وہ بُری ہم خواب ہے اور خیانت سے کہ وہ بُری ہمراز ہو اور اس سے کہ ہم پچھلے پیروں پر لوٹ جائیں یا فتنہ میں پڑ کر دین سے الگ ہو جائیں اور سارے فتنوں سے جو ظاہری ہوں یا باطنی اور بُرے دن سے اور بُری رات سے اور بُری گھڑی سے اور بُرے ساتھی سے۔

رزق کس کو مطلوب نہیں مگر کتنے آدمیوں کی اس حقیقت پر نظر ہے کہ فراخ روزی کی سب سے زیادہ ضرورت عمر کے اس مرحلہ میں ہے جب مشکلات و تنگی کا تحمل کم، محنت اور کسب معاش کی قوت مفقود اور قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اور قدرتی طور پر راحت اور فراخ دستی کی طلب زیادہ ہوتی ہے۔ معلم حکمت نے کیا حکمت کی بات فرمائی:۔

اللّٰھمّ اجعل اوسع رزقك علیّ عند کبر سنّی وانقطاع عمری[1]

اے اللہ میری سب سے زیادہ کشادہ روزی میری بڑھاپے اور میرے خاتمہ کے وقت کر۔

صرف رزق ہی پر اکتفا نہیں۔ عمر کا یہ آخری حصہ ہر اعتبار سے بہتر اور کامیاب تر ہونا چاہیئے ارشاد ہوتا ہے:۔

واجعل خیر عمری آخرہٗ وخیر عملی خواتیمہٗ وخیر ایّامی یوم القاك فیہ[2]

میری عمر کا بہترین اس کا آخری حصہ کرنا۔ اور میرا بہترین عمل میرا آخر ترین عمل کرنا اور میرا بہترین دن وہ کرنا جس میں تجھ سے ملوں۔

نعمت و مسرت بڑی مسرت کی چیز ہے۔ لیکن جو نعمت و مسرت بے سان گمان اور اچانک ملے۔ اسکی مسرت ہی کچھ اور ہو۔ اسی طرح مصیبت اگرایک بار پناہ مانگنے کی چیز ہے تو جو مصیبت اچانک اور ناگہاں پیش آئے وہ سو بار پناہ مانگنے کی چیز ہے۔ جن لوگوں کو کبھی اس سے سابقہ پڑا ہو۔ وہ اس کی چوٹ کو جانتے ہیں۔ لیکن کتنے آدمیوں کو اس سے پناہ مانگنے کا خیال اور توفیق ہوتی ہے۔

---

[1] مستدرک عن عائشہؓ [2] طبرانی عن انسؓ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو بھی اپنی جامع و مانع دعاؤں میں فراموش نہیں فرمایا۔ اوّل الذکر کی دعا کی اور ثانی الذکر سے پناہ مانگی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اللھمّ انی اسألک من فجأۃ الخیر واعوذ بک من فجأۃ الشر[1]

اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں بھلائی غیر متوقع اور ناگہانی برائی سے تیری پناہ۔

اسی طرح عیش و فراخی اور خوشی و خرمی کے بعد فقر و فاقہ اور تنگ دستی و پریشاں حالی پناہ مانگنے کی چیز اور ایک بڑی ابتلاء ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ اس سے پناہ مانگی۔

اللھمّ انی اعوذ بک من زوال نعمتک وتحوّل عافیتک وفجأۃ نقمتک۔[2]

اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں تیری نعمت کے چھٹ جانے سے اور تیری سلامتی کے ہٹ جانے سے اور تیرے انتقام کی ناگہانی سے۔

درازیٔ عمر ہمیشہ سے انسانوں کی خواہش رہی ہے اور لوگ ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ایسی عمر کہ قویٰ جواب دے جائیں اور انسان مفلوج و معذور اور دوسروں کا دست نگر ہو کر رہ جائے۔ اللہ سے پناہ مانگنے کی چیز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اللھمّ انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والھرم ...... ومن ان اُردّ الی ارذل العمر۔[3]

اے اللہ میں تیری پناہ پکڑتا ہوں کم ہمتی سے اور سستی سے اور بزدلی سے اور انتہائی کبر سنی سے ...... اور اس سے کہ ناکارہ عمر تک پہنچوں۔

لوگ دولت و رزق کو منتہیٰ سمجھتے ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ نفسِ حریص کے ساتھ دولت و رزق کی بڑی سے بڑی مقدار ناکافی ہے۔ وہ نفس جو کبھی قانع و آسودہ نہ ہو۔ انسان اور تمام دنیا کے لیے ایک بلا ہے۔ حکیم ربانی نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ اور ہمیں اس سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے۔ اسی طرح علم جو انسان میں خشیت و تقویٰ نہ پیدا کرے اور لوگ اس سے کچھ فیض نہ پائیں۔ نیز وہ دلِ بیباک بھی جو خدا کے خوف سے خالی ہو پناہ مانگنے کی چیزیں ہیں کہ انھوں نے

---

[1] کتاب الاذکار للنووی عن انسؓ [2] مسلم و ابو داؤد عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ [3] بخاری و مسلم

انسان کے ساتھ وہ کیا ہے جو دشمن بھی نہیں کرتا۔ ایک ہی دعا میں اُن کو جمع فرمایا جاتا ہے :-

اللھم انی اعوذ بك من قلب لا یخشع ودعاء لا یسمع ومن نفس لا تشبع ومن علم لا ینفع۔ اعوذ بك من ھؤلاء الاربع [1]

اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ ایسے دل سے جو ڈرنا نہ جانے۔ اور ایسی دعا سے جو سُنی نہ جائے۔ اور ایسے نفس سے جو آسودہ ہونا نہ جانے۔ اور ایسے علم سے جو نفع نہ دے۔ میں تجھ سے ان چاروں (بلاؤں) سے پناہ چاہتا ہوں۔

انسان کی بنیادی اور واقعی ضرورتوں میں سے جیسے فراخ روزی ہے ویسے ہی وسیع گھر ہے۔ کسی زمانے میں بھی اس کی اہمیت کم نہ ہوئی۔ اور اس زمانے میں تو اسکی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ اور وہ زندگی کا ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی نظر کے سامنے ہو کہ اصل مسئلہ گھر کا وسیع ہونا نہیں ہے۔ اصل مسئلہ گھر کا کافی ہونا اور اس میں وسعت محسوس کرنا ہے۔ اگر وسعت کا احساس نہیں ہے تو وسیع سے وسیع گھر طبع حوصلہ مند کے لیے تنگ اور ناکافی معلوم ہوگا۔ اور یہی احساسِ حقارت وعدم کفایت اس زمانے میں تمدن اور اقتصادی نظام کے لیے ایک لاینحل مسئلہ بن گیا ہے۔ پیغمبر حکیم فراخ روزی اور وسیع گھر کے بجائے اس کی دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالےٰ رزق میں فراخی اور گھر میں وسعت عطا فرمائے۔ دونوں میں جو فرق ہے وہ نگاہِ نکتہ شناس سے مخفی نہ ہوگا۔ ارشاد ہے :-

اللھم اغفر لی ذنبی ووسع لی فی داری وبارك لی فی رزقی [2]

اے اللہ مجھے میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے گھر میں وسعت دے اور مجھے میرے رزق میں برکت دے۔

سفر زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت ہے۔ مسلمان کا کوئی اہم قدم اور اہم حرکت بھی دعا اور خیر طلبی سے خالی نہیں ہونی چاہیے۔ سفر تو ایسا اقدام ہے جس کے لیے بہت زیادہ خیر طلبی اور دعا کی ضرورت ہو۔ مسافر گھر اور گھر والوں کو چھوڑتا ہے۔ طویل سفر، نئے مقامات، نئے لوگوں سے

---

[1] ترمذی، نسائی عن عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ [2] نسائی عن ابو موسیٰ الاشعری۔

اس کو سابقہ پڑتا ہے۔ ایک مدت تک اپنے گھر اور گھر والوں سے جدا رہتا ہے۔ اس کا دل فکروں اور تمناؤں سے معمور ہوتا ہے۔ پیچھے کی فکر، آگے کی تمنا۔ سفر کا اہتمام۔ راستہ کا تکان۔ منزل کی دوری۔ مقاصد کی فکر۔ اس کے دل و دماغ کو مشغول رکھتی ہے۔ ان میں سے ہر مرحلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی اعانت اور حفاظت کی ضرورت ہو۔ دیکھئے اس مختصر سی دعا میں کس طرح ان سب ضروریات و احساسات کی نمائندگی کی گئی ہو۔ بڑے غور و فکر اور اعلیٰ ذہانت سے بھی اس سے زیادہ جامع دعا ترتیب دینی مشکل ہے۔

اللهم إنا نسألك في سفرنا هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى. اللهم هون علينا سفرنا هذا واطو عنا بعد الارض. اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل. اللهم اني اعوذ بك من وعثاء السفر وكآبة المنظر وسوء المنقلب في الاهل والمال۔[1]

اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقویٰ اور تیری خوشنودی کے کام چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان کر دے اور زمین کا فاصلہ طے کر دے۔ اے اللہ! تو سفر میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے۔ اے اللہ! میں سفر کی مشقت، ناگوار منظر اور مال و اہل میں بری واپسی سے پناہ چاہتا ہوں۔

لیکن صرف سفر ہی اہتمام اور دعا کا مستحق نہیں جس نئی بستی میں انسان داخل ہو وہاں کی خیر طلب کرنے کی ضرورت ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ جب کبھی کسی نئی بستی میں داخل ہوتے تھے تو تین مرتبہ فرماتے تھے۔ اللهم بارك لنا فيها۔ پھر فرماتے۔ اللهم ارزقنا جناها۔ (اے اللہ ہمیں اس کا رزق عطا فرما) مسافر کو (اور پھر جب مسافر داعی اور صاحب پیغام بھی ہو) خاص طور پر اس کی ضرورت ہو کہ اس کو بستی کے سب رہنے والوں کی محبت حاصل ہو، تاکہ وہ پوری راحت پائے اور اس کا پیغام سب کے دل میں گھر کرلے۔ لیکن ایک صاحب عقیدہ اور دین دار مسلمان کو اپنے دین و اعتقاد کی رو سے انہی کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دینی چاہیے جو

---

[1] مسلم، ترمذی، ابوداؤد۔ عن عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ۔

اہلِ صلاح اور اہلِ دین ہوں۔ اس لیے اسی دعا میں فرمایا گیا:۔

وحبّبنا الی اھلھا وحبّب صالحی اھلھا الینا۔[1]

اے اللہ ہمیں اس کے رہنے والوں کی نگاہ میں محبوب کردے اور اس کے باشندوں میں سے جو نیک لوگ ہوں۔ ان کو ہماری نگاہ میں محبوب بنادے۔

صرف سفر یا کوئی اہم منزل ہی اس کی مستحق نہیں کہ مومن اس کے لیے دعا کرے اور اپنے مالک سے خیر طلب کرے۔ زندگی کا ہر نیا دن اور ہر نئی رات اس کی مستحق ہے کہ بندہ اس کے خیر کی طلب اور اس دن یا رات کے شر سے پناہ مانگے اور اس کی دعا کرے کہ اس دن یا رات کی برکتوں اور نورانیتوں اور کامیابیوں سے اس کا حصہ وافر ملے۔ اور اس کی شہادت دے کہ ملک اللہ کا ہے۔ ہر تغیر اور ہر تجدد کے موقع پر اس حقیقت کا استحضار کرے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آپؐ شام کو یہ دعا فرماتے تھے:۔

امسینا و امسی الملک للہ والحمد للہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شئ قدیر۔ رب اسالک خیر ما فی ھذہ اللیلۃ وخیر ما بعدھا و اعوذ بک من شر ما فی ھذہ اللیلۃ وشر ما بعدھا رب اعوذ بک من الکسل وسوء الکبر، رب اعوذ بک من عذاب فی النار وعذاب فی القبر۔[2]

یہ شام اس حالت میں ہو رہی ہے کہ ہم اور یہ ساری کائنات اللہ کی سلطنت ہے۔ سب تعریف اسی کی ہو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی سلطنت ہو۔ اسی کی تعریف ہو اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ میرے پروردگار میں تجھ سے اس رات اور اس کے بعد کی رات کی خیر طلب کرتا ہوں اور اس رات اور اس کے بعد کی رات کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پروردگار! تیری پناہ سستی سے اور کبرسنی کی برائی سے۔ تیری پناہ جہنم کے عذاب سے اور قبر کے عذاب سے!

---

[1] طبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ [2] جمع الفوائد عن ابی مالکؓ۔

اسی طرح صبح کو الفاظ کے تغیر کے ساتھ فرماتے۔ اصبحنا واصبح الملک للہ۔۔۔ الخ
ایک دوسری حدیث میں صبح کے وقت ان الفاظ کی تعلیم دی گئی ہے:۔

"اصبحنا واصبح الملک للہ رب العالمین۔ اللھم انی اسألک خیر
ھذا الیوم فتحہ ونصرہ ونورہ وبرکتہ وھداہ واعوذبک
من شر ما فیہ ومن شر ما بعدہ"۔[1]

صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور سارا عالم اللہ کی سلطنت ہو۔ اے اللہ میں تجھ
سے اس دن کی خیر، فتح، نصرت، نور و برکت و ہدایت مانگتا ہوں۔ اور اس دن کے
شر اور اس کے بعد کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔

لیکن سب سے زیادہ ڈرنے اور پناہ مانگنے کی چیز اپنے نفس کا شر ہے اور اپنا شر ہے۔ دنیا میں
بڑی بڑی تباہیاں انسان ہی کے شر سے آئی ہیں اور دین و دنیا کا نقصان اسی "شر نفس" کا نتیجہ ہو۔
آپؐ نے بار بار اس سے پناہ مانگی ہے۔ صبح کی دعاؤں میں ہے:۔

اللھم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت رب
کل شئ والملائکۃ یشھدون انک لا الٰہ الا انت فانا نعوذبک
من شر انفسنا ومن شر الشیطان الرجیم وشرکہ، وان نقترف
سوءً ا او نجرہ الی مسلم[2]

اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے خالق۔ غیب و شہود کے جاننے والے! تو
ہر چیز کا مالک ہو! اور فرشتے بھی شہادت دیتے ہیں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔
ہم تجھ سے اپنے نفس کی برائی سے اور شیطان کی برائی سے اور شیطان رجیم کے شر
اور شرکت سے پناہ چاہتے ہیں۔ اور اس سے کہ ہم اپنے حق میں کسی شر کا ارتکاب
کریں یا کسی مسلمان تک پہنچائیں۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:۔

---

[1] مسلم، ترمذی، ابوداؤد عن ابن مسعودؓ۔ [2] جمع الفوائد عن ابی مالکؓ۔

اللھم قنی شر نفسی واعزم لی علی رشد امری [۱]

اے اللہ مجھے میرے نفس کی برائی سے محفوظ رکھ اور مجھے میرے امور کی اصلاح کی ہمت دے۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:۔

یا حیّ یا قیوم برحمتك استغیث اصلح لی شانی کلّه ولا تکلنی إلی نفسی طرفة عین [۲]

اے حی اے قیوم میں تیری رحمت کے واسطے سے تجھ سے فریاد کرتا ہوں کہ میرے سارے حال کو درست کر دے اور مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کر۔

اس شر سے اور معصیت سے پناہ اور حفاظت کے لیے سب سے بڑا حصار خشیتِ الٰہی ہے۔ اسی طرح مصائب کے اثر کو کم کرنے والی چیز صرف یقین ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا:۔

اللھم اقسم لنا من خشیتك ما تحول به بیننا وبین معاصیك ومن طاعتك ما تبلغنا به جنتك، ومن الیقین ما تھوّن به علینا مصائب الدنیا [۳]

اے اللہ! ہمیں اپنی خشیت سے اتنا حصہ دے کہ ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی طاعت سے اتنا حصہ کہ تو ہمیں اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچائے اور یقین سے اتنا حصہ کہ اس سے تو ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان کر دے۔

ان شرور و معاصی کا سرچشمہ اور ان کا ایک اہم اور قوی سبب دنیا کی محبت اور اس کا مقصود اعظم ہونا ہے ــــ حب الدنیا راس کل خطیئة۔ مزاج و مذاق نبوی یہ ہے کہ اللھم لا عیش الا عیش الآخرة (اے اللہ زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے) وان الدار الآخرة لھی الحیوان۔ اس دعا کے آخر میں فرمایا گیا ہے:۔

---

[۱] ابوداؤد عن ابن عمرؓ [۲] ترمذی عن انسؓ [۳] ترمذی عن ابن عمرؓ

ولا تجعل الدنیا اکبر ہمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔ [۱]

اور دنیا کو نہ ہمارا مقصود اعظم بنا، اور نہ ہمارے معلومات کی انتہا اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور ہم پر اس کو حاکم نہ کر جو ہم پر نا مہربان ہو۔

دین کو جو چیز آسان، مرغوب و محبوب بناتی ہے۔ معصیتوں سے طبعی نفرت پیدا کرتی ہے۔ دُنیا کی محبت کو ریشہ ریشہ سے نکالتی اور اس کی بڑی سے بڑی عظمت کو دل و نگاہ سے گراتی۔ بڑے بڑے امتحانوں میں قدم کو جماتی اور دل کو تھامتی ہے وہ حقیقی محبتِ الٰہی ہے۔ جس کا دل اس محبت کا لذت آشنا ہو گیا۔ اس کے دل کو نہ کوئی جلال مرعوب کر سکا، نہ کوئی جمال مسحور کر سکا۔

عجب چیز ہے لذت آشنائی دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو

ضابطہ کا تعلق یا قانونی اطاعت اس محبت کا قائم مقام نہیں ہو سکتا کہ ضابطہ چور دروازے بھی پیدا کر لیتا ہے۔ تاویلیں اور قانونی موشگافیاں بھی جانتا ہے۔ اکتاتا بھی ہے۔ تھک بھی جاتا ہے۔ لیکن محبت تاویل سے نا آشنا اور تکان اور اکتاہٹ سے بیگانہ ہے۔ کہ وہ زخم بھی ہے اور مرہم بھی۔ راہ بھی ہے اور منزل بھی۔

عشق خود راہ است و ہم خود منزل است عاشقاں را خستگیٔ راہ نیست!

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام سے اس محبتِ الٰہی کی دعا فرمائی ہے۔ ایک دعا کے الفاظ ہیں:۔

اللّٰھمَّ اجعل حبّك احبَّ اِلَیَّ من نفسی واھلی ومن الماء البارد [۲]

اے اللہ اپنی محبت مجھے پیاری کر دے میری جان سے اور میرے گھر والوں سے اور سرد پانی سے بھی بڑھ کر۔

ایک دوسری دعا کے الفاظ ہیں:۔

اللّٰھمَّ اجعل حبّك احبَّ الاشیاء الیَّ واجعل خشیتك اخوف

---

[۱] ترمذی و نسائی عن بن عمرؓ۔ [۲] ترمذی عن ابی الدرداء عن موافو۔

الاشیاء عندی واقطع عنی حاجات الدنیا بالشوق الی لقائک واذا اقررت اھل الدنیا من دنیاھم فاقرر عینی من عبادتک۔ [1]

اے اللہ اپنی محبت کو میرے لیے تمام چیزوں سے محبوب تر اور اپنے ڈر کو میرے لیے تمام چیزوں سے خوفناک تر بنادے اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق دے کر دنیا کی حاجتیں مجھ سے قطع کردے اور جہاں تو نے دنیا والوں کی آنکھیں ان کی دنیا سے ٹھنڈی کر رکھی ہیں، میری آنکھ اپنی عبادت سے ٹھنڈی رکھ۔

ایک اور دعا کے الفاظ ہیں:۔

اللھم ارزقنی حبک وحب من تنفعنی حبہ عندک۔ اللھم فما رزقتنی مما احب فاجعلہ قوۃ لی فیما تحب، اللھم وما زویت عنی مما احب فاجعلہ فراغا لی فیما تحب۔

اے اللہ مجھے اپنی محبت نصیب کر اور اس شخص کی بھی محبت تیرے نزدیک میرے حق میں نافع ہو۔ یا اللہ جس طرح تو نے مجھے وہ دیا جو مجھے پسند ہے۔ اے میرا معین بھی اس کام میں بنادے جو تجھے پسند ہو۔ اے اللہ تو نے جو دور رکھا ہے مجھ سے ان چیزوں میں سے جو مجھ کو پسند ہیں تو اسے میرے حق میں ان چیزوں کے لیے موجب فراغ بنادے جو تجھے پسند ہیں۔

لیکن یہ محبت، یہ اطاعت، یہ توفیق عبادت، یہ ذکر و شکر کی دولت، سب اس کی اعانت و عنایت پر منحصر ہے۔ اس لیے محبوب خدا نے اپنے ایک محبوب صحابی کو پُر محبت الفاظ میں میں تاکید فرمائی۔

یامعاذ واللہ لاحبک، اوصیک یامعاذ لاتدعن فی کل صلاۃ ان تقول۔ اللھم اعنی علی ذکرک وشکرک وحسن عبادتک۔

اے معاذ واللہ مجھے تم سے محبت ہے تو میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ یہ دعا کسی نماز میں

---

[1] کنز العمال عن ابی بن مالکؓ۔

ترک نہ ہو۔ کہ اے اللہ میری اپنے ذکر، اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت پر مدد فرما۔

یہ ہیں حدیث کی وہ دعائیں جن میں نبوت کا نور و یقین، انبیاء کا علم و حکمت اور اس معرفت و محبت کی تجلیات ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت اور سید الانبیاء علیہ السلام کا امتیاز ہے جس طرح چہرۂ نبوی پر نظر پڑتے ہی عبداللہ ابن سلام کی طبع سلیم نے شہادت دی تھی۔ واللہ لیس بوجہ کذاب (بخدا یہ کسی دروغگو کا چہرہ نہیں ہوسکتا) اسی طرح ان دعاؤں کو پڑھ کر ذوق سلیم شہادت دیتا ہے کہ نبی معصوم کے سوا کسی کا کلام نہیں ہوسکتا۔

لذت آشنا رومیؒ نے دونوں کے متعلق شہادت دی ہے۔ ؎

در دل ہر کس کہ دانش را مزہ است روئے و آواز پیمبر معجزہ است!

کمالات نبوت اور علم نبوت کی معرفت و شناخت کے لیے جس طرح سیرت کے ابواب اور اعمال و اخلاق و عبادات ہیں۔ اسی طرح ایک دلیل نبوت اور معجزۂ نبوی یہ ادعیۂ ماثورہ ہیں۔

کتنی خوش قسمت ہے وہ امت جس کو نبوت کی وراثت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں دین و دنیا کا خزانہ اور غیب کی نعمتوں اور دولتوں کی یہ کنجیاں ملیں۔ اور کتنی بدقسمتی اور پست ہمتی ہے اگر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جائے۔[۳] ("فاران" سیرت نمبر)

---

[۱] ترمذی عن عبد اللہ بن یزید الانصاری۔ [۲] ابو داؤد، والنسائی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ [۳] یہاں یہ بات بے تکلف زبان قلم پر آتی ہے کہ منکرین حدیث کی بہت سی محرومیوں میں سے ایک بڑی محرومی یہ بھی ہے کہ وہ ان مسنون دعاؤں اور الفاظ نبوی سے محروم ہیں۔ جو حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ حدیث کی صحت و ثبوت میں ان کو جو شبہات ہیں وہ قدرتی طور پر اس بیش بہا ذخیرہ سے فائدہ اٹھانے اور اس کو دعا و اظہار مدعا کا ذریعہ بنانے سے مانع ہیں۔ وکفی بہ عقابا۔

تصحیح مضمون بالا کی پہلی قسط شائع شدہ الفرقان بابت ماہ جمادی الاولیٰ میں صفحہ ۲۵ کی آخری سطروں میں ایک دعا کے ترجمہ میں یہ جملہ آیا ہے "میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں" اس میں "نور سے پناہ" کے بجائے "نور کی پناہ" صحیح ہوگا۔ علیٰ ہذا آخری سطر میں ہے "یا تیری رضامندی مجھ پر وارد ہو" یہاں "رضامندی" کے بجائے "نارضامندی" بنالیا جائے ——— (ادارہ)

اکرام مسلم

(از جناب محمد اشرف خاں صاحب ایم اے۔ لکچرر اسلامیہ کالج پشاور)

اسلام ایک ابر رحمت تھا جو وادئ بطحا سے اٹھا اور جس جگہ برسا اپنی فیض گستریوں سے اسے جنت کا نمونہ بنا گیا، اس نے عالم کو ایک عالمگیر اخوت و برادری کا درس دیا، ....
انسانی عدل، باہمی غمگساری اور حسن سلوک کا سبق پڑھایا، اس نے زیر دستوں کی دستگیری کی۔ بے کسوں اور بے چاروں کی چارہ گری کی۔ کمزوروں کو توانائی اور غلاموں کو آزادی بخشی اور دنیا کو ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کی دعوت دی، جہاں رنگ و نسل، مرز بوم اور قوم وطن کی خود ساختہ انسانی پابندیاں ٹوٹ کر رہ جائیں۔ جہاں دولت و ثروت طاقت وجاہ کی باہمی رقابت و منافست اور طبقاتی عناد و کشمکش کا وجود نہ ہو اور تمام اولاد آدم ایک الٰہی رشتہ میں منسلک ہو کر باہم بھائی بھائی بن جائے۔ اور جہاں عزت و فضیلت کا مدار نسل و وطن اور دولت و ثروت کے بجائے نیکی اور پرہیز گاری ہو جائے۔ اسلام کے اس حیات بخش پیغام اور انقلاب آفریں دعوت کو صحیفۂ اسلام نے ان جامع الفاظ میں پیش فرمایا ہے۔

یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات ۲۰)	اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت

وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو۔ بے شک اللہ بہت جاننے والا اور باخبر ہے۔

قرآن نے یہ اعلان کرکے کہ نسلی وخاندانی تقسیم صرف تعارف کے لیے ہے، عزت وذلت کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ عزت وذلت کے جاہلی پیمانہ کو توڑ دیا اور اسکے برعکس ایمان اور عمل صالح کو عزت وذلت کا مدار قرار دیا کہ اگر مومن ومتقی ہے تو خواہ کسی خاندان اور کسی قوم سے ہو وہ قابل اکرام اور واجب الاحترام ہے، اور اگر ایمان وتقوی سے خالی ہے تو خواہ کوئی بھی ہو اللہ کی نظر میں ذلیل وحقیر ہے چنانچہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارشاد فرمایا کہ:۔

ان اللہ قد اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء انما مومن تقی او فاجر شقی الناس کلھم من آدم وآدم من تراب۔ (مشکوٰۃ ص۴۱۸ بحوالہ ترمذی وابوداؤد)

اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء واجداد پر فخر کرنے (کی جاہلی رسم) دور کردی ہو اب (آدمیوں کی اصلی تقسیم صرف یہ کہ) یا مومن نیکوکار یا فاجر بدکار (نسل ونسب پر غرور کا کوئی سوال ہی نہیں کیونکہ) تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی اصل مٹی ہے۔

ابن عمرؓ کی ایک طویل روایت جو اس موقع پر بعض مفسرین نے نقل کی ہے۔ اس کے آخری الفاظ یہ ہیں:۔

قال الحمد للہ الذی اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وتکبرھا یا ایھا الناس ان الناس رجلان بر تقی کریم علی اللہ وفاجر شقی ھین علی اللہ ثم تلی یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی الخ (معالم التنزیل ج۴ ص۱۹۱ وخازن زیر آیت مذکورہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور تکبر دور کر دیا۔ اے لوگو! اب لوگ دو قسم کے ہوں گے یا نیک متقی جو اللہ کے نزدیک معزز ہوگا یا بدکار شقی جو اللہ کے نزدیک رذیل ہوگا پھر آپ نے یہ آیت پڑھی یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی الخ

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلی تفوق، قومی تفاخر اور عصبی غرور کے تار وپود کو اس بلیغ انداز سے بکھیر کر رکھ دیا ہے۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا

نہ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ

لا حمر علی اسود کلکم ابناء آدم وآدم من تراب۔ — گورے کو کالے پر۔ سب آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

غرض اسلام نے اس طرح اونچ نیچ اور شرافت و رذالت کے سارے خودساختہ پیمانے توڑ کر اپنے ماننے والوں کو ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر انھیں ایمان کی بنیاد پر ایک عالمگیر بھائی چارہ قائم کرنے کا درس دیا۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات - ۱) — مسلمان تو سب آپس میں بھائی ہیں۔

یہ بھائی چارہ نسبی بھائی چارہ سے بڑھ کر ہے۔ کہ کافر و مسلم سگے بھائی ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے بلکہ ایک مسلمان جس کا نسبی بھائی کافر ہو اگر مر جائے تو اس کے وارث مسلمان ہوں گے۔ نسبی تعلق ایک مادی رشتہ ہے جو فانی ہے لیکن اسلام کا روحانی تعلق ایک لازوال حقیقت ہے۔ اسی لیے اسلامی اخوت کے ایک متوالے نے کہا ہو۔ ؎

ابی الاسلام لا اب لی سواہ ✻ اذا افتخروا بقیس او تمیم

میرا باپ اسلام ہے، اور اس کے سوا میرا کوئی باپ نہیں۔ جب کہ لوگ قیس و تمیم کے قبیلوں میں سے ہونے پر فخر کریں (یعنی میرے لیے کسی قبیلے سے ہونا فخر نہیں بلکہ مسلمان ہونا فخر ہے۔)

پس جو شخص بھی اس رشتہ میں منسلک ہو گیا وہ پوری ملت اسلامیہ کا بھائی بن گیا اور وہ سارے حقوق اسے حاصل ہو گئے جو ایک بھائی کے دوسرے بھائیوں پر ہوتے ہیں۔ ارشاد ہوا ہو:۔

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ (التوبہ - ۲) — سو اگر یہ لوگ (کفر سے) توبہ کر لیں. نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں. تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔

اسلامی اخوت کے اس شجرہ طیبہ کی حفاظت اور نشو و نما کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی اہم اور پیہم ہدایتیں دی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے

ولا تحسسوا ولا تجسسوا ولا تناجشوا ولا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللّٰہ اخوانا۔
(صحیح بخاری باب قولہ یا ایہا الذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن الآیۃ۔ ص ۸۹۶ ج ۲)

ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو اور ایک دوسرے کے عیبوں میں بحث نہ کرو، ایک دوسرے کی خرید کی چیز کی قیمت (خواہ مخواہ قیمت بڑھوانے کے لیے) نہ بڑھاؤ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو۔ اور نہ ایک دوسرے سے منھ پھیرو۔ اور اے خدا کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

ایک دوسری روایت میں امام مسلم نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یخذلہ ولا یحقرہ التقویٰ ھھنا ویشیر الی صدرہ ثلاث مرات بحسب امرء من الشر ان یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ و عرضہ
(صحیح مسلم باب تحریم ظلم المسلم ص ۳۱۷ ج ۲)

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرے، نہ اسکو بے مدد چھوڑے۔ نہ اس کی تحقیر کرے (پھر) سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرکے تین مرتبہ فرمایا۔ تقوی کا تعلق اس جگہ سے ہو۔ انسان کے لیے یہ برائی کافی ہے۔ کہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کہ دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کا خون اس کا مال اور اسکی آبرو۔

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:۔

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تو وہ نہ اس پر ظلم کرے گا اور نہ اس کو اس کے دشمن کے حوالے کرے۔ جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں رہے گا، خدا اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ اور جو کوئی مسلمان کی تنگی دور کرے، خدا اس کے بدلہ قیامت میں اس کی تنگی دور فرمائے گا۔ اور جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کریگا

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا پردہ رکھے گا" (سنن ابی داؤد کتاب الادب)

حضرت ابو درداءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

قال من رد عن عرض اخیہ رد اللہ عن وجہہ النار یوم القیمۃ (ترمذی باب ماجاء فی الذب عن المسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کی آبرو بچائی اللہ قیامت کے دن اس کے چہرے کو آگ سے بچائے گا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔ (صحیح بخاری کتاب الایمان ص۱/۶)

مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان کے ضرر سے دوسرے مسلمان بچے رہیں۔

مسلمانوں کی عزت و عظمت اور ان کے جان و مال کی ایک دوسرے پر حرمت نبوت کے آخری دربار عام (حجۃ الوداع) میں نہایت ہی بلیغ اور موثر انداز میں ذہن نشین کرائی گئی چنانچہ منیٰ کے مقام پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد ہوا۔

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال فان ھذا یوم حرام قال اتدرون ای بلد ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال بلد حرام قال اتدرون ای شہر ھذا قالوا اللہ ورسولہ اعلم قال شہر حرام قال فان اللہ حرم علیکم دماءکم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا فی بلدکم ھذا (بخاری ص۲۳۴)

جانتے ہو یہ کونسا دن ہے، لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ حرمت والا دن ہے (پھر) فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کونسا شہر ہے لوگوں نے جواب دیا اللہ اور اسکا رسول زیادہ جاننے والے ہیں فرمایا یہ حرمت والا شہر (بلد حرام) ہے، پھر پوچھا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے لوگوں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں فرمایا یہ حرمت والا مہینہ (ماہ حرام) ہے پھر جیسے دن، مقام اور

مہینہ کی عظمت وحرمت لوگوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہوگئی، تو فرمایا اللہ نے تم پر تمہارے خون، مال اور آبروئیں اس حرمت والے شہر میں اس حرمت والے مہینہ میں اس حرمت والے دن کی طرح حرام کردی ہیں۔

مسلمان کی قدر ومنزلت اور اللہ کی نظر میں اس کی جان ومال اور عزت وآبرو کی حرمت ظاہر فرمانے کے لیے آپ نے ایک دن یہ پُراثر انداز اختیار فرمایا کہ عبداللہ ابن عمرؓ کہتے ہیں:۔

رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یطوف بالکعبۃ ویقول ما اطیبک واطیب ریحک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المومن اعظم عند اللہ حرمۃ منک مالہ ودمہ وان نظن بہ الاخیرا۔ (ابن ماجہ باب حرمۃ دم المومنین ومالہ ص۲۹)	میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کعبہ کا طواف فرماتے ہوئے فرمارہے ہیں تو کتنا پاک ہے اور تیری ہوا کتنی پاک ہے اور کتنی عالی تیری عزت ہے لیکن قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے مومن اور اس کے جان ومال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے بھی زیادہ ہے اور اس کے متعلق نیک گمان ہی کیا جاسکتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:۔

المومن اکرم علی اللہ عزوجل من الملئکۃ (ابن ماجہ باب المسلمون فی ذمۃ اللہ عزوجل)	مومن اللہ کے نزدیک فرشتوں سے بھی زیادہ شرف والا ہے۔

مسلمان کا یہی شرف اور اس کی یہی فضیلت تھی جس کے متعلق قرآن کریم نے گواہی دی۔

وَلِلّٰہِ الْعِزَّۃُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ (منافقون ـــ ۱)	اور عزت تو اللہ کے لیے ہے۔ اور اس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے۔

پس، جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی نظر میں مومن کی اتنی قدر ومنزلت ہے تو اہل ایمان پر بھی لازم ہے کہ آپس میں حسب مرتبہ عزت وتوقیر اور شفقت ومحبت کا معاملہ کریں یہ اہل ایمان کا ایک دوسرے پر بنیادی حق ہے۔ اور جو شخص ایمانی برادری کے اس حق کی رعایت نہیں کرتا وہ فی الحقیقت اس قابل

نہیں ہے کہ اس برادری کا رکن رہے. چنانچہ ارشاد نبوی ہے:۔

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا۔	جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کی عزت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔
(ترمذی باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان ص ۱۴ ج ۲)	

اور اسی بنا پر مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس کا قتل کفر کے مترادف قرار دیا گیا. صحاح کی مشہور روایت ہے

سباب المومن فسوق وقتالہ کفر	مسلمان کو گالی دینا خدا کی نافرمانی اور اس سے لڑنا (مقاتلہ) کفر ہے۔
(بخاری باب ما ینھی عن السباب واللعن وابن ماجۃ ص ۲۹۱)	

ایک دوسری حدیث میں مومن پر لعنت بھیجنا اس کے قتل کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ بخاری کی روایت ہے

ومن لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بکفر فھو کقتلہ۔	مومن پر لعنت بھیجنا گویا اس کا قتل کرنا ہے اور مسلمان پر کفر کی تہمت لگانا بھی (گویا) اس کا قتل کرنا ہے۔
(بخاری ص ۸۹۳ ج ۲)	

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے فرمایا:۔

لا ترجعوا بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض۔	دیکھو میرے بعد کافر نہ ہو جانا، کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔
(بخاری باب الانصات للعلماء)	

ایک دوسری روایت میں ہے:۔

من حمل علینا السلاح فلیس منا۔	جو ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں ہو۔
(مسلم ص ۶۹ ج ۱، بخاری ص ۱۰۴۲ ج ۲)	

اس بارے میں اس قدر تاکید کی گئی ہے کہ اگر عین میدان جنگ میں کوئی کافر صرف کلمہ پڑھ لے تو اسے قتل کرنا حرام ہے. چنانچہ حضرت اسامہ ابن زیدؓ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہینہ کے حرقہ نامی قبیلہ کی طرف (جہاد کے لیے) بھیجا۔ ہم نے ان پر چھاپہ مارا اور انھیں شکست دی. (اسامہؓ کہتے ہیں کہ اس دوران میں) میں اور میرے ایک انصاری ساتھی اسی قبیلہ کے ایک شخص کے قریب پہنچے. اور جب ہم نے اسے (قتل کرنے کے لیے) گھیر لیا تو وہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھا۔

اس پر میرے انصاری ساتھی نے تو اسے چھوڑ دیا اور میں نے اسے اپنے نیزے سے وار کر کے قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے اور اس قصہ کی رسول اللہ صلعم کو خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا۔ اے اسامہؓ تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ .... اس نے جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے پھر فرمایا تم نے اسے لا الٰہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا، اور اس جملہ کو افسوس اور رنج سے اتنی بار دہرایا کہ (اسامہؓ کہتے ہیں) میں تمنا کرنے لگا کہ کاش اس دن سے پہلے میں ایمان نہ لایا ہوتا (یعنی یہ گناہ مجھ سے اسلام لانے سے قبل صادر ہوتا تاکہ اسلام لانے سے یہ دھل جاتا)

(بخاری کتاب الدیات ص ۱۰۱۸ ج ۲)

اس قصہ کے ضمن میں صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس نے اسلحہ کے خوف سے کلمہ پڑھا تھا۔ تو آپ نے (نہایت بلیغ انداز میں) فرمایا۔

افلا شققت عن قلبہ (صحیح مسلم ص ۶۸ ج ۱) — تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا ہوتا کہ وہ حقیقت میں ایمان لاکر کلمہ پڑھ رہا تھا یا جان بچانے کے لیے پڑھ رہا تھا۔ مراد یہ تھی کہ دل کا حال اللہ کو معلوم ہے تمہیں چاہیئے تھا کہ زبانی اقرار پر اکتفا کرتے)

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گیے ہیں (کہ آپ نے فرمایا)

فکیف تصنع بلا الٰہ الا اللہ اذا جاءت یوم القیمۃ۔ (صحیح مسلم ص ۶۸ ج ۱) — قیامت کے دن جب تمہارے سامنے اس کا "لا الٰہ الا اللہ" آئے گا تب تم کیا کرو گے؟ (یعنی اس وقت تمہارے پاس کیا جواب ہوگا؟)

ان روایتوں کے نقل کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک "لا الٰہ الا اللہ" پڑھ لینے کا کتنا وزن ہے (جو کہ اسلامی برادری میں شرکت کا ابتدائی نشان ہے) کہ اگر کوئی غیر مسلم حالت جنگ میں بھی (جب کہ اسکی صداقت کافی مشکوک ہوتی ہے) اس نشان کو ظاہر کر دے تو اس کی جان و مال اور عزت و آبرو محترم ہو جاتی ہے۔ پس جب ایسے شخص

کے معاملہ میں بھی یہ حکم ہے تو جن لوگوں کے متعلق کوئی شک بھی نہ ہو اور ان میں ایمان کی دوسری علامتیں بھی موجود ہوں ان کی حرمت ظاہر ہے کہ کس درجہ کی ہوگی۔ اور ان کے حقوق ایک مسلمان پر وہ کیونکر نہ ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم نے بھی اخوت کے ان حقوق کو بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ج وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ط بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ج وَمَن لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ○ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا ط أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط إِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ○

(الحجرات ۱۰—۱۲)

مسلمان تو سب بھائی ہیں۔ سو اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ اے ایمان والو نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہیے کیا عجب ہے کہ (جن پر ہنستے ہیں) وہ (ان ہنسنے والوں) سے (خدا کے نزدیک) بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہیے۔ کیا عجب کہ وہ (ان ہنسنے والیوں) سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دوسرے کو طعنہ دو۔ اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے پکارو۔ کہ ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا ہی برا ہے۔ اور جو (ان حرکتوں سے) باز نہ آویں تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو گمانوں سے عموماً بچا کرو۔ کیونکہ بعضے گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ مت لگایا کرو۔ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے پس تم کو اس سے [illegible] اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا مہربان ہے۔

اخوت و محبت کی یہی تعلیم تھی جس نے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بدوؤں کو باہم بغل گیر کر دیا۔ جاہلی عصبیت کے بت توڑ کر قریشی النسل فاروق اعظمؓ کی زبان سے حبشی النسل سابق غلام بلالؓ کو "آقا" کہلوا دیا (بخاری مناقب بلال ص ۵۳۱ ج ۱) ہر زد بوم، نسل و وطن، قوم و تمدن کی انسانی حد بندیوں کو مسمار کر کے صہیبؓ رومی، سلمانؓ فارسی، بلالؓ حبشی اور ابو سفیانؓ قریشی کو لا الٰہ الا اللہ کی اسلامی برادری کی ایک صف میں کھڑا کر دیا اور پھر اس صف میں رخنہ ڈال سکنے والی ہر چیز کا راستہ یہ کہہ کر بند کر دیا گیا:۔

لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ۔ (بخاری باب من الایمان ان یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ)

تم میں سے اس وقت تک کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک جو (خیر) اپنے لیے پسند کرتا ہو وہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے بھی پسند نہ کرے۔

ایک طرف کمال ایمان حاصل کرنے کا وہ شوق تھا جو اللہ و رسول کے پیہم ارشادات سے ابھر رہا تھا اور دوسری طرف اخوت کے اس انتہائی تقاضہ کی تکمیل کو کمال ایمان کے لیے موقوف علیہ قرار دیدیا گیا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا باہمی تعلق جسد واحد کے مختلف اعضاء کے باہمی تعلق کی طرح ہو گیا کہ ایک کی خوشی سب کی خوشی اور ایک کا غم سب کا غم۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضو تداعیٰ لہ سائر جسدہ بالسھر والحمیٰ۔ (بخاری باب رحمۃ الناس والبھائم ص ۸۸۹ ج ۲)

مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم کرنے آپس میں محبت کرنے اور شفقت کرنے میں جسم انسانی کی طرح پاؤ گے۔ کہ ایک عضو میں کوئی تکلیف ہو تو بدن کے سارے اعضاء بیخوابی و حرارت میں اس کے شریک ہو جاتے ہیں۔

ایک دوسری روایت میں ہے:۔

المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ وان اشتکی راسہ اشتکی کلہ۔

سارے مسلمان ایک شخص کی طرح ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھے تو سارا بدن تکلیف محسوس کرتا ہو اور اگر سر میں درد ہو تو تمام جسم اس درد سے بیقرار

(صحیح مسلم باب تراحم المومنین وتعاطفہم وتعاضدہم) ہوجاتا ہے۔

(ص $\frac{۳۲۱}{۲۶}$)

مسلمانی غم دل درخریدن — چو سیماب از تپ یاراں تپیدن
حضور ملت از خود درگذشتن — دگر بانگ انا الملت کشیدن

اقبالؒ

قصر ملت کی تمام تر مضبوطی، جسد اسلامی کی تمام قوت، اور امت کے قالب کی طاقت اسی اخوت ومحبت اور الفت وتراحم کی وجہ سے ہے جس کا مرکز ومنبع للّٰہی تعلق اور اسلام پر تصلب ہے جو تمام ملت اسلامیہ کو ایک لڑی میں پروتا اور امت مرحومہ کے مختلف افراد کی شیرازہ بندی کرتا ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد خداوندی ہے:۔

یا ایہا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ	اے مسلمانو! خدا سے ڈرو، جیسا کہ اس سے
حق تقتہ ولا تموتن الا وانتم	ڈرنے کا حق ہو اور نہ تم مرو لیکن مسلمان
مسلمون۔ واعتصموا بحبل	اور خدا کی رسی سب مل کر مضبوطی سے پکڑے
اللّٰہ جمیعاً ولا تفرقوا واذکروا	رہو اور ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جاؤ۔ اور یاد کرو
نعمت اللّٰہ علیکم اذ کنتم اعدآء	اپنے اوپر اللہ کے احسان کو کہ تم باہم دشمن تھے
فالف بین قلوبکم فاصبحتم	مگر اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم
بنعمتہ اخواناً (آل عمران ۔ ۱۱)	بھائی بھائی ہو گئے۔

اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنا ہی وہ چیز ہے جو امت اسلامیہ کے مختلف افراد اور مختلف طبقات میں اخوت ومحبت اور الفت وتراحم کا رشتہ پیدا کرتی ہے اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو پھر کسی قیمت پر نہ یہ رشتہ برقرار رہ سکتا ہے اور نہ پیدا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی سے قرآن نے کہا:۔

ولو انفقت ما فی الارض جمیعاً	اگر تو زمین میں جو کچھ ہے وہ سب بھی
ما الفت بین قلوبہم ولکن	خرچ کر دیتا تب بھی ان کے دلوں کو ملا
اللّٰہ الف بینہم انہ عزیز حکیم	نہ سکتا۔ لیکن خدا نے ملا دیا۔ بیشک وہ
(انفال ۔ ۸)	غالب اور حکمت والا ہو۔

چنانچہ جب سے مسلمانوں نے دین کی رسّی کو ڈھیلا چھوڑا ہے۔ ان کا اجتماعی شیرازہ بکھر کر رہ گیا، وہ امت جس کے افراد باہمی الفت و محبت کے ایک تار میں منسلک تھے۔ وا حسرتا! کہ آج اس کے افراد او رمختلف گروہ " قلوبھم شتّٰی " کا سماں پیش کر رہے ہیں۔ اپنے کو اچھا اور دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھنا عام رواج بن کر امت کے اتحاد و اتفاق کو پراگندہ کر چکا ہے۔ حالانکہ اسلام کی تعلیم یہ تھی کہ خود پسندی و خود بینی اور اپنے بھائی کی عیب چینی روا نہیں کہ معیار بلندی و بزرگی تقویٰ ہے اور کسے معلوم کہ ذات الٰہی کے نزدیک کون زیادہ متقی ہو ارشاد ربانی ہے:۔

فلا تزکوا انفسکم هو اعلم	سو (بہت) اپنی پارسائی نہ جتایا کرو وہ ہی خوب
بمن اتقی۔ (نجم - ۲)	جانتا ہو کہ کون متقی ہو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو:۔

بحسب امرئ من الشر ان	انسان کے لیے یہ برائی کافی ہو کہ اپنے
یحتقر اخاہ المسلم۔	مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔

(صحیح مسلم ص ۳۱۶/۲)

اور اس میں ہر مسلمان (خواہ وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو) شامل ہو، کہ لا الٰہ الا اللہ کے اقرار کے بعد وہ اسلام کے دائرے میں داخل ہو چکا۔ اور نہ معلوم اس کلمہ کی کونسی نورانیت اس کے قلب میں موجود ہو جس کی وجہ سے وہ اللہ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہو۔ کہ پروردگار عالم کی نگاہیں قلوب کو دیکھتی ہیں اور ہم کسی کا پہلو چیر کر اسکی قلبی حالت کا جائزہ نہیں لے سکتے۔

اس لیے ہمیں چاہیئے کہ صرف کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہونے کی بنا پر ہر مسلمان بھائی کی عزت کریں اور اگر اس میں کوئی عیب یا برائی ہو تو اس برائی اور گناہ کو برا جانیں۔ لیکن گنہگار کی ذات سے نفرت نہ کریں کہ ہمیں بیماری سے نفرت کرنی چاہیئے، لیکن بیمار کے ساتھ شفقت کا سلوک کرنا چاہیئے۔ اسی طرح ہمارے جو بھائی گناہوں کی بیماریوں میں پھنس گئے ہیں محبت و الفت اور رأفت و رحمت کے جذبے سے حکیمانہ اور مشفقانہ انداز میں ان کی برائیاں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو:۔

ان احدکم مرآۃ اخیہ	بیشک تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ

فان رای به اذیً فلیمطه عنه۔

(ترمذی باب ما جاء فی شفقة المسلم علی المسلم)

ہے اگر اس میں کوئی عیب دیکھے تو دور کردے یعنی جس طرح آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھنے پر اگر کوئی بری چیز لگی ہوئی معلوم ہو تو ہم اسے دور کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے بھائی مسلم کا عیب بھی دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

یہی طریقہ ہے جس کے ذریعہ عالمگیر اسلامی اخوت کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑا جا سکتا ہے اور انتشار و پراگندگی کی موجودہ کیفیت کو دور کیا جا سکتا۔ ورنہ باہمی بدظنی و عیب جوئی اور تذلیل و تحقیر کا موجودہ سلسلہ قائم رکھ کر اخوت و یکجہتی کا چین حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بخاری کی وہ روایت ہے جس میں فرمایا گیا ہے:-

"بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو نہ باہم بغض رکھو، بلکہ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔

(بخاری باب ما ینہی عن التحاسد والتدابر ص ۸۹۶ ج ۲)

اس کی شرح میں ابن حجرؒ لکھتے ہیں:-

كانه قال اذا تركتم هذه المنهيات كنتم اخوانا ومفهومه اذا لم تتركوها تصيروا اعداء ومعنى كونوا اخوانا اكتسبوا ما تصيرون به اخوانا مما سبق ذكره وغير ذلك من الامور المقتضية لذلك نفياً واثباتاً

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم ان منہیات کو چھوڑ دو گے تو بھائی بھائی ہو جاؤ گے، اور اس کا مفہوم یہ ہو کہ جب ان کو نہ چھوڑو گے تو دشمن ہو جاؤ گے اور بھائی بھائی بننے کے معنی یہ ہیں کہ وہ اخلاقی خوبیاں حاصل کرو جن کی وجہ سے بھائی بھائی بن جاؤ اور یہ اخلاقی خوبیاں وہ ہیں جن کا ذکر اوپر گذرا اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور ہیں۔ جو اخوت کو نفیاً یا اثباتاً پیدا کرتے ہیں۔

مسئلہ نزولِ مسیحؑ

اور

مولانا سید سلیمان ندویؒ

[الفرقان بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ میں نزول مسیحؑ کے متعلق بعض شبہات کا جواب دیتے ہوئے اس سلسلہ میں مولانا سید سلیمان ندویؒ کا مسلک زیر بحث آیا تھا۔ اس سلسلہ میں پشاور (پاکستان) سے سید صاحبؒ کے فیض یافتہ جناب محمد اشرف خاں صاحب لکچرار شعبۂ عربی، اسلامیہ کالج پشاور کا ایک مکتوب موصول ہوا ہے جو ذیل میں درج کیا جا رہا ہے —— نعمانی]

مخدومی و مکرمی دامت فیوضکم و دام ظلکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ ماہنامۂ الفرقان لکھنؤ بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ (دسمبر ۱۹۵۵ء) میں آپ کا قابل قدر مضمون "مسئلہ نزول مسیح ۔ چند شبہات کا جواب" کے عنوان سے پڑھا۔ اور یہ دیکھ کر دکھ اور تعجب ہوا کہ سیدی و مولائی حضرت الشیخ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت نزول مسیح علیہ السلام اور ظہور مہدیؑ کے متعلق ایسے مسلک کو منسوب کیا گیا ہے جو سلف صالحین کی راہ سے ہٹا ہوا تھا۔ میں باوجود اشتیاق کے "صدق" کے مطالعہ سے محروم رہتا ہوں، کہ یہاں نہیں آتا۔ اسلئے جو کچھ 'صدق' میں شائع ہوا بغیر دیکھے اس پر اظہار رائے کرنا تو خلاف احتیاط معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کے مسلک کی وضاحت اپنا فریضہ اور حق سمجھتا ہوں۔ اس بارے میں سب سے زیادہ قابل وثوق چیز حضرت والا رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اپنی تحریر ہو سکتی ہے۔ اور خدا کا شکر ہے کہ اس بارے میں حضرت والا کی اتنی واضح اور کھلی ہوئی تحریر موجود ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ تحریر حضرت والا کے رسالہ "اہل السنۃ والجماعۃ" کی دوسری اشاعت (ایڈیشن) میں جو مکتبہ مشرق آرام باغ کراچی سے ۱۳۷۱ھ میں شائع ہوا موجود ہے۔ اس تحریر کے نقل کرنے سے پہلے حضرت والا کے

پیش لفظ کا کچھ حصہ جو اس ایڈیشن کے شروع میں ہے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سے حضرت کے مسلک کے تعین میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے گی۔

"..... اور آخر[۵] میں عقائد کی افادیت اور عقائد کی تفصیل کا اضافہ کیا گیا تاکہ عام مسلمان اہلسنت کے صحیح عقائد سے واقف ہوں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ اس سے مسلمانوں کو مستفید فرمائیں۔ والسلام۔

سید سلیمان ندوی۔ دار الحکومت کراچی۔ ۲۰ شوال ۱۳۷۱ھ"

(قابل نقل عبارت اسی اضافہ میں ہے جس کے متعلق حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیش لفظ میں لکھ چکے ہیں کہ ..... اضافہ کیا گیا تاکہ عام مسلمان اہلسنت کے صحیح عقائد سے واقف ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت کا عقیدہ یہی تھا اور اسے ہی آپ صحیح سمجھتے تھے۔ عبارت یہ ہے۔ "خدا اور رسول نے قیامت کی جتنی نشانیاں بتائی ہیں سب ضرور ہونے والی ہیں، امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور خوب انصاف سے بادشاہی کریں گے۔ کانا دجال نکلے گا اور دنیا میں بہت فساد مچائے گا۔ اسکے مار ڈالنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور اسکو مار ڈالیں گے ......"

(رسالہ اہل السنۃ والجماعت ص۴۷ سطر ۱۲ تا ۱۶)

فقیر کے نزدیک اس کھلی شہادت کے بعد کسی زبانی روایت کی ضرورت نہیں رہتی کہ بعض اوقات سمع غلطی کر جاتا ہے اور بیان میں غلط فہمی پیدا ہونے کا احتمال بھی ہوتا ہے تاہم نزول مسیح کے متعلق ایک بات جسے راقم آثم نے اپنے کانوں سے ۱۹۵۲ء میں راولپنڈی میں حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا بیان کرنی نامناسب معلوم نہیں ہوتی۔ حضرت والا پنڈی میں علالت کی بنا پر جناب ملک ایم قریشی صاحب کے بنگلہ پر مقیم تھے۔ میں بھی صحبت و خدمت کے خیال سے وہیں فروکش تھا۔ ایک شب ایک صاحب نے قادیانیت وغیرہ کے متعلق حضرتؒ سے سوال کیے۔ اسی ضمن میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے استفسار پر حضرت شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا۔

"کہ یہ تو قرآن سے ثابت ہے اور انہ لعلم للساعۃ سے یہی مفہوم ہوتا ہے"۔ (او کما قال رحمہ اللہ تعالیٰ)

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ آپ نے حضرت والا کے صحیح مسلک کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

بہرحال امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ظہور مہدیؑ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مسلک ان سطور سے زیادہ واضح اور مبرہن ہو گیا ہوگا۔ اللہ رب العزت حضرتؒ کے حقوق کی ادائیگی کی توفیق اس نااہل کو بخشیں اور حضرت والا کی تعلیمات و فیوض سے بہرہ مند فرمائیں۔ فقط والسلام۔

فقیر الی اللہ تعالیٰ محمد اشرف۔ ۲۷ جمادی الاول ۱۳۷۵ھ

---

[۵] یعنی اسی ایڈیشن کے آخر میں۔

اعلان

اگر کسی صاحب کے پاس الفرقان کے ذیقعدہ ۷۰ھ - ذیقعدہ ۷۴ھ اور ربیع الاول ۷۵ھ کے پرچے فاضل ہوں تو مندرجہ ذیل پتہ پر مطلع فرما دیں۔

جناب مولوی محمد ابو ذر صاحب۔ جامعہ مفتاح العلوم مئو (اعظم گڈھ) موصوف کو ان شماروں کی شدید ضرورت ہے۔

منیجر

معذرت: ہمیں افسوس ہے کہ یہ شمارہ بجائے ۶۵ کے ۴۰ صفحات پر شائع ہو رہا ہے۔ اس میں ہمارے قصد کو کوئی دخل نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے کاتب صاحب اس مرتبہ لکھنؤ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ کتابت کیلئے مضامین ان کے پاس ڈاک سے بھیجے گئے جن میں سے سادہ ڈاک سے بھیجے جانے والے مضامین تو سب ان کو مل گئے، مگر آخر میں مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کا مضمون (مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ) اور کچھ صفحات تعارف و تبصرہ کے جو ان کو رجسٹری سے بھیجے گئے تھے اب تک لاپتہ ہیں ــــ ان شاء اللہ آئندہ شمارہ میں اس کمی کی تلافی کر دی جائے گی۔ (منیجر)

اسلام کیا ہے
محمد منظور نعمانی
کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ
کلمہ طیبہ کی حقیقت
کتب خانہ الفرقان گوئن روڈ لکھنؤ
نماز کی حقیقت
قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنے
اور بلا جلد کاغذ معمولی ایک روپیہ آٹھ آنہ

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

شرح چندہ
ہندوستان میں سالانہ ۔ ...
پاکستان میں سالانہ ۔ ...
ششماہی (ہر دو) ...

اعزازی خریداروں سے
سالانہ ...
غیر ممالک سے
سالانہ چندہ دس شلنگ

قیمت فی کاپی آٹھ آنے

جلد ۲۳ | بابت ماہ رجب ۱۳۷۵ھ مطابق مارچ ۱۹۵۶ء | شمارہ ۵

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی، پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۲۴ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا۔

مقام اشاعت:۔ دفتر الفرقان، باغ گونگے نواب۔ امین آباد لکھنؤ۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

مسلمانوں میں اسلامی زندگی (اپنے وسیع مفہوم میں) پیدا ہونے کی ضرورت، ایک ایسی ضرورت ہو جو ہر قسم کی بحث و تمحیص سے بالاتر ہے۔ جہاں تک اس ضرورت کے احساس کا تعلق ہے وہ روز بروز پھیلتا جا رہا ہو ــــ یہ دوسری بات ہے کہ جتنا پھیلاؤ اس احساس کو حاصل ہو گیا ہے، اتنا اس احساس کے تقاضے کے مطابق عمل کو نہیں۔ اور اسلامی زندگی کی طرف عملی اقدام کا حلقہ اتنا وسیع نہیں ہے جتنا اس اقدام کی ضرورت کے احساس کا۔

اس ضرورت کا اصل اور سب سے زیادہ قابلِ اعتنا پہلو تو یہی ہو کہ اسلام کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہونے (یعنی دل و زبان سے مسلمان ہونے) کا لازمی تقاضا یہ ہو کہ آدمی عملاً وہ زندگی اختیار کرے جس کا نام اسلام ہو اور جو عبادت سے لے کر انسانی زندگی کے چھوٹے بڑے، تمام شعبوں پر حاوی ہو۔ لیکن ہندوستانی مسلمانوں کو خاص طور سے سامنے رکھا جائے تو اس ضرورت کے دو پہلو اور بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اُن کو آزادی کے بعد جن خاص مسائل و حالات سے سابقہ ہو، ان کا بنیادی حل بھی ان کی زندگی کا صرف وہ تغیر ہے جو اسلامی زندگی اور ایمانی سیرت و کردار کو اپنانے کی شکل میں رونما ہو ــــ جیسا کہ بار بار، مختلف عنوانات سے اس کی تشفی بخش وضاحت کی جا چکی ہے ــــ اس کے علاوہ ایک دوسرا پہلو اسلامی زندگی کی ضرورت کا یہ بھی ہو۔ اور بڑی اہمیت اور توجہ کا مستحق ہے، کہ ہندوستان، جو مسلمانوں کی آمد سے پہلے سے روحانی نقطۂ نظر کا حامل رہا ہو ــــ اگرچہ یہاں کا تصورِ روحانیت ہمارے نقطۂ نظر سے غیر صحیح ہو ــــ آج مسلمانوں کی موجودگی میں یہاں خالص مادی تصورِ حیات بڑی تیزی سے ذہنوں پر پھیلتا چلا جا رہا ہو اور وہ سب کچھ ہوتا نظر آ رہا ہے جو مادیت میں ڈوبے ہوئے ملکوں میں ہو رہا ہے اور جو مادی نقطۂ نظر کا قدرتی نتیجہ ہو۔ مادیت کے اس روحانیت کش سیلاب کی تباہ کاریوں کا اندازہ کرنے والے اور روحانیت کے زوال کو ملک کے لیے خطرہ سمجھنے والے، مادیت کے فروغ اور روحانیت کے زوال سے پریشانی محسوس کر رہے ہیں

اور چاہتے ہیں کہ روحانیت کا بچا کھچا سرمایہ کسی طرح اس سیلاب کی زد سے بچ جائے ۔۔۔ غالباً اسی احساس اور اسی خواہش کے ماتحت صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب نے حال ہی میں سادھوؤں کے ایک وفد کو خطاب کرتے ہوئے اُن سے اپیل کی ہے کہ

”وہ ملک میں پھیلی ہوئی مادیت کو دور کرنے کے لیے روحانیت کو عام کریں۔“

اور کہا ہے کہ

”ملک میں سادھوؤں کے کثیر ماننے والے ہیں اس لیے انھیں روحانیت کے مسلک کو عام کرنے کے لیے کام کرنا چاہیے۔“؎

لیکن حقیقت یہ ہے کہ مادہ پرستی کی موجودہ فضا میں روحانیت کو عام کرنا ان حضرات کا کام نہیں ہے جن سے ہمارے صدر جمہوریہ نے اپیل کی ہے۔ اس لیے کہ وہ روحانیت کا جو تصور رکھتے ہیں موجودہ انتہا پسندانہ مادیت درحقیقت اسی کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئی ہے۔ اور یہ ردعمل تقاضہ کرتا ہے کہ عالم انسانی کے لیے روحانیت کا ایک ایسا تصور ہی قابل قبول ہو سکتا ہے جس میں مادی تقاضوں کی بالکلیہ نفی نہ کی گئی ہو اور جس کی رو سے روحانیت کا مطلب مادی تقاضوں کو بالکل نظر انداز کر دینا نہ ہو ۔۔۔ اور بلا کسی تعصب و تنگ نظری کے، روحانیت کا ایسا تصور صرف اسلام میں ملتا ہے۔ جہاں روحانیت کا مطلب جسم کے مادی عنصر کے تقاضوں کو فنا کر دینا نہیں، بلکہ ان تقاضوں کو روحانی اقدار کے ماتحت کر دینا ہے۔

نوع انسانی جو انتہا پسندانہ روحانیت سے انتہا پسندانہ مادیت اور انتہا پسندانہ مادیت سے انتہا پسندانہ روحانیت کی طرف جا جا کے چکر کاٹتی رہی ہے۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دونوں انتہائیں اس کی فطرت کے خلاف ہیں اور اس کی تسکین و قرار کی واحد صورت یہ ہے کہ اس کی زندگی کا کوئی ایسا نقشہ تجویز کیا جائے جس میں روح بھی تسکین پائے اور مادہ کے جائز مطالبات پورے کرنے کی بھی گنجائش ہو ۔۔۔ اسلام نے انسانیت کی یہ مانگ پوری کی۔ اور اس نے روحانی تقاضہ کے تحت زندگی کا ایک ایسا نظام بنا کر دیا جس میں انسان کے مادی عنصر کو اپنے جائز مطالبات کے لیے احتجاج و فریاد کا موقع نہ رہے جس کے نتیجہ میں انسان انتہا پسندانہ یا خالص مادیت کی طرف مائل ہو جاتا۔

؎ قومی آواز مورخہ ۱۲ فروری ۵۶ء

نوع انسانی کو انتہا پسندی کے اس چکر سے بچانے کی اور انتہا پسندانہ روحانیت کے موجودہ ردعمل کی راہ سے ہٹانے کی صحیح صورت یہ ہو کہ روحانیت کے غلط اور انتہا پسندانہ تصور سے لوگوں کے ذہنوں میں روحانیت اور مادیت کے درمیان جو تضاد پیدا ہو گیا ہو روحانیت کا صحیح اور معتدل تصور پیش کر کے اس تضاد کے خیال کو دور کیا جائے اور پھر انھیں بتلایا جائے کہ زندگی کے روحانی اور مادی تقاضوں کو بیک وقت کیسے نبھایا جا سکتا ہو۔ یعنی زندگی کا ایک ایسا معتدل اور متوازن نظام کیونکر بن سکتا ہے جس میں یہ دونوں قسم کے تقاضے سموئے ہوئے ہوں اور جس میں دونوں کی حقیقی قدر و مراتب رعایت کی گئی ہو۔

لیکن بدقسمتی سے عام انسانیت کا عملی تجربہ اور مشاہدہ کچھ اس قسم کا ہے کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ انسان یا مادی ہو سکتا ہو یا روحانی۔ اس لئے اس عملی تجربہ اور مشاہدہ سے پیدا ہونے والے گمان یا یقین کو صرف نظری تعلیم و تبلیغ سے زائل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ اس نظریہ کو عملی ثابت کیا جائے، اور لوگوں کو ایسی زندگی کا مشاہدہ کرایا جائے۔ جس میں روح اور مادہ کے تقاضے ہم آہنگ نظر آئیں۔ جس میں لوگ دیکھیں کہ روحانیت کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے مادی علائق سے قطع تعلق کی ضرورت نہیں ہے اور روحانی اقدار کو محفوظ رکھتے ہوئے بھی مادی تقاضوں کو پورا کرنا ممکن ہے۔

ملک میں خالص مادیت کے پھیلنے کا یہ منظر جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، اس پر تشویش اور فکرمندی کا سب سے زیادہ حق یہاں کی امت مسلمہ کو پہونچتا ہے۔ اور مادہ پرستی کے اس خطرناک رجحان کو ختم کرنے کی جو تدبیر عرض کی گئی اس کو عمل میں لانے کی ذمہ داری بھی سب سے پہلے اس امت پر عائد ہوتی ہے۔ اور اس کی صورت یہی ہے کہ عمومی زندگی کو اسلامی نظام زندگی کے مطابق بنا کر دکھلایا جائے کہ جن دو چیزوں کو متضاد سمجھا جا رہا ہے انھیں اس طرح ساتھ لے کر چلا جا سکتا ہے۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

(باقی ملاحظہ ہو صفحہ ۵۵ پر)

معارف الحدیث

(سلسل)

اچھے اخلاق یا بُرے اخلاق

غصہ یا جلد بازی نہ کرنا :-

(۱۳۱) عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاشج عبد القیس ان فیک لخصلتین یحبہما اللہ الحلم والاناۃ۔

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ قبیلہ عبد القیس کے سردار اشج سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پیاری ہیں۔ ایک بردباری (غصہ سے مغلوب نہ ہونا) اور دوسرے جلدی نہ کرنا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے مدینہ طیبہ آیا۔ اس وفد کے سارے لوگ اپنی سواریوں سے کود کود کر جلدی سے حضور کی خدمت میں پہونچ گئے، لیکن رئیس وفد جن کا نام منذر اور عرفت اشج تھا انھوں نے یہ جلد بازی نہیں کی۔ بلکہ اُتر کے پہلے سارے سامان کو یکجا اور محفوظ کیا، پھر غسل کیا اور کپڑے تبدیل کیے اور اس کے بعد متانت اور وقار کے ساتھ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس رویہ کو پسند

فرمایا۔ اور اسی موقع پر ان سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم میں یہ دو خصلتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پیاری اور محبوب ہیں۔ ایک حِلْم (بردباری) یعنی غصہ سے مغلوب نہ ہونا اور غصہ کے موقع پر اعتدال پر قائم رہنا، اور دوسری اَنَاۃ یعنی کاموں میں جلد بازی اور بے صبری نہ کرنا، بلکہ ہر کام کو متانت اور وقار کے ساتھ اطمینان سے انجام دینا۔

(۱۳۲) عن سهل بن سعدٍ الساعدى ان النبى صلى الله عليه وسلم قال الْاَنَاةُ من الله والْعَجَلَةُ من الشيطان۔ (رواه الترمذى)

(ترجمہ) حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کاموں کو متانت اور اطمینان سے انجام دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور جلد بازی کرنا شیطان کے اثر سے ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) یعنی ہر ذمہ داری کو اطمینان سے انجام دینے کی عادت ایک محمود عادت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے۔ اور اس کے برعکس جلد بازی ایک بری عادت ہے، اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔

(۱۳۳) عن عبد الله بن سَرْجِسَ ان النبى صلى الله عليه وسلم قال السمت الحسن والتُّؤَدَةَ والاقتصاد جزء من اربع وعشرين جزءً من النبوّة۔ (رواه الترمذى)

(ترجمہ) عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت، اور میانہ روی ایک حصہ ہو نبوت کے چوبیس حصوں میں سے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے۔ ـــــ اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہو کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں۔ یا یہ کہ انسانی سیرت کی تعمیر کے سلسلہ میں انبیاء علیہ السلام جن خصائل کی تعلیم دیتے اور تلقین فرماتے ہیں ان کے چوبیس حصوں میں سے ایک حصہ یہ تین چیزیں ہیں۔ یعنی اچھی سیرت، اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی

عبادت۔ اور میانہ روی ——— "میانہ روی" ہم نے حدیث کے لفظ اقتصاد کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط و تفریط سے بچا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اس چیز پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپ نے اعتدال و میانہ روی کی تاکید فرمائی ہے۔ بعض صحابہ نے بہت زیادہ عبادت گذاری کا ارادہ کیا۔ یعنی دن کو ہمیشہ روزہ رکھنے اور پوری رات جاگ کر نمازیں پڑھنے کا منصوبہ بنایا تو آپ نے ان کو سخت تنبیہ فرمائی اور اس سے منع فرما دیا۔ اسی طرح بعض صحابہ نے جب اپنا پورا مال راہ خدا میں صرف کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے ان کو اس سے روک دیا اور صرف ایک تہائی کی اجازت دی ——— بہر حال اقتصاد کا مطلب یہی اعتدال کی چال ہے۔

تواضع و خاکساری اور غرور و تکبّر:-

(۱۳۴) عن عیاض بن حمار قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ اوحی الیّ ان تواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد۔ (رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی ہے اور حکم بھیجا ہے کہ تواضع اور خاکساری اختیار کرو۔ جس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ کوئی کسی پر ظلم زیادتی نہ کرے اور کوئی کسی کے مقابلہ میں فخر نہ کرے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) تواضع یعنی فروتنی اور خاکساری ان خاص اخلاق میں سے ہے جن کی قرآن و حدیث میں بہت زیادہ تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور بڑی ترغیب دی گئی ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان بندہ ہے اور بندہ کا حسن و کمال یہی ہے کہ اس کے عمل سے بندگی اور نیازمندی ظاہر ہو اور تواضع اور خاکساری بندگی اور عبدیت ہی کا مظہر ہے۔ جیسے کہ اس کے بالکل برعکس تکبّر کبریائی کا مظہر ہے۔ اور اسی لیے وہ شانِ بندگی کے قطعاً خلاف اور صرف خدا ہی کے لیے زیبا ہے۔

(۱۳۵) عن عمر رضی اللہ عنہ قال وھو علی المنبر یا ایھا الناس تواضعوا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تواضع للہ رفعہ اللہ فھو فی نفسہ صغیر و

فی اعین الناس عظیم ومن تکبر وضعہ اللہ فھو فی اعین الناس صغیر و فی نفسہ کبیر حتی لھو اھون علیھم من کلب او خنزیر۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے ایک دن خطبہ میں برسر منبر فرمایا، لوگو فروتنی اور خاکساری اختیار کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے جس نے اللہ کے لیے (یعنی اللہ کا حکم سمجھ کر اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے) خاکساری کا رویہ اختیار کیا (اور بندگان خدا کے مقابلہ میں اپنے کو اونچا کرنے کے بجائے نیچا رکھنے کی کوشش کی)، تو اللہ تعالیٰ اس کو بلند کرے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ اپنے خیال اور اپنی نگاہ میں تو چھوٹا ہوگا لیکن عام بندگان خدا کی نگاہوں میں اونچا ہوگا ــــ اور جو کوئی تکبر اور بڑائی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو نیچے گرا دے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عام لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و حقیر ہو جائے گا۔ اگرچہ خود اپنے خیال میں بڑا ہوگا لیکن دوسروں کی نظر میں وہ کتوں اور خنزیروں سے بھی زیادہ ذلیل اور بے وقعت ہو جائے گا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(۱۳۶) عن حارثۃ بن وھب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا اخبرکم باھل الجنۃ کل ضعیف متضعف لو اقسم علی اللہ لابرہ الا اخبرکم باھل النار کل عتل جواظ مستکبر۔

(رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ جنتی کون ہے؟ ہر وہ شخص جو (معاملہ اور برتاؤ میں اکھڑ اور سخت نہ ہو، بلکہ) عاجزوں کمزوروں کا سا اس کا رویہ ہو اور اس لیے لوگ اس کو کمزور سمجھتے ہوں، (اور اللہ کے ساتھ اس کا تعلق ایسا ہو کہ) اگر وہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کر دکھائے ــــ اور کیا میں تم کو

بتاؤں کہ دوزخی کون ہے؟ ہر اکھڑ، بدخو اور مغرور شخص۔

(بخاری و مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں اہل جنت کی صفت "ضعیف، متضعف" بتلائی گئی ہے، اس سے مراد وہ ضعف و کمزوری نہیں ہے جو قوت و طاقت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے، کیوں کہ وہ ضعف و کمزوری کوئی قابل تعریف صفت نہیں ہے، بلکہ ایک حدیث میں تو صراحۃً فرمایا گیا ہے کہ "المومن القوی خیر واحب الی اللہ تعالیٰ من المومن الضعیف" (صحیح مسلم) [طاقتور مسلمان خدا کے نزدیک کمزور مسلمان سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے] بلکہ جیسا کہ ترجمہ میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہاں ضعیف و متضعف سے مراد وہ شریف الطبع، متواضع اور نرم خو شخص ہے جو معاملہ اور برتاؤ میں عاجزوں اور کمزوروں کی طرح دوسروں سے دب جائے اور اس لیے لوگ اسے کمزور سمجھیں اور دبا لیا کریں۔۔۔ اسی لیے اس حدیث میں ضعیف، متضعف کے مقابلہ میں عتل، جواظ، متکبر کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تواضع و نرمی اور عاجزی اہل جنت کی صفت ہے اور غرور و استکبار اور اکھڑپن دوزخیوں کے اوصاف ہیں۔

اس حدیث میں جنتیوں کی صفت میں "ضعیف، متضعف" کے ساتھ ایک بات یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ اگر وہ بندہ اللہ پر قسم کھالے تو اللہ اس کی قسم پوری کردے۔" بظاہر اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس طرف اشارہ فرمانا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کے لیے اپنی خودی کو مٹا کر اس کے بندوں کے ساتھ عاجزی اور فروتنی کا رویہ اختیار کرے گا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ اتنا مقرب ہو جائے گا کہ اگر وہ قسم کھالے کہ فلاں بات یوں ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کی لاج رکھے گا اور اس کی بات کو پورا کر دکھائے گا۔ یا یہ کہ اگر وہ بندہ کسی خاص معاملہ میں اللہ کو قسم دے کر اس سے کوئی خاص دعا کرے گا تو اللہ اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔

(۱۲۷) عن عبد اللہ بن مسعود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لَا یدخل الجنۃ من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من کِبرٍ

(رواہ مسلم والبخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔ (مسلم و بخاری)

(تشریح) کبریائی اور بڑائی دراصل صرف اس ذات پاک کا حق ہے جس کے ہاتھ میں سب کی موت حیات اور عزت و ذلت ہے۔ جس کے لیے کبھی فنا نہیں اور اس کے علاوہ سب کے لیے فنا ہے قرآن مجید میں فرمایا گیا۔

ولہ الکبریاء فی السمٰوٰت والارض (اور اسی کے لیے کبریائی اور بڑائی ہو آسمانوں میں اور زمین میں۔)

پس اب جو بر خود غلط انسان کبریائی اور بڑائی کا دعویدار ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ غرور و تکبر اس کا رویہ ہو، وہ گویا اپنی حقیقت بھول کر اللہ تعالیٰ کا حریف بنتا ہے، اس لیے وہ بہت ہی بڑا مجرم ہے۔ اور اس کا جرم نہایت ہی سنگین ہے۔ اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ہو کہ اپنی اس فرعونی صفت کی وجہ سے وہ جنت میں نہ جا سکے گا۔

یہ اصولی بات پوری تفصیل سے پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جن حدیثوں میں کسی بد عملی یا بد اخلاقی کا انجام یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا مرتکب جنت میں نہ جا سکے گا۔ ان کا مطلب عموماً یہ ہوتا ہے کہ یہ بد عملی یا بد اخلاقی اپنی اصل تاثیر کے لحاظ سے جنت سے محروم کر دینے والی اور دوزخ میں پہونچانے والی ہے۔

یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کے مرتکب سچے ایمان والوں کے ساتھ اور ان کی طرح سیدھے جنت میں نہ جا سکیں گے۔ بلکہ اُن کو جہنم کا عذاب بھگتنا پڑے گا، اس لیے اس حدیث کا مطلب بھی اس اصول کی روشنی میں یہی سمجھنا چاہیے کہ غرور و تکبر اپنی اصلیت کے لحاظ سے جنت سے دور کر کے دوزخ میں ڈلوانے والی خصلت ہے۔ یا یہ کہ مغرور اور متکبر شخص سیدھا جنت میں نہ جا سکے گا، بلکہ اس کو دوزخ میں اپنے غرور و تکبر کی سزا بھگتنی پڑے گی اور جب وہاں آگ میں تپا کے اس کے تکبر کے مادہ کو جلا دیا جائے گا اور غرور کی گندگی سے اس کو پاک و صاف کر دیا جائے گا تو اگر وہ صاحب ایمان ہو تو اس کے بعد جنت میں جا سکے گا۔

(۱۳۸) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلثۃ

لا یکلمہم اللہ یوم القیٰمۃ ولا یزکیہم ـــــ وفی روایۃ ولا ینظر الیہم ـ ولہم عذاب الیم ، شیخ زانٍ وملک کذاب وعائل مستکبر۔

(رواہ مسلم)

(**ترجمہ**) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، تین آدمی ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا۔ اور ان کا تزکیہ نہیں کرے گا ـــــ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ان کی طرف نگاہ بھی نہیں کرے گا ـــــ اور ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ ایک بوڑھا زانی ، دوسرا جھوٹا فرمانروا ، اور تیسرا نادار و غریب متکبر۔

(صحیح مسلم)

(**تشریح**) بعض معصیتیں بذات خود بھی سنگین اور گناہ کبیرہ ہوتی ہیں ، لیکن بعض خاص حالات میں اور خاص اشخاص سے اگر ان کا صدور ہو تو ان کی سنگینی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے ۔ مثلاً چوری بذات خود بڑی معصیت ہے ۔ لیکن اگر چوری کرنے والا کوئی دولت مند ہو جس کو چوری کی کوئی ضرورت نہ ہو یا سرکاری سپاہی اور چوکیدار ہو تو پھر اس کا چوری کرنا اور بھی زیادہ سنگین جرم ہوگا اور اس کو قابل معافی نہیں سمجھا جائے گا ـــــ اس حدیث میں اسی قسم کے تین مجرموں کے حق میں اعلان فرمایا گیا ہے کہ ان بدبختوں بدنصیبوں سے قیامت کے دن اللہ تعالےٰ ہم کلام نہ ہوگا اور ان کا تزکیہ بھی نہ فرمایا جائے گا اور آخرت میں یہ مجرم رب کریم کی نظر رحمت سے بھی قطعی محروم رہیں گے ـــــ ایک بوڑھا زناکار ، دوسرا جھوٹا فرمانروا ، تیسرا ناداری کی حالت میں تکبر کرنے والا ـــــ اور یہ اس لیے کہ جوانی کی حالت میں اگر کوئی شخص زنا کا مرتکب ہو تو اس کا یہ گناہ کبیرہ ہونے کے باوجود قابل درگزر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ جوانی کی حالت میں شہوت سے مغلوب ہونا ایک فطری کمزوری ہے ـــــ لیکن اگر کوئی بوڑھا بڑھاپے میں یہ حرکت کرے تو یہ اس کی طبیعت کی سخت خباثت کی نشانی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی بیچارہ عام آدمی اپنی ضرورت نکالنے کے لیے جھوٹ بول جائے تو اس کا گناہ بھی کبیرہ ہونے کے باوجود قابل معافی ہو سکتا ہے ۔ لیکن ایک صاحب اقتدار حکمراں اگر جھوٹ بولتا ہے تو یہ اس کی طبیعت کی انتہائی گندگی اور خدا سے بے خوفی کی نشانی ہے ـــــ ویسے ہی کوئی دولت مند

اگر تکبر کرے تو انسان کی عام فطرت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مستبعد نہیں ع

"چو بدولت برسی مست نہ گردی مردی"

لیکن گھر میں فقر و فاقہ کے باوجود اگر کوئی شخص غرور و تکبر کی چال چلتا ہے تو بلاشبہ یہ اس کی انتہائی دناءت اور کمینہ پن ہے ــــ الغرض تینوں قسم کے یہ مجرم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہم کلامی سے اور اس کی نظر کرم سے اور تزکیہ سے محروم رہیں گے۔ تزکیہ نہ کیے جانے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ ان کے گناہ معاف نہیں کیے جائیں گے۔ اور صرف عقیدہ یا بعض اعمال صالحہ کی بنیاد پر ان کو مومنین صالحین کے ساتھ شامل نہ کیا جائے گا بلکہ ان کو سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ واللہ اعلم۔

بقیہ مضمون "حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ"

(صفحہ ۱۸)

آپ کے رہنماؤں نے مشورہ دیا۔ وہ کام اتنا ہی تھا کہ یہ ملک آزاد ہو جائے۔ چنانچہ یہ ملک آزاد ہو گیا۔ اب انسانوں میں صحیح انسانیت پیدا کرنے کے لیے از سر نو جدوجہد کرنی پڑے گی۔ اس کا بھی ایک راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے جو خدا کے پیغمبروں نے بتلایا اور اس پر چل کر ان کے ماننے والے منزل مقصود کو پہونچے اور انھوں نے دنیا میں حقیقی انسانیت کا نمونہ پیش کیا۔ اس کا سارا ہی ایمان و یقین اور خدا کا خوف ہے۔ یہ سچی خدا پرستی، یہ زندہ یقین اور یہ ضمیر کی بیداری پیغمبروں کے علاوہ کسی اور جگہ سے دستیاب نہیں ہو سکتی، اس کا خزانہ وہیں ہے۔ ہم کو اس کو اس خزانہ سے حاصل کرنے میں شرم و عار محسوس نہ ہونا چاہیے۔ اگر آج اس کے حصول اور اس کی دعوت و اشاعت کے لیے وہی جدوجہد شروع ہو۔ ملک کی آزادی کے لیے جو قربانیاں کی گئی تھیں وہی قربانیاں اس راستہ میں ہوں۔ بدیسی حکومت کو نکالنے کے لیے جو تکلیفیں برداشت کی گئی تھیں وہی سب تکلیفیں برداشت کی جائیں تو ملک کا نقشہ ہی اور ہو، حقیقی امن و اطمینان حاصل ہو، ہر طرح کی غلامیوں کا سلسلہ بند ہو۔ ملک کو حقیقی آزادی اور زندگی کا حقیقی لطف صرف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

"حقیقی فلاح و بہبود کا راستہ"

[مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک تازہ تقریر کا خلاصہ جو دعوت اصلاح و تبلیغ کے سلسلہ میں ۲۲ فروری ۱۹۵۶ء کو امین الدولہ پارک لکھنؤ کے ایک عام اجتماع میں کی گئی۔ جس کے حاضرین میں ایک خاصی تعداد غیر مسلموں کی بھی تھی۔]

دوستو اور بھائیو! ہم اور آپ جس جگہ جمع ہیں یہ پارک ہندستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ جنگ آزادی کا مورخ اس کو فراموش نہیں کر سکتا جب تحریک خلافت اور تحریک آزادی کا عروج تھا تو یہ پارک بڑے بڑے سیاسی جلسوں کا مرکز تھا۔ میری آنکھوں نے یہاں بڑے بڑے مناظر دیکھے ہیں۔ میں نے یہاں گاندھی جی اور بڑے بڑے لیڈروں کی تقریریں سنی ہیں۔ اور سول نافرمانی کے زمانہ میں انگریزی فوج کا تسلط بھی دیکھا۔

عزم کی طاقت

جس زمانے میں ہندستان کی آزادی کا خواب دیکھا گیا تھا اس وقت بڑے بڑے سمجھ دار لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ جو لوگ ۲۰۔۳۰ سال پہلے یقین دلاتے تھے کہ آزادی ضرور حاصل ہوگی ان کی بات پر تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی یقین نہیں آتا تھا۔ ۱۹۴۲ء کے فیصلہ تک ایسے لوگ اس ملک میں موجود تھے جو ان باتوں پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ برطانیہ اس ملک سے جو اس کے تاج کا کوہ نور ہے اور جس سے اس کی دنیا میں ساکھ قائم ہے کس طرح دست بردار ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ انہونی بات ہو کر رہی۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں صرف انسانوں کا فیصلہ اور عزم شرط ہے۔

اس طاقت کا اعلیٰ مصرف

جس طرح آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ملک کو انگریزی کی غلامی سے آزاد کرانا ہے اور اپنے رہنماؤں کی قیادت میں جد و جہد کی۔ اور یہ

خواب پورا ہو کر رہا۔ اسی طرح اگر آپ اس سے بڑھکر کوئی منصوبہ بناتے اور اسکے لیے بھی قربانیاں دیتے تو وہ بھی پورا ہو سکتا تھا اگر اس وقت آزادی ہی سب سے بلند اور آخری چیز معلوم ہوتی تھی۔ یقیناً آزادی بڑی نعمت اور زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اور اس کے لیے جو قربانیاں کی جائیں وہ بجا ہیں۔ ہم کو ان رہناؤں کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے۔ جنھوں نے آزادی کی جنگ لڑی اور ملک کو آزاد کرایا۔ لیکن میں نہایت صفائی سے عرض کروں گا کہ اگر ہماری یہی طاقت اور فیصلہ کی قوت جس کی بدولت ہمارے ملک سے غلامی کی لعنت ختم ہوئی۔ اس سے زیادہ حقیقی اور مکمل آزادی کے حصول اور انسانیت کی تعمیر اور ترقی اور انسان کو انسان بنانے کے کام پر صرف کی جاتی تو یہ دنیا کا سب سے اہم کام اور مشکلات و مسائل کا اصلی اور مستقل حل ہوتا۔

بے لطف آزادی

میں آزادی کی نعمت کی تحقیر اور ناشکری نہیں کرتا۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں نہیں رہ سکتا کہ دنیا کا سب سے عظیم الشان کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انسان حقیقی انسان بن جائے۔ اس کے بغیر آزادی اور خود مختاری کے بعد بھی زندگی کا حقیقی لطف و مسرت اور صحیح خوش حالی حاصل نہیں ہو سکتی اور انتشار، کشمکش و بے اطمینانی ختم نہیں ہو سکتی۔ مصیبت، پریشانی اور ذلت ہمیشہ دوسروں ہی کی شکل میں نہیں آتی۔ وہ کبھی اپنے اندر سے بھی اُبھرتی ہے۔ ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ کے لیے پردیسی ہونا شرط نہیں ہے۔ ایک ملک کے رہنے والے خود اپنے ملک کے اندر بطور خود بھی یہ خدمت انجام دینے لگتے ہیں۔ میں غلامی سے نفرت ہرگز کم نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن ذرا جذبات اور تعصبات سے الگ ہو کر سوچیے کہ ہم انگریز کو اپنا دشمن کیوں سمجھتے تھے، اور غلامی سے ہمیں کیوں نفرت تھی۔ اس لیے کہ ہمیں زندگی کا حقیقی لطف میسر نہ تھا۔ ہم کو سکون و اطمینان حاصل نہ تھا، ہم کو ہماری ضروریات زندگی آسانی سے میسر نہیں ہوتی تھی۔ ہم ہمدردی، خلوص، محبت اور تعاون سے محروم تھے جس کے بغیر زندگی تلخ اور یہ دنیا ایک جیل خانہ ہے۔ دوستو! فرض کرو اگر باہر کی غلامی چلی گئی لیکن ہم کو خود ایک دوسرے کو غلام بنانے کا چسکہ پڑ گیا۔ ہم کو خود ایک دوسرے پر ظلم کرنے میں مزہ آنے لگا۔ ہم بھی ایک دوسرے سے بیگانہ اور اجنبی ہیں۔ ہمدردی اور تعاون سے ناآشنا ہیں۔ ایک شہری دوسرے شہری کے ساتھ وہی برتاؤ کرنے پر آمادہ ہو اور اسکے موقع کا منتظر ہے جو ایک فاتح ایک غلام کے ساتھ اور ایک دشمن دوسرے دشمن کے ساتھ کرتا ہے، یا میں اگر اپنے فاضل سامان راحت میں آہستہ آپ کی ضروریات زندگی چھین کر بھی اضافہ کرنے پر مصر اور بضد ہوں تو کیا آزادی اور کیا

لطف زندگی ہے؟۔

خطرناک ذہنیت

ملک میں اس ذہنیت کا رواج زور پکڑ رہا ہے جس کو قرآن نے ایک قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے پاس دو فریق مقدمہ لیکر آئے۔ ایک نے کہا کہ اے پیغمبر خدا اور اے بادشاہ وقت! ہمارا انصاف کیجیے۔ میرے اس بھائی کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں اور میرے پاس لے دے کر ایک ہے۔ مگر یہ ظالم کہتا ہے کہ اپنی ایک بھیڑ بھی دے دو تاکہ میری ۱۰۰ کی گنتی پوری ہو جائے"۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کسی ملک کے شہریوں کی یہی ذہنیت بنتی چلی جائے تو کیا اس ملک کو آزادی کی حقیقی دولت حاصل ہے؟۔ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہو کہ اس ملک کا ہر شہری وہی پارٹ ادا کرنا چاہتا ہے جو دوسرے ملک کی ایک قوم اس ملک کے باشندوں کے ساتھ ادا کرتی تھی۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ملک کی آزادی کے لیے جان توڑ کوشش کی گئی اور ملک آزاد ہو گیا لیکن انسان کے دل و دماغ اور روح کی آزادی کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی اور وہ بدستور غلام ہے۔ ملک سے باہر کے ظالم کو تو نکال دیا گیا لیکن خود اپنے دل سے ہوس کو نہیں نکالا گیا جو انسان کو ظلم پر آمادہ کرتی ہے۔ وہ بدستور موجود ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔

پیغمبروں کا خاص کارنامہ

یہ عظیم کام خدا کے پیغمبر انجام دیا کرتے ہیں۔ پیغمبروں نے خدا کی دی ہوئی تمام طاقت اور اپنی ساری توجہ حقیقی اور مکمل انسان کے بنانے پر صرف کی۔ انھوں نے صرف ملک کی آزادی کو اپنا مطمح نظر نہیں بنایا بلکہ ان احساسات کو پیدا کرنے اور بیدار کرنے پر، اس عقیدے اور ایمان کو قلب و دماغ میں جاگزیں کرنے پر اور ان اخلاق کو زندہ کرنے پر اپنی توجہ صرف کی جن کے ساتھ نہ باہر کی غلامی کی گنجائش تھی اور نہ اندر کی غلامی کی جن کی موجودگی میں آدمی نہ دوسروں کا ظلم سہہ سکتا تھا۔ نہ دوسروں پر ظلم کرنا گوارا کر سکتا تھا۔ جن کی بدولت نہ وہ دوسروں کا شکار ہو سکتا تھا نہ غیروں کا شکاری بن سکتا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال لیجیے۔ آپ کے گرد جانبازوں اور سرفروشوں کی جو جماعت اکٹھا ہو گئی تھی اس کے ذریعہ سے آپ ہر قسم کا کام کرا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے سیرت و کردار کی تعمیر میں اپنی ساری قوت صرف کی۔ آپ نے یقیناً انسانیت کو وہ ایجادات اور ذرائع اور وہ آلات نہیں عطا فرمائے جو یورپ کے سائنس دانوں نے اس اخیر دور میں دیئے۔ لیکن آپ نے ابوبکرؓ و عمرؓ اور علیؓ جیسے انسان عطا کیے جو انسانیت کے حق میں رحمت و برکت

ثابت ہوئے۔ آج بھی اگر انسانیت سے سوال کیا جائے کہ اس کو ابوبکر جیسا انسان حکومت کے انتظام کے لیے چاہیے یا کوئی بہتر سے بہتر ایجاد تو یقیناً اس کا جواب یہی ہوگا کہ اس کو ابوبکر جیسا انسان چاہیے اس لیے کہ اس نے ان ایجادوں کا خوب تجربہ کر لیا ہے کہ حقیقی انسانوں کی عدم موجودگی میں وہ دنیا کے لیے مصیبت اور ہلاکت کا پیغام بن گئی ہیں۔

سب سے اہم کام

دوستو! ہم نے بار بار کہا ہے اور ہمیشہ کہیں گے کہ سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ انسان کو حقیقی معنی میں انسان بنایا جائے۔ اس کے اندر سے گناہ اور ظلم کی خواہش ختم ہو۔ نیکی اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔

شاہ کلید!

انسانی زندگی کے رشتہ میں ہزاروں گرہیں پڑی ہوئی ہیں۔ انسانی زندگی کے ہزاروں مشکلات اور مسائل ہیں اور ان پر بھاری بھاری تالے پڑے ہوئے ہیں۔ ان سب تالوں کو کھولنے کی ایک ہی کنجی ہے اس کو شاہ کلید کہتے ہیں یا (MASTER KEY) یہ کنجی خدا کے پیغمبروں کو ملتی ہے، اور جس کو ملتی ہے انھیں کے ذریعہ ملتی ہے، یہ کنجی کیا ہے، خدا کی ہستی کا یقین اور اس کا خوف! اس کنجی سے انسانی زندگی کا ہر قفل آسانی سے کھل جاتا ہے اور اس کی گرہیں سلجھتی چلی جاتی ہیں۔ یوں سمجھئے کہ پیغمبروں کا ہاتھ بجلی کے بٹن پر ہوتا ہے، انھوں نے سوئچ دبایا اور سارا گھر روشن ہو گیا جس کا ہاتھ اس تک نہیں پہونچتا وہ کس طرح روشنی لا سکتا ہے؟۔

ناقص منصوبہ بندی

آج ہر ملک کی تعمیر و ترقی اور جدید تنظیم کے لیے نئے نئے پلان اور منصوبے (PROJECT) بنائے جا رہے ہیں۔ ہمارے ملک میں بھی یہ کام بڑی تیزی سے ہو رہا ہے۔ خدا ان منصوبوں کو کامیاب کرے۔ لیکن یہ منصوبے ہماری نگاہ میں ابھی تک ادھورے اور ناقص ہیں۔ ان میں انسانیت کی تعمیر، سیرت سازی، اور اخلاقی اصلاح کا کوئی خانہ نہیں، ہمارا یقین ہے کہ جب تک طبیعتوں میں حرص و ہوس کی آگ سلگ رہی ہو۔ دولت کا بھوت سوار ہے، انسان صرف روپیہ پیدا کرنے اور اس سے عیش کرنے ہی کو زندگی کا مقصود سمجھتا ہے اس وقت تک کوئی نقشہ اور منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا، جن ملکوں میں یہ منصوبے پورے طور پر کامیاب ہو چکے ہیں وہ ملک عرصہ ہوا ان منزلوں.... کو طے کر چکے ہیں کیا ان کو حقیقی امن و اطمینان حاصل ہے؟ کیا وہاں جرائم نہیں ہوتے؟ جرائم

میں تو وہ ملک ہمارے ملک سے کہیں ترقی یافتہ ہیں۔ وہاں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں۔ بڑے بڑے دولت مندوں اور کارخانہ داروں کو راستہ چلتے اڑا لیا جاتا ہے اور پھر ان کے عزیزوں کو دھمکا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ آج ان ملکوں کا اخلاقی زوال اس حد کو پہونچ گیا ہے کہ ان کو اپنی ہستی کو قائم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ ایک قوم پرستی اور وطنیت کا شعور ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے پھر بھی ان کا زوال کچھ دور نہیں اور اقبال کا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ ؎

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے گرتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

حضرات! یہ دولت ستانی، یہ مجرمانہ ذہنیت، یہ ظلم و ستم کی خواہش، کسی مذہب کی قائل اور کسی فرقہ کی حامی نہیں ہے۔ چور اور مجرم کا مذہب نہ ہندو ہے نہ مسلمان، جس کے اندر یہ سیرت، یہ کیرکٹر پیدا ہو جائے اس کو اس کی پرواہ نہیں رہتی کہ وہ جس کا گلا کاٹ رہا ہے وہ کس مذہب و ملت کا ہے۔ وہ تو بھائی کو بھی نہیں دیکھتا۔

سنگین خطرہ

دوستو! کوئی حادثہ اس سے بڑھ کر اور کوئی خطرہ اس سے زیادہ سنگین نہیں کہ خدا کے نام پر اس ملک میں کوئی آواز بلند کرنے والا نہ ہو۔ کہیں کوئی اخلاقی اصلاح اور حقیقی انسانیت کی دعوت و تحریک نہ ہو۔ آج ہمارے ادب، ہماری صحافت اور ہماری سوسائٹی پر یا تجارت کا تسلط ہے یا سیاست کا، ملک کے بڑے بڑے اخبار اٹھا کر پڑھ لیجئے۔ سوائے ان دو موضوعوں کے کوئی خبر ایسی نہ ملے گی جس کا تعلق روحانیت یا اخلاق یا انسانیت سے ہو اس بارے میں تمام سیاسی پارٹیوں اور تحریکوں کا ایک ہی مزاج ہے۔ کسی کو اس صورت حال سے اختلاف اور کسی کی اس کے خلاف جنگ نہیں، ان کی ساری کشمکش اس لیے ہے کہ ان کو قیادت اور لیڈرشپ حاصل ہو، اور جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب ہماری رہنمائی اور نگرانی میں ہو۔

اخلاقی زوال کا عبرتناک منظر

اخلاقی زوال بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچ گیا ہو کہ اب انسان کو انسانیت کی تذلیل سے تفریح ہوتی ہے۔ بلکہ ذوق اتنا بگڑ گیا ہے کہ انسانیت جتنی پست سطح پر اُترے۔۔۔ اتنی ہی آسودگی اور تفریح ہوتی ہے یہ فلم اور پکچر یہ ناول اور افسانے، یہ عریاں تصویریں اور فحش گانے کیوں آپ کی تفریح کا سامان

ہیں ؟ کیا ان میں انسانیت کو ذلیل شکل میں نہیں دکھلایا جاتا ؟ کیا یہ آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کو جو آپ کے بھائی اور بہن ہیں ایسی شکل میں نہیں پیش کرتیں جو انسانیت کے لیے باعث ننگ و عار ہیں ۔ کیا آپ کو ان تصویروں اور کھیلوں اور ان فلموں اور ناولوں میں انسانیت کی ذلت اور رسوائی نظر نہیں آتی ۔ پھر آپ کی طبیعتوں میں کیوں اشتعال اور غیرت پیدا نہیں ہوتی ۔ اور آپ ان کو کس طرح گوارا کرتے ہیں ؟ جب کوئی سوسائٹی اخلاقی حیثیت سے معیاری ہوتی ہے تو اس کا کوئی فرد کسی فرد کی ذلت برداشت کرنا تو الگ رہا اس کے متعلق کسی بداخلاقی کے واقعہ کا سننا بھی گوارا نہیں کرتا ۔ قرآن مجید میں ایک غلط الزام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "تم نے سنتے ہی کیوں نہ اس کی تردید کی اور صاف کہہ دیا کہ محض ایک بہتان اور اتہام ہے ۔ تم نے اپنے متعلق نیک گمان کیوں نہ کیا اور اپنے اوپر اعتماد سے کام نہیں لیا ؟" یہ ہے اس سوسائٹی کی بات جو آئیڈیل سوسائٹی کہنے کی مستحق ہے ۔ جس میں ہر فرد دوسرے فرد کا آئینہ ہوتا ہے ۔ اس کا مقابلہ اس گری ہوئی سوسائٹی سے کیجئے جس کے کچھ افراد دوسرے افراد کی اخلاقی گراوٹ اور خلاف شرافت و انسانیت حرکات سے لذت و تفریح حاصل کرتے ہیں ۔ ایک انسان اپنے جسم کو عریاں کرتا ہے ۔ ہوا و ہوس کا شکار بنتا ہے ، اپنی عزت اور اپنے ضمیر کو فروخت کرتا ہے ۔ سینکڑوں ہزاروں آدمی اس کا تماشہ دیکھتے ہیں ۔ اور تفریح حاصل کرتے ہیں ۔ اخلاقی گراوٹ اور بے حسی کی اس سے زیادہ عبرتناک مثال اور کیا ہو سکتی ہے ۔

اگر یہی حال رہا ! یہی وہ حالات اور آثار ہیں جن سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ملک اپنی تمام مادی ترقیوں اور ظاہری خوش حالیوں کے باوجود کہیں زوال کا شکار نہ ہو جائے ۔ یہ بداخلاقیاں ، گناہ اور تعیشات کا یہ رجحان ، بیماریوں اور وباؤں سے کہیں زیادہ خطرناک ہے ۔ آپ مجھے کسی ایک گذشتہ قوم کا نام بتلا دیجئے جس کے متعلق تاریخ میں یہ درج ہو کہ یہ پوری کی پوری قوم فلاں بیماری یا وبا کی نذر ہو کر بالکل فنا ہو گئی ——— لیکن میں آپ کو بیسیوں قوموں کے نام بتلا سکتا ہوں جو بداخلاقیوں کا شکار ہو کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں ۔

نجات کا راستہ حضرات ! آپ نے اس ملک کی آزادی کے لیے جد و جہد کی ، اس کے لیے قربانیاں پیش کیں ، اور اس کے لیے وہ راستہ اختیار کیا جس کا آپ کو

(باقی صفحہ ۱۱۲ پر)

مکتوب (۱۱۹) مخدوم زادہ شیخ عبدالاحدؒ[ملہ] کے نام (اوّل حصّہ)

الحمد للہ العلی الاعلیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ

فرزند ارجمند شیخ عبدالاحد نے اس مسکین سے دریافت کیا ہے کہ "سالکان" ادائے نماز کے وقت کس چیز کی طرف متوجہ ہو؟ ذات حق کی طرف جو مسجود و معبودِ حقیقی ہے یا قرآنِ مجید کی طرف جوکہ مابہ نماز ہو یا کعبہ کی طرف جوکہ "مسجود الیہا" ہے؟ یا خشوع و خضوع اور تعدیل ارکان کیطرف جوکہ "مامور بہا" ہیں یا ان تمام امور کی جانب بیک وقت ساتھ ساتھ؟ اور ان میں سے ہر شق پر کچھ شبہات پیش کیے ہیں ......

سعادت آثارا! نماز پڑھنے والے کے لیے جو چیز ضروری اور مامور بہ ہے وہ یہ ہے کہ ارکانِ نماز کی طرف دھیان رکھے قومہ، جلسہ وغیرہ میں طمانینت اور خشوع و خضوع ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے..

قد افلح المؤمنون الذین ھم فی صلوٰتھم خاشعون ــــ اور نماز میں خشوع یہ ہے کہ نظر کو مثلاً قیام میں سجدہ کی جگہ پر رکھے (اسی طرح رکوع و سجود وغیرہ میں اپنی اپنی جگہ نظر رکھے) اس کے ساتھ ساتھ قرأت قرآن پر توجہ ہو اور "معانی و اسرارِ قرآن میں متفکر ہو (اگر اہل معنی میں سے ہو) ورنہ اتنی تصور کافی ہے کہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے ــــ" ذاتِ بحت کی جانب توجہ کرنا ماموراتِ نماز میں سے نہیں ہے.... اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ امور مذکورہ (جو خشوع کے معنی بتاتے ہوئے میں نے ذکر کیے ہیں) کی جانب توجہ کرنا ذاتِ معبود کی طرف توجہ کرنا ہے بے ملاحظۂ اسماء و صفات ــــ

مکتوب (۱۲۱) شیخ ابوالقاسم کے نام ــــ

...... دوستوں کی بے پروائی اور عدمِ توجہ سے ملول نہ ہوں ــــ ان سب باتوں کو حق تعالیٰ

ملہ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ابن الابن یعنی حضرت خواجہ محمد سعید سرہندیؒ کے صاحبزادے اور حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے برادر زادے ہیں۔ پہلے اپنے والد کے مرید ہوئے پھر اپنے چچا حضرت خواجہ محمد معصوم سے خلافت پائی۔ بعد از خواجہ محمد نقشبند ابن حضرت الوثقیؒ سے بھی استفادہ باطنی کیا۔ آپ صاحب تصانیف تھے۔ ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ کو دہلی میں وفات پائی، سرہند میں دفن ہوئے (روضۃ القیومیہ)

کی طرف سے جائیں۔ بندوں کے دل اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں جس طرح چاہتا ہے ان کو گھماتا ہے:

از خیال خلاف دشمن و دوست
کہ دل ہر دو در تصرف اوست

جو شخص تم سے دوستی رکھتا ہے وہ تم کو اللہ تعالیٰ سے ہٹا کر اپنی جانب مشغول کرنا چاہتا ہے اور جو تم سے دوستی نہیں رکھتا وہ (درحقیقت) تم کو حق تعالیٰ کی جانب مشغول ہونے کا موقع دے رہا ہے ــــ اللہ کے ساتھ مشغول رہنا بہتر ہے یا مخلوق کے ساتھ؟ ــــ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

یارب ہمہ خلق را بمن بدخو کن ✻ وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کن از ہر جہتے ✻ در عشق خودم یک جہت و یکرو کن

مکتوب (۱۲۳) ــــ شیخ ابوالقاسم کے نام ــــ

الحمد للہ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ تمہارے مکتوبات پہونچے مسرت بخش ثابت ہوئے ــــ تم نے آپس میں مصالحت و صفائی کے متعلق لکھا ہے ــــ بہت اچھا ہوا ــــ "آشتی" جس قدر بھی ہو اتنا ہی اچھا ہے ــــ دوستوں سے بتقاضائے بشریت کوئی قصور ہو جاتا ہے اور کوئی ایسی بات سرزد ہو ہی جاتی ہے جو منافی دوستی ہوتی ہے ایسی غلطیوں سے درگذر کرنا چاہیے اور دوستوں کی خوبیاں پیش نظر رکھنی چاہئیں ــــ

ع اگر مردی احسن الیٰ من اساء

ایک شخص نے کسی (بزرگ) کے سامنے کسی شخص کی برائی بیان کی انھوں نے کہا (بھائی) ہماری نظر تو اس کی اچھائیوں پر ہے کہ وہ اس کی برائیوں سے زائد ہیں ــــ ہم اس کی اچھائیاں لیتے ہیں اور برائیوں سے درگذر کرتے ہیں ــــ

آقا اپنے غلام کے ساتھ بھی اسی نقطۂ نظر سے معاملہ کرتا ہے ــــ غلام کا غلام کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ یہ معاملہ ہونا چاہیے۔ تم نے لکھا ہے کہ "بعض صاحبین" نے خبریں مجھ تک پہونچائی تھیں "بمقتضائے حسن ظن" میں نے ان کے قول پر اعتماد کر لیا تھا اور آزردہ خاطر ہو گیا ــــ اہل علم سے اس قسم کی باتیں محل تعجب ہیں ــــ لگانے بجھانے والوں کی باتوں کو تو "حسن ظن" کے ساتھ قبول کر لیا اور جانب دیگر جو مستحق حسن ظن تھی وہاں حسن ظن نہ کیا گیا (چہ خوب) ــــ

(غنو) جو شخص چغلخور ہے اس کا قول ہرگز قابل قبول نہیں ــــ چغلخوری کو قبول کرلینا چغلخوری سے بھی
زیادہ بُرا ہے اس لیے کہ چغلخوری "دلالت" ہے اور اس کا قبول کرنا "اجازت" ہے۔ ظاہر ہے
کہ دلالت کرنے والا اور قبول کرنے والا دونوں برابر نہیں (بلکہ قبول کرنے والا بدتر ہے)......

مکتوب (۱۲۴) ہمت خاں کے نام ــــ

اللہ تعالیٰ ماسوا کی غلامی سے آزاد کر کے اپنی مرضیات سے مکرم و مستفید کرے ــ

مخدوما! حق تعالیٰ نے آدمی کو مہمل نہیں پیدا کیا ہے اور اس کو اسی کی مرضی پر نہیں چھوڑ
دیا ہے کہ جو کچھ سمجھ میں آئے اور جس طرح جی چاہے اس کے مطابق اپنی زندگی گذارے۔ ایحسب الانسان
ان یترک سدیٰ ــــ ــــ انسان کی پیدائش کا مقصد "وظائف بندگی" کی ادائیگی
ہے تاکہ "معرفت خداوندی" حاصل ہو۔ بعض چیزوں کا اس نے حکم کیا ہے اور بعض سے روکا ہے۔
اگر اوامر و نواہی کے خلاف زندگی بسر کرے گا۔ "بندۂ سرکش" سزا پائے گا اور عقوبت و غضب
کا مستحق ہوگا ــــ "تعذیبات اخروی" یقینی طور پر سامنے آنے والی ہیں ــــ انّ عذاب
ربّک لواقع ماله من دافع ــــ

اللہ نے اپنے اس "کمالِ اہتمام" کے ماتحت جو دربارۂ انسان ہے بہت سے موکل (فرشتے)
اس کے سر پر مسلط کردیے ہیں تاکہ اس کے "افعال و اقوال" اور "حرکات و سکنات" کے محافظ
(رہیں) اور "رپورٹ" تیار کرتے رہیں ــــ وائے برجانِ آدمی نامراد اگر ایک شاہی "رپورٹر"
ایک علاقہ میں جاتا ہے اس سے تو وہاں کے تمام باشندے لرزاں اور ترساں ہوجاتے ہیں، اعمال
شنیعہ سے اجتناب کرتے ہیں اور یہاں اتنے "موکلان امین" دن کی رپورٹ شام کے وقت
اور رات کی رپورٹ صبح کے وقت حضرت ذوالجلال کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور ہم جیسے
غافل بالکل متنبہ نہیں ہوتے ــــ کسبِ معاصی میں اور زیادہ دلیر ہوتے چلے جاتے ہیں ــــ مخدوما۔
یہ عمر چند روزہ بہت عزیز چیز ہے۔ یہ فرصت غنیمت ہے چاہیے کہ اہم امور میں صرف ہو ــــ
افسوس کی بات ہے اگر عمر عزیز بیہودہ اور لایعنی امور میں گذر جائے۔ تھوڑی سی کوشش سے
"ملک ابدی" ہاتھ لگ سکتا ہو اور ذرا سی غفلت سے ہاتھ سے نکل بھی سکتا ہو ــــ
"ذکرِ کثیر" اہم مقصد ہے اور ورع و تقویٰ "عزائم امور" میں سے ہیں ــــ دیکھیں کون جوان(مرد)

اسباب عیش اور خدم و حشم کے مہیا ہوتے ہوئے "کلمۂ حق" کو "سمع قبول" سے سن کر اس بے غرض نصیحت کو پیوند جاں کرتا ہے؟

دادیم ترا از گنج مقصود نشاں   گر ما نرسیدیم تو شاید برسی •

مکتوب (۱۲۵) محمد معصوم کے نام ـــ

بعد الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ وعلی آلہ واصحابہ المختصین بفضل اللہ ـــ

مکتوب مرغوب جو از راہ محبت ارسال کیا تھا مسرت بخش ہوا ـــ "غلبۂ ضعف دماغ" کی شکایت لکھی تھی اللہ تعالیٰ شفائے عاجل اور قوت عطا فرمائے ـــ اگر ضعف کی وجہ سے "ذکر لسانی" نہ ہو سکے تو "ذکر قلبی" اور "تفکر" میں زیادہ مشغول رہو ـــ جانتے ہو تفکر کس کو کہتے ہیں؟ ع تفکر رفتن از باطل سوئے حق ـــ (باطل سے حق کی طرف جانے کا نام تفکر ہے) اہل اللہ کی عبادتیں اور ان کے مراقبے سب تفکر کے تحت ہوتے ہیں وہ علم اسفل سے علم اعلیٰ کی طرف جاتے ہیں، دال سے مدلول کی جانب متوجہ ہوتے ہیں، ظل سے اصل کی سمت مائل ہوتے ہیں صفت سے شان اور شان سے ذیشان تک رسائی حاصل کرتے ہیں ـــ حاصل کلام یہ کہ ذکر سے مراد غفلت کا دور کرنا ہے جس ذریعے سے بھی غفلت سے برطرفی ہو وہ داخل ذکر ہے ـــ اور ہر وہ کام جو "نیت صالحہ" کے ساتھ ملا ہوا ہو خواہ بیع و شرا ہو یا اسکی مانند، سب ذکر ہیں ـــ امور دنیاوی بھی نیت صحیح کی شمولیت سے ذکر بن جاتے ہیں اور "دوام آگاہی" حاصل ہو جاتی ہے ـ

؎ دردل ما غم دنیا غم معشوق شود   بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

دریچۂ ترقی ہمیشہ مفتوح باد

مکتوب (۱۲۶) مخدوم زادہ شیخ محمد اشرف[۱] کے نام ـــ

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــ مکتوب مرغوب پہونچا مسرت حاصل

---

[۱] حضرت خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادے ہیں۔

ہوئی ۔۔۔ اپنے "احوال ظاہر و باطن" اسی طرح لکھتے رہا کرو ۔۔۔ یہ امر توجہ غائبانہ کا باعث بنتا ہے ۔۔۔ لکھا تھا کہ نماز فرض اور نماز تہجد میں کبھی ایک ایسی خاص حلاوت و کیفیت پیدا ہوتی ہے جو تمام اعضاء پر چھا جاتی ہے اس حالت کے طاری ہونے پر یہ جی چاہتا ہے کہ نماز طول کے ساتھ ادا کی جائے اور حلقۂ فجر میں بھی اکثر یہ حالت وارد ہو جاتی ہے"۔

سعادت آثارا ۔۔ یہ حلاوت و کیفیت جو نماز خصوصاً نماز فرض میں پیدا ہوتی ہے اصلی کیفیت ہے اور بیرون نماز والی کیفیت پر فضیلت رکھتی ہے ۔۔۔ نماز کو طول قرأت کے ساتھ پڑھو اور رکوع و سجود کبھی دراز کرو کبھی کبھی بغیر کسی بوریے اور فرش کے خالی زمین پر بھی نماز پڑھا کرو اور اپنی پیشانی کو (براہ راست) خاک پر چسپاں کر دیا کرو۔ کبھی کبھی جنگل میں جا کر جہاں کوئی شخص نہ دیکھے طول و خشوع اور رغبت کے ساتھ (نماز نفل) پڑھا کرو ۔۔۔۔۔۔۔ تکرار کلمۂ طیبہ پر حریص رہو "اپنی مرادات" اور "منتہیات" کی نفی کرو اور "ظلال" سے "اصول" کی جانب مائل ہو جاؤ ۔۔۔۔۔۔۔ تم نے خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور یہ دیکھا کہ آنحضرتؐ تمہارا ہاتھ پکڑ کر تم کو اپنی جانب کھینچ رہے ہیں اور تم اپنی زبان سے کہہ رہے ہو یا رسول اللہ خذ بیدی، یا شفیع المذنبین خذ بیدی ۔۔۔ یہ خواب بہت مبارک ہے اور (سراپا) بشارت ہے ۔۔۔ امید ہے کہ یہ دستگیری "وسیلۂ نجات اخروی" اور "دریچۂ درجات" بن جائے گی ۔۔۔ والسلام

مکتوب (۱۴۸) مولانا محمد حنیف[1] کے نام ۔۔۔

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔۔۔ صحیفۂ گرامی جو اس مسکین کے نام دیا تھا پہونچا مسرت بخشی ۔۔۔ خدا کا شکر ہے کہ بعافیت ہو اور "یاد احباب" سے فارغ نہیں ہو ۔۔۔ "نسبتہائے خاصہ" کی آرزو کی ہے اور "یاران حاضر باش" پر غبطہ کیا ہے ۔۔۔ مخدوما! ہم نے تم سے کبھی کسی چیز کو اٹھا نہیں

---

[1] فرزندوں کے بعد آپ حضرت خواجہ معصومؒ کے پہلے خلیفہ ہیں۔ آپ کو خلافت دیکر کابل روانہ کر دیا گیا تھا وہاں کے گرد و نواح میں بے شمار لوگ آپکے مرید ہوئے۔ اپنے پیر و مرشد کے زمانۂ حیات ہی میں ۱۰۷۵ھ کو وفات پائی آپکے سانحۂ ارتحال سے پیر و مرشد کو بہت غم ہوا۔ آپ کا مزار کابل کے قریب ماماخاتو گاؤں میں واقع ہے۔

(روضۃ القیومیہ)

رکھا ہے حتی الامکان (تمھارے معاملے میں) کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اس کے باوجود دل برابر تمھاری جانب نگراں ہے اور خواہانِ ترقی ہے اس خط کے لکھتے وقت بھی تمھاری طرف توجہ کی گئی —— تم "خلعتِ بیش بہا" میں ظاہر ہوئے اور تمھارے انوار عالم پر چھائے ہوئے نظر آئے —— تم نے جو غبطہ (خانقاہ کے) حاضر باشوں پر کیا ہے یہ غبطہ محمود ہے — لیکن تم کبھی کم درجہ نہیں ہو اپنے ہم جنسوں میں ممتاز ہو — ہاں بعضوں کو جو خصوصیت از راہ استعداد حاصل ہے وہ امر دیگر ہے اور خارج از بحث ہے —— ہر شخص اپنی استعداد کے موافق خصوصیت رکھتا ہے۔

ع ہر خوش بسرے را حرکاتے دگر است

تمھیں جو دولت حاصل ہے اکثر کے ہاتھ اس سے خالی ہیں —— اور جن امور میں تمھارے ہمعصر اس وقت "تنافس" کر رہے ہیں اور جس وجہ سے اسکی فکر میں ہیں مدت ہوئی تم ان امور کے مستحق ہو چکے ہو ...... فیوض و برکات جو تمھاری صحبت میں ہیں دوسروں میں معلوم نہیں ہوتے۔ تمھارے مسترشدین تمھارے کمالات کا آئینہ ہیں، تمھارے ہی معانی ہیں جو صورِ مختلفہ میں جلوہ گر ہو رہے ہیں اور تمھارا ہی حسن، "لباسِ فیض" میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اپنے مریدوں میں سے دو مریدوں کے جو حالات تم نے اس خط میں تحریر کیے ہیں ان کا مطالعہ کر کے بیحد خوشی ہوئی اللھم زد —— میر عبداللہ کے "حالات" دوسرے "طالب" کے مقابلے میں اونچے ہیں —— مگر اتنی بات ملحوظ رہے کہ اس قسم کے امور جب طالبین میں ظاہر ہوتے ہیں تو کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ "بمقتضائے استعداد" ہوتے ہیں اور زیادہ تر ایسا بھی ہوتا ہے کہ "انعکاسی" طور پر وہ کمالات جلوہ گر ہو جاتے ہیں خود ان کی استعداد اتنی نہیں ہوتی۔ خیر جو کچھ بھی ہو دولت عظیم ہے ——

والسلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الھدیٰ

نماز

(جناب محمد اشرف خاں صاحب ایم اے لیکچرار عربی، اسلامیہ کالج، پشاور)

حقیر و بے نوا، ضعیف و کمزور انسان کو مکالمۂ الٰہی اور یاد خداوندی سے سرفراز کرنے، رحمتہ الٰہیہ کی سزاوار سراپا قدس نبوی زندگی کی راہیں کھولنے اوامر الٰہی کا پابند کرنے اور انقیاد و فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے اسلامی نماز کا فریضۂ پنجگانہ مقرر کیا گیا کہ عبدیت و خصائل عبودیت نماز کی باقاعدہ اور صحیح بجا آوری کا لازمی نتیجہ ہیں۔ نماز میں بندہ اپنی مرضیات و خواہشات کو فنا کر دیتا ہے اور ایک بے جان کل کی طرح اوامر الٰہی کا پابند ہو جاتا ہے، کبھی آقا کے سامنے ہاتھ باندھے اس کی پسند کے مطابق کلمات پڑھتے ہوئے اس کی کبریائی و صمدیت اور عظمت و جبروت کا دھیان اور اپنی کم مائگی و عاجزی کا اعتراف کرتا ہے، کبھی اس حسن ازل کے سامنے جھک کر بندگی کا ثبوت دیتا ہے، اور کبھی بارگاہ جلال میں اپنی بلند پیشانی کو نیازمندی کی خاک سے عزت بخشتا ہے۔ جو پروردگار کا حکم ہوتا ہے وہی کرتا ہے، جو اس کی مرضی ہوتی ہے وہی کہتا ہے، گویا وہ ایک جسد بے روح ہے جس کی ہر ہر حرکت کی فاعل وہی کبیر و متعال ذات ہے جس کی الوہیت کا بندہ عاجز اقرار کر چکا ہے۔ گویا وہ اپنے جسم و روح کو اپنے مالک کے سپرد کر دیتا ہے کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کرے۔

چشم و گوش و دست و پائم او گرفت
من بدر رفتم سرائم او گرفت

قولاً و فعلاً، ظاہراً و باطناً اوامر الٰہیہ کی بے حیل و حجت پابندی نماز کا خاصہ ہے اور اسلامی زندگی کی حقیقت، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ کی روح بھی یہی ہے کہ اپنی خواہشات و مرضیات کو مٹا کر خلوت و جلوت، ظاہر و باطن میں اوامر الٰہیہ کی پابندی کی جائے۔ نماز کی اس کے آداب و ارکان کی پابندی کے ساتھ ادائیگی عظمت الٰہی اور جذبۂ بندگی پیدا کرنے کا سہل ترین زینہ ہے کیوں کہ نماز کی روزمرہ پانچ بار تکرار ہمارے لیے نفسیاتی طور پر اوامر الٰہی کے سامنے مٹنے اور اپنے کو خدائے عز و جل کے سپرد کرنے کی باعث بنتی ہے۔ جب ہم بار بار اللہ کے حکموں کی پابندی کرتے ہوئے دن میں پانچ مرتبہ اس کے حضور میں حاضر ہوتے ہیں تو تعلق مع اللہ کے ساتھ ساتھ احکام الٰہیہ کی پابندی کا جذبہ بھی بڑھتا جاتا ہے جو ہمارے لیے عبدیت کی زندگی کی راہیں کھول دیتا ہے، واسطے کہ جب ہم بار بار اپنی خواہشات اور مرضیات کو مٹا کر اللہ سے (نماز کے ذریعے) رشتہ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو عبدیت کے راستہ کا وہ سنگ گراں جسے "ہویٰ" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان پیہم ضربوں سے چور چور ہو جاتا ہے۔ اور انسان منتہائے عبدیت یعنی رضائے مولا سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ کسی عارف کا قول ہے کہ اللہ اور بندے میں ایک قدم کا بُعد ہے۔ اگر ایک پاؤں اپنی خواہش (ہویٰ) پر رکھے تو بس دوسرے قدم میں مقصد حاصل ہے۔ قرآن حکیم نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں آشکار فرمایا ہے۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ	اور جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے
نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ	سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا۔ اور
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ؕ	نفس کو (حرام) خواہش سے روکا ہوگا۔
(النزعٰت۔ ۲)	سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔
	(ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی رح)

ہوائے نفسانی کو توڑنے، فواحش، منکرات سے رو کنے اور شان عبدیت پیدا کرنے کے یہی خاصیات نماز کا لازمہ ہیں جن کے متعلق قرآن حکیم کا ارشاد ہے

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ	جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اسے
الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ	پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے۔
الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ	بے شک نماز بے حیائی اور بری باتوں
وَالْمُنْكَرِ ؕ (العنکبوت ۵)	سے روکتی ہے۔

گویا تلاوتِ کتاب (قرآن) سے جس زندگی کی پردہ کشائی ہوتی ہے۔ اقامت صلوٰۃ سے اس کا اختیار کرنا سہل ہو جاتا ہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ انصار میں ایک جوان جو حضور اکرم صلعم کے ساتھ نماز پڑھتا تھا۔ برائیوں سے نہیں بچتا تھا۔ اس کی حالت حضورؐ کے سامنے بیان کی گئی، آپ نے فرمایا کہ ایک دن اس کی نماز اس کو بچالے گی۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور محفوظ ہو گیا۔

(تفسیر ابن کثیر)

امام احمدؒ نے مسند میں ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرتؐ کے روبرو ایک چور شخص کے نمازی ہونے کا تذکرہ کیا گیا۔ آپ نے فرمایا نماز کی برکت سے اس کی چوری کی عادت چھوٹ جائے گی۔ (احسن التفاسیر ص ۱۱۶ ج ۵)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو نظام زندگی اور حیات طیبہ دنیا میں لے کر آئے تھے اس کے نشو و نما کے لیے اس آبِ حیات (نماز) کا دائمی و ہمہ گیر تقاطر لازمی و لابدی تھا۔ اس زندگی کی آبیاری کے لیے نماز کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی کسی کھیتی کو پانی کی ہو سکتی ہے، یہی آبِ زلال کا وہ سرچشمہ ہے جس سے اسلامی زندگی کی رگ رگ میں ایمانی طراوت پہونچ کر اس کی بالیدگی کا سبب بنتی ہے، ایمانی تر و تازگی اور روحانی طراوت و ٹھنڈک کا خزانہ ڈھونڈھنے والوں کو اسی نماز میں نصیب ہوا ہے۔ چنانچہ حیاتِ اسلامی کے اسوۂ کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَینِی فِی الصَّلٰوۃِ — بنائی گئی ہے میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں۔

اس طراوتِ چشم و جگر کا راز یہ ہے کہ نماز میں محبوب ازلی کا جو قرب نصیب ہوتا ہے وہ اس دنیا میں کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔ جیسا کہ

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (السجدہ) — اور سجدہ کر اور قریب ہو۔

کی نصِ قرآنی شاہد ہے، اور پھر ان لمحات میں کشتگانِ محبت کو عرض و نیاز اور نگاہ لطف و کرم کا وہ موقع نصیب ہوتا ہے جس کے متعلق ارشاد نبوی ہے۔

اِنَّ فِی الصَّلٰوۃِ لَشُغْلًا — نماز میں ایک اور ہی شغل (مصروفیت)

(صحیح مسلم باب تحریم الکلام فی الصلوٰۃ)

ہوتی ہے۔

اور جیسا کہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے اور لوگ مسجد میں زور زور سے قرأت کر رہے تھے آپ نے فرمایا کہ لوگو! تم میں سے ہر ایک خدا سے مناجات کر رہا ہے۔ تو وہ سمجھے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اور ایک دوسرے کی مناجات میں اپنی آواز سے خلل انداز نہ ہو۔

(ابوداؤد۔ صلوٰۃ اللیل)

نماز ہی میں علائق دنیوی کے رشتے کٹتے ہیں۔ گناہوں کی کثافتیں دھلتی ہیں اور رحمتوں کا نزول ہوتا ہے اور انسان کی روح ناصبور رحین و سکون سے ہم آغوش ہوتی ہے کہ قلبی اطمینان بغیر ذکر الٰہی کے ممکن نہیں۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ — خدا ہی کی یاد سے دلوں کی تسکین ہوتی ہے۔

(رعد۔ ۴)

اور نماز کا مقصد یاد الٰہی بتایا گیا ہے۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (طٰہٰ۔ ۱) — اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔

قلب انسانی نماز ہی کی بدولت تجلیات و انوار الٰہی کا مہبط بنتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "نماز دل کی روشنی ہے"۔

(سیرت النبی جلد ۵ بحوالہ کنز العمال جلد ۴ کتاب الصلوٰۃ)

عشق الٰہی کی تابانیاں نمازی کو سراپا نور بنا دیتی ہیں۔ ذوق و شوق کی کیفیتیں مہجور روح انسانی کو سرور وجد کے اس پر کیف عالم میں پہونچا دیتی ہیں جہاں پر تو جمال کے سوا کوئی ہنشیں اور بے حرف و صوت کلام سرمدی کے سوا کوئی ندا سامعہ نواز نہیں ہوتی۔ جہاں حسن ازل کے سامنے ماسوا کے تمام نقوش مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ اور قلب انسانی ماسوا سے فراغت کے اس مقام پر جا پہونچتا ہو جہاں کہنے والے کو یہ کہنے کا موقع ملتا ہے کہ ؎

ہر تمنا دل سے رخصت ہوگئی — اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

(مجذوب)

یہ نماز ہی تو ہے جو کیف و مستی کے اس عالم میں انسان کو پہونچا دیتی ہے کہ ایک رات دو صحابی

پہرہ دینے کے لیے میدان جنگ میں متعین ہوتے ہیں۔ ایک سو جاتے ہیں، دوسرے نماز میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ دشمن ان کو تاک کر تیر مارتے ہیں۔ جو بدن میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کپڑے خون میں تر بتر ہو جاتے ہیں۔ لیکن لطف و سرمستی کی کیفیات میں کمی واقع نہیں ہوتی، نماز جاری رہتی ہے کہ جو پیاری صورت شروع کی تھی اس کا سرور ہنوز باقی تھا۔

(ابوداؤد کتاب الطہارت باب الوضوء من الدم)

عشق کا تموج بے خودی کے ان مقامات پر جا ڈالتا ہے کہ فاروق اعظمؓ ایک شقی کے خنجر سے امامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے خاک و خون میں لوٹنے لگتے ہیں۔ لیکن مقتدی محبت کی پہنائیوں سے باہر آنے سے مجبور ہیں۔ جب نماز ختم کر کے اس عالم بیخودی سے باہر آتے ہیں تب خلیفہ وقت کی طرف توجہ کی جاتی ہے [1]

چوں نماز می گذارم بخدا خبر ندارم
کہ تمام شد رکوعے یا امام شد فلانے

قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا یہ واقعہ توصیف و تعریف کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ
الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ۝
فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ
الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي ج
حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ وقف
رُدُّوْهَا عَلَيَّ ط فَطَفِقَ
مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْأَعْنَاقِ ۝
(ص - ۳)

(چنانچہ وہ قصہ انکا یاد کرنے کے قابل ہے)
جب شام کے وقت ان کے روبرو اصیل
(اور عمدہ) گھوڑے پیش کیے گئے تو کہنے
لگے کہ (افسوس) میں اس مال کی محبت
میں (لگ کر) اپنے رب کی یاد سے غافل
ہو گیا یہاں تک کہ آفتاب پردہ (مغرب)
میں چھپ گیا (پھر حشم و خدم کو حکم دیا کہ)
ان گھوڑوں کو ذرا پھر تو میرے سامنے لاؤ
سو انھوں نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں
پر (تلوار سے) ہاتھ صاف کرنا شروع کیا۔

[1] [illegible] واقعہ شہادت۔

(ترجمہ حکیم الامۃ تھانوی رح)

اگر اللہ کے صاحب شوکت نبی سلیمان ابن داؤد نے اللہ کے ذکر میں حائل ہونے کی وجہ سے گھوڑوں کی گردنیں اور پنڈلیاں اڑادی تھیں تو مکتب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ بھی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک اور دلوں کی روشنی (نماز کے کیف و سرور) میں اگر کسی چیز کو حارج دیکھتے تھے تو اسے قربان کر کے رکھ دیا کرتے تھے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے، ایک خوشنما چڑیا نے سامنے آکر چہچہانا شروع کیا، حضرت ابو طلحہ دیر تک ادھر اُدھر دیکھتے رہے۔ پھر جب نماز کا وقت آیا تو رکعت یاد نہ رہی، دل میں کہا اس باغ نے یہ فتنہ بپا کیا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں آئے۔ اور واقعہ بیان کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ باغ راہ خدا میں نذر ہے۔

اسی طرح ایک اور صحابی اپنے باغ میں نماز میں مشغول تھے، باغ اس وقت نہایت سرسبز و شاداب اور پھلوں سے لدا ہوا تھا، پھلوں کی طرف نظر اُٹھ گئی تو نماز یاد نہ رہی، جب اس کا خیال آیا تو دل میں نادم ہوئے کہ دنیا کے مال و دولت نے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ یہ حضرت عثمان رض کی خلافت کا زمانہ تھا ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ یہ باغ جس نے مجھے فتنہ میں مبتلا کر دیا۔ راہ خدا میں دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان رض نے اس کو بیت المال کی طرف سے بیچا تو پچاس ہزار میں فروخت ہوا۔

(سیرت النبی صفحہ ۳ جزء ۵ بحوالہ موطا مالک کتاب الصلوٰۃ)

یہ نماز ہی کی کیف انگیزیاں تھیں جو ایسے مافوق العادت واقعات کے ظہور کا باعث بنیں۔ ان کیف انگیزیوں کی بدولت خالق کے سوا ہر چیز سے بندہ کا قلبی تعلق ٹوٹ گیا اور ماسوا کی محبتیں جاتی رہیں اور یہی وہ چیز ہے جس سے اسلامی زندگی کی راہیں انسان پر کشادہ ہو جاتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں یہی ایک فریضہ ہے جو ہر مرد و زن، امیر و فقیر، بوڑھے اور جوان پر فرض ہے جو سن بلوغ سے لے کر آغوش لحد تک کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا، نہ میدان جنگ کے ہیبت ناک احوال و مناظر اس عزیز فریضہ کی ادائیگی میں مانع آسکتے ہیں اور نہ کوئی اور عذر علاوہ ضیاع ہوش و حواس کے اس کے ترک کا عذر بن سکتا ہے، البتہ ادا کی صورت میں آسانیاں ضرور فراہم کر دی گئی ہیں۔ لیکن مسلمان رہتے ہوئے کسی صورت میں بھی اس فریضہ کی بجا آوری سے فرار ممکن نہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا ۔۔۔ اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں میں سے

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (روم ۳۰) نہ ہو جاؤ۔

گویا نماز ترک کا مشرکوں میں سے ہو جانے کا ہم معنیٰ ہے۔

• کفار سے جب پوچھا جائے گا کہ جہنم میں تم کیوں ہو؟ تو وہ جواب دیں گے۔

لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ (مدثر ۲) — ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸ بحوالہ مسلم)	بندہ (مسلم) اور کفر کے درمیان نماز چھوڑ دینے ہی کا فاصلہ ہو۔ (یعنی اگر نماز چھوڑے گا تو کفر (کی سرحد) سے جا ملے گا)۔

ایک دوسری حدیث میں اس سے بھی زیادہ صریح الفاظ میں وعید ہے۔ عبداللہ ابن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

العهد الذی بیننا وبینهم الصَّلٰوة فمن ترکها فقد کفر۔ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۸ بحوالہ احمد، ترمذی ونسائی وابن ماجہ)	ہمارے اور ان کے درمیان صرف نماز کا عہد ہو۔ پس جس نے نماز کو ترک کیا وہ کافر ہوا (یعنی اگر ترک کو حلال جان کر نماز نہ پڑھی۔

انس ابن مالک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

قَالَ لَيْسَ بَيْنَ الْعَبْدِ وَالشِّرْكِ اِلَّا تَرْكُ الصَّلٰوةِ فَاِذَا تَرَكَهَا فَقَدْ اَشْرَكَ۔ (ابن ماجہ باب ماجاء فیمن ترک الصلوٰۃ)	نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندے اور شرک کے درمیان صرف ترک نماز کا فاصلہ ہے۔ پس جب نماز چھوڑ دی تو اس نے شرک کیا۔

عبداللہ ابن عمرو ابن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا جو شخص نماز پر محافظت کرے گا تو نماز اس کے لیے قیامت میں روشنی، برہان (ایمان کی واضح دلیل کمافی المرقاۃ) اور ذریعہ نجات ہو گی اور جو نماز پر محافظت نہیں کرے گا اس کے لیے نہ روشنی ہو گی۔ نہ

دلیل (ایمانی) اور نہ نجات۔ اور قیامت کے روز وہ قارون فرعون ہامان اور ابی ابن خلف کی معیت میں ہوگا۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ صـ۵۸ بحوالہ احمد و دارمی و بیہقی)

امام بغوی نے شرح السنہ میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں عبداللہ بن شقیق کا یہ قول روایت کیا ہے جو مشکوٰۃ میں بحوالہ ترمذی منقول ہے۔

کان اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نماز کے سوا کسی عمل کے ترک کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔

(مشکوٰۃ صـ۵۹)

اسی قبیل کے اقوال عمر فاروق اور ابن مسعود سے ملا علی قاری رحؒ نے روایت کیے ہیں۔

"حضرت عمرؓ فرماتے ہیں" جس نے عمداً نماز چھوڑی اس کا کوئی حصہ اسلام میں نہیں۔"

ابن مسعود کا قول ہے۔" نماز کا ترک کفر ہے" (برحاشیہ ابن ماجہ صـ۷۵ بحوالہ مرقات)

ان اقوال کی تائید حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہو۔ جسے امام سیوطی نے 'درمنثور' میں بزار کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ

لاسہم فی الاسلام لمن لاصلوٰۃ لہٗ	اسلام میں اس کا کچھ بھی حصہ نہیں جو نماز نہ پڑھتا ہو۔

(زرسالہ نماز از مولانا محمد منظور صاحب نعمانی صـ۱۱)

رسول اللہ صلعم نے نماز کو جسد دین کے لیے بمنزلہ سر کے قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرو سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلعم نے (ایک حدیث میں یہ بھی) فرمایا کہ جس کے پاس نماز نہیں (یعنی نماز نہ پڑھتا ہو) اسکے پاس دین نہیں، نماز کو دین سے وہ نسبت ہے جیسے سر کو دھڑ سے نسبت ہے۔ (کہ سر نہ ہو تو دھڑ مردہ ہے) اسی طرح نماز نہ ہو تو تمام اعمال بے جان ہیں)

(حیوٰۃ المسلمین امام تھانویؒ صـ۹۶ بحوالہ طبرانی اوسط و صغیر)

ابن ماجہ نے حضرت ابو درداءؓ سے ایک روایت کی ہو جس کے پہلے دو اجزا یہ ہیں کہ

اوصانی خلیلی صلی اللّٰہ علیہ وسلم	میرے دوست محمد رسول اللہ صلعم نے

(ن لاتشرك بالله شيئا وان قطعت وحرقت ولا تترك الصلوٰة مكتوبة متعمدا فمن تركها متعمدا فقد برئت منه الذمة الخ

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل ثالث)

مجھے وصیت کی کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کر، اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں یا تجھے جلا دیا جائے اور فرض نماز عمداً نہ چھوڑ کہ جس نے اسے چھوڑ دیا جان بوجھ کر وہ اللہ و رسول کے ذمے سے نکل گیا۔

اس کی تقریباً ہم معنی حدیث امام منذری نے ترغیب میں طبرانی و محمد ابن نصر کے حوالے سے عبادہ ابن صامت صحابیؓ سے نقل کی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلعم نے سات باتوں کی وصیت کی جن میں سب سے پہلی اور اہم دو باتیں یہ تھیں

لا تشركوا بالله وان قطعتم او حرقتم ولا تتركوا الصلٰوة متعمدا من فمن تركها فقد خرج من الملة۔ (رسالہ نماز صلا از مولانا محمد منظور نعمانی)

اللہ کے ساتھ کبھی شرک نہ کرو۔ اگرچہ تمھیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تم کو آگ میں جلا دیا جائے اور خبردار کبھی دانستہ نماز نہ چھوڑو کیونکہ جس نے عمداً نماز چھوڑی وہ ملت سے نکل گیا۔

اسلام میں نماز کی جو اہمیت ہے وہ ان وعیدوں سے ظاہر ہے۔ جو اس کے ترک پر نقل کی گئی ہیں، بلکہ قرآن میں تو نماز میں سستی و کاہلی ہی کو منافقین کی علامت بتایا ہے۔

وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى (نسا۔ ۲۱)

جب وہ نماز کو اٹھتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے اٹھتے ہیں۔

ایمان کی ظاہر نشانی اور توحید کے بعد پہلا حکم نماز ہی ہے جس سے انسان کی باطنی ایمانی کیفیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور اسلامی زندگی کی تعمیر بھی اسی نماز سے ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ قرآن و حدیث میں اس قدر نماز کی پابندی پر زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن پاک میں سو مرتبہ سے زیادہ اس کی تعریف، بجا آوری کا حکم اور اس کی تاکید آئی ہے۔ (سیرت النبی ج۵) اور احادیث کی کتابیں "کتاب الصلوٰۃ وابواب الصلوٰۃ" کے عنوانات سے نماز کے متعلق لاتعداد احادیث کے ذخیرے سے گرانبار ہیں جیسا کہ جاننے والوں سے مخفی نہیں، نماز ہی اللہ کو سب اعمال سے زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے

ہیں کہ

"میں نے رسول اللہ صلعم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو سب اعمال سے زیادہ کون سا عمل پسند ہے؟ آپ نے فرمایا: الصَّلٰوۃ لوقتہا، اپنے وقت پر نماز۔"

(مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم ص۵۸)

اُمِ فروہ انصاریہ رض کے جواب میں آپ نے فرمایا: اول وقت پر نماز سب سے بہترین، افضل عمل ہے۔

(رواہ احمد والترمذی والبوداؤد مشکوٰۃ باب تعجیل الصلوٰۃ)

آپ نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے کہ جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ترک کیا اس نے اپنے دل کی دینداری کو برباد کیا۔

(سیرت النبی ص ۲۳ ج ۵ بحوالہ کنز العمال)

طائف کے وفد نے جب مدینہ آکر صلح کی بات چیت شروع کی تو نماز، جہاد اور صدقات سے مستثنیٰ ہونا چاہا۔ آپ نے پچھلی دو باتوں سے مستثنیٰ کر دیا لیکن نماز کے متعلق فرمایا۔ "لاخیر فی دین لیس فیہ رکوع"۔ "جس دین میں خدا کی طرف جھکنا نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔"

(ابوداؤد جلد ثانی باب ماجاء فی خبر الطائف ص ۴۲ ج ۲)

دارمی نے حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا "جنت کی کنجی نماز ہے"

(حیوٰۃ المسلمین ص ۶۵)

نماز گناہوں کا کفارہ ہے۔ امام مسلم ابی ہریرۃ رض سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلوٰۃ الخمس والجمعۃ الی الجمعۃ ورمضان الی رمضان مکفرات لما بینھن اذا اجتنبت الکبائر۔	پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے درمیانی زمانے کے سرزد شدہ گناہوں کا کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے۔
(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ ص ۵۸)	

حضرت ابو ہریرۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارأیتم لو ان نہرا بباب احدکم یغتسل فیہ کل یوم خمسا ہل یبقی من درنہ شیئ قالوا لا یبقی من درنہ شیئ قال فذالک مثل الصلوات الخمس یمحو اللہ بہن الخطایا۔

(مشکوٰۃ ص ۵ بحوالہ بخاری و مسلم)

آپ نے فرمایا کہ مجھے بتاؤ کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو۔ اور اس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ نہاتا ہو۔ کیا اس کے بدن پر کچھ میل بھی رہ جائے گی۔ لوگوں نے کہا بالکل میل نہیں رہے گی۔ آپ نے فرمایا یہی حالت پانچوں نمازوں کی ہے۔ اللہ ان کی وجہ سے خطائیں معاف کرتا ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ "ایک آدمی نے کسی عورت کا بوسہ لے لیا اور پھر ندامت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے (گناہ) کی اطلاع دی۔ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّہَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ہود ۱۰۰)

قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے کہ بے شک نیکیاں دور کرتی ہیں برائیوں کو۔

اس آدمی نے پوچھا۔ یارسول اللہ کیا یہ (کفارہ گناہ) صرف میرے لیے ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام اُمت کے لیے ہے۔

(صحیح بخاری باب الصلوٰۃ کفارۃ ص ۷۵ ج ۱)

عبادہ ابن صامتؓ سے روایت ہے۔

عن عبادۃ بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات افترضھن اللہ تعالیٰ من احسن وضوء ھن وصلاھن لوقتھن واتم

حضرت عبادہ ابن صامتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان کے لیے اچھا وضو کیا اور انھیں وقت پر پڑھا، اور ان کا

وکوعھن وخشوعھن کان له	رکوع وخشوع پورا کیا۔ اللہ کے
علی اللہ عھد ان یغفرله و	ذمے لازم ہے کہ اسے بخشدے اور جس نے
من لم یفعل فلیس له علی اللہ	ایسا نہ کیا اللہ پر کوئی ذمے داری
عھد ان شاء غفرله وان شاء	نہیں۔ اگر چاہے تو اسے معاف کر دے
عذبه (رواہ احمد وابوداؤد وروی	اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے۔
مالک والنسائی نحوہ مشکوٰۃ ص۵۸)	

ابو قتادہ بن ربعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے تیری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور اپنے ذمے یہ بات لازم کرلی ہے کہ جو ان کی محافظت ان کے وقت پر کرے گا اسے میں ضرور جنت میں داخل کروں گا۔ اور جو ان کی محافظت نہیں کرے گا مجھ پر اس کی کوئی ذمے داری نہیں۔

(ابن ماجہ باب ماجاء فی فرض الصلوٰۃ الخمس ص۱۰۲)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن سردی کے ایام میں (خزاں میں) باہر نکلے۔ درختوں کے پتے از خود جھڑ رہے تھے۔ آپ نے ایک درخت کی دو ٹہنیوں کو پکڑا۔ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ اس کے پتے جھڑنے لگے۔ آپ نے فرمایا اے اباذر! میں نے جواب دیا کہ میں (ابوذر) حاضر ہوں یا رسول اللہؐ۔ آپ نے فرمایا۔ جب مسلمان بندہ خالص اللہ کے لیے نماز پڑھتا ہے تو اس سے اس کے گناہ اسی طرح جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ فصل ثالث بحوالہ احمد)

زید ابن خالد الجہنی سے روایت ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ	نبی اللہ صلعم نے فرمایا جو شخص دو رکعت
علیه وسلم من صلے سجدتین لا	نماز اس طرح پڑھے کہ ان میں بالکل غافل
یسھو فیھا غفر اللہ له ما تقدم	نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کے پہلے کے تمام گناہ
من ذنبه۔ (مشکوٰۃ ص۵۸ بحوالہ احمد)	معاف کردے گا۔

محدث طیبیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "اس حدیث میں غافل نہ ہونے سے مراد حضور قلب

اور عبادت کا اس طرح کرنا ہو گویا وہ اللہ کو دیکھ رہا ہے!" (مرقاۃ)

یہی وہ مقام ہے جو معراج المومنین اور حیات اسلامی کی غایت تصوئی ہے کہ انسان کے لیے قرب و معیت الٰہی سے بڑھ کر کوئی شے عزیز و رفیع نہیں ہو سکتی اور انتہائے قرب اس عالم میں نماز ہی میں حاصل ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سرہندی نے تحریر فرمایا ہے۔

"اور نیز جان لیں۔ کہ دنیا میں نماز کا رتبہ آخرت میں۔ رویت کے رتبہ کی طرح ہو۔ دنیا میں نہایت قرب نماز میں ہے اور آخرت میں نہایت قرب رویت کے وقت۔ اور جان لیں کہ باقی تمام عبادات نماز کے لیے وسیلہ ہیں۔ اور نماز اصلی مقصد۔

(مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۱۳۷ بنام حاجی خضر خان)

قرب الٰہی کے سب سے بڑے شتاق سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وجہ سے حضرت بلال کو کہا کرتے تھے۔ 'قم یا بلال ارحنی بالصلوٰۃ' اے بلال اٹھو اور نماز کا انتظام کر کے مجھے راحت پہونچاؤ، کہ آتش ہجر و فراق نماز ہی سے بجھ کر راحت کا سبب بن سکتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا "انسان آگ میں جلتا رہتا ہے اور نماز سے وہ آگ بجھ جاتی ہے۔"

(سیرت النبی جلد پنجم ص۳ بحوالہ کنز العمال جلد رابع)

غالباً یہی وجہ ہو کہ رحمت للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک جس نے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیا۔ جس نے پتھروں سے لہولہان کرنے والے طائف کے باشندوں کو عذاب الٰہی میں تباہ ہونے نہ دیا۔ جس نے زخم کھا کر اور دانت شہید کروا کر "اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون" کا امرت چھڑکا۔ جس نے اپنے جلا وطن کرنے اور ہر قسم کی ایذائیں دینے والوں کو "لا تثریب علیکم الیوم" کے معافی نامے سے نوازا، وہ مجسم رحمت ہی اس بات پر مجبور ہو گیا کہ قرب الٰہی کی ان پر کیف ساعتوں میں مخل ہونے والوں پر بد دعا کرے۔ چنانچہ عبد اللہ ابن مسعود روایت کرتے ہیں۔

قال بینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم قائم یصلی عند الکعبۃ وجمع
قریش فی مجالسھم اذ قال قائل منھم
الا تنظرون الی ھذا المرائی ایکم

حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں، کہ
ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ
کے پاس (یا کعبہ میں) نماز پڑھ رہے تھے
اور قریش اس وقت اپنی مجالس میں (کعبہ

يقوم جزور آل فلان فيعمد الى
فرثها ودمها وسلاها فيجيء
به ثم يمهله حتى اذا سجد وضعه
بين كتفيه فانبعث اشقاهم فلما
سجد رسول الله صلى الله عليه وسلم
وضعه بين كتفيه وثبت النبي صلى
الله عليه وسلم ساجداً فضحكوا
حتى مال بعضهم على بعض من
الضحك فانطلق منطلق الى فاطمة
وهي جويرية فاقبلت تسعى وثبت
النبي صلى الله عليه وسلم ساجداً
حتى القته عنه واقبلت عليهم تسبهم
فلما قضى رسول الله صلى الله عليه
وسلم الصلوٰة قال اللهم عليك بقريش
اللهم عليك بقريش اللهم عليك بقريش ثم سمى اللهم
عليك بعمرو بن هشام وعتبة بن
ربيعة وشيبة بن ربيعة والوليد
بن عتبة وامية بن خلف وعقبة
بن ابي معيط وعمارة بن الوليد قال
عبد الله فوالله لقد رأيتهم صرعى
يوم بدر ثم سحبوا الى القليب قليب
بدر ثم قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم واتبع اصحاب القليب لعنة۔

ہی میں) جمع تھے کہ ان میں سے ایک نے کہا
کیا تم اس ریاکار (نعوذ باللہ) محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو۔ تم میں سے کون
فلاں خاندان کے اونٹوں کے پاس جا کر اونٹنی
کی اوجھ (وہ پردہ جس میں جنین ہوتا ہے) مع
لید اور خون لائے گا۔ اور پھر حضور صلعم کو مہلت
دیگا۔ یہاں تک کہ آپ سجدے میں چلے جائیں تو
آپ کے کندھوں کے درمیان رکھدے۔ پس
ان میں شقی ترین (عقبہ ابن معیط اس کام
کے سرانجام دینے کے لیے) اٹھا۔ اور جب
آپ سجدے میں گر گئے۔ آپکے کندھوں پر یہ
نجاست رکھ دی اور نبی اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم سجدے ہی میں پڑے رہے۔ کفار قریش
نے اس منظر پر ہنسا شروع کیا۔ یہاں تک کہ
ہنسی کے مارے لوٹ لوٹ گئے۔ کسی شخص
نے جا کر حضرت فاطمہ (جو ابھی کم عمر لڑکی
تھیں) کو اطلاع دی۔ وہ دوڑتی ہوئی
آئیں۔ سر اقدس ہنوز سجدے میں تھا۔ یہاں
تک کہ جناب فاطمہ زہراؓ نے یہ نجاست حضورؐ
کے کاندھوں سے اٹھا کر پھینکی، اور کفار کو
برا بھلا کہنا شروع کیا۔ جب حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا
اے اللہ قریش کو ہلاک کر، اے اللہ قریش کو

(باقی صفحہ ۵۵ پر)

عتیق الرحمٰن

سُنّتَ رسُولُ اللہ کے معنیٰ

اور

"اتباعِ سنت کی صحیح پوزیشن"

یہ بتانے کے لیے کہ" اتباعِ سنت کی صحیح پوزیشن ہمارے نزدیک کیا ہے جس کی طرف ہم شروع سے دعوت دیتے چلے آ رہے ہیں"۔ منکرین حدیث کے میر کارواں پرویز صاحب کے قلم سے ایک مضمون ان کے آرگن "طلوع اسلام" میں شائع ہوا تھا جو معاصر "صدق"[1] (لکھنؤ) کی وساطت سے ہمارے مطالعہ میں آیا ہے۔ اس مضمون میں پرویز صاحب نے اپنے مسلک کو بہت معصوم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر کے ان تمام لوگوں سے جنھیں ان کے مسلک پر اعتراض ہے درخواست کی ہے کہ وہ یہ بتلائیں کہ اس مسلک میں کہاں غلطی ہے اور کس حد تک ہے۔ افسوس کہ ہمیں اس فرمائش کی تعمیل کی طرف بروقت توجہ نہ ہو سکی۔ بہرحال تھوڑی سی دیر ہی سے سہی، آج اس کی تعمیل مقصود ہے۔

اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه

اس سلسلے میں آپ پہلے پرویز صاحب کا مضمون ملاحظہ فرمائیں اور اس کے بعد اس پر ہمارا تبصرہ! پرویز صاحب کے مضمون کا عنوان ہے

"طلوعِ اسلام" اور سُنّتِ رسُول

اس عنوان کے ماتحت وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

---

[1] نمبر ۲ و ۳ جلد ۶ (ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ)

"اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں بھیجا تو اسے جسمانی قوتیں عطا کیں اور ان کے ساتھ ہی عقل و شعور کا مادہ بھی۔ لیکن جس طرح اس کی جسمانی قوتیں محدود ہیں اسی طرح اس کی عقل و فکر کی بھی ایک حد ہے۔ اس کی جسمانی قوتوں کی محدودیت کی کمی پوری کرنے کے لیے اسکی عقل نے آلات ایجاد کیے (جس چیز تک اس کا ہاتھ نہیں پہنچتا یہ اس تک سیڑھی کے ذریعہ پہنچ جاتا ہے) لیکن اس کی عقل کی محدودیت کی کمی یہ خود پوری نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام کیا کہ اسے اپنی طرف سے رہ نمائی دی جائے۔ اس راہ نمائی کی شکل یہ تھی کہ ہر انسان کے دل میں یہ بات ڈالدی جائے کہ زندگی کا فلاں راستہ صحیح ہے اور فلاں غلط۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب کر لیتا اور اسے وحی کے ذریعہ بتا دیتا کہ نوع انسانی کے لیے صحیح راستہ کونسا ہے اس وحی میں اس منتخب فرد کی اپنی عقل و بصیرت کا کوئی دخل ہوتا اور نہ ہی اس کے کسب و ہنر کا کوئی واسطہ اسے وحی براہ راست خدا کی طرف سے وہبی طور پر ملتی۔ خدا کی طرف سے اس طرح وحی ملنے کے منصب کو منصب نبوت کہا جاتا ہے اور حامل وحی کو نبی۔

وحی کا مقصد یہ تھا کہ انسانوں کو بتایا جائے کہ انھیں اس دنیا میں کس طرح رہنا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ان کا معاملہ کیا ہونا چاہیئے ان کی معاشرت اور اجتماعی زندگی کے معاملات کا تصفیہ کیسے ہونا چاہیئے مختصر الفاظ میں وحی کا مقصود یہ بتانا تھا کہ انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ کا نقشہ کس قسم کا ہونا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد حاصل ہو نہیں سکتا جب تک اس نقشہ کی عملی شکل قائم کر کے نہ دکھا دی جائے اور انسانوں کو اس پر چلا کر یہ نہ بتا دیا جائے کہ وحی جس زندگی کا مطالبہ کرتی ہے وہ ناممکن العمل نہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر نبی کے ذمہ یہ فریضہ بھی تھا کہ وہ وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچائے اور عملاً بتائے کہ اسکے مطابق زندگی کا نقشہ کیسے مرتب ہوگا۔ نبی کے اس منصب کو منصب رسالت کہا جائے گا۔ واضح رہے کہ ہم نے نبوت اور رسالت کے مناصب کا یہ فرق اس منتخب فرد کی حیثیتوں کو سمجھانے کے لیے بیان کیا ہے ورنہ نبی رسول ہوتا ہے اور رسول نبی ہوتا ہے۔ قرآن میں ایک ہی فرد کے لیے کہیں نبی اور کہیں رسول کا لفظ آیا ہے۔ لیکن مقصد پیش نظر کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے اس فرق کا سامنے رکھنا ضروری ہے، یعنی خدا سے وحی ملنے کا منصب منصب نبوت ہے اور وحی کو دوسروں تک پہنچانا اور اسکے مطابق عملی نظام قائم کرنا،

منصب رسالت۔ مقصد اس تمام پروگرام کا یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق چلایا جائے۔ اس کو خدا کی اطاعت کہتے ہیں۔

اب آگے بڑھیے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مختلف انسانوں کو مل کر ایک نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنی ہو تو اس نظام کا کوئی مرکز بھی ہونا چاہیئے۔ جب رسول وحی کے نقشے کے مطابق نظام قائم کرتا تو اس نظام کا مرکز خود اس رسول کے سوا کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا ان تمام افراد کے لیے جو وحی کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کر کے اس نظام کے اجزاء بنتے تھے اس رسول کی اطاعت ضروری ہوتی تھی۔ یہ اطاعت درحقیقت خدا ہی کی اطاعت ہوتی تھی کیونکہ رسول اپنی ذات کی اطاعت نہیں کراتا تھا، بلکہ خدا کے قوانین ہی کی اطاعت کراتا تھا۔ لہٰذا وحی کے نظام کے مطابق زندگی بسر کرنے میں رسول کی اطاعت کے بغیر خدا کی اطاعت ہو ہی نہیں سکتی۔

خدا کی طرف سے یہ سلسلۂ نبوت و رسالت چلا آ رہا تھا تا آنکہ مشیت کے پروگرام کے مطابق چھٹی صدی عیسوی میں سرزمین حجاز میں نبی اکرمؐ مبعوث ہوئے۔ ان پر جو وحی نازل ہوئی وہ ایسی مکمل تھی کہ اس کے بعد نوع انسانی کے لیے مزید وحی کی ضرورت نہ رہے؎ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی ذات پر نبوت کا خاتمہ کر دیا اور آپ پر نازل کردہ وحی کو قرآن کی شکل میں منضبط کر کے اس کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا اس سے نبی اکرمؐ کے منصب نبوت کی بھی تکمیل ہوگئی اور نفس نبوت کا اختتام بھی۔ یہی وجہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔

اب رہا فریضۂ رسالت، سو اس کے لیے حضورؐ نے وحی کے ذریعہ بتائے ہوئے نقشہ کے مطابق ایک نظام متشکل کیا اس نظام کی بنیاد اس نظام کے مرکز یعنی خود رسول اللہ کی اطاعت پر تھی۔ رسول اللہ اس نظام کو واضح اور نکھری ہوئی صورت میں امت کو دے کر اس دنیا سے تشریف لے گئے اور دنیا کو بتا گئے کہ قانون خداوندی کے مطابق انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نقشہ کس قسم کا ہوتا ہے۔

رسول اللہ کی وفات سے نبوت کا سلسلہ تو ختم ہو گیا لیکن وحی کے مطابق نظام کو تو (بہرحال) آگے چلنا تھا اس نظام کو جماعت مومنین نے قائم رکھا اور رسول اللہ کے بجائے خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اس نظام کا مرکز منتخب کیا۔ اب افراد امت کے لیے اس مرکز کی اطاعت

؎ شاید! "نہ رہی" الفرقان

بمنزلہ خدا اور رسول کی اطاعت کے تھی اور خلیفۃ الرسول کے سامنے خدا کا قانون (قرآن کی شکل میں محفوظ تھا) اور اس کے علاوہ وہ منہاج و مسلک جس کے مطابق رسول اللہ نے اس نظام کو متشکل فرمایا۔ اور آگے چلایا تھا، رسول اللہ کے اس عملی طریقہ کا نام "سنت رسول اللہ" تھا۔ سنت کے معنی ہی طریقہ ہیں۔

رسول اللہ نے اپنی تیئس سالہ رسالت کی زندگی میں اس نظام کو بتدریج متشکل فرمایا تھا۔ اس لمبے عرصہ میں حالات میں کافی تغیر و تبدل ہوا جس دن حضور نے اس دعوت کے لیے پہلی آواز بلند فرمائی اور جس روز آپ دنیا سے تشریف لے گئے اس کے درمیانی عرصہ میں یہ کاروان رشد و سعادت مختلف منازل میں سے گزرا۔ حضور ایک راہ شناس اور واقف منزل میر کارواں کی طرح ان تمام منازل و مراحل میں اپنی خداداد بصیرت اور رفقائے کار (صحابہؓ) کے مشورہ سے، حالات کے تقاضے کے مطابق عملی نقشے بناتے اور وقت اور موقع کے مناسب ہدایات نافذ فرماتے، مقدسین کے اس قافلے کو آگے بڑھاتے گئے۔ مثلاً نماز جیسے اہم فریضہ میں بھی پہلے ہر نماز میں دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ بعد میں ان میں اضافہ ہوا۔ (مشکوٰۃ۔ بحوالہ مسلم و بخاری) یا مکہ میں نماز کے لیے اذان کا قاعدہ نہیں تھا۔ اس کی ابتدا مدینہ میں جا کر صحابہ کے مشورہ سے ہوئی (بخاری) ظاہر ہے کہ اگر حضورؐ اس کے بعد کچھ عرصہ اور بھی دنیا میں تشریف رکھتے تو آنے والے حالات کے مطابق کہیں پہلے نقشوں میں رد و بدل فرماتے اور کہیں جدید نقشوں کا اضافہ فرماتے۔ لیکن حضورؐ کے بعد یہ سلسلہ رد و بدل منقطع نہیں ہوا بلکہ آپ کے خلفائے راشدینؓ اسے انہی خطوط پر آگے بڑھاتے گئے۔ یعنی اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس مناسب رد و بدل کو نہ خلفائے راشدین نے خلاف سنت رسول اللہ سمجھا نہ صحابۂ کبارؓ نے اسے ایسا قرار دیا۔ (مثال کے طور پر) جب حضرت عمرؓ نے پورے غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شام اور فلسطین کی مفتوحہ اراضی، فوج میں تقسیم نہیں کی جائے گی بلکہ ملت کی مشترکہ تحویل میں رہے گی تو کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ فیصلہ خلاف سنت رسول اللہ ہے، یا جب آپ نے وظائف کو علیٰ قدر مراتب بڑھایا گھٹایا تو کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ جب رسول اللہ صلعم نے ان میں مساوات کو قائم رکھا تھا تو آپ ان میں رد و بدل کیسے کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حضرات اس حقیقت سے

ہ ہم [illegible] حالات کے فیصلوں میں بعد میں [illegible] حضرت عمرؓ کی سیاست کا یہی تقاضا تھا کہ

واقف تھے کہ حالات کے مطابق اس قسم کا ردوبدل خود سنت رسول اللہؐ کی اتباع ہے اس لیے کہ حضورؐ خود حالات کے مطابق نظام کے نقشے میں ردوبدل فرماتے رہتے تھے۔ البتہ جن امور میں حالات کے تقاضے کسی تبدیلی کے داعی نہیں ہوتے تھے وہ انھیں علیٰ حالہ رہنے دیتے تھے ان میں انہی نقشوں کے مطابق چلتے رہنا اتباع سنت تھا۔ یعنی اس نظام کے مرکز کے لیے وحی کی روشنی میں اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق نظام خداوندی قائم رکھنا اتباع سنت تھا) اور افراد امت کے لیے اس مرکزِ نظام کے فیصلوں کی اطاعت کرنا۔ اطاعت خدا اور رسول کے مرادف۔ یاد رہے کہ خلفائے راشدین کی عمل میں لائی ہوئی تبدیلیاں بھی سنت کے مفہوم میں داخل ہیں چنانچہ جمعہ کی پہلی اذان جو حضرت عثمانؓ نے شروع فرمائی تھی اور نماز تراویح کی جماعت جو حضرت عمرؓ نے شروع کی تھی سنت تسلیم کی جاتی ہیں۔

اگر یہ سلسلہ اسی طرح قائم رہتا تو اطاعتِ خداوندی اور اتباع سنت کا یہ عملی نقشہ آگے بڑھتا رہتا۔ لیکن ہماری بدقسمتی سے یہ سلسلہ تھوڑے عرصہ کے بعد منقطع ہوگیا۔ اب آپ اس مقام پر آجائیے جہاں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔ اس وقت ہماری صورت یہ ہے کہ

(۱) وہ اسلامی نظام موجود نہیں جسے رسول اللہؐ نے متشکل فرمایا تھا اور صحابہؓ نے آگے بڑھایا تھا۔ ہم اس وقت بالکل انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں جو وحی کی منشا اور سنت رسول اللہؐ کے خلاف ہے۔

(۲) ہمارے پاس قرآن ہے جس کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جسے خدا نے رسول اللہؐ کو بذریعہ وحی عطا کیا تھا۔

(۳) ہمارے پاس سنت رسول اللہؐ یا آثار صحابہؓ کا کوئی مجموعہ ایسا نہیں جسے خود رسول اللہؐ یا خلفائے راشدینؓ نے مرتب کرایا ہو۔

(۴) ہمارے پاس روایات کا ایک ذخیرہ ہے جو نبی اکرمؐ اور عہد صحابہؓ کے احوال و کوائف پر مشتمل ہے۔ (چنانچہ ان میں سب سے اہم کتاب صحیح بخاری جو تیسری صدی ہجری میں مدون ہوئی تھی۔ کا نام خود امام بخاری نے "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ و ایامہ" رکھا تھا) لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ان مجموعوں میں صحیح روایات بھی ہیں

اور غلط بھی، اصلی بھی ہیں اور وضعی بھی۔ باہم متناقض و متخالف روایات بھی موجود ہیں جو ہوسکتا ہے کہ مختلف ادوار سے متعلق ہوں جنھیں آج ہم متعین نہیں کرسکتے۔ ایسی روایات بھی ہیں جو اپنے سیاق و سباق سے کٹی ہوئی ہیں یا جن میں ادھوری بات بیان ہوگئی ہے اور اس طرح بات کچھ سے کچھ بن گئی۔ حتیٰ کہ ایسی بھی ہیں جنھیں ہم کسی طرح بھی حضور رسالت مآب کی ذات اقدس کی طرف منسوب نہیں کرسکتے۔ ایسی ہی روایتیں ہیں جن کے متعلق (اور تو اور) مولانا ابو الکلام آزاد جیسا اہل حدیث بھی اس کا اعتراف کرتا ہے، (اور ان کا اعتراف صحیح بخاری کی ایک روایت پر تنقید کے سلسلے میں ہے) کہ "روایات کی قسموں میں کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو، بہر حال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں۔ اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لیے بھی یقینیات و عینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جاسکتی ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہوسکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین شق ہوجائے گی"

(ترجمان القرآن جلد دوم صفحہ ۵۰۰)

روایات کے ان مجموعوں کے متعلق جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں۔ سید ابو الاعلیٰ صاحب مودودی رقمطراز ہیں کہ

> یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہو کہ سنت نبوی اور آثار صحابہؓ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے مگر اس قابل نہیں ہے کہ اسی پر بالکل اعتماد کرلیا جائے[1]

سوال یہ ہے کہ بحالات موجودہ یہ کس طرح متعین کیا جائے کہ صحیح سنت رسول اللہ اور آثار صحابہ کیا ہیں؟ اس لیے کہ جب تک یہ متعین نہ ہوجائے کون کہہ سکتا ہو کہ سنت رسول اللہ کی صحیح ترین شکل یہ ہے۔ اس تعین کی صورت یہ ہو کہ

(۱) سنت رسول اللہ کا ایک بڑا حصہ خود قرآن کے اندر ہے جو یقینی طور پر صحیح ہے۔

(۲) روایات کا جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے اسے پرکھنے کا معیار بھی خود قرآن ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ اور صحابہؓ قرآن ہی پر عمل کیا کرتے تھے اور انھوں نے اسی کے

[1] تفہیمات حصہ اول صفحہ ۳۲۳

مطابق عملی نظام متشکل فرمایا تھا۔

(۳) اس ذخیرہ کو پرکھنے کا کام زید، بکر، عمر کے ذاتی طور پر کرنے کا نہیں۔ اس لیے کہ کسی فرد کو یہ حق کس طرح حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ دوسرے افراد امت سے کہے کہ جس بات کو میں سنت رسول اللہ ﷺ کہتا ہوں اسکی اتباع تم پر فرض ہے اگر تم اسکی اتباع نہ کرو گے تو تمھیں منکر رسالت قرار دے دیا جائے گا۔

(۴) اس تعین کے لیے ضروری ہے کہ امت قرآن کی روشنی میں پھر سے وہی نظام قائم کرے جسے رسول اللہؐ نے قائم فرمایا اور صحابہ نے آگے بڑھایا تھا۔ اس نظام کا یہ کام ہو کہ وہ کتب روایات کے اس تمام ذخیرے کو قرآن کی روشنی میں پرکھے اور پھر (ہمارے لیے) متعین کر دے کہ اس کی رو سے سنت رسول اللہ کی سب سے زیادہ صحیح شکل یہ ہو سکتی ہے وہ قرآن کے قوانین اور اس طرح متعین کردہ سنت رسول اللہ کی روشنی میں امت کو چلائے اور جہاں جہاں ضرورت ہو اس زمانے کے حالات کے مطابق اس سنت رسول اللہؐ میں ضروری تبدیلی کرتا جائے جس طرح خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اس میں تبدیلیاں کی تھیں۔

(۵) جب تک ایسا نظام قائم نہ ہو اس وقت تک جس طرح امت انفرادی طور پر سنت رسولؐ اللہ کی اتباع کرتی آ رہی ہے اسی طرح کیا جائے (تاکہ امت انتشار سے بچی رہے) اس میں صرف اتنا دیکھ لینا ضروری ہوگا کہ کوئی بات ایسی نہ ہونے پائے جو صریحاً قرآن کے خلاف ہو۔ اسلئے کہ جو کچھ قرآن کے خلاف ہوگا وہ خود سنت رسول اللہ کے بھی خلاف ہو گا کیونکہ رسول اللہ قرآن ہی کی اطاعت کیا کرتے تھے۔

یہ ہے ہمارے نزدیک اتباع سنت کی صحیح پوزیشن جس کی طرف ہم شروع سے دعوت دیتے چلے آ رہے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جو حضرات یا جماعتیں طلوع اسلام کو منکر حدیث پکار کر ایک بہت بڑے فتنے کا موجب قرار دیتی چلی آ رہی ہیں۔ ان سے ہماری باادب درخواست ہے کہ وہ ازراہ کرم صرف اتنا بتا دیں کہ جو کچھ اوپر لکھا گیا ہے اس میں کوئی غلطی ہے اور اگر غلطی ہے تو کہاں ہے؟"

تبصرہ

پرویز صاحب نے اس مضمون کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اتباعِ سنت کے تو قائل ہیں (اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ وہ دین میں سنت کو سرے سے کوئی درجہ ہی نہیں دیتے) البتہ اتباعِ سنت کا وہ مطلب ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے کہ خود سنت کے معنی ان کے نزدیک وہ نہیں ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں (یا جو شروع سے ابتک ساری امت سمجھتی چلی آرہی ہے)

سنتِ رسولؐ کے جو معنی ظہورِ پرویز صاحب سے پہلے تک سمجھے گئے ہیں اور جو آج بھی ہم آپ سمجھتے ہیں اسکی رو سے سنت سے مراد زندگی کے کسی بھی شعبہ میں حضورؐ کا وہ معمول بہایا پسندیدہ طریقہ ہے جو آپ کے قول و عمل یا تقریر سے ثابت ہو اور بنا بریں اتباعِ سنت کا مطلب ہے آپ کے معمولات و فرمودات اور آپ کے تقریر فرمودہ طریقہ کے مطابق عمل کرنا ـــــ یعنی حضورؐ نے زندگی کے جس شعبہ میں جو عمل یا جو طرزِ عمل اختیار فرمایا یا جس کی تعلیم دی یا جس کو تقریر کے عنوان سے پسندیدہ ٹھیرایا اسکی پیروی کرنے کا نام اتباعِ سنت ہے۔ مثلاً عبادات کے شعبہ میں آپ نے اپنے رب کی عبادت کے جو طریقے اور اس باب میں جو معمولات اختیار فرمائے یا ان کی تعلیم دی وہ آپ کی سنت کہلائیں گے اور ان پر کسی کا عمل پیرا ہونا اتباعِ سنت کہلائے گا مثلاً معاشرت کے شعبہ میں آپ کا جو طرزِ معاشرت تھا یا اس باب میں آپ نے جس طرزِ عمل کی تعلیم دی یا تقریر فرمائی، یا معاملات کے شعبہ میں آپ کے معاملات کا جو طریقہ تھا (بیع و شراء میں، لین دین میں، تجارت میں، قرض میں، شرکت میں) یا جس طریقِ معاملت کی آپ نے تعلیم یا تقریر فرمائی، یا حکومت و عدالت کے باب میں آپ کا جو طرزِ حکمرانی اور طریقہ عدالت تھا یا حاکموں اور قاضیوں کو حکومت و ریاست اور عدالت کے سلسلہ میں جو ہدایات آپ کی طرف سے دی گئیں (کہ باشندگانِ مملکت کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے ان کو کیا حقوق دیے جائیں اور ان کے ذمہ کیا فرائض و واجبات عائد کیے جائیں۔ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں کن امور کو ملحوظ رکھا جائے اور کس طرح فیصلہ کیا جائے) یہ سب چیزیں آپ کی سنت کہلائیں گی اور ان کے مطابق عمل کرنے کا نام اتباعِ سنت ہوگا۔ مگر پرویز صاحب کے

نزدیک نہ سنت کے یہ معنی صحیح ہیں اور نہ اتباع سنت کی یہ صحیح پوزیشن ہے۔

پرویز صاحب کے نزدیک سنت سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صرف وہ منہاج ومسلک جس کے مطابق آپ نے مسلمانوں کے نظام اجتماعی کو متشکل فرمایا اور آگے چلایا تھا۔

سنت کی اس تعریف میں اور سابقہ تعریف میں آپ کو بظاہر بجز اس کے کوئی فرق نہ معلوم ہوا ہوگا کہ اس میں سنت کو اجتماعی زندگی کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یوں نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منہاج ومسلک سے مراد (جس کے مطابق آپ نے مسلمانوں کے نظام اجتماعی کو متشکل فرمایا) وہ نہیں ہے جس کا ان الفاظ سے دھوکہ ہوتا ہے (یعنی زندگی کا ایک عملی نقشہ جو آپ نے اپنے قول وعمل اور تقریر سے متعین فرمایا) بلکہ (جیسا کہ پرویز صاحب نے بڑے ایچ پیچ اور ایرپھیر سے ایک لمبی چوڑی تشریحی عبارت میں چباچبا کر بتلایا ہے) اس "مسلک ومنہاج" سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل ہے کہ آپ حالات کے مطابق اس نظام (نظام دین) میں مرکز نظام کی حیثیت سے ردوبدل اور حذف واضافہ فرماتے رہتے تھے۔ پس سنت کے اس مفہوم کی روشنی میں اتباع سنت کی "صحیح پوزیشن" پرویز صاحب کے نزدیک یہ ہے کہ جب زمانہ میں جو اس نظام کا مرکز (یا مرکز ملت) ہو وہ اپنے زمانہ کے حالات اور مقتضیات کے مطابق اس نظام کے پرانے نقشوں میں ردوبدل کرتا اور ضروریات زمانہ کے مطابق اس کا نیا نقشہ بناتا رہے۔ اور ملت اسی نئے نقشہ کی اتباع کرتی رہے۔ اسی لئے کہ ہر دور میں اُس دور کیلئے سنت رسول اللہ کا مصداق در اصل دینی نظام کا وہی نقشہ ہے جو اس دور کا مرکز ملت متعین کرے۔

یہ ہے پرویز صاحب کے نزدیک سنت رسول اللہ کا مطلب اور اسکے اتباع کی صورت۔

اب یہ ظاہر ہے کہ اس وقت چونکہ نہ مسلمانوں میں اجتماعی دینی نظام موجود ہے اور نہ اس نظام کا کوئی مرکز (یا مرکز ملت) ہے (بلکہ دینی اعتبار سے بلا کسی مرکزیت کے سب انفرادی زندگی بسر کر رہے ہیں) اس لیے زندگی کے ایک عملی نقشے کی حیثیت سے سنت رسول کے تعین کی اس وقت تک کوئی صورت نہیں ہے جب تک کہ امت ایک اجتماعی نظام نہ قائم کرے۔ جس کا مرکز سنت کے متعلق روایات کے ذخیرے کو قرآن کی روشنی میں پرکھ کر اور زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر یہ فیصلہ کرے گا کہ سنت رسول اللہ کی صحیح شکل کیا ہو سکتی ہے۔ اس طور پر جو نقشۂ عمل تیار ہوگا بس

وہی ہوگا حقیقت میں سنت رسول، اور اسی کا اتباع صحیح معنی میں اتباع سنت کا مصداق ہوگا۔

یہ ہے پرویز صاحب کے مضمون کا خلاصہ۔ اور اب ہمیں یہ بتلانا ہے کہ اس میں کیا غلطی ہے اور وہ کہاں سے پیدا ہوئی ہے۔

جہاں تک غلطی کا سوال ہے۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنت اور اتباع سنت کے متعلق پرویز صاحب کا جو نظریہ ہم نے ان کے اس مضمون سے سمجھا ہے وہ از اول تا آخر غلط ہے۔ اور اس غلطی کی وجہ یہ ہے کہ جس بنیاد پر یہ نظریہ قائم کیا گیا ہے وہ بنیاد ہی سرے سے غلط ہے، اور غلط بنیاد پر جو تعمیر بھی کی جائے گی وہ شروع سے آخر تک غلط ہی ہوگی ...... پس پہلے گفتگو اس نظریہ کی بنیاد پر ہونی چاہیے جس کی صحت پر نظریہ کی صحت کا دارومدار ہے اور جس میں غلطی ظاہر ہونے کے بعد یہ بات آسانی سے معلوم ہو سکے گی کہ اس نظریہ میں کیا غلطی ہے اور وہ کہاں سے پیدا ہوئی ہے۔

سنت رسول اور اس کے اتباع کے متعلق پرویز صاحب کے اس نظریہ کی بنیاد تین مقدمات پر ہے۔[1]

(۱) رسولؐ کا "رسول" ہونے کی حیثیت سے کام صرف وحی خداوندی کو پہونچانا ہے اور جن لوگوں تک یہ وحی پہونچائی جائے ان کا کام اس (پیغامبری) کے جواب میں اس .... پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ہے۔

(۲) لیکن اس پہونچانے اور ایمان لانے سے مقصود چونکہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ قوانین خداوندی

---

[1] ان مقدمات کو پرویز صاحب نے اپنے اس مضمون میں بھی اپنے نظریہ کی بنیاد بنا کر پیش کیا ہے مگر خدا جانے کیوں انھوں نے اس موقع پر ابہام اور چبا چبا کر کہنے کا انداز اختیار کیا ہے۔ اس لیے ہمیں ان کے ان بنیادی افکار کو وضاحت سے سمجھنے کے لیے ان کی دوسری تحریروں سے بھی مدد لینا پڑی ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں اس امر کا اظہار ضروری ہے کہ ہمارے پاس پرویز صاحب کی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ ہم ممنون ہیں جناب افتخار احمد صاحب بلخی کے کہ ان کی کتاب "فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر" نے اس مشکل کو کسی حد تک حل کر دیا۔ اس مقالہ میں پرویز صاحب کی دوسری تحریروں کے اقتباسات اور حوالوں میں اسی کتاب پر اعتماد کیا گیا ہے۔

کی اطاعت کریں اور وحی کے نقشہ کے مطابق زندگی گزاریں۔ اور مختلف انسانوں کو ایک نظام عمل کے ماتحت زندگی بسر کرنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اس نظام کا کوئی مرکز ہو جو لوگوں کو اس نظام کے مطابق چلائے اور اس کے مطابق چلنے کا طریقہ بتلائے۔ (یعنی اس نظام کے دفعات کی ضروری تشریح اور عملی تطبیق کا فرض انجام دے) اور ظاہر ہے کہ رسول (پیغامبر) کی موجودگی میں اس منصب کا اس سے بڑھ کر کوئی اور حقدار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنی زندگی میں رسول ہی اس نظام عمل اور نظام اطاعت خداوندی کا مرکز بھی ہوتا ہے ——— اور اس حیثیت سے اسکی اطاعت بھی لازم ہوتی ہے (یعنی وحی کے مطابق ایک مکمل نظام حیات مرتب کرنے کے سلسلہ میں وہ قوانین خداوندی کی جو تشریح کرے اور ان پر عمل کی جو صورت متعین کرے، اس کے مطابق عمل کیا جائے۔) کیونکہ اس کے بغیر عملاً نظام اطاعت خداوندی کا قیام ممکن نہیں۔

(۳) رسول جو اپنے منصب مرکزیت (یا امامت) کے فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں وحی خداوندی کی تشریح کرتا اور اس کے مطابق عمل کا تفصیلی نقشہ مرتب کرتا ہے وہ منزل من اللہ نہیں ہوتا بلکہ یہ کام خود رسول حالات اور ضروریات کے تقاضہ کے مطابق اپنی انسانی فہم و بصیرت سے کرتا ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ (الف) رسول کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک پیغمبری اور ابلاغ وحی (یعنی نفس رسالت) کی۔ اور دوسری رسالت کے مقصد کی تکمیل کے لیے وحی کے مطابق نظام عمل قائم کرنے اور اس کو چلانے کی (یعنی اس نظام کا مرکز ہونے کی) (ب) رسول کی اطاعت کا سوال چونکہ اسکی دوسری حیثیت ہی کی بنا پر پیدا ہوتا ہے اس لیے اسکی اطاعت اسی حیثیت سے لازم ہوتی ہے نہ کہ محض "رسول" ہونے کی حیثیت سے[ف]۔ (ج) رسول جو وحی کے مطابق

[ف] رسول کی دو حیثیتوں کی یہ تقسیم پرویز صاحب کے اس مضمون میں صاف الفاظ میں نہیں ملتی بلکہ منصب رسالت کے سلسلہ میں ان کے بیان کی ابتدائی سطریں پڑھکر تو اس کے برعکس آدمی اس نتیجہ پر پہونچتا ہو کہ ان کے یہاں یہ تقسیم نہیں ہو کہ اطاعت محض رسول ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ مرکز نظام اطاعت ہونے کی حیثیت سے ہو کیونکہ خدا کے سوا کسی اور (رسول یا مرکز نظام) کی اطاعت کا سوال تو محض ربانی ہے۔ پہن

نظام عمل قائم کرنے کے لیے اس نظام کا تفصیلی اور عملی نقشہ مرتب کرتا ہو وہ منجانب اللہ نہیں ہوتا بلکہ یہ کام رسول خود اپنے زمانہ کے حالات کے پیش نظر اپنی صوابدید سے کرتا ہو۔

یہ ہے پرویز صاحب کے نظریۂ سنت و اتباع سنت کی بنیاد!

اب انہیں بنیادی افکار کو خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیجئے تو حسب ذیل نتائج نکلتے ہیں۔

(۱) آپ کی بھی دو حیثیتیں تھیں۔ ایک نفس رسالت یا ابلاغ وحی کی —— واضح ہے کہ پرویز صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی صرف قرآن ہو۔

اور دوسری (حیثیت) وحی (قرآن) کے مطابق نظام عمل تشکیل کرنے اور اس کو چلانے کے لیے

(بقیہ حاشیہ ص۵) نظام قائم کرنے اور زندگی کا تفصیلی نقشہ مرتب کرنے ہی کے سلسلہ میں پیدا ہوتا ہے، کہ وحی کے مطابق زندگی گزارنے کی جو عملی اور تفصیلی صورت بتائی جائے اس کے مطابق عمل کیا جائے، درانحالیکہ وہ صورت عمل اور تفصیلی شکل وحی کے الفاظ میں موجود نہیں ہو۔ پس جو شخص جس حیثیت اور جس منصب کی رو سے اس تفصیل و تطبیق کا ذمہ دار ہوگا اور اس سلسلہ میں اتھارٹی (Authority) سمجھا جائے گا وہ اپنی اسی حیثیت سے اس سلسلہ میں واجب الاطاعت بھی ہوگا۔ اور پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"...... نبی کے ذمہ یہ فریضہ بھی تھا کہ وہ وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچائے اور عملاً بتلائے کہ اس کے مطابق زندگی کا نقشہ کیسے مرتب ہوگا۔ نبی کے اس منصب کو منصب رسالت کہا جائے گا"

پس جب وہ یہ مانتے ہیں کہ جس منصب کی رو سے نبی کے ذمہ وحی کو دوسرے انسانوں تک پہنچانا ہو اسی منصب کی رو سے بالکل اسی طرح اس کے ذمہ وحی کے مطابق زندگی کا عملی نقشہ مرتب کر کے دینا بھی ہے، اور یہ منصب ہو رسالت، محض رسالت کا —— تو پھر یہ نتیجہ آپ سے آپ نکل آتا ہو کہ نبی کی اطاعت بھی، بلا کسی اور اعتبار کے، محض اس کے "رسول" ہونے کی بنا پر واجب ہوگی (مرکزیت وغیرہ کے اعتبار کو اس میں کوئی دخل نہ ہوگا) —— یہ نتیجہ نکلتا ہو ان ابتدائی سطروں سے!

لیکن جب ان سطروں سے آگے بڑھیے اور دوسرا پیرا شروع کیجئے تو وہی بات (باقی ص۵۲ پر)

اس نظام کا مرکز ہونے کی (جس کو پرویز صاحب مختصر الفاظ میں امت کی امامت سے تعبیر کرتے ہیں)

(۲) آپ کی اطاعت (یعنی قرآن کے مطابق ایک مکمل نظام حیات — یا نظام اطاعت

(بقیہ حاشیہ ص۵۱) — نظر آنے لگتی ہے جو انھوں نے اپنی دوسری تحریروں میں صراحت کے ساتھ کہی ہے کہ رسول کی اطاعت محض بحیثیت "رسول" ہونے کے لازم نہیں بلکہ اس میں اعتبار اسکی مرکزیت کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

"اب آگے بڑھیے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مختلف انسانوں کو مل کر ایک نظام کے ماتحت زندگی بسر کرنی ہوگی تو اس نظام کا کوئی مرکز بھی ہونا چاہیئے۔ جب رسول وحی کے نقشہ کے مطابق نظام قائم کرتا تو اس نظام کا مرکز خود اس رسول کے سوا کوئی اور ہو نہیں سکتا تھا۔ لہذا ان تمام افراد کے لیے جو وحی کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عہد کر کے اس نظام کے اجزا بنتے تھے، اس رسول کی اطاعت ضروری ہوتی۔"

اس عبارت میں آپ کو بعینہ یہ الفاظ تو کہیں نہ ملیں گے کہ رسول کی اطاعت کا وجوب اسکے محض "رسول" ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ مرکز نظام بن جانے کی بنا پر تھا۔ لیکن اس عبارت کا خط کشیدہ جملہ ذرا غور سے پڑھیئے اور پھر اسکے بعد "لہذا" کے لفظ کو اچھی طرح ذہن میں رکھ کر "لہذا" سے شروع ہونے والا جملہ پڑھیے تو بات بعینہ یہی نظر آئے گی کہ رسول کی اطاعت جو لازم ہوئی وہ اسکے "مرکز نظام اطاعت" بنجانے کی وجہ سے جس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ رسول بحیثیت "رسول" ہونے کے واجب الاطاعت نہیں بلکہ بحیثیت مرکز نظام ہونے کے واجب الاطاعت ہے۔

پس حاصل اس اجمال و ابہام کا بھی وہی نکلا جو ایک دوسری صریح تحریر کا (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہے) نکلتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ (آپ کی دو حیثیتیں تھیں)

(۱) پیغمبری یعنی پیغامات الٰہی کو لوگوں کے پاس بے کم و کاست پہونچا دینا ....
اس حیثیت سے آپ کی تصدیق کرنا اور آپ پر ایمان لانا فرض کیا گیا۔

(۲) امامت یعنی امت کا انتظام ...... اس حیثیت سے آپ کی اطاعت و فرمانبرداری لازم کیگئی۔"

(اسلامی نظام از پرویز صاحب ص۱۳۳-۱۳۴)

الغرض یہ ہے پرویز صاحب کا مسلک! تذکرہ جو ان کی منقولہ بالا ابتدائی سطروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اسے مان لینے کے بعد تو ان کے آئندہ نظریات کی ساری عمارت خود بخود ڈھیر ہو جاتی ہے۔

خداوندی ۔۔۔ تشکیل دینے کے سلسلہ میں آپ نے آیات قرآنی کی جو تشریح اور ان کے عملی انطباق کی جو صورت تجویز فرمائی، اس کے مطابق عمل) آپ کی دوسری حیثیت ہی کی بنا پر لازم کی گئی تھی۔

(۳) آیات قرآنی یا قوانین خداوندی کی جو تشریح اور ان پر عمل کے لیے ایک نظام عمل کی جو تشکیل آپ نے فرمائی تھی، وہ منجانب اللہ نہیں تھی، بلکہ یہ کام آپ نے اپنے زمانہ کے خاص حالات و اقتضاءات کے مطابق اپنی فہم و بصیرت سے اور اپنے اہل الرائے اصحاب کے مشورہ) سے انجام دیا تھا۔

پہلی دو باتوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر انطباق تو آپ ابھی (حاشیہ میں) پرویز صاحب کی تحریروں میں دیکھ چکے ہیں۔ اب تیسری بات کے انطباق کے لیے ان کی ایک تحریر کا یہ اقتباس پڑھیے۔

"قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوئی ہے۔ اس لیے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی ان کی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں از روئے بصیرت متعین کی جائے گی۔ یہی رسول اللہ نے کیا الخ" (مقام حدیث ج ۱ ص۲۲۴)

اور خود اسی زیر بحث مضمون کا یہ حصہ دیکھیے۔

"رسول اللہ نے اپنی تیئس سالہ رسالت کی زندگی میں اس نظام کو بتدریج متشکل فرمایا تھا ..... حضور ایک راہ شناس اور واقف منزل میر کارواں کی طرح ..... اپنی خداداد بصیرت اور رفقاء کار (صحابہؓ) کے مشورہ سے حالات کے تقاضے کے مطابق عملی نقشے بناتے اور وقت اور موقعہ کے مناسب ہدایات نافذ فرماتے، مقدسین کے اس قافلہ کو آگے بڑھاتے گئے۔ مثلاً نماز جیسے اہم فریضہ میں کبھی پہلے ہر نماز میں دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ بعد میں ان میں اضافہ ہوا۔"

بہرحال یہ ہے پرویز صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پوزیشن۔ اور دین میں آپ کی متعین کردہ تفصیلات و تشکیلات کی صحیح نوعیت! اور اس کے بعد آپ کی سنت کا صحیح مصداق یقیناً دین کا وہ تفصیلی نقشہ نہیں ہو گا جس پر آپ نے عمل فرمایا اور لوگوں کو چلایا۔ بلکہ آپ کا یہ طرز عمل ہو گا کہ آپ "اپنی خداداد بصیرت اور رفقاء کار (صحابہؓ) کے مشورہ سے حالات کے تقاضے کے مطابق عملی نقشے بناتے اور وقت اور موقعہ کے مناسب ہدایات نافذ فرماتے تھے"۔ اور اتباع سنت کی صحیح پوزیشن بھی یہ نہیں ہو گی کہ آپ نے جس تفصیلی نقشہ پر عمل فرمایا اور لوگوں کو چلایا تھا، اسی پر

قدم بہ قدم چلا جائے بلکہ اس کی صحیح پوزیشن یہ ہوگی کہ ہر زمانہ میں نظام دین کا مرکز اپنے نو زمانہ کے حالات کے تقاضے کے مطابق اپنی خداداد بصیرت اور اپنے رفقاء کار کے مشورہ سے عملی نقشے بنائے اور وقت اور موقعہ کے مناسب ہدایات نافذ کرے۔ اس زمانہ میں یہی نقشے درحقیقت سنت رسول کا صحیح مصداق ہوں گے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لیے ان کے مطابق عمل ہی درحقیقت اتباع سنت کا صحیح مصداق ہوگا —— بایں معنی کہ اگر حضورؐ اس زمانہ میں ہوتے تو تغیرات زمانہ کے مطابق خود ہی اپنے پہلے بنائے ہوئے نقشوں میں ردوبدل فرما کر نئے نقشے مرتب فرماتے۔ کیونکہ آپ اپنے بنائے ہوئے نقشے میں برابر حالات کے مطابق ردوبدل فرماتے رہتے تھے۔

اور اس تاویل میں جانے کی ضرورت تو جب ہو جب دین کی تفصیل اور عملی تشکیل کے سلسلہ میں یہ دیکھنا کچھ ضروری ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہوتے تو کیا نقشہ بناتے۔ لیکن جب یہ مان لیا گیا ہو کہ آپ کی تفصیل و تشکیل بحیثیت رسالت نہیں بلکہ بحیثیت مرکزیت تھی۔ اور آپ اس میں اسی حیثیت سے واجب الاطاعت تھے، تو یہ دیکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ —— کیونکہ جب آپ (وفات کے بعد) دین کے نظام عمل کا مرکز نہ رہے تو پھر اس تفصیل و تشکیل میں آپ کی اطاعت کا تو کوئی سوال باقی نہ رہا —— اب تو جو آپ کی جگہ پر مرکزی حیثیت کا مالک ہوگا وہ ٹھیک آپ ہی کی طرح آیات قرآنی کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل کا حقدار ہوگا اور اسی کی اطاعت میں خدا کی اطاعت کا راز مضمر ہوگا! پس اب اس کا سوال ہی کیا ہے کہ آپ اگر اس زمانہ میں ہوتے تو نظام اطاعت خداوندی کا کیا نقشہ بناتے!

بیشک! اگر وہ مقدمات صحیح ہیں تو پھر ان کا یہ نتیجہ اور پرویز صاحب کا نظریہ بھی اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے —— لیکن جیسا کہ شروع ہی میں عرض کر دیا گیا وہ مقدمات ہی سرے سے غلط قائم کیے گئے ہیں اس لیے ان کے نتیجہ کے طور پر جو نظریہ مرتب ہوا وہ غلط ہی مرتب ہوا۔

اب اس غلطی کی تفصیل سنیے!

(باقی آئندہ)

بقیہ مضمون صفحہ (۳۹)

(صحیح بخاری باب المرأۃ تطرح عن المصلی شیئاء من الاذی ص۷۴ ج ۱)

ہلاک کر، اے اللہ قریش کو ہلاک کر، پھر نام لے کر بددعا دی۔ اے اللہ عمرو ابن ہشام (ابوجہل)، عتبہ ابن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ ولید ابن عتبہ، امیہ ابن خلف، عقبہ ابن ابی معیط اور عمارۃ بن الولید کو ہلاک کر، عبد اللہ ابن مسعودؓ کہتے ہیں خدا کی قسم جنھیں حضور علیہ السلام نے بددعا دی تھی میں نے بدر کے دن انہیں مقتول حالت میں پڑے دیکھا۔ پھر کھینچ کر بدر کے کنوئیں میں انہیں ڈال دیا گیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کنوئیں کے رہنے والوں کی لعنت و پھٹکار تاریخ ہو گئی۔ یعنی یہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون ہو گئے۔) (باقی)

بقیہ نگاہ اولیں

بات تو اتنی ہی کہنی تھی۔ مگر ذکر آگیا ہے صدر جمہوریہ کی اپیل کا۔ تو روئے سخن آن محترم کی طرف کر کے۔ جی چاہتا ہے یہ عرض کرنے کو کہ آخر ملک میں مادیت کے فروغ سے اس تشویش اور روحانیت کی ضرورت کے اس احساس کے کیا معنی ہیں جبکہ آنجناب کے زیر سرکردگی جو حکومت قائم ہے وہ نہایت تندہی سے ملک میں ایک خالص مادہ پرستانہ ماحول بنا رہی ہے اور باشندگان ملک کو روحانی احساسات سے خالی کر کے ازسرتا پا مادی احساسات سے بھر دینا چاہتی ہے۔ اس کے لئے کسی خاص سرگرمی کی مثال دینے کی ضرورت نہیں جس کام اور جس پروگرام کو دیکھئے وہ سراسر مادی نقطہ نظر کا مظہر ہے۔ ہر موقع پر پیش نظر صرف مادی ترقی یا آسودگی ہے۔ اس سے کوئی بحث نہیں کہ اس کا اثر روحانی قدروں پر کیا پڑے گا اور قوم میں روحانی حس باقی رہے گی یا نہیں ۔۔۔۔ قصہ مختصر۔ ایک طرف ملک میں مادہ پرستانہ اور روحانیت کش ماحول بنانے والی کوششوں کی سرپرستی اور دوسری طرف مادیت کے فروغ سے فکرمندی! کچھ عجیب سی بات ہے اور کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر! پتہ نہیں ہمارے صدر جمہوریہ کے نزدیک مادیت اور روحانیت کا مفہوم کیا ہے!

تعارف و تبصرہ

(۱) معلم الانشاء (حصہ دوم) | از مولوی عبدالماجد صاحب ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ صفحات ۲۳۲ کاغذ عمدہ قیمت دو روپے چار آنے۔

(۲) معلم الانشاء (حصہ سوم) | از مولوی محمد الرابع صاحب ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ صفحات ۲۱۶ کاغذ عمدہ، قیمت دو روپے چار آنے۔ (ملنے کا پتہ مکتبہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

انشاء ہمیشہ سے ایک ضروری مضمون رہا ہے اور خاص کر اس زمانہ میں تو اسکی ضرورت ہر پڑھے لکھے انسان پر ظاہر ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے عربی مدارس میں اس ضرورت کی طرف عموماً کوئی توجہ نہیں دیجاتی ندوۃ العلماء اپنی ابتداء سے اس ضرورت کی طرف نہ صرف متوجہ رہا ہے بلکہ عربی انشاء اس کا خاص مضمون ہے۔ انشاء کی طرف اس خصوصی توجہ کے نتیجہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ارباب حل وعقد نے ضروری سمجھا کہ برصغیر (ہند و پاک) کے طلبۂ مدارس عربیہ کے خاص حالات وضروریات کے پیش نظر اس موضوع پر ایک مستقل سلسلہ کتب ترتیب دیدیا جائے (جس میں تعلیم و تفہیم کی زبان اردو ہو) زیر تبصرہ دونوں کتابیں اس سلسلہ کی دو آخری کڑیاں ہیں۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی معلم الانشاء حصہ اول (از مولوی عبدالماجد صاحب ندوی) کا ذکر ان صفحات میں پہلے آچکا ہے۔ وہ نحو کے روزمرہ کے ابتدائی مسائل و احکام پر مشتمل تھا۔ زیر نظر دوسرے حصہ میں پہلے نحو کے باقیماندہ ضروری قواعد و احکام بیان کیے گئے ہیں اور مختلف طریقوں سے ان کے اجراء کی مشق کرائی گئی ہے اور اسی ذیل میں طالب علم کو عربی ترجمہ کی بھی کافی مشق ہو جاتی ہے۔ پھر ایک باب خاص طور سے ترجمہ ہی کی مشق اور اس کے اصول سمجھنے کے لیے ہے۔ یہاں تک پہونچکر طالب علم اس قابل ہو جاتا ہے کہ اُسے خالص انشاء کی تعلیم اور چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے کی مشق شروع کرادی جائے۔ چنانچہ اسکے بعد چھوٹے اور آسان پیمانہ پر انشاء اور

مضمون نگاری کی تعلیم شروع ہو جاتی ہے اور تدریجی طور پر اس کا معیار بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ آخر میں بعض عربی ادباء کے چند واقعی خطوط درج کر دیے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے انشاء کا طالب علم کافی ادبی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

کتاب اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہے؟ اس سوال کا ذمہ دارانہ جواب تو تجربہ کے بعد ہی دیا جا سکتا ہے۔ البتہ مختلف مقامات سے دیکھنے کے بعد ہمیں امید ہے کہ تجربہ اسے مفید ہی ثابت کرے گا اور اسی امید کی بنا پر ہم مدارس عربیہ سے سفارش کرتے ہیں کہ وہ اسے داخل نصاب کر کے تجربہ کریں۔ شاید ہمارے نصاب کی ایک بڑی کمی اس سے پوری ہو جائے۔ مصنف کا اندازِ تفہیم خاص طور پر قابل تعریف ہے۔ اور اس بنا پر ہمارا اندازہ یہ بھی ہے کہ عربی گرامر سے ابتدائی شُد بُد رکھنے والے ایسے شائقین انشاء بھی اس سے مستفید ہو سکیں گے جو کسی استاد کی مدد حاصل نہ کر سکتے ہوں۔

سرسری نظر میں ایک مقام قابل نظر ثانی بھی نظر آیا ہے۔ باب اوّل میں حال کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"حال ایک ایسا اسم منصوب ہے جو (فعل کے وقوع کے وقت) فاعل اور مفعول بہ کی ہیئت کو واضح کرتا ہے" (ص ۵۳)

حال کی یہ تعریف صحت و جامعیت ہر دو لحاظ سے سقیم نظر آتی ہے۔ شاید مصنف عجلت میں لکھ گئے ورنہ عبارت یوں ہوتی "حال ...... جو (......) فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت یا کیفیت کو واضح کرتا ہے"۔ اور کی جگہ یا صحت کے لحاظ سے ضروری ہے کما لا یخفیٰ۔ اور کیفیت کا اضافہ جامعیت کے نقطۂ نظر سے۔ مثلاً مثال میں دیے ہوئے جملہ "لا تاکل الطعام حاراً" میں حال ہیئت کو نہیں بلکہ کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔

معلم الانشاء حصہ دوم میں انشاء کے سادہ اور ابتدائی اصول و قواعد بنا کر تمرینات کے ذریعہ طالب علم میں انشاء کا ملکہ اور سلیقہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ فنی حیثیت سے اس کے اصول و قواعد سے اس حصہ میں بحث نہیں کی گئی تھی۔ یہ کام معلم الانشاء حصہ سوم کے مؤلف کے حصہ میں آیا ہے۔ اور ان کا یہ کہنا سچ ہے کہ ان کے حصہ میں مشکل کام آیا ہے ـــــ یہ نہ سمجھیے کہ یہ حصہ تمام تر فنی مباحث اور اصول و قواعد کے بیان پر مشتمل ہے بلکہ اس کا نصف الثانی تمرینات ، ان

تمرینات کی ہم جنس مثالوں اور عربی اُردو ترجمے کی مشقوں پر مشتمل ہے۔ ترتیب یوں ہے کہ پہلا باب جو تیرہ صفحات کا ہے اس میں ایک مختصر مفہوم اور ایک چھوٹی سی بات کو پھیلانے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ یہی مضمون اور مقالہ نگاری کی اصل ہے۔ اور پھر اس تفصیل میں اعتدال اور تناسب قائم رکھنے کا طریقہ سمجھایا گیا ہے۔ دوسرے باب میں مقالہ کی تعریف اور اس کے بنیادی عناصر اجزاء مقالہ نگاری کے اصول اور کامیابی کے گُر بیان کیے گئے ہیں۔ نیز خطوط نویسی اور ترجمہ کے اصول وقواعد بھی اور ساتھ ساتھ ان میں سے ہر چیز کے نمونے پیش کر کے کافی مشقیں بھی دی گئی ہیں (خطوط نویسی اور ترجمہ کے اسباق کو اس باب میں لانے کی مناسبت ہماری سمجھ میں نہیں آسکی) اگلا باب پُورا کا پُورا بلا کسی نمونے و مثال کے تمرینات کے لیے وقف ہے۔ چوتھے باب میں نثر کے فنی اقسام بتلائے گئے ہیں اور جو قسمیں گزشتہ تمرینات میں زیر مشق نہیں آسکی تھیں ان پر مشق کرائی گئی ہو۔ پانچویں باب میں ہندوستان کے عربی داں طبقے کے عموماً صحیح عربی انشاء نہ لکھ سکنے کے اسباب پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ان اسباب کے ازالہ کی تدابیر بتلائی گئی ہیں۔ یہ باب بعض بہت مفید اور کارآمد باتوں پر مشتمل ہے۔ مثلاً (عربی انشاء میں اہل ہند کے عموماً غلطی کرنے کا) ایک سبب فاضل مصنف نے یہ بتلایا ہے کہ بہت سے عربی الفاظ جو ہماری زبان کا جزو اور ہمارے لیے روزمرہ بن گئے ہیں وہ اصل میں تو کسی معنی کے لیے وضع کیے گئے تھے لیکن ہماری زبان میں وہ کسی اور معنی کے لیے استعمال ہونے لگے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہم عربی لکھتے اور بولتے وقت بھی ان الفاظ کو انھیں معانی کی ادائگی کے لیے بے تکلف استعمال کر جاتے ہیں جن معانی پر وہ ہماری زبان میں آکر دلالت کرنے لگے ہیں غلطی کے اس اہم سبب پر تنبیہ کرتے ہوئے مصنف نے دوسرا جو مفید کام کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے بہت سے الفاظ کی فہرست دے دی ہے اور بتلا دیا ہے کہ جن معانی کے لیے ہم ان الفاظ کو اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں ان کی ادائیگی کے لیے عربی میں کون سے الفاظ ہیں اور خود ان الفاظ کے اصل معنی عربی زبان کے لحاظ سے کیا ہیں۔ اس کے ساتھ مثال کے طور پر کچھ غلط جملوں کی فہرست بھی دی گئی ہے جن میں غلطی مذکورہ بالا سبب اور بعض دوسرے اسباب سے ہوتی ہے۔

مصنف کی یہ محنت و کاوش جیسا کہ ہم نے عرض کیا بجائے خود بہت قابل تعریف اور طلبہ کے حق میں بہت کارآمد ہے۔ لیکن ساتھ ہی کسی حد تک مبالغہ آمیز اور قابل نظر ثانی بھی ہے۔ مثلاً

جملوں کی فہرست میں " فعل خالد علیّ نعقۃ " (یعنی خالد نے مجھ پر بھروسہ کیا) اور " اتسم شریف عدواً " (یعنی شریف نے دشمن کو ختم کر دیا) غلطی کی یہ مثالیں بالکل فرضی معلوم ہوتی ہیں۔ علیٰ ہذا الفاظ کی فہرست میں " اردو معنی " کئی جگہ قابل نظر ثانی نظر آئے۔ مثلاً عالِ[1] ادب۔ عمادۃ[2]۔ جلوس[3] کا استعمال علی الترتیب ان معنی میں بتلایا گیا ہے۔ سلطنت[1]۔ منسّق[2] یا دلچسپ عبارت و تحریر۔ در و دیوار[3] کا کوئی مجسمہ۔ اجتماعی[4] طور پر کہیں سے گزرنا۔ ان میں سے ۱ تو بالکل صحیح نہیں اور باقی معنی میں تعبیری نقطۂ نظر سے یک گونہ نقص اور عجز پایا جاتا ہے — لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس سے کتاب کی قدر و قیمت پر کسی درجہ میں بھی اثر نہیں پڑتا۔

پانچویں باب کے بعد " نماذج الانشاء " کے عنوان سے بعض عربی ادباء و فضلاء کی انشاء کے نمونے دیئے گئے ہیں اور بس یہی کتاب کا تتمہ ہے — ہم امید کرتے ہیں کہ عربی انشاء کا صحیح اور معیاری ذوق اور اس کے اصول و قواعد پر ایک اجمالی نظر پیدا کرنے میں یہ کتاب بہت مفید ثابت ہو گی

مصنف نے جیسا کہ دیباچہ میں خود لکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کا کام مشکل تھا۔ کیونکہ فن انشاء کا تعلق زیادہ تر ذوق اور وجدان سے ہے اور ایسے فن کے اصول و قواعد کا انضباط، اس سلسلہ کی ضروری ہدایات و اشارات کا احاطہ اور پھر ان کی جچی تلی اور واضح تعبیر بہت ہی مشکل بلکہ ایک طرح کی کوہ کنی ہے اور اس مشکل کو دیکھتے ہوئے وہ اپنی کوشش میں کامیاب قرار دیئے جانے کے مستحق ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کہنا بھی شاید غلط نہ ہو گا کہ وہ اگر تھوڑی سی کوشش اور کرتے تو اس مشکل پر کچھ اور قابو پا سکتے تھے۔ کتاب کا تفہیمی حصہ اگرچہ موجودہ حالت میں بھی ضرورت کو کفایت کرتا ہے۔ مگر کچھ مزید کوشش سے عبارت زیادہ سلیس اور تعبیرات کو زیادہ واضح اور ذہن نشین بنایا جا سکتا تھا اور غیر معروف عربی تراکیب جو بے تکلف استعمال ہو گئی ہیں جیسے " تقریر حق " (صفحہ ۱۹۲) ان سے بچا جا سکتا تھا۔ ایک چیز جو ان دونوں حصوں کے تعارف میں قابل ذکر تھی ان کی یہ خصوصیت ہے کہ مشقوں اور مثالوں کو دینی اخلاقی اور علمی فوائد کا حامل اور طالب علم میں اسلامی روح پیدا کرنے کا ذریعہ بنانے کا شدت سے اہتمام کیا گیا ہے۔

فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر۔ حصہ اوّل و دوم

از جناب مولوی افتخار احمد صاحب بلخی۔ ناشر مکتبہ چراغ راہ۔ کراچی (پاکستان)

کتابت طباعت بہتر۔ کاغذ عمدہ۔ صفحات و قیمت علی الترتیب (حصہ اول) ۲۴۰ دو روپے آٹھ آنے (حصہ دوم) ۴۰۸ چار روپے

فتنۂ انکار حدیث پاکستان میں ایک عظیم فتنہ کی صورت اختیار کر گیا ہے اس فتنہ کی خدمت کے لیے متعدد کثیر الوسائل اور طاقتور مراکز قائم ہو چکے ہیں جن سے حجیت حدیث اور ذخیرۂ حدیث کے استناد و اعتماد پر مسلسل گولہ باری ہو رہی ہے "۔ فتنۂ انکار حدیث کا منظر و پس منظر" کے مصنف نے منکرین حدیث کے اصلی خد و خال اور ان کے درپردہ و پوشیدہ مقاصد و عزائم کو بے نقاب کیا ہے۔ بقول مصنف ان کی "یہ (کتاب) ایک آئینہ ہے جس میں انکار حدیث کے علمبرداروں کی اصل صورتیں منعکس ہو رہی ہیں"۔ حصہ اول میں تقریباً ۶۰ صفحے میں "پس منظر" کے زیر عنوان یہ دکھایا گیا ہے کہ اس فتنہ کی اصل خلافت راشدہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے اس کی اصل ان کے نزدیک مطمح نظر ہے کہ صحیح اسلامی نظام کسی طرح قائم نہ ہونے پائے اس مطمح نظر کے حصول کا ایک اہم ترین پروگرام شروع ہی سے تشکیک فی القرآن رہا ہے۔ اور اس پروگرام کی تکمیل کے لیے حدیث کا انکار ضروری تھا لہذا اس پر بھی عمل کیا گیا۔ اس کے بعد "منظر" کا عنوان شروع ہوتا ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار اور مغربی علوم و تہذیب کا سیلاب آنے کے بعد اس فتنہ نے کس طرح نئے عنوان سے سر اٹھایا اور پھر کن مراحل سے گزرتا ہوا موجودہ صورت میں آیا۔ اس فتنہ کا موجودہ منظر بلکہ مناظر یوں کہیے کہ یہاں سے شروع ہوتے ہیں۔ ان مناظر کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ دوسرا ضخیم حصہ بھی اس کے لیے ناکافی ہو جاتا ہے اور بقیہ کے لیے تیسرا حصہ زیر طبع ہے۔

حصہ اول میں منکرین حدیث کے دجل و تلبیس، خیانت و تزلیف اور عجیب و غریب تحقیقات کے وہ مناظر پیش کیے گئے ہیں جو انفرادی مساعی سے وجود میں آئے ہیں۔ دوسرے حصہ میں ان مناظر کی سیر کرائی گئی ہے جن کو باقاعدہ ایک اجتماعی اور ادارتی جد و جہد جنم دے رہی ہے۔

کتاب کے مواد کی فراہمی اور پھر اس کی ترتیب میں مصنف کی محنت و کاوش کی داد نہ دینا بڑا ظلم ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے بڑا مواد جمع کر دیا ہے اور اس جمع و ترتیب سے ان کا جو مقصد

ہے کہ انکارِ حدیث کے علمبرداروں کی "شبیہ مبارک" اپنے پورے خدوخال — تلبیس، تحریف اور ندرتِ تحقیق (بالفاظِ دگر جہالت) وغیرہ — کے ساتھ قاری کے سامنے آجائے اس میں وہ بالکل ناکام بھی نہیں ہیں — لیکن پوری طرح کامیابی کا امکان اس لیے نظر نہیں آتا کہ ان کی تحریر اول تا آخر رمزیت، اشاریت اور مجازات و کنایات میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ان کے لکھے ہوئے تقریباً ہر صفحہ میں کم و بیش یہی رنگ ہے۔ اس کا نتیجہ (ہمارے خیال میں) یہ ہے کہ بس ایک خاص ادبی سطح کے اور از خود کافی باخبر قسم کے قارئین کی حد تک تو مصنف اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن عام قارئین ان رموز و اشارات اور مجازات و کنایات کی گھاٹیوں کو پار کر کے مشکل ہی سے منزلِ مقصود تک پہونچ پائیں گے۔ پوری طرح کامیاب نہ ہونے سے یہی مراد ہے!

ایک اور چیز جو کتاب کی افادیت کو نقصان پہونچانے والی ہے .... ، تحریر کا کہیں نہ ٹوٹنے والا تسلسل ہے "پس منظر" کے تحت جو گفتگو شروع کی گئی ہے وہ تو خیر حصہ اوّل ہی کے صفحہ ۵۹ پر ختم ہو گئی ہے مگر اس کے بعد "جو منظر" کا باب کھلا ہے تو اس میں اشہبِ قلم چار سو صفحے کے ضخیم حصہ دوم کے اختتام تک بھی کہیں دم لیتا ہوا نظر نہیں آتا۔ غالباً تیسرے حصہ میں اس کی نوبت آئی ہو گی۔ کتاب کے تمام اجزا اور حصص میں ارتباط تو ضرور ہونا چاہیے مگر ایسا بے پناہ تسلسل تو کسی طرح صحیح نہیں۔ تسلسل کی اس رَو میں قاری کے ذہن کو اس بات کا موقع نہیں مل سکتا کہ وہ کتاب کے مشتملات کو منضبط طور سے ذہن میں رکھتا چلا جائے۔ اور بغیر انضباط کے نہ ذہن ان کی پوری حفاظت کر سکتا ہے اور نہ خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

حصہ دوم کے تعارف کے سلسلہ میں ایک چیز کا تذکرہ آنے سے رہ گیا۔ اس حصہ کا نصف آخر "ادارۂ طلوعِ اسلام" کی مولانا مودودی سے آویزش اور عناد کے منظر اور مؤخر الذکر کے دفاع کے لیے وقف ہے۔ اس میں مصنف نے اپنے متذکرہ بالا انداز میں ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے مولانا مودودی پر وقتاً فوقتاً لگائے ہوئے الزامات و اتہامات کا پورا پورا جواب دینے کی کوشش کی ہے — ہم اس کوشش کو غلط نہیں سمجھتے اور ہمیں اس خیال سے بھی اختلاف نہیں ہے کہ

ف یہ ترکیب ایک منکرِ حدیث ہی کی ہے۔ جو ان حضرت نے بزعم خود ایک "ملا" کے حق میں استعمال کی تھی۔

منکرین حدیث کی مولانا مودودی پر یہ "عنایات" اپنے ...... خاص عزائم کی تکمیل کے لیے ہیں لیکن اس شخصی یا خاص گروہی قضیہ میں پڑ کر مصنف گویا موضوع کتاب سے دستبردار ہو گئے ہیں اور اس طرح یہ دو سو سے اوپر صفحے اصل موضوع کے بجائے ایک دوسرے مصرف میں صرف ہو گئے ہیں جس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے قارئین کو کوئی دلچسپی نہ ہو ۔۔۔۔ مناسب ہوتا کہ مصنف اس قضیہ کو اس کتاب میں طول دینے کے بجائے اس پر ایک الگ تصنیف کر دیتے۔ اس طرح ناشر کی اس پریشانی میں بھی کچھ تخفیف ہو جاتی جو انھیں کتاب کی غیر متوقع طوالت سے لاحق ہو گئی ہے۔

جماعت اسلامی اپنے لٹریچر کے آئینہ میں

مرتبہ شعبہ تنظیم جماعت اسلامی ضلع اعظم گڈھ۔ شایع کردہ۔ مکتبہ جماعت اسلامی۔ باقی منزل۔ محلہ بدرقہ۔ اعظم گڈھ۔

صفحات ۴۸ قیمت ۲۰ پیسے

یہ پمفلٹ نما آئینہ جماعت اسلامی کے چہرے کے "اصلی" خد و خال دکھا کر معترضین کے اعتراضات و الزامات کو "بے اصل" ظاہر کرنے کے لیے تیار کیا گیا ہے پیش لفظ کے ایک صفحہ کے علاوہ باقی سارا مواد جماعت اسلامی کے مطبوعہ لٹریچر کے اقتباسات پر مشتمل ہے جن سے جماعت کے عقائد، حدیث، فقہ اور تصوف کے متعلق ارباب جماعت کے خیالات، دیگر نظریات اور خصائص شمائل کا اظہار ہوتا ہے۔

جماعت اسلامی کا جو سراپا اس آئینہ میں نظر آتا ہے اگر حقیقت میں بھی وہی ہے تب تو اس پر اعتراض کی گنجائش مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس طرح جماعت اسلامی کے بعض مخالفین، مخالفت کے غلو، میں، جماعت اسلامی کے لٹریچر کے اقتباسات ہی سے جو کردہ سراپا تیار کرتے ہیں وہ اصل حقیقت سے دور ہوتا ہے اسی طرح یہ معصوم سراپا بھی اصل حقیقت کا عکس نہیں ہے حقیقت ان دونوں کے بین بین ہے۔ جو اقتباسات کی مدد سے تیار کردہ یکطرفہ آئینوں سے ظاہر نہیں ہو سکتی۔

البعث الاسلامی

زیر ادارت۔ سید محمد حسنی۔ ضخامت ۴۲ صفحات۔ کاغذ و طباعت عمدہ چندہ سالانہ پانچ روپے۔ پتہ :۔ ۳۵ گوئن روڈ لکھنؤ۔

اہل ہند کے لیے عربی کوئی اجنبی نہیں ہے۔ صدیوں سے شہر شہر قریہ قریہ مدارس عربیہ کا جال پھیلا ہوا ہے جن سے ہر سال ہزاروں طلبا عربی دانی کی سندلے کر نکلتے ہیں اور اس طرح اس ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہ گیا ہے جہاں تھوڑی بہت تعداد عربی سمجھنے والوں اور پڑھنے والوں کی موجود نہ ہو۔ مگر اس کے باوجود اب سے چند ماہ قبل تک ہمارے علم میں کوئی ایک رسالہ بھی ایسا نہیں تھا جو اس زبان میں نکلتا ہو۔ حالانکہ یہ دور ایسا ہے جسے "رسائل وجرائد کا دور" کہنا بیجا نہیں —— یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہمارے یہاں کے عربی داں طبقہ کو عربی سے کوئی زندہ تعلق نہیں۔ اگر زندہ تعلق ہوتا تو کسی نہ کسی درجہ میں زندگی کی وہ علامات ضرور پائی جاتیں جو اس دور کے مطابق کسی دوسری زبان سے زندہ تعلق کی صورت میں پائی جاتی ہیں —— اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے (عربی کی طرف سے اور اس ملک کے عربی داں طبقہ کی طرف سے) فرزندانِ ندوۃ العلماء اور تلامذہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی کو کہ انھوں نے اس تعلق کو زندہ کرنے اور عربی داں طبقہ کو عربی سے ایک زندہ زبان کا سا تعلق پیدا کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ "المنتدی الادبی" کے نام سے ایک چھوٹی سی انجمن بنائی۔ اور اس انجمن کی طرف سے اس عربی ماہنامہ کا اجرا عمل میں آیا جس کا نام ہے "البعث الاسلامی" اور جو آج پانچ ماہ سے مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی باقاعدہ نگرانی و سرپرستی میں نکل رہا ہے۔

رسالہ صرف عربی زبان کا خادم نہیں بلکہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اسلامی روح کا بھی حامل ہے اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں۔ ہر نمبر جس طرح صاف شستہ اور شگفتہ عربی کا نمونہ ہے اسی طرح تڑپتی اور مچلتی ہوئی اسلامی روح کا بھی آئینہ دار ہے۔ رسالہ کا خاص الخاص مقصد عربی مدارس کے نوجوان طلبہ و فضلاء میں عربی کا اعلیٰ ذوق، جدید عربی ادب سے واقفیت، اسلامی فکر و نظر اور دینی روح پیدا کرنا ہے۔ پہلے شمارہ کے افتتاحیہ کی ابتدائی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

"الشباب الاسلامی فی العصر الحاضر یحتاج الی الایمان بالله والاعتزاز برسالته والثقة بالمستقبل ..... الشباب الاسلامی فی حاجة الی غذاء دسم یجمع بین علم ودین وادب، ولکن دینه وایمانه وهو اغلی شئ له فی الوجود وانمن من کل شئ فی العالم،

ل۵ یہ تبصرہ گزشتہ ماہ کا لکھا ہوا ہے

طلبة العربية بصفة خاصة يحتاجون الى العناية بالصحافة العربية والأدب العربي الحديث"......

هذا هو الذى بعثنا على ان نقدم هذه المجلة الخ

ہمیں مسرت ہے کہ "المنتدی الادبی" کے لائق نوجوان ارکان مولانا سید ابو الحسن علی ندوی (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کی سرپرستی میں بہت حسن و خوبی کے ساتھ یہ رسالہ مرتب کر رہے ہیں خاص کر رسالہ کے نوعمر مدیر تو اپنی نوعمری کے باوجود جس ادبی صلاحیت اور اسلامی فکر کا مظاہرہ کر رہے ہیں وہ بہت ہی قابلِ مبارکباد اور رسالہ کے مستقبل کے لیے نیک فال ہے ___ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی صرف نگراں اور سرپرست ہی نہیں بلکہ اب تک کا ہر نمبر تقریباً ان کے مضمون سے مزین ہے اور ان کے فکر و ادب کا کہنا ہی کیا؟ تازہ نمبر میں "قرأت لک" (انتخاب) کے مستقل عنوان کے تحت، شام کے چوٹی کے اسلامی ادیب علی الطنطاوی کا چھوٹا سا مضمون "دعوهم وما يقولون" دیکھنے کے لائق ہے ___ غرض رسالہ اس کا پورا مستحق ہے کہ مدارس عربیہ کے تمام مستطیع، متوسط و منتہی طلبہ و فضلاء اس کی خریداری اور ذمہ داران مدارس اس کی سرپرستی قبول کریں! ___ اگر ہمارے اسلامی طلبہ میں عربی ادب کا اچھا ذوق، جدید عربی زبان سے واقفیت، دینی حرکت اور اسلامی نقطۂ نظر پیدا کرنے کی ضرورت ہے تو پھر اس سلسلہ کی ہر کوشش کی ہمت افزائی بھی ضروری ہے۔

روزنامہ دورِ جدید (رنگون) کا دسویں سالگرہ نمبر	مدیر مسئول۔ ابراہیم احمد مظاہری۔ دفتر روزنامہ "دورِ جدید" رنگون (برما)

اس خاص نمبر کی قیمت برمی سکہ سے (Kaya ۲, ۲)

دورِ جدید کا یہ خاص نمبر جو جہازی سائز کے ۴۴ صفحات پر مشتمل اور آرٹ پیپر کے نہایت حسین رنگا رنگ کور سے مزین ہے، ۱۰ جولائی ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا ہے۔ کور کے تین صفحات بعض دلفریب مقامی قدرتی مناظر اور انسانی تعمیر و تخلیق کے دلآویز نمونوں سے آراستہ اور اندر کے صفحات مفید متنوع مضامین سے مالا مال ہیں ___ نمبر بحیثیت ایک کامیاب اور جو لوگ بیرون ہند میں اردو زبان کے وجود اور اس کی ترقی کی رفتار اور مسلمانوں کے حالات سے متعلق معلومات سے دلچسپی رکھتے ہوں ان کے مطالعہ کے لائق ہے۔ جناب ابراہیم احمد مظاہری اور ان کے رفقاء کی اردو پر اہل *

* زبان کی سی قدرت قابل داد اور برما میں اردو صحافت کی ترقی کی راہ میں ان کی کوشش و استقامت مستحق مبارکباد ہے۔

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
ادارہ الفرقان
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

شرح چندہ
ہندوستان میں سالانہ . [illegible]
پاکستان میں سالانہ . [illegible]
ششماہی (ہر دو سے) [illegible]

اعزازی خریداروں سے
سالانہ .... [illegible]

غیر ممالک سے
سالانہ چندہ دس شلنگ

قیمت فی کاپی آٹھ آنے

جلد ۲۲ | بابت ماہ شعبان ۱۳۷۵ھ مطابق اپریل ۱۹۵۶ء | شمارہ ۸

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہے!

تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو۔ براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی ارسال کیا جائے گا۔

چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۲ تاریخ تک پہونچ جانی چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ "سکریٹری ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

تاریخ اشاعت:۔ رسالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہو۔ اگر ۲۰ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجدیا جائے گا۔ اس سے پہلے مطلوب ہو تو ۲ کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

مقام اشاعت کے متعلق نیا اعلان صفحہ ۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔ سابقہ پتہ اس اشاعت سے منسوخ ہے۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ملک کی آزادی کو نو سال ہو چکے۔ ہندوستانی قوم کو بنانے بگاڑنے کے سارے اختیارات اب قوم کے منتخب کردہ نمائندوں اور حکمرانوں کے ہاتھ میں ہیں۔ اور یہ واقعہ ہو کہ جہاں تک مادی تعمیر و ترقی کا تعلق ہے، ملک کے موجودہ ارباب اقتدار اس کے لیے مخلصانہ کوشش کر رہے ہیں۔ اور بڑی حد تک کامیاب بھی ہو رہے ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ ایک چیز جسے ہم بڑی تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور مختلف عنوانات سے اس پر اظہار تشویش کرتے آرہے ہیں۔ قومی تعمیر و ترقی کے منصوبوں کا یہ بنیادی نقص ہے کہ ان میں سیرت سازی اور قوم کی اخلاقی تربیت کا کوئی پروگرام نہیں ہو۔ چنانچہ آزادی کے اس نو سالہ دور میں قوم کی اخلاقی و سیرت کی کمزوریاں پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہیں یا آزادی کی بدولت زیادہ آزادی سے بروئے کار آنے لگی ہیں۔ ملک کی زندگی کا ایک بڑا حصہ اور اس کو جانچنے اور پرکھنے کا ایک اہم پیمانہ ملک کے سرکاری دفاتر اور سرکاری ملازمین و اہلکاران ہیں جن کے متعلق یہ بات گویا مسلّم ہو چکی ہے کہ نظم و ضبط کی چولیں ڈھیلی ہو چکی ہیں، کارکردگی کا معیار پست ہو رہا ہے، اور کام چوری، فرض ناشناسی اور رشوت ستانی روز بروز بڑھ رہی ہے۔

اخلاق و سیرت کی اس قسم کی کمزوریاں ہوں یا دوسرے اقسام کی، سب کا سبب ایک ہو۔ اور وہ ہے اُن بنیادوں کا کمزور پڑ جانا جن پر سیرت و کردار کی مضبوطی یا اخلاقی خوبیوں کی عمارت قائم ہوتی ہے۔ یا ان سوتوں کا سوکھ جانا جن سے سیرت و کردار یا انسان کے اخلاقی ضمیر کو غذا ملتی ہے —— یہ بنیادیں اور یہ سوتے وہ چند اعتقادات ہیں جو انسانی دل و دماغ میں مذہب نے ودیعت کیے ہیں، اور جن کو عرف میں مذہبی عقائد کہا جاتا ہے۔ یعنی خدا کی ہستی کا عقیدہ،

اور ایک دوسری زندگی کا عقیدہ۔

مرض پر سب کی نظر ہے اور سب پریشان ہیں۔ ارباب حکومت اپنی بدنامی کی وجہ سے اور زیادہ پریشان ہیں۔ کچھ تدابیر بھی ان امور کے انسداد کے لیے عمل میں لا رہے ہیں۔ مگر اصل سبب پر نظر نہیں۔ یا خدا جانے کیوں اس کو اصل سبب ماننے کے لیے تیار نہیں۔ چنانچہ نتیجہ وہ ہی آ رہا ہے جو ہونا چاہیے کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

خدا کا شکر ہے کہ، اگرچہ نوسال کے طویل عرصہ کے بعد سہی، مگر وہ مبارک وقت آیا کہ ملک کی سب سے عظیم ریاست (یو، پی) کے ایوان قانون ساز کے بھرے اجلاس میں یہ شہادت حق بلند ہوئی کہ

"جو چیز بد دیانتی اور رشوت خوری کو روکتی ہے وہ خوف خدا ہے یا دوسری دنیا کا خیال۔ لیکن آج سوسائٹی کا جو رنگ ہو اس میں "خدا" یا "دوسری دنیا" کا کوئی مقام نہیں رہا۔ روزانہ اسکولوں اور کالجوں میں ہم "خدا" کے انکار کی باتیں پڑھتے ہیں اور یہ سنتے ہیں کہ انسان بس ایک مٹی کا پتلہ ہے۔"[۱]

حق کی یہ صاف و صریح اور نہایت زوردار و بے لاگ شہادت یو، پی کے وزیر مال "چودھری چرن سنگھ" کی زبان سے ادا ہوئی ہو — ہم آنریبل وزیر کو اس کلمۂ حق پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر کہ نوسال کے عرصہ میں (ہماری یادداشت کی حد تک) مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں مسلمان ممبران اور وزراء کی موجودگی میں بھی یہ سعادت صرف چودھری صاحب موصوف کو حاصل ہوئی۔ ہم انھیں غیر معمولی تبریک و تہنیت کا مستحق پاتے ہیں۔

یہ بات آنریبل وزیر نے اپنے محکمہ کے متعلق رشوت خوری کی مسلسل شکایات سننے کے بعد کہی تھی اور اس کے بعد انھوں نے رشوت خوری کے بند نہ ہو سکنے کے کچھ اور اسباب بیان کر کے آخر میں کہا کہ

"جب یہ حال ہے تو حکومت کے بس میں کس طرح ہے کہ وہ سوسائٹی کا مزاج بدل دے .... جہاں تک حکومت کا تعلق ہے وہ یہی کر سکتی ہے کہ

---

[۱] روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ۔ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء۔

سخت نگرانی رکھے اور ذرا سی رشوت خوری پر سخت سے سخت سزا دے"[۱]

ہمیں افسوس ہے کہ یہ بات، وزیر موصوف نے صحیح نہیں کہی۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حکومت سوسائٹی کے مزاج کو بالکلیہ بدل نہیں سکتی، تب بھی اس سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تبدیلی کے سلسلے میں حکومت اگر کرنا چاہے تو بہت کچھ کر سکتی ہے۔ سوسائٹی کے اس رنگ کی کہ "اس میں خدا یا دوسری دنیا کا کوئی مقام نہیں رہا" بڑی وجہ یہی ہے جو آنریبل وزیر کے الفاظ میں موجود ہے کہ ہمارا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم ذہنوں میں خدا اور آخرت کا انکار بٹھلاتا ہے ــــ تو کیا ہمارا نظام تعلیم حکومت کے بس میں نہیں ہے؟ اور وہ اس کی اصلاح نہیں کر سکتی؟ ــــ مگر افسوس کہ نہ صرف یہ کہ ہمیں ایسی تعلیم دی جا رہی ہے جو خدا کے خوف اور آخرت کے خیال سے دور کر رہی ہو بلکہ پورا ماحول اور زندگی کا پورا ڈھانچہ ایسا بنایا جا رہا ہو جس میں خدا اور آخرت کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور ملک میں جو بعض شخصیتیں سب سے زیادہ اثر انداز اور با اقتدار ہیں وہ اپنے قول و عمل سے افکار و خیالات کی ایسی فضا تیار کرنے میں مسلسل مصروف ہیں جس میں خدا اور آخرت کی حیثیت ایک مضحکہ خیز واہمہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ پھر آنریبل وزیر کو صرف سوسائٹی سے شکوہ کیوں ہو؟ اور ساری ذمہ داری وہ سوسائٹی کے سر کیوں ڈال رہے ہیں؟

بے شک اس وقت سوسائٹی کا جو اخلاقی حال ہو اور اس میں جس درجہ کا بنیادی بگاڑ آگیا ہے اس کو محض کوئی حکومت نہیں سنوار سکتی۔ بلکہ اس کے لیے اخلاقی مصلحین کی وسیع اور سرگرم جدوجہد کی ضرورت ہو۔ مگر جو لوگ اس کے لیے خلوص اور سرگرمی کے ساتھ جدوجہد کر رہے ہیں ان کے لیے سب سے زیادہ پریشان کن چیز یہی ہو کہ ایک طرف تو حکومت نے بداخلاقی اور برائی کے تمام محرکات کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے اور دوسری طرف وہ خود سنجیدگی کے ساتھ محض مادی تعمیر و ترقی کا نصب العین سامنے رکھ کر زندگی کا ڈھڑہ ایسا بنا رہی ہو جس میں اخلاق و کردار کی مذکورہ بنیادیں قائم رہنا مشکل ہیں ــــ پس ایوان حکومت سے تعلق رکھنے والے وہ حضرات جو اخلاق و سیرت کی کمزوریوں کا اصل علاج خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کو سمجھتے ہیں۔ ان کا فرض ہو کہ وہ کم سے کم ملک کی تعمیر و ترقی کے اس تصور کو بدلنے کی کوشش کریں جو ذہنوں کو خدا اور آخرت کے عقیدے

[۱] روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ۔ مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء۔

سے بیگانہ بنانے جارہا ہے۔ ورنہ وہ اپنی ان سچی اور اچھی باتوں کے باوجود یہ کہنے میں معاف رکھیں کہ

قائل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو!

ناظرین اس شمارے میں مقالہ "سنت رسول اللہ کے معنیٰ اور اتباع سنت کی صحیح پوزیشن" کا بقیہ حصہ دیکھنے کے منتظر ہوں گے، مگر افسوس کہ وہ اس اشاعت میں شریک نہ ہو سکا۔ مجبوری یہ پیش آگئی کہ راقم الحروف کو تقریباً دو ہفتہ کا ایک سفر دہلی اور لاہور کا پیش آگیا جس کے باعث مقالہ کے بقیہ حصہ کی تکمیل کا موقع نہ مل سکا ــــ بلکہ رسالہ کی اشاعت میں دو ایک دن کی تاخیر ہو جانے کا بھی اندیشہ ہے۔ انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں یہ کمی نہ رہے گی۔

رمضان المبارک کے مبارک ایام شروع ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے متمتع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ گذشتہ سال کی طرح امسال بھی خیال تھا کہ شعبان کی اس اشاعت میں صفحات بڑھا کر رمضان کی اشاعت سے بھی شروع رمضان ہی میں فراغت کر لی جائے تاکہ رمضان میں آئندہ اشاعت کی تیاری میں مشغول نہ رہنا پڑے۔ مگر مذکورۂ بالا سفر کی وجہ سے یہ ارادہ بھی پورا نہ ہو سکا۔ چنانچہ اب یہ طے کیا گیا ہے کہ رمضان کی اشاعت کو مؤخر کر کے شوال کے ساتھ شامل کر دیا جائے! اور اسی موقع پر یہ بھی پیش نظر ہے کہ محکمۂ ڈاک کی مقرر کردہ شمسی مہینے کی ۱۵ تاریخ کی پابندی کی وجہ سے قمری مہینوں کی عدم مطابقت کا جو سلسلہ شروع ہو گیا ہے (کہ شعبان کا رسالہ رمضان میں نکل رہا ہے) اس عدم مطابقت کو بھی ختم کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہو کہ شوال کا رسالہ جو موجودہ حساب سے ۱۵ جون کو شائع ہونا چاہیے، مئی میں شائع ہو جائے۔ چنانچہ یہ بھی طے کیا گیا ہو کہ رمضان و شوال کا مشترکہ شمارہ مئی کی آخری تاریخوں میں شائع کر دیا جائے ــــ لہٰذا ناظرین کرام نوٹ فرمالیں کہ آئندہ رسالہ ۱۵ مئی کے بجائے مئی کی کسی آخری تاریخ کو شائع ہو گا ــــ نیز یہ بھی نوٹ فرمالیں کہ آئندہ سے دفتر الفرقان کا پتہ بجائے "باغ گونگے نواب" کے "کچہری روڈ" ہو گا۔

"کتب خانہ الفرقان" کے متعلق

ضروری اعلان

از محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

قریباً دو ڈھائی سال سے میں نے اپنے کو "کتب خانہ الفرقان" کے انتظام اور اسکی دیکھ بھال سے بھی بالکل آزاد کر لیا تھا۔ اور "الفرقان" میں اس کا اعلان بھی کر دیا تھا ــــ لیکن پچھلے دنوں بعض شکایتی خطوط سے معلوم ہوا کہ کتبخانہ کا کام جس فکر و مستعدی اور جس ذمہ داری کے ساتھ انجام پانا چاہیے اس طرح انجام نہیں پا رہا ہے، جسکی وجہ سے کتابیں منگوانے والے حضرات کو طرح طرح کی تکلیفیں ہوتی ہیں ــــ چنانچہ اب اس کا انتظام بدل دیا گیا ہے اور یہ بھی فیصلہ کر لیا گیا ہے کہ جیسے بھی بن پڑے گا انشاء اللہ آئندہ خود اسکی نگرانی بھی کروں گا ــ اور کوشش کروں گا کہ کتب خانہ سے کاروباری تعلق رکھنے والے حضرات کو تکلیف نہ پہونچے ــــ جن حضرات کو اب تک تکلیفیں پہونچیں وہ معاف فرمائیں اور جنکی کوئی حق تلفی ہوئی ہو وہ بلا تکلف مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ تلافی کی جائے گی۔

پتہ میں تبدیلی انتظام کی اس تبدیلی کے تقاضے سے اب کتبخانہ الفرقان (اور دفتر الفرقان) باغ گونگے نواب سے اپنی قیام گاہ کے قریب کچہری روڈ پر منتقل کر لیا گیا ہے، لہٰذا اب پتہ میں بجائے "باغ گونگے نواب" کے "کچہری روڈ لکھنؤ" لکھنا چاہئے۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

رحم دلی اور بے رحمی :-

رحمت ——— دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہو اور رحمٰن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں۔ اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا عکس ہو وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم رہنے والے ہیں۔

(۱۳۹) عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ

(رواہ البخاری ؤسلم)

(ترجمہ) حضرت جریر بن عبداللہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے آدمیوں کے لیے رحم نہیں اور جو دوسروں پر ترس نہیں کھاتے۔

(بخاری ؤسلم)

تشریح۔ اس حدیث میں "النّاس" کا لفظ عام ہے جو مومن و کافر اور متقی و فاجر سب کو شامل ہے .... اور بلاشبہ رحم سب کا حق ہو، البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اس کے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اسکو

بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہو، اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

(۱۴۰) عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ إِرْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ ——— (رواہ ابوداؤد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں اور ترس کھانے والوں پر بڑی رحمت والا خدا رحم کرے گا۔ زمین پر رہنے بسنے والی اللہ کی مخلوق پر تم رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحمت کرے گا۔

(سنن ابی داؤد و جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاص رحمت کے مستحق بس وہی نیک دل بندے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی دوسری مخلوق کے لیے رحم ہے ——

اس حدیث میں زمین میں رہنے بسنے والی اللہ کی ساری مخلوق پر رحم کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہو جس میں انسانوں کے تمام طبقوں کے علاوہ جانور بھی شامل ہیں۔ آگے آنے والی حدیثوں میں اس عموم کی صراحت بھی کی گئی ہے۔

(۱۴۱) عَنْ اَبِی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيْقٍ إِشْتَدَّ عليه الْعَطَشُ فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيْهَا فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرٰى مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ الرَّجُلُ لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِيْ فَنَزَلَ الْبِئْرَ فَمَلَأَ خُفَّهُ ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيْهِ فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ نَعَمْ فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اس اثنا میں کہ ایک آدمی راستہ چلا جارہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ چلتے چلتے اسے ایک کنواں ملا۔

وہ اس کے اندر اترا اور پانی پی کر باہر نکل آیا۔ کنوئیں کے اندر سے نکل کر اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور پیاس کی شدت سے وہ کیچڑ کھا رہا ہے۔ اس آدمی نے دل میں کہا کہ اس کتے کو بھی پیاس کی ایسی ہی تکلیف ہے جیسی کہ مجھے تھی۔ اور وہ اس کتے پر رحم کھا کر پھر اس کنوئیں میں اترا اور اپنے چمڑے کے موزے میں پانی بھر کر اس نے اس کو اپنے منھ سے تھاما اور کنوئیں سے نکل آیا اور اس کتے کو وہ پانی اس نے پلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی اس رحمدلی اور اس کی محنت کی قدر فرمائی اور اسی عمل پر اس کی بخشش کا فیصلہ فرما دیا۔ بعض صحابہ نے حضور سے یہ واقعہ سن کر دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کیا جانوروں کی تکلیف دور کرنے میں بھی ہمارے لیے اجر و ثواب ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں ہر زندہ اور تر جگر رکھنے والے جانور (کی تکلیف دور کرنے) میں ثواب ہے۔

(بخاری و مسلم)

(۱۴۲) عن عبد اللہ بن جعفرؓ قَالَ دَخَلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم حَائِطاً لِرَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَاِذَا فِیْہِ جَمَلٌ فَلَمَّا رَأَی النَّبِیَّ صَلَّی اللہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَنَّ وَذَرَفَتْ عَیْنَاہُ فَاَتَاہُ صَلَّی اللہ علیہ وسلم فَمَسَحَ ذِفْرَاہُ فَسَکَتَ فَقَالَ مَنْ رَبُّ ھٰذَا الْجَمَلِ؟ لِمَنْ ھٰذَا الْجَمَلُ؟ فَجَاءَ فَتًی مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللہِ فَقَالَ لَہٗ اَفَلَا تَتَّقِی اللہَ فِیْ ھٰذِہِ الْبَھِیْمَۃِ الَّتِیْ مَلَّکَکَ اللہُ اِیَّاھَا؟ فَاِنَّہٗ شَکٰی اِلَیَّ اَنَّکَ تُجِیْعُہٗ وَتُدْئِبُہٗ۔

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا، جب اس اونٹ نے آپ کو دیکھا تو ایسا ڈکرایا اور ایسی درد بھری آواز اس نے نکالی جیسی بچے کے جدا ہو جانے پر اونٹنی کی آواز نکلتی ہے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے قریب تشریف لے گئے اور آپ نے اسکی کنوتیوں پر اپنا دست شفقت پھیرا جیسے کہ گھوڑے یا اونٹ پر پیار کرتے وقت ہاتھ

پھیرا جاتا ہے) وہ اونٹ خاموش ہوگیا۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ اونٹ کس کا ہے؟ اس کا مالک کون ہے؟ ایک انصاری نوجوان آئے اور انھوں نے عرض کیا حضرت یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس بیچارہ بے زبان جانور کے بارہ میں تم اس اللہ سے ڈرتے نہیں جس نے تم کو اس کا مالک بنایا ہے، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو۔ اور زیادہ کام لے کر تم اس کو بہت دکھ پہونچاتے ہو۔

(سنن ابی داؤد)

(۴۲۳) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفَرٍ فَانْطَلَقَ لِحَاجَتِهٖ فَرَأَيْنَا حُمَّرَةً مَعَهَا فَرْخَانِ فَاَخَذْنَا فَرْخَيْهَا فَجَاءَتِ الْحُمَّرَةُ فَجَعَلَتْ تَعْرِشُ فَجَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ فَجَعَ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا؟ رُدُّوْا وَلَدَهَا اِلَيْهَا ــ وَرَاٰى قَرْيَةَ نَمْلٍ قَدْ حَرَّقْنَاهَا فَقَالَ مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟ قُلْنَا نَحْنُ قَالَ اِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ اَنْ يُّعَذِّبَ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ۔

(رواہ ابوداؤد)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے عبدالرحمٰن اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس اثناء میں ہماری نظر ایک چھوٹی سی سرخ چڑیا (غالباً ٹیلکنٹھ) پر پڑی جس کے ساتھ چھوٹے چھوٹے اس کے دو بچے بھی تھے، ہم نے ان بچوں کو پکڑ لیا، وہ چڑیا آئی اور ہمارے سروں پر منڈلانے لگی، اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا کس نے اس کے بچے پکڑ کے اسے ستایا ہو؟ اس کے بچے اس کو واپس کردو ـــــ اور آپ نے چونٹیوں کی ایک بستی دیکھی (یعنی زمین کا ایک ایسا ٹکڑا جہاں چونٹیوں کے بہت سوراخ تھے اور چیونٹیوں کی بہت کثرت تھی) ہم نے وہاں آگ لگادی تھی۔ آپ نے فرمایا کس نے ان کو آگ سے جلایا ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے ہی یہ آگ

لگائی ہو۔ آپ نے فرمایا آگ کے پیدا کرنے والے خدا کے سوا کسی کے لیے یہ سزاوار نہیں ہو کہ وہ کسی جاندار کو آگ کا عذاب دے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جانوروں حتیٰ کہ زمین کی چیونٹیوں کا بھی حق ہو کہ ان کو بلا وجہ نہ ستایا جائے۔

(۱۴۴) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم دَخَلَتْ اِمْرَأَةٌ النَّارَ فِي هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ۔ (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک بے درد اور بے رحم عورت اس لیے جہنم میں ڈالی گئی کہ اس نے ایک بلی کو باندھ کے (بھوکا مار ڈالا) نہ تو اسے خود کچھ کھانے کو دیا اور نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے اپنی غذا حاصل کر لیتی۔ (بخاری ومسلم)

(تشریح) حضرت جابر کی ایک روایت سے جو صحیح مسلم میں مروی ہو، معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیدرد اور بے رحم عورت بنی اسرائیل میں سے تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج میں، یا خواب یا بیداری کے کسی اور مکاشفہ میں اس کو دوزخ میں بچشم خود مبتلائے عذاب دیکھا۔

بہرحال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جانوروں کے ساتھ بھی بیدردی اور بے رحمی کا معاملہ اللہ تعالیٰ کو سخت ناراض کرنے والا اور جہنم میں لے جانے والا عمل ہے۔ اللّٰھم احفظنا!

(۱۴۵) عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ۔

(رواہ احمد والترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو۔ فرماتے ہیں کہ میں نے صادق و مصدوق سیدنا ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ ارشاد فرماتے تھے کہ نہیں نکالا جاتا رحمت کا مادہ مگر بدبخت کے دل سے۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ رحم اور ترس کے مادہ سے کسی کے دل کا بالکل خالی ہونا اس بات کی

نشانی ہے کہ اللہ کے نزدیک وہ بدبخت اور بے نصیب ہے کیونکہ کسی بدبخت ہی کا دل رحمت کے مادہ سے خالی ہوتا ہے۔

سخاوت اور بخل :-

سخاوت یعنی اپنی کمائی دوسروں پر خرچ کرنا اور دوسروں کے کام نکالنا بھی رحم ہی کی ایک شاخ ہے جس طرح بخل اور کنجوسی یعنی دوسروں پر خرچ نہ کرنا اور دوسروں کے کام نہ آنا بے رحمی اور سخت دلی ہی کی ایک خاص صورت ہے ۔۔۔ ان دونوں کے بارے میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنئے۔

(۱۴۶) عن ابی هُرَیْرَۃَ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اَلسَّخِیُّ قَرِیْبٌ مِنَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّاسِ قَرِیْبٌ مِنَ الْجَنَّۃِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّارِ وَالْبَخِیْلُ بَعِیْدٌ مِنَ اللّٰہِ بَعِیْدٌ مِنَ النَّاسِ بَعِیْدٌ مِنَ الْجَنَّۃِ قَرِیْبٌ مِنَ النَّارِ وَلَجَاھِلٌ سَخِیٌّ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ عَابِدٍ بَخِیْلٍ ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخی بندہ اللہ سے قریب ہے (یعنی اس کو قرب خداوندی حاصل ہے) نیز اللہ کے بندوں سے قریب ہے (یعنی اللہ کے بندے اس کی سخاوت کی صفت کی وجہ سے اس سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ لگے رہتے ہیں) اور جنت سے قریب اور دوزخ سے دور ہے ۔۔۔ اور بخیل اور کنجوس آدمی اللہ سے دور یعنی قرب خداوندی کی نعمت سے محروم ہے۔ اللہ کے بندوں سے بھی دور ہے۔ (کیونکہ اسکی کنجوسی کی وجہ سے وہ اس سے الگ اور بے تعلق رہتے ہیں۔) اور جنت سے دور اور دوزخ سے قریب ہے۔ اور یقیناً ایک بے علم سخی اللہ تعالیٰ کو عبادت گذار کنجوس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ (جامع ترمذی)

(۱۴۷) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ ۔۔۔۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ارشاد ہو کہ تم دوسروں پر خرچ کرتے رہو میں تم پر خرچ کرتا رہوں گا۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ازلی ہے کہ جو بندے اپنی کمائی اور اپنی محنت دوسرے ضرورت مند بندوں پر صرف کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنے خزانۂ غیب سے ان کو برابر عطا فرماتا رہے گا اور وہ ہمیشہ فقر و فاقہ کی تکلیف سے محفوظ رکھے جائیں گے۔

(۱۴۸) عن جابر قال ما سُئِلَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً قَطُّ فقال لا۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت جابر رضی اللہ سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ نے جواب میں نہیں فرمایا ہو۔ (بخاری و مسلم)

(تشریح) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ آپ نے کبھی کسی سائل کو "نہیں" کہہ کر واپس نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ ہر سائل کو دیا اور بسا اوقات ایسا ہوا کہ آپ کے پاس نہ ہوا تو آپ نے قرض منگوا کر دیا۔

(۱۴۹) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کَانَ عِنْدِیْ مِثْلُ اُحُدٍ ذَھَباً لَسَرَّنِیْ اَنْ لَا یَمُرَّ عَلَیَّ ثَلٰثُ لَیَالٍ وَعِنْدِیْ مِنْہُ شَیْئٌ اِلَّا شَیْئٌ اَرْصُدُہٗ لِدَیْنٍ۔ (رواہ البخاری و مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر بھی سونا ہو تو میری خوشی یہی ہوگی کہ مجھ پر تین راتیں بھی ایسی نہ گزریں کہ میرے پاس اس میں سے کچھ بھی باقی ہو۔ بجز اس کے کہ میں کسی قرض کی ادائگی کے لیے اس میں سے کچھ روک لوں۔

(بخاری و مسلم)

(۱۵۰) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لَا یَجْتَمِعُ الشُّحُّ وَالْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَبَدًا۔　(رواہ النسائی)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حرص و بخل اور ایمان کبھی ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔
(یعنی بخیلی و کنجوسی اور ایمان کا کوئی جوڑ نہیں)۔　(سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہو کہ ایمان کی حقیقت اور بخل کی عادت میں ایسی منافات ہو کہ جس دل کو حقیقی ایمان نصیب ہوگا اس میں بخل نہیں آسکتا اور جس میں بخل دیکھا جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس میں ایمان کا نور نہیں ہے — ذرا سا غور کرنے سے ہر ایک کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر کامل ایمان و یقین کے بعد دل میں بخل اور کنجوسی جیسی کسی خصلت کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں رہ سکتی۔

ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

مکتوبات کے پیرایے میں

مترجمہ ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

(بحمداللہ وسیلۃ السعادۃ[1] (مکتوباتِ خواجہ محمد معصومؒ جلد سوم) کے اقتباسات اور ترجمے سے فراغت ہوئی اب مُروّج الشریعۃ خواجہ محمد عبید اللہؒ بن خواجہ محمد معصومؒ کی مرتب کی ہوئی جلد (جو روضۃ القیومیہ کے بیان کے مطابق جلد اوّل ہے) میرے سامنے ہے اسکے چند اہم اور مفیدِ عام مقامات کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔ میرے پاس مکتوباتِ معصومیہ کی یہ پہلی جلد مطبع نظامی کانپور کی مطبوعہ ہے ——— مکتوباتِ معصومیہ کی جلد سوم مجھے دستیاب نہ ہو سکی جو بقول صاحب روضۃ القیومیہ حاجی عاشور صاحبؒ کی مرتب کی ہوئی ہے ———

اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام ناظرین کو عملِ خیر کی توفیق دے اور خاتمہ ایمان کے ساتھ ہو، آمین۔ (فریدی))

مکتوب (۱۰) خواجہ دینار کے نام (در نعتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و ترغیب بر اتباع آنسروؐ)

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— نقدِ سعادتِ دارین، متابعت سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ دوزخ سے نجات اور دار القرار (جنت) کا داخلہ سید ابرار و قدوۂ اخیار علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع پر ہی موقوف ہے نیز رضائے پروردگار، پیروی رسول مختار کے ساتھ

---

[1] یہ جلد میر شرف الدین حسینؒ نے جمع کی اور حضرت شیخ سیف الدینؒ صاحبزادہ خواجہ محمد معصومؒ کے نام اس کو معنون کیا۔ یہ جلد بسبب للارشاد مولوی محمد ایوب صاحب بنیہوری دکیل بظہور پریس لدھیانہ میں طبع ہوئی اس میں کتابت کی بیشمار غلطیاں موجود ہیں معلوم نہیں کسی اور مطبع میں بھی یہ کتاب طبع ہوئی یا نہیں، بغلطی سے اس جلد کا نام ترجمہ کی پہلی قسط کی تمہید میں وسیلۃ النجاۃ لکھ گیا ہوں۔ اگرچہ حقیقت کے لحاظ سے جس طرح وسیلۃ السعادۃ ہو وسیلۃ النجاۃ بھی ہے ——— (فریدی)

مشروط ہو۔ توبہ، زہد، توکل اور تبتل آنحضرتؐ کی تابعداری کے بغیر نامقبول اور اذکار وافکار، اشواق و اذواق بے توسل سرکار دو عالم غیر معمول ہیں، اولیاء آقائے نامدار کے بحر بے پایان فیض کے ایک جرعے سے مستفیض اور انبیاءؑ ان کے سرچشمۂ آب حیات کے ایک قدح سے سیراب ہیں۔ فرشتہ اُن کا طفیلی ہے، فلک ان کی حویلی ہے۔ رشتۂ وجود انھیں کے وجود سے متصل سلسلۂ ایجاد انھیں سے مربوط ہے......

.....جملہ کائنات ان کی تابعدار اور تمام عالم کے بادشاہ اُن کی رضا کے طلبگار ہیں۔

نماند بعصیاں کسے در گرو — کہ دارد چنیں سید پیشرو

فانّ رسول اللہ لنور یستضاء بہ — مہنّد من سیوف اللہ مسلول

صلوات اللہ تعالٰے وتسلیماتہ وتحیاتہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ

پس جواناں سعادتمند اور طالبان ہوشمند پر لازم ہو کہ ظاہراً وباطناً ان کی اتباع میں کوشاں رہیں اور جو باتیں متابعتِ رسولؐ کے منافی ہو اس سے روگرداں ہوں اور یقین رکھیں کہ اگر کوئی شخص ہزاراں ہزار فضائل وخوارق رکھتا ہو اور متابعتِ رسول میں سست ہو اس شخص کی صحبت ومحبت سمِ قاتل ہے اور جو شخص کوئی بھی فضیلت وکرامت نہ رکھتا ہو لیکن اتباع رسول میں اس کا قدم راسخ ہو اسکی صحبت ومحبت "تریاق نافع" ہے۔

ع محال است سعدی کہ راہِ صفا — تواں رفت جز در پئے مصطفٰے

علیہ الصلوات والتسلیمات والبرکات العلیٰ

مکتوب (۱۱) خواجہ قلیج کے نام ـــــ (اس میں سات سوالوں کے جوابات ہیں جن میں سے ایک کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔)

سوال ششم کا حاصل یہ ہے کہ تیجے اور دسویں کو میت کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے کھانا پکانا اور تیجے کے دن پھولوں کی رسم کرنا کہاں سے ثابت ہو؟

مخدوما ـــــ اللہ کے واسطے کھانا کھلانا بغیر کسی "رسم وریا" کے اور اس کا ثواب میت کو پہونچانا بہت اچھی بات اور نیک کام ہے لیکن وقت کے متعین کرنے کی کوئی "معتمد علیہ" اصل ظاہر نہیں ہوتی ـــــ تیسرے دن مردوں میں پھولوں کی رسم بدعت ہے۔ البتہ عورتوں میں تیسرے دن سوگ اٹھانے کے لیے خوشبو لانا ثابت ہے کیونکہ زوجہ کے علاوہ اہل قرابت

میں کسی اور کو تین دن سے زائد سوگ رکھنا غیر مشروع ہے۔۔۔۔۔

مکتوب (۲۵) عبید اللہ بیگ کے نام ـــــ (اس مضمون میں کہ ہر سرزمین کا ایک خاص حکم اور خاص فیض ہے۔)

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــــ اخوی اعزی مرزا عبید اللہ بیگ کی خدمت میں نگارش ہے کہ ان کا خط جو میر ضیاء الدین حسین کے ہاتھ بھیجا گیا تھا، مل گیا ـــــ چونکہ احوال واذواقِ سینہ پر مشتمل تھا اس لئے لذاتِ معنویہ حاصل ہوئیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہمیشہ راہِ ترقیات پر گامزن رکھے اور اتباعِ سنت میں استقامت بخشے ـــــ فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ ـــــ تمہارے صوبۂ دکن کے جانے میں بظاہر کوئی حکمت ضرور ہوگی ـــــ ہر زمین کے فیوض مختلف ہیں، ہر شہر کی ایک علیٰحدہ خاصیت ہے اور ہر قریہ کا ایک جدا معاملہ ہے، اہل بصیرت ہر توجہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور ہر زمین سے ایک خاص کمال بہم پہونچاتے ہیں۔ حضرت ایشانِ ما (حضرت مجدد الف ثانیؒ) جس وقت کہ سلطان وقت (جہانگیر) کی ہمراہی میں لاہور تشریف رکھتے تھے وہاں شروع شروع میں ایک دو ماہ "درگذر حاجی سوائی" خواجہ قاسم کی حویلی کہنہ میں مقیم رہے اس جگہ وہ "اسرار ومعارف" ان پر فائض ہوئے جن کا تعلق "کمالاتِ فنا" اور "عدمیت اشیاء" سے ہے اور وہ مکتوب جو هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکوراً سے معنون ہے اور اسکے گردو پیش کے چند مکتوبات اسی جگہ تحریر فرمائے ہیں ـــــ چونکہ وہ حویلی بہت پرانی تھی لہٰذا ایک دوسری حویلی میں منتقل ہونے کا ارادہ فرمایا جو "درگذر ملاّ" تھی۔ اس سے پہلے کہ دوسری حویلی میں اقامت گزیں ہوں حضرت والا نے فرمایا تھا کہ وہاں وہ "معارف واسرار" فائض ہوں گے جن کا تعلق "کمالاتِ بقا" سے ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ـــــ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔۔۔۔ دوستوں سے دعا اور توجہ "ظہر الغیب" کی امید ہے ـــــ والسّلام

مکتوب (۲۶) مولانا محمد حنیف کے نام ـــــ (در تحریص بر احیائے سنت واماتت بدعت وترغیب بر متابعت ومحبت سید المرسلین)

حامداً ومصلیاً علیٰ رسولہ الکریم ـــــ اما بعد ـــــ۔۔۔۔۔۔ ہنگام قرب قیامت ہے اور

وقت زیادتی ظلمات ایک عالم ظلمات کے اندر غرق ہے اور غرق ہوتا چلا جا رہا ہے، کوئی جوانمرد درکار ہے جو اس خطرناک زمانے میں احیائے سنت کرے اور بدعت کو مٹائے ــــ "بے انوارِ سننِ نبوی" راہ راست پانی محال ہے اور "بے التزام اطوارِ نبوت" نجات ڈھونڈھنی محض خیال ہے، طریقۂ صوفیا کا سلوک اور "محبت ذاتیہ" کا وصول، بے اتباع حبیب رب العلمین متحقق نہیں ہو سکتا ــــ آیۂ ـ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ــــ ہمارے اس قول کی گواہ ہے ــــ اپنی سعادت اسی میں سمجھنی چاہیئے کہ عادات، عبادات اور معاملات میں آنحضرتؐ سے نسبت پیدا ہو ــــ عالم مجاز میں دیکھو کہ جو شخص محبوب سے مشابہت اختیار کرتا ہے محب کی نظر میں وہ کتنا محبوب و زیبا اور مرغوب و رعنا معلوم ہوتا ہے ــ محبوب کے دوست محب کی نظر میں عزیز اور محبوب کے مبغوض، محب کی نظر میں مبغوض ہوتے ہیں ــــ پس کمالاتِ صوری و معنوی، آنحضرتؐ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں ــــ افضل طاعات، موالات اولیا اور معادات اعدا ہے۔

ع ـ تولی بے تبری نیست ممکن ــــ مگر یہ بات صحابۂ کرام کے بارے میں جاری نہیں ہو سکتی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دوستی، اکابر صحابہ سے تبری و بیزاری کے بغیر حاصل نہ ہو، جن لوگوں نے ایسا سمجھا ہے غلط سمجھا ہے اس لیے کہ بیزاری اعدا سے ہونی شرط ہے نہ کہ احباب سے ــــ حق سبحانہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام کی شان میں رحماء بینھم ــــ فرمایا ہے ـ رحماء جمع رحیم کی ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے ـ پس چاہیئے کہ یہ بزرگ (صحابہ) آپس میں کمال مہربانی کے ساتھ موصوف ہوں اور چونکہ صفت مشبہ استمرار و دوام پر دلالت کرتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ کمال مہربانی کی یہ صفت بطریق دوام و استمرار ہو ـ بغض، کینہ، حسد اور عداوت جو منافی رحم ہیں دوامی و استمراری طور پر ان سے مفقود ہوں ـ حدیث شریف میں آیا ہے ارحم امتی بامتی ابوبکر یعنی میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکرؓ ہیں۔ بھلا جو شخص "ارحم" ہو اس سے کینہ اور عداوت امت کے حق میں کیسے متحقق ہو سکتا ہو....

سرورِ کائنات

(از جناب ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی۔ ایم اے پی ایچ ڈی)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ

(اے محمد! ہم نے تجھ کو تمام ہی انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔ القرآن، سبا)

کائنات کی سرورِ زمی کیا ہے؟ کائنات کو اس حکمت بالغہ کا عرفان عطا کرنا جو اس کے کارخانہ کو ازل سے چلا رہی ہے۔

ان عجیب و غریب کائنات، اس گوناگوں عالم کا ہیرو ابن آدم ہے جس میں خدا نے اپنی صفات کاملہ کا عکس جلوہ گر کیا ہے ——— اِنَّ اللّٰہ خلق آدم علیٰ صورتہٖ ——— یہ اوصاف اخلاق انسانی کا معیار ہیں اور ابتدائے آفرینش سے دنیا کے تمام معلموں، محسنوں، اور مصلحوں نے انہی کا درس دیا ہے۔

دنیا کی درس گاہ میں انبیاء اور اولیا. فاتحوں اور سپہ سالاروں، فرمانرواؤں اور حکمرانوں، حکیموں اور فلاسفروں، ادیبوں اور شاعروں، مصلحوں اور مقننوں، مدبروں اور خوش فکروں سبھی کے نام ملتے ہیں۔ انھوں نے نوعِ انسانی کی اخلاقی اور معاشرتی سطح کو بلند کرنے کی اپنے اپنے طرز پر کوششیں کیں۔ ہم پر ان سب کا احسان ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ممنون ہم ان نفوس قدسیہ ہی کے ہیں جن کا نام اس فہرست میں سب سے پہلے آیا ہے۔

آج الحاد اور مادیت اور مارکسیت کے کارخانوں سے نکلے ہوئے سانچے رسولوں کی اہمیت اور ان کی تعلیم کی قیمت کو مسخ کرنے کے درپے ہیں۔ لیکن کوئی ان سے یہ پوچھے کہ حریت اور عدل پسندی. اخوت اور انسانی ہمدردی کی جو کچھ جھلک ان کے عقائد و نظریات میں ملتی ہے وہ کس کی نور پاشی

کا عدتہ ہے؟ غور و فکر، تجربہ و تجزیہ، تہذیب و تمدن جو ان کے افق کے روشن ترین ستارے ہیں۔ وہ انھوں نے پائے کہاں سے ہیں؟۔

دینی دنیاوی مباحث سے قطع نظر، علمی حیثیت سے بھی انسان کے سرمایۂ پُرمسرت اور کامیاب زندگی کے جو بھی اثرات و نتائج پائے جاتے ہیں وہ انبیاء ہی کے مقدس گروہ کے فیوض و برکات ہیں، وقت کی شاہراہ پر جو نقش قدم وہ چھوڑ گئے ہیں دنیا انھی پر چل کر اپنی منزل تلاش کر رہی ہے اور جب وہ راستہ سے بھٹک جاتی ہے تو یہی نقوش اس کا ہاتھ پکڑ کر اندھیرے سے اُجالے کی طرف لائے ہیں۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے بالکل صحیح اور واقعہ کے عین مطابق فرمایا ہے کہ

"آج جہاں بھی عدل و میزان کا وجود ہے وہ کسی یونانی حکیم یا یورپین فلاسفر کی تعلیم و تصنیف اور تقریر و خطبہ کا اثر نہیں ہو۔ بلکہ طبقۂ انبیاء ہی کے بے واسطہ یا بواسطہ تعلیمات کا نتیجہ ہو۔ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں کیسے ہی بدترین مبلغ سہی۔ مگر نیکی، عدل، احسان، ہمدردی، نکوکاری، حسنِ خلق کی تعلیم۔ تبلیغ اور دعوت انھی کی زبانوں سے ہو رہی ہو۔ جو رسولوں کے پیرو اور پیغمبروں کے تابع ہیں ــــ جو عقیدہ کے ملحد ہیں ان کی بھی نکوکاری انھی پیغمبروں کے نادانستہ فیضان تعلیم کا نتیجہ ہو۔ اس بنا پر جو لوگ ذہنی طور پر پیغمبروں کے منکر ہیں۔ وہ بھی عملی طور سے ان کی تعلیم کے معترف اور معترف ہیں۔"[۵]

مختصر یہ کہ اگر کسی عالم گیر رہنما یا جگت گرو کی تلاش مقصود ہو اور انسان عارضی تاثرات اور اضطراری کیفیات سے بلند ہو کر تاریخ اور تمدن کا بے تعصبی اور فراخ نظری سے مطالعہ کر سکے اور ماضی کی روشنی میں مستقبل کی کسی حد تک رو کشائی ممکن ہو سکے تو نظر انتخاب صنف انسانی کے ان ہی پاک طینت، بلند فطرت، ہادیان حق پر پڑے گی جنھیں ہم انبیائے کرام کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

اب ذرا دنیا کی رہنمائی اور کائنات کی سروری کے متعلق اپنے ذہنوں کو صاف کرتے چلیں تو بہتر ہوگا۔ دنیا کا لیڈر وہی ہو سکتا ہے جو ملکی اور نسلی اور طبقاتی قیدوں سے بلند ہو۔ جس نے تمام انسانی برادری کی بھلائی اور بہبودی اپنے سامنے رکھی ہو۔ ایک محبِ وطن یا قومی لیڈر اس اعتبار

---

۵ سیرۃ النبی، جلد ۴، صفحہ ۲۰۶

سے ضرور قابلِ احترام ہے کہ اس نے اپنے ملک و قوم کی بے لوث خدمت کی، ایثار کیا، تکلیفیں جھیلیں، عزم راسخ اور سیاسی فراست کے بہترین نمونے دکھلائے، غیروں کے جور اور اپنوں کے شر کا کامیاب مقابلہ کیا، ایک مضبوط حکومت قائم کی، معاشی و معاشرتی اصلاحیں جاری کیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی غیر معمولی شخصیت کی کچھ کرنیں سیاسی اور جغرافیائی سرحدیں عبور کر کے بعض دوسرے علاقوں میں بھی نور صبح لے کر پہونچی ہوں، مثلاً ابراہم لنکن، لینن، اسٹالن، مصطفےٰ کمال، گاندھی، جناح وغیرہ سے ان کی قوموں سے تعلق نہ رکھنے والے بھی بعض طبقے عقیدت رکھتے ہیں۔ لیکن ان قومی محسنوں کو دوسری قومیں اپنا لیڈر تو نہیں مان سکتیں۔ روس اور چین میں آج کل کتنا اصولی اور نظریاتی اتحاد اور تعاون پایا جاتا ہے۔ لیکن کیا روسی قوم چینی ماؤزے تنگ کو اپنا قائد تسلیم کرنے پر آمادہ کی جا سکتی ہے؟ بات صاف ہے۔ جس شخص کی محبت، خیر خواہی اور کارگزاری اس کے اپنے وطن تک محدود ہو اور اگر محدود نہ ہو تو کم از کم اصلاً اور اولاً اسی کے لیے ہو، دوسرے ممالک اسے اپنا رہنما کیوں مانیں؟ ساری قوموں کا لیڈر تو وہی ہو سکتا ہو جس کے پاؤں میں نسل اور جغرافیہ کی زنجیریں نہ ہوں، جس کی نظر میں سارے انسان ایک ہوں۔ جس کے دل میں سب کا یکساں درد ہو، اور جو اپنے فکر و عمل کے پھل تقسیم کرتے وقت اپنے اور پرائے کا فرق روا نہ رکھے۔

دوسری اہم شرط یہ ہے کہ اس کی تعلیم زندگی کا کوئی ایک رخ نہیں بلکہ پوری تصویر پیش کرتی ہو اس کا کردار انسان کی فطرت کا آئینہ ہو۔ اس کے اصول انسانی فطرت کے تمام پہلوؤں، اس کی طاقتوں اور کمزوریوں۔ کا احاطہ کرتے ہوں اور ان کی نوعیت علمی اور فلسفیانہ ہونے کے بجائے سراسر عملی ہو۔

پھر یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی رہنمائی کسی خاص زمانہ میں نہیں بلکہ ہر زمانہ اور ہر حال میں مفید، صحیح اور قابلِ تقلید ہو۔ اس کا پیغام خزاں نا آشنا ہو، وقت اس کے اصول تسلیم نہ کر سکے۔ اس کا دریائے فیض ہمیشہ جاری رہے۔ اس کی تربیت گاہ کے دروازے کبھی بند نہ ہوں جس کی قیادت ایک زمانہ میں نفع رساں اور دوسرے میں بیکار ہو۔ اسے دنیا کا قائد نہیں کہا جا سکتا دنیا کی سروری تو اسی کا حصہ ہو کر جب تک دنیا قائم رہے اس کی سروری بھی کارآمد رہے۔

لیکن دنیا سرائے فانی ہے۔ مقدس سے مقدس ہستیاں، کامیاب سے کامیاب زندگیاں، شاندار سے شاندار کارنامے بقا و دوام کی دولت سے محروم ہیں۔ آئندہ نسلوں کو جو ہدایت اور رہبری مل سکتی ہے وہ صرف روایتی اور تحریری عکسوں اور تصویروں کے ذریعہ۔ ان عکسوں اور تصویروں کو سیرت اور تاریخ کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ نمونۂ حیات جو انسانوں کے لیے ایک دائمی معیار کا کام دے۔ اس کے لیے ضروری ہو کہ لوگوں کے سینوں اور سفینوں میں ہمیشہ محفوظ رہے۔ اس کے سارے خد و خال تاریخ کے اعتبار سے مستند ہوں۔ کیونکہ اگر ان کی نوعیت قصوں اور کہانیوں کی ہوئی تو وہ مفید نہ ہوں گے۔ ہم انہی باتوں سے متاثر ہوتے ہیں جن کے صداقت اور واقعیت کی بابت ہمارے دلوں میں شبہ نہیں گزرتا۔ اسی لیے تاریخی واقعات میں جو طبیعتوں کو ابھارنے کی صلاحیت ہو وہ افسانوں اور حکایتوں میں نہیں پائی جاتی۔ خواہ انھیں کتنے ہی مؤثر اور دلکش پیرایوں میں کیوں نہ بیان کیا جائے۔

ثانیاً اس معیاری رہنما کے صحیفۂ حیات کے تمام اجزا ہمارے سامنے ہونا چاہئیں، ایسا نہ ہو کہ بعض تو عیاں ہوں اور بعض پر پردہ پڑا ہو۔

ایک اور شرط یہ ہے کہ اس مرد کامل نے صرف اصول پیش کر دینے پر اکتفا نہ کیا ہو۔ بلکہ اپنی تعلیم اور ہدایت کو زندگی میں عملاً جاری کر کے بھی دکھایا ہو اور ان اصولوں کی بنیادوں پر ایک جیتی جاگتی سوسائٹی پیدا کر دی ہو۔

دنیا میں معصوم اقوال۔ پاکیزہ خیالات، بلند پایہ اخلاقی نظریات اور خوش آئند فلسفوں کی کمی نہیں۔ لیکن اس کے باوجود پرامن زندگی کی آرزو بس آرزو کی حد سے نہیں بڑھ پاتی۔ انسان نظریوں اور فلسفوں سے نہیں عمل سے بنتا ہے، ویسے باتیں تو بھی بنا لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر کسی نظریہ یا فلسفہ کو کامیاب ہونا ہے تو اس کے پیچھے کسی عملی سیرت کا ہونا ضروری ہو جو اس کی تعلیم اور اصولوں کو خود میں جذب کر کے دنیا کے لیے ایک چلتا پھرتا آئینہ بن جائے۔ اس سلسلہ میں علامہ سید سلیمان ندوی نے مشہور شاعر اور مفکر رابندر ناتھ ٹیگور کے ساتھ اپنی ایک گفتگو کا واقعہ نقل کیا ہے۔ علامہ ندوی اور شاعر ٹیگور ۱۹۲۴ء میں ایک ہی جہاز میں سفر کر رہے تھے۔ ایک نشست میں برہمو سماج کا ذکر نکل آیا۔ ٹیگور سے ایک ہمسفر نے اس کی ناکامی کا سبب دریافت کیا، وہ حاضرہ فلسفہ، تمدن اور ماحول دیکھ کر بنایا گیا تھا۔ اس میں کوئی بات عقل و منطق کے خلاف نہ تھی۔

اس کے اصول منصفانہ اور صلح کل تھے۔ اور اس کی تعلیم تھی کہ کل مذاہب سچے اور ان کے بانی نیک اور اچھے لوگ تھے۔ تاہم وہ ترقی نہ کر سکا۔ ٹیگور نے جواب دیا کہ اس کے ترقی نہ کرنے کا اصل سبب یہ تھا کہ اس کے پیچھے کوئی شخصی زندگی اور عملی سیرت نہ تھی جو ہماری توجہ کا مرکز اور ہماری نکوکاری کا نمونہ بنتی![۵]

اور آخر میں یہ بھی ضروری ہو کہ وہ مرد جلیل خود ایک زبردست شخصیت کا مالک ہی نہیں بقول مولانا مودودی اپنی شخصیت کو پگھلا کر دوسروں کے قالب میں اتار دینے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ صانع بھی ہو اور مصلح بھی، کندن بھی ہو اور کیمیا بھی، چراغ وہی سرچشمۂ نور کہا جائے گا۔ جو اپنی لو سے سیکڑوں چھوٹے بڑے چراغ روشن کر دے۔ اور جو ایسا نہ کر سکے وہ خواہ خود کتنی ہی روشنی کا حامل کیوں نہ ہو اس کی ضیا گستری بس اُس کے دم ہی تک رہے گی۔

(۲)

آئیے اب ان معیاروں پر نبوت محمدی کو جانچیں، اعتقادی اعتبار سے نہیں، تاریخی اعتبار سے۔

اسلام نے عالمگیر انسانی برادری اور مساوات کا جو عملی تصور پیش کیا۔ وہ اتنا عالم آشکارا ہو کہ اس کی تشریح کی ضرورت نہیں ہو۔ رسول اللہ صلعم نے تمام نسلی اور قومی امتیازات اپنے پاؤں تلے روند کر رکھ دیئے۔ پروفیسر ٹوائن بی نے رنگ و خون کی تفریقوں کے انسداد کو عالمی تہذیب پر اسلام کا ایک نہایت گرانقدر احسان قرار دیا ہے۔ آنحضرت صلعم کی بعثت کسی ملک یا قوم کے لیے مخصوص نہ تھی۔ وہ ساری دنیا کا سرمایۂ سعادت ہے۔

قرآن مجید میں دعوت اسلام کی عالمگیریت کا جا بجا اعلان کیا گیا ہے

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝ (اعراف)	اے محمد! ان سے کہہ دو کہ اے فرزندان آدم! میں تم سب کے لیے اللہ کا رسول ہوں، اس اللہ کا رسول جو زمین اور آسمانوں کا مالک ہے۔

---

[۵] خطبات مدراس صفحہ ۹

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ○ اے محمد! ہم نے تم کو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

هٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ (ابراہیم) یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے پیغام ہے۔

یوں تو مساوات کے علمبردار ہر دور میں ملتے ہیں۔ لیکن اگر ان کے مساعی کے نتیجوں کو تولا جائے اور دیکھا جائے کہ ان کی تعلیمات کی بدولت دنیا کے کس قدر حصہ کو نسل اور ذات کی تفریقوں سے نجات ملی تو یہ کوشش حوصلہ بخش نہ ہوگی۔ اسلام سے پہلے مسیحیت اور بدھ مت بھی مساوات کا تخیل پیش کر چکے تھے لیکن وہ انسانی وحدت کا عملی نظام وجود میں نہ لا سکے تھے۔ ان کی نسبت زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور مہاتما بدھ کے یہاں بھی انسانی برادری کا ایک عام اور عالمانہ درس پایا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلعم نے اور مسائل کی طرح نسلی تعصب کا بھی مقابلہ خالص عملی انداز میں کیا اور عدم مساوات کے جملہ احتمالات کو ختم کر دیا۔ وحدت اسلامی میں داخل ہونے والے ہر شخص کو آپ ہی کے دور میں یکساں قانونی، شرعی اور اخلاقی حقوق حاصل ہو گئے تھے۔ یہ طریقہ اسلامی عروج کی تمام صدیوں میں رائج رہا اور آج مسلمانوں کے تنزل اور انحطاط کے عہد میں بھی برابری اور برادری کے جو مناظر ان کے اجتماعوں میں نظر آتے ہیں کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملتے۔ خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی سے لے کر چھوٹے چھوٹے مسلم گھرانوں کی جانمازوں تک اور دسترخوانوں سے لے کر قبرستانوں تک عربی وعجمی، ہندی وحبشی، شاہ وگدا اور امیر وغریب کا کوئی فرق نہیں ملتا ہے۔

خود دربار نبوی مختلف نسلی و ملکی پھولوں کا گلدستہ تھا۔ اس میں عباس نینوائی، صہیب رومی، ذوالکلاع حمیری، ابوسفیان اموی، کرز فہری، بلال حبشی، ضماد ازدی، عدی طائی، ابوذر غفاری، ابوحارث مصطلقی، سلمان فارسی، طفیل دوسی، ثمامہ نجدی، ابوعامر اشعری، سُراقہ مدلجی، پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر شخص اپنے ملک اور اپنی قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔

دوسری شرط جامعیت کی ہے۔ زندگی خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی اس کے بہت سے رُخ ہیں اور ہم کو مختلف اوقات میں اس کے مختلف رخوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ ایک دائمی اور عالمی معلم کے لیے یہ ضروری ہو کہ اس کا سایہ ان تمام رخوں پر پڑے اور اصلاحات انسانی کا کوئی شعبہ

ایسا نہ بچ رہے جس کی تکمیل اس کی تعلیم و عمل سے نہ ہو گئی ہو۔

یہ نکتہ ذہن میں رکھ کر تاریخی شخصیتوں پر نظر ڈالی جائے تو علاوہ پیغمبر اسلام کی جامع اوصاف ذات کے باقی سب کی زندگیوں میں جا بجا خلا نظر آئے گا۔ کوئی نظریات کا بادشاہ ہے مگر عمل کی قوت نہیں رکھتا، کوئی عمل کا پتلا ہے مگر فکر میں کمزور ہے۔ کسی کے کمالات سیاست و تدبر تک محدود ہیں۔ کوئی محض فوجی ذہنیت کا مظہر ہے۔ کسی کی نظر اجتماعی زندگی کے چند پہلوؤں پر ایسی پڑی کہ باقی پہلو اوجھل ہو گئے۔ کسی نے اجتماعی زندگی کو اہمیت دینے میں اتنی شدت برتی کہ انفرادیت کو اس کے آستانہ پر قربان کر دیا۔ کسی نے انفرادیت کو ایسا ابھارا کہ خاندان اور معاشرہ کے رشتہ کو توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ کسی نے روحانیت اور اخلاق کو لیا تو معیشت اور سیاست کو بھلا دیا۔ اور کسی نے معیشت اور سیاست کو لیا تو روحانیت اور اخلاق کو نظر انداز کر دیا۔ احکام کی تفصیل، انضباط اور ہمہ گیری صرف اسلام کا حصہ ہے۔

آنحضرت صلعم کی ذات اقدس میں انسانی زندگی کی تمام حیثیتیں جمع تھیں۔ "آپ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک خانہ دار، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد و عابد، اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔"[۵۱]

آپ ابراہیم و موسیٰ بھی تھے اور یعقوب و ایوب بھی، داؤد و سلیمان بھی تھے۔ اور عیسیٰ و یحییٰ بھی۔ جیسا کہ باسورتھ اسمتھ نے لکھا ہے "آپ ایک سہ گانہ مونس تھے۔ آپ نے ایک مذہب، ایک تہذیب اور ایک سلطنت کی بنیاد ڈالی"[۵۲]

اب سوال تاریخ کا ہے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دوسرے بانیان مذہب جامعیت کبریٰ سے خالی تھے۔ اسی طرح ان کی زندگی کے صحیفوں کی تصویریں بھی نامکمل ہی گئیں، زیادہ تر کی زندگیاں تو قیاس و افسانہ کے دھندلکوں میں گم ہی ہو گئی ہیں۔ لیکن پیغمبر اسلام کی سیرت تاریخی اعتبار سے اس درجہ معتبر ہے کہ ساری دنیا اس کی معترف ہے، اور مسلمانوں کے اس دعوی کا کوئی بھی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے نبی کے حالات ایک طرف اس وسعت اور تفصیل کے ساتھ قلمبند کیے کہ شکل و شباہت، وضع قطع

---

۵۱ سیرۃ النبی، جلد ۶، صفحہ ۳۰۔ ۵۲ "اپالوجیہ"۔

رفتار و گفتار، اقوال و افعال، عادات و اطوار، طرز زندگی، اور طریق معاشرت کی ایک ایک بات محفوظ ہو گئی۔ اور دوسری طرف صحت کا ایسا انتظام کیا کہ کسی آسمانی کتاب کے لیے بھی نہ ہو سکا۔

جان ڈیون پورٹ کی کتاب "اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دا قرآن" کے افتتاحی الفاظ یہ ہیں:

"اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام مقننوں اور فاتحوں میں ایک بھی ایسا نہیں جس کے سوانح حیات محمد کے سوانح حیات سے زیادہ مفصل اور سچے ہوں"

اور انگریز مترجم و مفسر قرآن مارماڈیوک پکتھال نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ

"دوسرے پیغمبروں کے خلاف جن کی اصلی تصویر عقیدتمندی کے دھندلکے کے باعث ہم سے چھپی ہوئی ہے محمدؐ ایک روشن اور تاریخی کردار ہیں جن کے طرز عمل اور طریق زندگی کی پوری تفصیلات خود ان کے ہم عصروں نے ہمارے لیے جمع کر دی ہیں۔"

ہدایت اور تعلیم کا سب سے کارگر اسلوب یہ ہو کہ صرف زبان سے نہ کہا جائے بلکہ جن اصولوں کی تعلیم دینا ہو ان کو اپنی ہی زندگی میں جذب کر کے ایک عملی نمونہ، ایک قد آدم درس بن کر بھی لوگوں کے سامنے آ جائے۔ کیونکہ انسان بہر حال کانوں کے ذریعہ کم اور آنکھوں کے ذریعہ زیادہ سیکھتا ہے۔ اور اس کے بننے یا بگڑنے کا انحصار ان باتوں پر کم ہوتا ہے جو سنتا ہے اور ان باتوں پر زیادہ جو وہ دیکھتا ہے۔

اسلام کے پیغمبر کا یہی دستور تھا۔ کبھی کوئی ایسی نصیحت آپ کی زبان سے نہ سنی گئی جس پر پہلے خود آپ نے عمل کر کے نہ دکھا دیا ہو، لوگوں کو یاد الٰہی کی ترغیب دی تو خود "دل بیار و دست بکار" کا مرقع بن گئے۔ نماز کی نصیحت فرمائی تو اپنا یہ عالم بنا لیا کہ آج تک کسی نمازی کو اس کے قریب بھی پہونچنے کی توفیق نہ ہو سکی۔ ساری ساری راتیں جا نماز ہی پر گزر جاتی تھیں اور کھڑے کھڑے پاؤں ورم کر آتے تھے۔ روزوں کی فرضیت کا اعلان کیا تو اوروں کے لیے ماہ رمضان کے تیس یا انتیس روزے فرض بتائے اور اپنا یہ حال کر لیا کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ روزے رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی افطار ہی نہ کریں گے۔ زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا تو خود ایسے کشادہ دست ہو گئے کہ جو پایا خدا کی راہ میں خرچ کر دیا۔ مسلمانوں کے فتوحات کے دور میں مال و دولت کی کمی نہ رہی تھی لیکن جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو زرہ تک رہن تھی۔ یہی شان زہد و قناعت، توکل و ایثار، صبر و

شکر، رحم و کرم، حلم و بردباری، عفو و درگذر، وغیرہ کے بابوں میں تھی۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنے اور مصیبتوں اور پریشانیوں میں عزم و استقلال کو ہاتھ سے نہ دینے کی تلقین فرمائی تو خود کبھی پیچھے نہ ہٹے۔ میدان جنگ میں ایسے بھی وقت آئے کہ مسلمان افواج کے پاؤں اکھڑ گئے مگر آپ اپنی جگہ پر جمے رہے۔

کائنات کی رہنمائی کا آخری معیار، رہنما کی کیمیا اثری ہو۔ یعنی وہ غیر محسوس طاقت جو دیکھتے ہی دیکھتے انسانوں کی تقدیریں پلٹ دیتی ہے، وہ صلاحیت اکسیر صفت جو اوروں کی صلاحیتوں کو اس طرح ابھار دیتی ہے کہ وہ خود حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ وہبی استعداد جو خود ہی انقلاب کا سامان تیار کرتی ہے۔ خود ہی اس کی سمت کا تعین کرتی ہے اور پھر خود ہی زمانہ کو موڑ کر اس کی طرف لے جاتی ہے۔

گڈریوں اور چرواہوں کی ایک جاہل و ناشائستہ قوم جو جائز و ناجائز، صحیح و غلط کی تمیز سے تقریباً ناآشنا تھی جو خانہ جنگیوں کے لامتناہی سلسلہ میں اس طرح جکڑی تھی کہ قومی فلاح و بہبود کا تصور ان کے ذہن سے ہو کر بھی نہیں گزر پاتا تھا۔ ایک برزخ کامل، ایک ہستی جامع کے اثر سے یکایک دینی و دنیوی ترقی کی بلند ترین صدر گاہوں کو زینت بخشنے لگتی ہو۔ اور اس کے خشک ریگستانی خطے سے علم و حکمت، سعادت و قوت کے وہ سرچشمے پھوٹتے ہیں کہ اس وقت کی دریافت شدہ دنیا کے تینوں براعظم ان سے سیراب ہونے لگتے ہیں۔ کیا اس معلم اعظم کی کیمیا اثری کو کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟ یہی چراغ سے چراغ جلنے والی بات تو ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضیٰ، ابو عبیدہ بن جراح، خالد بن ولید، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص جیسی تاریخ گر ہستیوں کے نام دربار نبوی کے علاوہ اور کہاں ملیں گے۔ اور یہ تو ایک بہت مختصر فہرست ہے ورنہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جس کے بہترین نمونے آپ نے تیار نہیں کر دیے تھے۔

(۳)

تاریخ کا موجودہ دور علم، عقل، سائنس و حکمت کا دور ہے، ظن و قیاس، توہم و عجائب پرستی، مائتھالوجی، دایسٹرالوجی کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اسلام کا طلوع درحقیقت اس دور جدید کا طلوع ہے۔ دنیا ظن و قیاس کے اندھیرے سے مشاہدہ و عرفان کی روشنی میں اسلام کے دروازے سے ہو کر

آئی ہے اور پیغمبر اسلام اس عہد جدید کے بانی ہیں۔ کتنا صحیح لکھا ہے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے[۵۱]

"یہی وہ شخص ہے جس نے دنیا کا رخ وہمیت و عجائب پرستی اور رہبانیت کی طرف سے ہٹا کر عقلیت و حقیقت پسندی اور منطقیانہ دنیاداری کی طرف پھیر دیا۔ اسی نے محسوس معجزے مانگنے والی دنیا میں عقلی معجزے سمجھنے اور انہی کو معیار صداقت ماننے کا مذاق پیدا کیا۔ اسی نے خرق عادت خدائی کے آثار ڈھونڈنے والوں کی آنکھیں کھولیں، اور آثار فطرت میں خدا کی نشانیاں دیکھنے کا خوگر بنایا۔ اسی نے عقل اور حس اور وجدان کے امتیازی اصول انسان کو بتائے، مادیت اور روحانیت میں مناسبت پیدا کی۔ دین سے علم و عمل کا اور علم و عمل سے دین کا ربط پیدا کیا۔ مذہب کی طاقت سے دنیا میں سائنٹفک اسپرٹ اور سائنٹفک اسپرٹ سے صحیح مذہبیت پیدا کی....."

جامعیت اور کاملیت اور ہمیشہ محفوظ رہنے والی صفت رسول اللہ صلعم کی تعلیم پر ختم ہو۔ جس طرح اسلام کا خدا رب العلمین (تمام دنیا کا پروردگار) ہو اسی طرح اس کا رسول رحمۃ للعلمین (تمام دنیا کے لیے رحمت) ہے۔ اور اس کا پیغام تمام دنیا کے لیے پیغام ہے جو کالے گورے، عرب و عجم، ترک و تاتار، ہندی و چینی، زنگ و فرنگ سب کے لیے عام ہے[۵۲]۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ.	برکت والا ہو وہ اللہ جس نے اپنے بندہ پر فیصلہ والی کتاب اتاری تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرنے والا ہو۔ وہ خدا کہ اسی کی سلطنت ہو آسمانوں اور زمین کی۔

(فرقان)

یہ ہے کائنات کی سروری اور یہ ہیں سرور کائنات

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ صَلٰوةً وَسَلَامًا دَائِمًا اَبَدًا

---

۵۱ نبوت محمدی کا عقلی ثبوت صفحہ ۱۰۔ ۵۲ خطبات مدراس صفحہ ۱۳۶۔

نماز

(از جناب مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم، اے لکچرار عربی اسلامیہ کالج پشاور)

گزشتہ سے پیوستہ

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سخت ترین بددعا اس دن نکلی جب کہ غزوۂ احزاب میں جنگی مسروفیت کی وجہ سے آپ کی نماز عصر فوت ہوگئی۔ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں:-

قال لما کان یوم الاحزاب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملأ اللہ قبورھم وبیوتھم نارا کما حبسونا وشغلونا عن الصلوٰۃ الوسطیٰ حتی غابت الشمس (صحیح مسلم باب الدلیل لمن قال الصلوٰۃ الوسطیٰ ھی صلوٰۃ العصر ص ۲۲۶/۱ج)

حضرت علیؓ کہتے ہیں غزوۂ خندق کے دن حضورؐ نے فرمایا۔ اللہ ان کفار کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے، جس طرح انھوں نے ہمیں نماز وسطےٰ (عصر) کے پڑھنے سے مشغول اور باز رکھا! یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا (اور نماز قضا ہوگئی)

غور کیجئے، وہ رحمت مجسم اور پیکر حلم وکرم جو ایک ایک انسان کو آگ سے بچانے کے لیے رات دن فکر وغم میں گھلا جا رہا تھا، ایک نماز کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس قدر آزردہ خاطر ہو جاتا ہے کہ جن کی ہدایت کے لیے دندان وجبین مبارک زخمی ہونے کی حالت میں بھی زبان سے دعا ہی کلمات نکلے تھے۔ انھیں کی قبور وبیوت کے آگ سے بھرنے کی بددعا کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔

نماز کی اندرونی کیفیتوں کے واقف ہی جان سکتے ہیں کہ خلوتِ خاصہ کی کیا راز دارانہ کیف انگیزیاں تھیں۔ جن کی نوتیدگی کی وجہ سے حلم وصبر کا یہ وسیع پیمانہ بھی لبریز ہو گیا۔

میان عاشق ومعشوق رمزیست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

امام ربانی سرہندیؒ اپنے ایک مکتوب میں " لی مع اللہ وقت " کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ:-

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود استمرار وقت کے ایک خاص اور نادر وقت بھی حاصل تھا۔ اور وہ وقت ادائے نماز کا وقت تھا " الصلوٰۃ معراج المومنین " آپ نے سنا ہوگا " ارحنی یا بلال " (اے بلال مجھے غم سے آزاد کر یا راحت پہنچاؤ) اس مطلب کے لیے عادل گواہ ہے اور ابوذر غفاریؓ (جن سے یہ قول " لی مع اللہ وقت " منقول ہے) بھی وراثت اور تبعیت کے طور پر اس دولت سے مشرف ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے کامل تابعداروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام کمالات سے وراثت کے طور پر کامل حصہ حاصل ہوتا ہے "۔

(مکتوبات امام ربانی دفتر اول مکتوب ۲۹۳)

نماز کی یہی خصوصیات تھیں۔ جن کی وجہ سے صحابہ اگر اس کی ادائیگی میں کچھ فرق محسوس کرتے تھے، تو اشکبار ہو جاتے تھے۔ امام زہری کہتے ہیں کہ دمشق میں میں حضرت انس ابن مالکؓ کے پاس گیا تو وہ رو رہے تھے، میں نے پوچھا آپ کیوں رو رہے ہیں، فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی کوئی چیز نہیں پاتا سوائے اس نماز کے اور وہ بھی اب ضائع کی جا رہی ہے۔ (کہ تاخیر سے پڑھی جاتی ہے) (صحیح بخاری باب تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا نماز کے ساتھ جو شغف تھا۔ وہ محتاج بیان نہیں اور حق تو یہ ہے کہ نماز ہی اسلامی زندگی کا وہ منبع ہے جس سے حیاتِ اسلامی کا ہر دھارا پھوٹ کر نکلتا ہے۔ حیات اسلامی کا دریا اسی کوزے میں بند، اور ایمانی زندگی کا صحرا اسی ذرہ میں پنہاں ہے۔ توحید کے درخت کا پہلا ثمر یہی نماز ہے۔ اور اسلامی زندگی کا ہر گوشہ اسی کے پرتو سے روشن اور اسی کے نور سے منور ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حجۃ اللہ البالغۃ میں لکھتے ہیں:-

اعلم ان الصلوٰۃ اعظم العبادات جاننا چاہیئے کہ نماز تمام عبادتوں سے

شأنا واوضحها برهانا واشهرها في الناس وانفعها في النفس ولذلك اعتنى الشارع ببيان فضلها وتعيين اوقاتها وشروطها واركانها وادابها ورخصها ونوافلها اعتناءً عظيماً لم يفعل في سائر انواع الطاعات وجعلها من اعظم شعائر الدين۔

(حجۃ اللہ البالغہ من ابواب الصلوٰۃ)

بڑھ کر عظیم الشان ثبوت کے لحاظ سے سب سے زیادہ یقینی اور سب سے زیادہ مشہور رکن ہو اور نفس انسانی کی اصلاح میں سب عبادتوں سے زیادہ نافع اور موثر ہے۔ یہی وجہ ہو کہ شارع علیہ السلام نے اس کی فضیلت بیان کرنے اس کے اوقات کے تعین اور اسکے شروط وارکان اور آداب، رخصتوں اور نوافل کے بیان کرنے کا سب عبادتوں سے زیادہ اہتمام کیا ہو اس قدر کہ تمام طاعات میں سے کسی کے لیے بھی اتنا اہتمام نہیں کیا اور دین کا اسے ایک عظیم الشان شعار قرار دیا ہو۔

اسرار شریعت کے ایک دوسرے رازداں حقیقت نماز کے حقائق کی پردہ کشائی ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"جاننا چاہیئے کہ اسلام کے ارکان میں سے نماز دوسرا رکن ہے، نماز تمام عبادات کی جامع ہے اور ایسا جزء ہے جس نے جامعیت کے سبب سے کل کا حکم پیدا کیا ہے اور تمام اعمال قربت سے برتر ہو گئی ہے۔ اور وہ دولت رویت جو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات بہشت میں میسر ہوئی تھی۔ دنیا میں نازل ہونے کے بعد اس جہان کے مناسب وہ دولت نماز میں حاصل ہوئی۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے الصلوٰۃ معراج المومنین۔ نیز فرمایا 'اقرب ما یکون العبد من الرب فی الصلوٰۃ (سب سے زیادہ اعلیٰ قرب جو بندے کو رب سے ہوتا ہے' وہ نماز میں ہوتا ہے۔)

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل تابعداروں کو اس جہان میں اس دولت کا کافی حصہ نماز میں حاصل ہے۔ اگرچہ رویت میسر نہیں، کیوں کہ یہ جہان اس کی

طاقت نہیں رکھتا۔ اگر نماز کا حکم نہ ہوتا۔ چہرۂ مقصود سے نقاب کون کھولتا، اور طالب کے مطلوب کی طرف کون رہنمائی کرتا۔ نماز ہی غم زدوں کی غمگسار ہے۔ اور نماز ہی بیماریوں کیلئے راحت بخش ہے۔ ارحنی یابلال اسی ماجرا کی رمز ہے۔ اور قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میں اسی مطلب کیطرف اشارہ ہے۔ وہ ذوق ومواجید اور علوم ومعارف اور مقامات وانوار اور تلوینات وتمکینات اور تجلیات متکیفہ اور غیر متکیفہ اور ظہورات متلونہ اور غیر متلونہ وغیرہ جو کچھ ان میں سے نماز کے سوا میسر ہوں۔ اور نماز کی حقیقت سے بے خبر ہونے کے باعث ظاہر ہوں۔ ان کا منشا ظلال وامثال بلکہ وہم وخیال ہے۔

نمازی جو نماز کی حقیقت سے آگاہ ہے، نماز کی ادائیگی کے وقت گویا عالم دنیا سے باہر نکل جاتا ہے۔ اور عالم آخرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس وقت اس دولت سے جو آخرت سے مخصوص ہے، حصہ حاصل کر لیتا ہے، اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے فائدہ پالیتا ہے، کیونکہ عالم دنیا کمالات ظلی پر منحصر ہے، اور وہ معاملہ جو ظلال سے باہر ہے وہ آخرت سے مخصوص ہے۔ پس معراج سے چارہ نہ ہوگا اور وہ مومنوں کے حق میں نماز ہے۔ یہ دولت اس امت کے ساتھ مخصوص ہے، جو اپنے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کے سبب (کہ شب معراج میں دنیا سے آخرت میں چلے گئے اور بہشت میں پہونچکر حق تعالیٰ کی رویت کی دولت سے مشرف ہوئے) اس کمال کے ساتھ مشرف ہوئی، اور اس سعادت سے فیض یاب ہوئی"۔ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندیؒ مکتوب ۲۶۱)

بیشک وہ نماز جس میں قلب مومن ما سوا اللہ سے فارغ ہو کر صرف اللہ کے ساتھ مشغول ہو چکا ہو معیت خداوندی کی وجہ سے وہ لامکانی اور دوسرے عالم کی چیز ہے۔ اور حقیقت میں مومن کی معراج ہے۔ اقبالؒ نے جاوید نامہ میں "روح زمان ومکان" کی زبانی کہا ہے:-

لی مع اللہ ہر کرا در دل نشست آں جوانمردے طلسم من شکست
گر تو خواہی من نباشم درمیاں لی مع اللہ باز خواں از عین جاں!

یہ نماز ہی ہے جو ایک ناتواں وضعیف انسان کو ملأ اعلیٰ کے انتہائی منازل طے کرا دیتی ہے۔

اور اس عالم میں جمال الٰہی کے پرتو سے قلب مسلم پر انوارات و تجلیات کی بارش کرتی ہے۔ ؎

در بدن داری اگر سوز حیات
ہست معراج مسلماں در نماز

نماز کے یہی کمالات ہیں جن کی وجہ سے امام ربانی شیخ احمد سرہندیؒ نے فرمایا ہو:۔

اگر نماز کو کامل طور پر ادا کرلیا۔ تو گویا اسلام کی اصل عظیم حاصل ہوگئی اور خلاصی کے واسطے حبل متین ہاتھ آگئی"

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰۴ بنام مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ)

اور حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:۔

اقول الصلوٰۃ من اعظم شعائر الاسلام وعلاماته التی اذا فقدت ینبغی ان یحکم بفقده لقوۃ الملابسة بینها و بینه وایضا الصلوٰۃ هی المحققة لمعنی اسلام الوجه لله ومن لم یکن له حظ منها فانه لم یبق من الاسلام الا بما لا یعبأ به۔

(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول فضل الصلوٰۃ)

میں کہتا ہوں، کہ نماز اسلام کا سب سے بڑا شعار ہو اور اسلام کی ان علامات میں سے ہو جس کے جاتے رہنے کے سبب اگر فقدان اسلام کا حکم کر دیا جائے تو بجا ہے کیونکہ اسلام میں اور نماز میں بڑا گہرا اور قوی تعلق ہے نیز اسلئے کہ سر نیاز خم کر دینا جو اسلام کے معنی ہیں۔ انھیں نماز ہی پورے طور پر ادا کرتی ہے۔ اور جس کو نماز سے کچھ حصہ نہ ملا۔ تو اسلام سے سوا اس چیز کے جس کی پرواہ نہیں کیجاتی وہ کچھ حاصل نہ کرسکا (یعنی اسے اسلام کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔)

یہی وجہ ہو کہ جب نماز کی ظاہری صورت بھی دنیا سے اٹھالی جائے گی تو گویا دین کی بنیاد دین میں سے آخری چیز بھی اس دنیا سے اٹھ جائے گی۔ جیسا کہ حضرت حذیفہؓ فرمایا کرتے تھے:۔

اوّل ما تفقدون من دینکم الخشوع و آخر ما تفقدون الصلوٰۃ

(روح المعانی تفسیر سورۂ مومنون بحوالہ حاکم و احمد)

تم اپنے دین سے پہلی چیز جو ضائع کروگے وہ خشوع ہو اور سب سے آخر میں نماز کی ظاہری صورت کو کھو دوگے۔

نماز نہ صرف فی نفسہ ایک اہم فریضہ ہے۔ بلکہ مسلمان کی پوری زندگی کو پاک کرنے والا اور فلاح وکامرانی کے مقام تک پہنچانے والا ایک عمل بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت - ۵)

بیشک نماز روکتی ہے بے حیائی اور بری بات سے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ (المومنون - ۱)

یقیناً ان ایمان والوں نے فلاح پائی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں ان مسلمانوں کو جو نماز خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، فلاح کی بشارت دی گئی ہے۔ اور خشوع ایک ایسی صفت ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اور جس کا چشمہ نماز سے ہی پھوٹتا ہے۔ چنانچہ مستدرک حاکم اور بیہقی میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

الخشوع فی القلب وان تلین کنفك للمرء المسلم وان لا تلتفت فی صلاتك

خشوع کا مقام قلب ہے اور خشوع کا مظہر یہ بھی ہے کہ (تمھارے ہاتھ سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہونچے) تمھارا پہلو ہر مسلمان کے لیے نرم ہو جائے یعنی مسلمانوں سے عاجزی و نرمی برتو۔ اور نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو خاشعین ہیں وہ بندوں کے ساتھ بھی عاجزی اور نرمی سے پیش آتے ہیں اور کسی مسلمان کو ایذا نہیں دیتے اور یہ نماز کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ نماز سے قلوب نرم ہو جاتے ہیں ہیبت وجلال الٰہی سے پست ہو کر الٰہی احکامات کے سامنے جھک جاتے ہیں اور جب الٰہی عظمت و کبریائی انسانی قلب پر ہویدا ہو جاتی ہے۔ تو خشیت و فروتنی تذلل و عاجزی اس کے اعضا وجوارح سے بھی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ پھر اسکی تمام زندگی حکم الٰہی کے تابع ہو جاتی ہے اور خوف و خشیت اس پر ہمیشہ مستولی رہتا ہے جو اسے محارم الٰہی سے محفوظ رکھتا ہے۔

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں ارقام فرماتے ہیں کہ جس کو خشوع نصیب ہوتا ہے۔ وہ نماز اور غیر نماز میں خشوع کیا کرتا ہے یہاں تک کہ تنہائی اور حوائج حاجت میں فروتنی کرتا ہے۔ کیوں کہ خشوع کا موجب اس بات کو جاننا ہے کہ خدا تعالیٰ بندے کے حال پر مطلع ہیں۔ اور اللہ کی عظمت اور اپنی تقصیر کو پہچاننا ہے۔ انھیں تین معرفتوں سے خشوع پیدا ہوتا ہے۔"

خشوع کی یہ کیفیت جب پر طاری ہوگئی، ظاہر ہے کہ اسکی زندگی تمام تر عرفان الٰہی میں ڈوب کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی حیات طیبہ میں تبدیل ہو جائے گی۔ کہ ہر وقت الٰہی عظمت اور اپنی پُر قصور زندگی کی خلش اسے اسوۂ نبوی صلعم کی طرف رہنمائی کرے گی کہ نجات کا ذریعہ بیماروں کی شفا اور گنہگاروں کا سہارا حضور صلعم ہی کا بتلایا ہوا ملکوتی طریقۂ زندگی ہے جو نماز ہی سے بتدریج حاصل ہو سکتا ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:۔

لما کانت فائدۃ الصلوٰۃ وھی الخوض فی لجۃ الشھود والانسلاک فی سلک الملائکۃ لاتحصل الابالمداومۃ علیھا والتزمتہ بھا والاکثار منھا حتی تطرح عنھم اثقالھم ولا یمکن ان یؤمروا بما یفضی الی ترک الارتفاقات الضروریۃ والانسلاخ عن احکام الطبعیۃ بالکلیۃ اوجبت الحکمۃ الالھیۃ ان یؤمروا بالمحافظۃ علیھا والتعھد لھا بعد کل برھۃ من الزمان

کیونکہ نماز کا فائدہ یعنی دریائے شہود میں غوطہ زنی اور ملائکہ کے ساتھ مجالست پیدا کرلینا بغیر نماز کی مداومت اس کے التزام اور اسکی کثرت کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس (مداومت التزام وکثرت نماز) کے بغیر اثقال طبع لوگوں کے اوپر سے ہٹ سکتا ہے اور یہ بات ناممکن ہے کہ ان کو ایسا حکم دیا جائے کہ ان کو تدابیر ضروریہ کا ترک کرنا اور احکام طبعیہ سے بالکل خارج ہو جانا پڑے۔ اس واسطے حکمت الٰہی کا مقتضیٰ ہوا کہ ان کو وقت کے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز کی پابندی اور اس کی مداومت کا حکم دیا جائے۔

لیکون انتظارھم للصلوٰۃ	تاکہ نماز سے پیشتر اس کا انتظار کرنا اور
وتھیؤھم لھا قبل ان یفعلوھا	اس کے لیے تیار رہنا اور نماز پڑھ لینے
وبقیۃ نورھا وصبابۃ نورھا	کے بعد اسکے نور کا اثر اور اس کے رنگ
بعد ان یفعلوھا فی حکم الصلوٰۃ	کا بقیہ بھی بمنزلہ نماز ہی کے ہو جائے
وتکون اوقات الغفلۃ مضمومۃ	اور غفلت کے اوقات میں بھی خدا
بطمح بصرالی ذکر اللہ	تعالےٰ کا ذکر مد نظر رہا کرے۔ اور اسکی
وتعلق خاطر بطاعۃ اللہ	طاعت میں دل معلق رہے ۔ پس
فیکون حال المسلم کحال	مسلمان کا حال اس گھوڑے کا سا رہتا
حصان مربوط باخیتہ	ہے جو اپنے تھان پر بندھا رہتا ہے
یستن شرفا وشرفین	وہ ایک دو دفعہ دوڑ لگاتا ہے اور
ثم یرجع الی اخیتہ ویکون	اپنے تھان کی طرف واپس ہو جاتا ہے
ظلمۃ الخطایا والغفلۃ لا	اور نماز کی پابندی سے غفلت اور گناہوں
تدخل فی جذر القلوب	کی سیاہی دلوں کے اندر نہیں بیٹھتی۔
وھذا ھو الدوام المتیسر عند	اور حقیقی مداومت کے ناممکن ہونے
ماامتنع الدوام الحقیقی الخ	کی صورت میں یہی دوام میسر ہو سکتا
(حجۃ اللہ البالغہ جلد اول اوقات الصلوٰۃ)	ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ صحابہ کی یہی حالت تھی۔ ان کے اعضاء و جوارح دنیاوی مشاغل میں ہوتے تھے لیکن ان کے دل ذکر الٰہی سے زندہ اور ان کے قلوب مساجد میں معلق ہوتے تھے۔

قتادہؓ کہتے ہیں کہ یہ لوگ (صحابہ) خرید و فروخت اور تجارت کرتے تھے لیکن جب خدا کا کوئی معاملہ پیش آتا تھا تو یہ شغل ان کو یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتا تھا۔ بلکہ وہ اسکو پوری طرح ادا کرتے تھے (صحیح بخاری باب التجارت فی البر مرسلاً) حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں ایک دفعہ وہ بازار میں تھے۔ نماز کی تکبیر ہوئی۔ دیکھا کہ صحابہ نے دکانیں فوراً بند کر دیں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔ (فتح الباری ص ۲۵۳ ج ۴ بحوالہ عبد الرزاق)

قرآن حکیم نے خود گواہی دی ہے :-

رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ (النور)

وہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ کی یاد سے اور (بالخصوص) نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے تجارتی کاروبار اور خرید فروخت کی مشغولیت غافل نہیں کر سکتی۔

نماز کے بعد اس کے اثرات کے متعلق امام غزالیؒ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ "یحییٰ ابن وثابؒ جب نماز پڑھ لیتے تو کسی قدر ٹھہرتے اور ان کے چہرے سے رنج وغم کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور ابراہیم نخعیؒ بعد نماز کے ایک گھنٹہ ٹھہرے رہتے تھے۔ گویا کہ بیمار ہیں۔ یہ صورت ان نماز گزاروں کی ہوتی ہے جو خشوع کرتے ہیں۔ اور نماز کی نگہداشت اور مداومت کرتے ہیں۔ اور جتنی ان کو بندگی میں مقدور وطاقت ہوتی ہے۔ اسکے موافق اللہ تعالیٰ کی مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔"

غور کیجئے کہ ایک شخص جب نماز سے پہلے اسی نماز کے اہتمام وانتظار میں رہتا ہے۔ اور نماز کے بعد بھی نماز کے روحانی اور نورانی اثرات اس پر چھائے رہتے ہیں تو گویا اس کا تمام وقت نماز ہی میں گذرتا ہے۔ اسکی خرید وفروخت اس کا کاروبار اس کے دنیوی مشاغل اسکی زندگی کی ہر حرکت نماز ہی میں شمار ہوتی ہے۔

یقیناً ایسا شخص جو ہر وقت بارگاہ ایزدی میں حاضر ہونے کے خیال میں لگا رہے۔ کبھی رب العزت کے احکامات کے خلاف ورزی طبعاً نہیں کر سکتا۔ کہ ادا کردہ نماز کی کیفیات ہنوز باقی ہیں۔ اور دوسری نماز کے وقت پر ادا کرنے کا خیال دل میں چٹکیاں لے رہا ہے ——

خداوند ذوالجلال کے دربار عالی میں پنجوقتہ حاضری کا خیال اور مالک الملک کی بارگاہ بے نیاز میں پرتصور بندے کی باربار طلبی رفتہ رفتہ اسے گناہوں سے قطعاً گریزاں کر دیتا ہے۔ اور اس کے ذہن میں عبادت الٰہی کا ایسا جذبہ پیدا کر دیتی کہ اسکی زندگی سراپا تقویٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ زندگی میں ڈھل جاتی ہے۔ اس کا دل ہر وقت جذبۂ عبادت سے معمور اور اسکے اعضاء وجوارح اوامر الٰہیہ کی پابندی میں مشغول رہتے ہیں۔ حضور اکرم صلعم نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن جب خدا کے سایہ کے سوا کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا، سات شخصوں کو خدا اپنے

سایہ میں لے گا جن میں ایک شخص کی تعریف رسول اللہ صلعم نے ان الفاظ میں فرمائی ہے۔

رجل قلبه معلق فی المسجد	وہ شخص جس کا دل مسجد میں لٹک رہا ہو
(بخاری کتاب المحاربین باب فضل من	(یعنی ہر وقت نماز کے خیال وفکر میں رہتا ہو)
ترک الفواحش ص ۱۰۰۵ ج ۲)	

الغرض نماز کی باقاعدہ ادائیگی اور دربار الٰہی کی حاضری کی پیہم فکر انسانی خیالات واعمال کو یکسر بدل کر رکھ دیتی ہے۔

شاید اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

راس الامر الاسلام وعموده	دینی زندگی کا سر اسلام ہے اور اس
الصلوٰة	کا ستون نماز ہے۔

(جامع ترمذی جلد ثانی باب ماجاء فی حرمة الصلوٰة ص ۸۶)

اور حضرت مجدد سرہندیؒ کے اس قول کا بھی یہی غالباً مدعا ہے۔ "اگر نماز کو کامل طور پر ادا کرلیا۔ تو گویا اسلام کا اصل عظیم حاصل ہو گیا، اور خلاصی کے لیے حبل متین ہاتھ آگئی"۔

(مکتوبات امام ربانی مکتوب ۳۰۴)

قیامت میں بھی نماز ہی انسانی اعمال کا معیار و میزان ہوگی۔ اگر وہ صحیح ٹھہری تو نجات یقینی ہے۔ ورنہ خسران کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا امام ترمذی ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔

قال سمعت رسول اللہ صلعم	ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ
یقول ان اول ما یحاسب	کو فرماتے سنا۔ کہ قیامت میں بندے کا
به العبد یوم القیمة	سب سے پیشتر نماز کا حساب ہوگا۔ اگر
من عمله صلاته فان	نماز صحیح ٹھہری تو فلاح ونجات پا جائے
صلحت فقد افلح ونجح	گا اور اگر نماز خراب نکلی تو تباہ اور
وان فسدت فقد خاب	خسارہ پانے والوں میں ہو جائے گا۔
وخسر فان انتقص من	اگر فرض نماز میں کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ
فریضته شیئا قال الرب	فرمائیں گے۔ میرے بندے کی نفلی نمازوں

تبارک و تعالیٰ انظروا هل لعبدی من تطوع فیکمل بها ما انتقص من الفریضة ثم یکون سائر عمله علیٰ ذالك

کو دیکھو اور فرائض میں جو کمی رہ گئی ہو وہ نوافل سے پوری کرو پھر اس کے باقی اعمال کا فیصلہ بھی اسی اصول پر کیا جائے گا۔

(جامع ترمذی ص ۵۵ ج ۱ باب ما جاء ان اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیمۃ الصلوٰۃ)

پھر یہ نماز جس طرح آخرت میں فلاح و کامیابی کا وسیلہ ہے اور جس طرح یہ ہماری انفرادی زندگیوں کو پاک کرنے کا ذریعہ ہے اسی طرح جسم ملت میں اجتماعیت کی روح پھونکنے اور امت اسلامیہ کے متفرق موتیوں کو ایک لڑی میں منسلک کرنے کا نسخہ بھی یہی نماز ہے۔ اسلام میں نماز با جماعت کی جو اہمیت ہے۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں روایت ہے۔

قال من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غداً مسلماً فلیحافظ علیٰ هؤلاء الصلوٰت حیث ینادی بهن فان اللہ شرع لنبیکم سنن الهدیٰ وانهن من سنن الهدیٰ ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف فی بیته لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم وما من رجل یتطهر فیحسن الطهور ثم یعمد الیٰ مسجد

حضرت عبد اللہ رض فرماتے ہیں کہ جس کی خواہش ہو کہ کل (قیامت کے روز) وہ اللہ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے۔ اسے چاہیئے کہ ان نمازوں کو پابندی سے وہاں مسجد میں جماعت سے ادا کرے جہاں سے ان نمازوں کے لیے ندا یعنی اذان دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبیؐ کے لیے ہدایت کے طریقے مقرر کیے ہیں۔ اور یہ نماز بھی ان ہدایت کے طریقوں ہی میں سے ہیں۔ اور اگر تم اس جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کی طرح جو گھر میں نماز پڑھتا ہے۔ گھروں میں نمازیں پڑھوگے تو

من هذه المساجد الا كتب الله له بكل خطوة يخطوها حسنة ويرفعه بها درجة ويحط عنه بها سيئة و لقد رأيتنا وما يتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق ولقد كان الرجل يؤتى به يهادى بين الرجلين حتى يقام فى الصف۔

(صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ ج ۱ ص ۲۳۲)

(سنن نسائی باب محافظة على الصلوٰة حيث ينادى بها ج ۱ ص ۱۲۵)

اپنے نبی صلعم کی سنت کو چھوڑ دو گے۔ اور اگر تم اپنے نبی صلعم کی سنت کو چھوڑ دو گے، تو گمراہ ہو جاؤ گے، جو شخص بھی اچھا وضو کر کے ان مساجد میں سے کسی مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اللہ اسکے ہر قدم کے بدلے اسکی ایک نیکی لکھتا ہے ایک درجہ بڑھاتا ہے۔ اور ایک گناہ معاف کرتا ہے اور ہم (صحابہ) دیکھتے تھے کہ نماز جماعت سے صرف غیر حاضر ایسے ہی اشخاص ہوتے تھے جن کا نفاق معلوم اور مسلم ہوتا تھا۔ اور یہ حالت بھی ہم نے دیکھی تھی کہ ایک شخص (بیماری کی وجہ سے دو آدمیوں کے درمیان میں گھسٹتا ہوا لایا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ صف کے درمیان میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے:۔

عن ابي هريرة ان رسول الله صلعم فقد ناسا فى بعض الصلوٰة فقال لقد هممت ان امر رجلا يصلى بالناس ثم اخالف الى رجال يتخلفون عنها فامر بهم فيحرقوا عليهم بحزم الحطب بيوتهم ولو

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے، کہ آنحضرت صلعم نے کچھ لوگوں کو بعض نمازوں میں نہ پایا تو فرمایا کہ میرے جی میں آتا ہے کہ کسی شخص کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم کروں۔ پھر خود ان لوگوں کی تلاش کروں جو جماعت کے نماز سے بیٹھ رہتے ہیں (یعنی نماز میں نہیں آتے) پھر حکم کروں

علم احدھم انہ یجد عظماً سمیناً یشھدھا یعنی صلوٰۃ العشاء (صحیح مسلم باب فضل الصلوٰۃ۔ بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ باختلاف یسیر)

کے لکڑیوں کے گٹھوں سے ان کے گھر جلا دیے جاویں اور اگر ان میں سے کسی کو یہ معلوم ہو کہ اسے چکنی و چرب ہڈی (جیسی حقیر) چیز بھی ملتی تو (دنیاوی فائدے کی لالچ کی وجہ سے) ضرور عشا کی جماعت کی میں وہ آتا۔

امام احمد نے اسی قسم کا مضمون ان الفاظ سے روایت کیا ہے:۔

قال لولا مافی البیوت من النساء والذریۃ اقیمت صلوٰۃ العشاء وامرت فتیانی یحرقون مافی البیوت بالنار۔

(مشکوٰۃ ص۹۵ باب الجماعۃ وفضلھا)

فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ اگر ان (لوگوں کے) گھروں میں (جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے) عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں یہاں عشاء کی نماز شروع کراتا۔ اور اپنے چند نوجوانوں کو حکم دیتا کہ ان گھروں میں جو کچھ ہے اسے آگ سے جلا دو۔

جماعت کی تاکید اور اہمیت کے بارہ میں چند روایتیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے:۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس نے اذان سنی اور پھر بغیر عذر کے اس کی اجابت (یعنی جماعت کے ساتھ نماز ادا) نہ کی۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔

(ابن ماجہ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ مشکوٰۃ باب الجماعۃ وفضلھا بحوالہ دارقطنی)

حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ آدمی کے کانوں میں رانگ پگھلا کر بھر دیا جاوے تو اس سے بہتر ہی کہ اذان سنے اور نماز کو نہ آوے۔" (احیاء العلوم غزالی)

ابن ماجہ اسامۃ ابن زید سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

لینتھین رجال عن ترکھم الجماعۃ اولاحرقن بیوتھم

لوگ ترک جماعت سے باز آجائیں ورنہ میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دوں گا۔

(ابن ماجہ باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ)

امام ترمذی نے ابن عباس کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرن اول میں ترک جماعت کو کتنا بڑا گناہ اور کیسا سنگین جرم سمجھا جاتا تھا۔

قال مجاهد وسئل ابن عباس	مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس سے
عن رجل يصوم النهار و	ایسے شخص کی نسبت پوچھا گیا جو دن کو
يقوم الليل لا يشهد جمعة	روزہ رکھتا ہو رات کو قیام کرتا ہو
ولا جماعة فقال هو في النار	اور جمعہ اور جماعت میں حاضر نہ ہوتا
(سنن ترمذی باب ماجاء فیمن سمع النداء	ہو۔ آپ نے فرمایا۔ وہ آگ میں ہے۔
فلا یجیب)	یعنی جہنم میں جائے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی بستی میں یا صحرا میں اگر تین آدمی بھی ہوں اور وہ جماعت سے نماز ادا نہ کریں تو ان پر شیطان کا تسلط ہے یہ حدیث مشہور صحابی ابو الدرداء سے مروی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

سمعت رسول الله صلعم	ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول
يقول ما من ثلثة في قرية	اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ اگر کسی قریہ
ولا بدو لا تقام فيهم الصلوٰة	یا صحرا میں تین آدمی ہوں اور وہاں
الا قد استحوذ عليهم	جماعت سے نماز قائم نہ کی جائے تو
الشيطان فعليكم بالجماعة	ان پر شیطان غلبہ پالے گا پس جماعت
فانما ياكل الذئب القاصية	کی پابندی کرو کہ بھیڑیا رگیڑ ریے
قال السائب يعني بالجماعة	سے پرے اکیلی) بکری کو کھا جاتا ہے۔
في الصلوٰة۔	سائب راوی کہتے ہیں کہ جماعت سے
(سنن نسائی باب التشدید فی ترک الصلوٰۃ	مراد جماعت کے ساتھ نماز ہے۔
مشکوٰۃ ص۹۶)	

جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے نماز کا ثواب بھی بدرجہا بڑھ جاتا ہے، چنانچہ صحاح کی یہ مشہور حدیث ہے:۔

قال صلوٰۃ الجماعۃ تفضل صلوٰۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ (بخاری باب فضل الجماعۃ، مسلم باب فضل الجماعۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ جماعت کے ساتھ کی نماز اکیلی نماز پڑھنے سے ستائیس درجے فضیلت رکھتی ہے۔ بعض روایتوں میں آتا ہو کہ جماعت کی نماز اکیلی نماز سے پچیس درجے فضیلت رکھتی ہو۔

حضرات محدثین نے پچیس اور ستائیس کے اس فرق کے متعلق فرمایا ہو کہ یہ فرق اخلاص اور باطنی کیفیات کی وجہ سے ہوجاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

جماعت سے نماز پڑھنے کی فضیلت ہی کے بارہ میں چند حدیثیں ذیل کی اور بھی پڑھ لیجئے۔

ابو موسیٰ اشعری رضؓ سے روایت ہو۔

قال قال النبی صلعم اعظم الناس اجرا فی الصلوٰۃ ابعدھم فابعدھم ممشیً والذی ینتظر الصلوٰۃ حتی یصلیھا مع الامام اعظم اجراً من الذی یصلی ثم ینام۔ (صحیح بخاری باب فضل صلوٰۃ الفجر فی جماعۃ ورواہ مسلم نحوہٗ ص ۲۳۵/۱۲)

ابو موسیٰ رضؓ کہتے ہیں کہ نبی اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ نماز میں سب سے زیادہ اجر پانے والا وہ شخص ہو جو سب سے زیادہ دور رہتا ہو (کہ جتنے زیادہ قدم مسجد کی طرف اٹھائے گا۔ اتنا اجر زیادہ ہوگا) اور جو شخص نماز کا انتظار کرتا ہو۔ یہاں تک کے امام کے ساتھ جماعت سے پڑھ لے وہ اس شخص سے بہت زیادہ ثواب پانے والا ہو جو اکیلا پڑھ کر سوجاتا ہو۔

صحیح بخاری میں نبی اکرم صلعم سے روایت ہو کہ:-

قال لو یعلم الناس ما فی النداء والصف الاول ثم لم یجدوا

آپ نے فرمایا:- اگر لوگوں کو اذان اور پہلی صف کے اجر و ثواب کا علم ہوجاتا تو ان کے حصول کے لیے قرعہ اندازی

الا ان یستھموا علیہ لاستھموا علیہ ولو یعلمون ما فی التھجیر لاستبقوا الیہ ولو یعلمون ما فی العتمۃ والصبح لاتوھما ولو حبواً
(بخاری جلد اول باب فضل التھجیر)

کی نوبت آجاتی (کہ ہر شخص خود فضیلت لینا چاہتا۔) اور اگر لوگوں دوپہر میں پہلے آنے کا اجر معلوم ہوتا تو ضرور اس کی طرف (جلدی) بڑھتے۔ اور اگر صبح اور عشا (کی جماعت) کی نماز کا اجر معلوم ہوتا تو گھسٹتے ہوئے (مساجد) میں پہنچتے۔

عبدالرحمٰن ابن ابی عمرہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں داخل ہوئے اور اکیلے بیٹھ گئے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں بھی ان کے ساتھ جا بیٹھا۔ مجھے فرمانے لگے کہ اے بھتیجے! میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہو کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی گویا اس نے نصف شب قیام (عبادت الٰہی میں) گزار دی۔ اور جس نے صبح (بھی) جماعت کے ساتھ پڑھی گویا وہ تمام رات نماز میں مصروف رہا (مراد یہ ہے کہ اسے تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا) (صحیح مسلم باب فضل صلوٰۃ الجماعۃ)

حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلعم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب تک تم میں سے کوئی نماز کے انتظار میں اس حالت بیٹھا رہتا ہے کہ اس کے اہل کی طرف جانے سے سوا نماز کے دوسری چیز مانع نہیں ہوتی (یعنی خالص نماز کے انتظار میں ہوتا ہے۔) اس کا یہ تمام انتظار کا وقت نماز ہی میں محسوب ہوگا۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۵ ج ۱)

جابر ابن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر مسجد سے پرے (کچھ دور) تھے۔ ہم نے ارادہ کیا کہ اپنے گھر بیچ کر مسجد کے قریب سکونت اختیار کرلیں لیکن رسول اللہ صلعم نے ہمیں منع فرمایا، اور کہا کہ مسجد (کی طرف نماز کی نیت سے آنے پر) ہر ہر قدم پر تمہیں درجہ ملتا ہو۔
(صحیح مسلم باب فضل المکتوبہ)

بریدہ اسلمی سے روایت ہے:۔

عن بریدۃ الاسلمی

بریدۃ اسلمی نبی اکرم صلعم سے روایت

عن النبی صلعم قال بشر المشائین فی الظلم الی المساجد بالنور التام یوم القیامۃ۔ (جامع ترمذی باب جاء فی فضل العشاء والفجر فی جماعۃ وقال الترمذی ہذا حدیث غریب)

کرتے ہیں کہ رات کے اندھیروں میں مساجد کی طرف جانے والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی بشارت دے دو۔

ابن ماجہ نے حضرت عمر ابن خطابؓ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا:۔

من صلی فی مسجد جماعۃ اربعین لیلۃ لا تفوتہ الرکعۃ الاولی من صلوٰۃ العشاء کتب اللہ لہ عتقا من النار۔ (ابن ماجہ باب صلوٰۃ العشاء والفجر فی جماعۃ)

جس نے چالیس رات مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھی کہ عشا کی پہلی رکعت اس سے فوت نہ ہوئی، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جہنم سے آزادی لکھ دے گا۔

احیاء العلوم میں امام غزالی نے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں:۔

من صلی اربعین یوماً الصلوات فی جماعۃ لا تفوتہ فیہا تکبیرۃ الاحرام کتب اللہ لہ براءتین براءۃ من النفاق وبراءۃ من النار۔

جو شخص چالیس روز جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ اسکی تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے دو آزادیاں لکھ دیتا ہے۔ ایک نفاق سے اور دوسری دوزخ کی آگ سے۔

جماعت کی یہی فضیلت تھی، جس کی وجہ سے حضور اکرم صلعم دو اور تین آدمیوں کو بھی جماعت ہی سے نماز ادا کرنے کی تاکید فرماتے تھے مالک ابن الحویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرا ایک دوسرا ساتھی رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور جب ہم آپکے پاس سے واپس

جانے لگے تو آپ نے ہمیں فرمایا۔

اذا حضرت الصلوٰۃ فاذنا	جب نماز کا وقت ہو جائے
ثم اقیما ولیؤمکما اکبرکما	تو اذان دو پھر دونوں نماز
(صحیح مسلم باب من احق بالامامۃ بخاری نے	کے لیے کھڑے ہو جاؤ اور تم
اس حدیث کے آخری الفاظ روایت کیے ج۱ ص۹)	دونوں میں سے بڑا امامت کرے۔

سمرۃ ابن جندبؓ کہتے ہیں:۔

امرنا رسول اللہ صلعم	ہمیں رسول اللہ صلعم نے حکم دیا
اذا کنا ثلثۃ ان یتقدمنا	ہے کہ جب ہم تین آدمی بھی
احدنا۔	ہوں تو ایک آگے بڑھے (یعنی
(جامع ترمذی باب ماجاء فی الرجل	نماز باجماعت ادا کی جائے)
یصلی مع الرجلین)	

ابو سعید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب تین آدمی ہوں تو ایک ان میں سے (نماز میں) امامت کرے اور امامت کا ان میں سے زیادہ حقدار قرآن کا زیادہ جاننے والا ہو (او کما قال)

(سنن نسائی الجماعۃ اذا کانوا ثلثۃ)

رسول اللہ صلعم کی یہی تعلیمات تھیں جنھوں نے مسلمانوں کو جماعت کا اس قدر پابند بنا دیا تھا کہ جماعت کے بغیر انھیں چین ہی نہیں آتا تھا۔ چنانچہ بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت انس ابن مالکؓ ایک مسجد میں آئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے وہاں اذان و اقامت کہہ کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ (صحیح بخاری باب وجوب صلوٰۃ الجماعۃ) امام بخاریؒ نے حضرت اسود ابن یزید (مشہور تابعی) کے متعلق نقل کیا ہے۔ کہ جب ان سے ایک مسجد میں جماعت فوت ہو جاتی تو دوسری مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے۔ (کہ جماعت مل جائے) صحیح بخاری ص ۸۹/ج۱) امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ میمون ابن مہران مسجد میں آئے کسی نے ان سے کہا کہ لوگ تو نماز پڑھ کر چلے گئے۔ کہا اس جماعت کی فضیلت مجھ کو عراق کی حکومت کی نسبت زیادہ پسند ہو۔ سعید ابن مسیبؓ فرماتے ہیں کہ بیس برس کے عرصہ سے میرا یہ حال ہے کہ جب موذن نے اذان دی تو میں مسجد میں

ہوتا ہوں۔ (احیاء العلوم) امام مالک نے ابوبکر ابن سلیمان سے روایت کیا ہے کہ ایک دن حضرت عمرؓ ابن خطاب نے حضرت سلیمان ابن ابی حثمہ کو صبح کی نماز میں نہیں پایا۔ حضرت عمر صبح کے وقت بازار جایا کرتے تھے اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا۔ آپ کا گذر سلیمان کی والدہ شفاء پر ہوا۔ آپ نے ان سے پوچھا کیا وجہ کہ آج سلیمان صبح کی نماز میں حاضر نہیں تھے۔ سلیمانؓ کی والدہ شفاء (نامی) نے جواب دیا کہ تمام رات وہ بیدار رہ کر نماز پڑھتے رہے ہیں اور صبح کے وقت نیند کے غلبہ سے ان کی آنکھ لگ گئی ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھوں تو مجھے یہ تمام رات کے قیام سے زیادہ عزیز ہے۔

(مشکوٰۃ باب الجماعت وفضلہا)

رسول اللہ صلعم خود جس قدر جماعت کی پابندی کرتے تھے اس کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ مرض وفات میں بھی جب تک ممکن تھا۔ آپ نے جماعت ترک نہیں کی۔ اسود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابوبکر صدیق نبی اکرم صلعم کے حکم سے لوگوں کو نماز پڑھانے نکلے۔ اتنے میں رسول اللہ صلعم نے بیماری میں کچھ افاقہ محسوس کیا تو دو آدمیوں کے سہارے اسی وقت مسجد تشریف لاکر شریک جماعت ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے اصل الفاظ صحیح بخاری میں یہ ہیں :۔

فخرج یہادی بین رجلین کانی انظر الی رجلیہ تخطان الارض من الوجع۔	آپ دو آدمیوں کے درمیان ان پر سہارا کرتے ہوئے نکلے۔ گویا کہ میں آپ کے پاؤں کو دیکھ رہی ہوں کہ زمین پر درد کی شدت سے گھسٹتے چلے جارہے ہیں۔ اور آپ اٹھا نہیں سکتے۔

ابوبکر صدیق نے پیچھے ہٹنا چاہا۔ نبی صلعم نے انھیں اپنی جگہ پر ٹھہرے رہنے کو کہا۔ اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے۔ اور نماز ادا کی۔

(صحیح بخاری باب حد المریض ان یشہد الجماعۃ)

آپ کے ارشادات وعمل نے صحابہ کو جماعت و مساجد کا شیدا کر دیا تھا۔ اور جماعت کی پابندی اور مساجد میں اس باہمی میل جول نے انھیں اخوت کے حقیقی رشتوں میں جوڑ کر آہنی دیوار کی طرح مضبوط کر دیا تھا۔ اور محبت والفت کا وہ جذبہ دلوں میں پیدا کر دیا تھا کہ ملت اسلامیہ کی حیثیت باہمی ہمدردی میں جسد واحد کی ہو گئی تھی کہ اگر ایک مسلمان بھائی کا سر دکھتا تھا تو دوسرا بے قرار ہو جاتا تھا۔ ایک کو تکلیف پہنچتی تھی تو دوسرا بے تاب ہو جاتا تھا۔ اجتماعیات کے واقف جانتے ہیں کہ قوم وملت کا قالب ہمیشہ اس روح سے قائم رہتا ہے جو اسکی جماعتی زندگی کا شیرازہ اس جذبہ یا تعلق سے مربوط رکھتی ہے جو جذبہ مختلف الخیال اشخاص کو ایک رشتہ میں منسلک کرتا ہے۔ یہی تعلق وجذبہ ہوتا ہے جو اقوام وملل کی رگ زیست کا حکم رکھتا ہے۔ جب مختلف الخیال اشخاص وافراد پر خیالات وکیفیات کی ایک ہی روح طاری ہو جاتی ہے تو اس جذبہ قومی کی تخلیق ہوتی ہے یہی جذبہ قومی ہے جس سے قوموں کی زندگی وابستہ ہے۔ اور امت مرحومہ میں اس جذبہ کی پرورش وترقی کا ایک خاص ذریعہ نماز باجماعت بھی ہے جو ایک طرف باہمی ربط وضبط، الفت ومحبت پیدا کرتی ہے۔ اور دوسری طرف وہ الہی رابطہ پیدا کرتی ہے جو ملت اسلامیہ کے شیرازے کی زریں سلک اور آہنی کڑی ہے اور یہی تعلق ورابطہ تمام ملت اسلامیہ کو ایک الہی رنگ میں رنگ کر امت مسلمہ کی تخلیق کا باعث بنتا ہے۔ کہ ان کا مرنا جینا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے روزانہ ایک امام کے پیچھے پانچ وقت نماز ہم میں طاعت امیر، ضبط ونظم، ہمدردی ومواسات، باہمی محبت والفت کا جذبہ پیدا کر کے ہماری رگوں میں اجتماعیت کا وہ خون دوڑاتی ہے جو قوموں کے لیے حیات تازہ کا حکم رکھتا ہے، چنانچہ جب ہمارے دن اچھے تھے تو ہماری قومی زندگی کا ہر چشمہ ہماری مساجد ہی سے پھوٹتا تھا، قرن اول میں 'الصلوٰۃ جامعۃ' کی منادی کے بعد ہر مشکل واہم قومی مسئلہ کی گرہ کشائی، ذکر وعلم کے حلقے، جیوش کی روانگی، مقدمات کا فیصل، ملی مشورے سب مسجد ہی میں ہوتے تھے، غرض ہماری پوری اجتماعی زندگی مسجد ہی کے محور کے گرد گھومتی تھی۔

اسلام میں مسجد کی جو اہمیت ہے وہ صرف اس سے ظاہر ہے کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی کی تعمیر بھی مسجد ہی کی بنیادوں پر کی گئی۔ چنانچہ ہجرت مدینہ (جو کہ ہماری اجتماعی اور مدنی زندگی

کا نقطۂ آغاز ہے) کے بعد معمارِ امت صلعم نے سب سے پہلے جو عظیم الشان کام سر انجام دیا۔ وہ مسجد کی تعمیر ہی تھی۔ اسکی تعمیر کے وقت سرور عالم صلعم مزدوروں کے لباس میں خود پتھر اٹھا رہے تھے۔ اور زبان مبارک پر یہ کلمات جاری تھے۔

اللھم انہ لا خیر الا خیر الآخرۃ۔ فانصر الانصار والمھاجرۃ ——— (بخاری صفحہ ۵۵۹ ج ۱ باب مقدم النبی صلعم واصحابہ الی المدینۃ)

(اے اللہ بھلائی تو حقیقتاً خیر آخرت ہی۔ تو انصار و مہاجرین کی مدد کر (کہ وہ خیر آخرت کے طالب ہیں)

سرور کائنات صلعم کا یہ رجز کیا اس حقیقت کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہے کہ خیر آخرت جو اسلامی حیات طیبہ کا لازمی نتیجہ ہے۔ وہ مسجد ہی کے دامن میں برگ و بار پیدا کرتی ہے۔

اور ملت حنیفی کے موسس اول حضرت ابراہیمؑ نے بھی کعبہ (دنیا کی سب سے پہلی مسجد) کی دیواریں اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے جو دعا کی تھی جس کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّۃً مُّسْلِمَۃً لَّکَ وَاَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔

(البقرہ ـــ ۱۵)

اور جب اٹھا رہے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام دیواریں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل علیہ السلام بھی (اور یہ کہتے جاتے تھے کہ) اے ہمارے پروردگار (یہ خدمت) ہم سے قبول فرمائیے۔ بلاشبہ آپ خوب سننے والے جاننے والے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت (پیدا) کیجئے۔ جو آپ کی مطیع ہو اور (نیز) ہم کو ہمارے حج (وغیرہ) کے احکام بھی تبلا دیجئے۔ اور ہمارے حال پر توجہ رکھیئے۔ اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے مہربانی کرنے والے۔

تو حضرت ابراہیم و اسماعیلؑ کی اس دعا میں بھی اس طرف اشارہ تھا کہ امت مسلمہ کی زندگی مسجد سے ہی کسی نہ کسی طرح وابستہ ہے۔

نماز و مسجد کا اسلامی انفرادی و اجتماعی زندگی کی تعمیر میں جو حصہ ہے اس کو حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشادات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ فرماتے ہیں۔

"ان تمام امور کو سامنے رکھنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ نماز اسلام کا اولین شعار، اور اسکے مذہبی و اجتماعی، و تمدنی و سیاسی، و اخلاقی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔ اسی کی شیرازہ بندی سے مسلمانوں کا شیرازہ بندھا تھا۔ اور اسی کی گرہ کھل جانے سے انکی نظم و جماعت کی ہر گرہ کھل گئی ہے۔ مسجد مسلمانوں کے ہر قومی اجتماع کا مرکز، اور نماز اس مرکزی اجتماع کی ضروری رسم تھی۔ جس طرح آج ہر جلسہ کا افتتاح اسکے نصب العین کے اظہار و تعیین کے لیے صدارتی خطبات سے ہوتا ہے۔ اس طرح مسلمان جب زندہ تھے، ان کے ہر اجتماع کا افتتاح نماز سے ہوتا تھا۔ ان کی ہر چیز اسکے تابع اور اسی کے زیر نظر ہوتی تھی۔ ان کی نماز کا گھر ہی ان کا دار الامارۃ تھا۔ وہی دار الشوریٰ تھا۔ وہی بیت المال تھا۔ وہی صیغہ جنگ کا دفتر تھا۔ وہ درسگاہ اور وہی مطب تھا۔

جماعت کی ہر ترقی کی بنیاد افراد کے باہمی ربط و ارتباط پر ہے۔ اور جماعت کے فائدہ کے لیے افراد کا اپنے ہر آرام و عیش اور فائدہ کو قربان کر دینا۔ اور اختلاف باہمی کو ترک کر کے صرف ایک مرکز پر جمع ہو کر باہمی ہستی کی وحدت میں فنا ہو جانا اسکے حصول کی لازمی شرط ہے۔ اسی کی خاطر کسی ایک کو امام و قائد و سر لشکر مان کر اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کر لینا ضروری ہے۔ اسلام کی نماز انہی رموز و اسرار کا گنجینہ ہے — یہ مسلمانوں کو نظم و جماعت، اطاعت پذیری و فرمانبرداری اور وحدت قوت کا سبق دن میں پانچ بار سکھاتی ہے۔ اسی لیے اس کے بغیر مسلمان، مسلمان نہیں، اور نہ اسکی کوئی اجتماعی وحدت ہو۔ نہ انقیادِ امامت ہے نہ زندگی ہے۔ اور نہ زندگی کا نصب العین ہے، اسی بنا پر داعیِ اسلام علیہ السلام نے یہ فرما دیا!

العهد الذی بیننا و بینهم الصلوٰة، فمن ترکها فقد کفر.

ہمارے اور ان کے درمیان جو معاہدہ ہے وہ نماز ہے۔ تو جس نے اسکو چھوڑا اس نے کفر کا کام کیا۔

(احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ)

کہ نماز کو چھوڑ کر مسلمان صرف قالب بے جان، شراب بے نشہ، اور گل بے رنگ و بو ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اسلامی جماعت کا ایک ایک شعار اور ایک ایک امتیازی خصوصیت اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔ اسی لیے نماز اسلام کا اولیں شعار ہو۔ اور اسی کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہو۔

(سیرت النبی طبع دوم جلد پنجم صـ۱۹)

سطور بالا پر ایک نظر غائر ڈالنے سے ملت اسلامیہ کی بقا و ترقی، تنزل و اضمحلال میں "اقامت صلوٰۃ" اور "اضاعت نماز" کی جو تاثیر ہے وہ صاف ظاہر ہو جاتی ہے، اور نص قرآنی اس پر شاہد عدل ہے کہ نمازوں کی بربادی اقوام و ملل کی بربادی کا بڑا سبب ہے، چنانچہ ارشاد ہے:۔

فخلف من بعدهم خلف اضاعوا الصلوٰة واتبعوا الشهوات فسوف یلقون غیا۔ (مریم-۴)

پھر ان کے بعد (بعض) ایسے ناخلف پیدا ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کیا۔ اور (نفسانی ناجائز) خواہشوں کی پیروی کی سو یہ لوگ (عنقریب) خرابی دیکھیں گے۔

فقیہاں تا بسجدہ صف کشیدند	گریبانِ شہنشاہاں کشیدند
چوں آں آتش درون سینہ افسرد	مسلماناں بہ درگاہاں مزیدند

ملت کے بھٹکے ہوئے قافلے کو اس کی اصلی منزل پر ڈالنے، مسلمانوں کے تن بے روح میں حیات اسلامی کا تازہ خون پیدا کرنے اور بعد یوں کے ملی جمود کو توڑنے کا آسان ترین ذریعہ یہی ہے کہ امت اسلامیہ بلکہ اکثریت اسلام کے سب سے بڑے اس ذریعہ کو جو اپنے کو تباہیوں اور بربادیوں کے دامن میں پھینک چکی ہے۔ اب پھر مساجد کی طرف لایا جائے۔ کہ مساجد کی آبادی اور نماز کی باقاعدہ ادائیگی سے ہی تو ام ملت مزید اضمحلال سے بچ سکتا ہو۔ اور معراج المومنین کا متانت اہتمام ہی ہماری گرتی ہوئی ملی عمارت کو سہارا دے سکتا ہے۔ جس طرح قرون اولیٰ میں اسلامی زندگی مسجد نبوی میں پختہ ہو کر عالم کی سیرابی کا باعث بنی تھی آج بھی بیوت اللہ کی طرف مسلمانوں کا عود ہی ان پر اسلامی زندگی کی راہیں کھول کر عالم کی نجات کا باعث بنے گا۔

بیا نقش دگر ملت بہ اندازیم	کہ ایں ملت جہاں را بار دوش است

انتخاب

مسلمان حکمرانوں کیلئے ایک عبرت آموز خط

شاہ سعود کا خط حکام مملکت کے نام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ــــــــــــ

خدا تمہارے کاموں میں برکت فرمائے۔ تمہیں یہ معلوم ہو کہ اللہ نے ہم کو مسلمانوں کے معاملات کا والی وحکمراں بنایا ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث یاد کرو جس میں آپ فرماتے ہیں! "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" (الحدیث) لوگو تم میں کا ہر ایک راعی اور نگراں ہے ہر ایک سے اس کے ماتحتوں کے امور کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام بھی راعی ہو اور اس سے اسکی رعیت کی بابت پوچھا جائے گا۔ اور اے افیسران مملکت تم سے بھی تمہارے ماتحتوں کی بابت باز پرس ہوگی۔ تمہیں معلوم ہو کہ آسمان وزمین جیسی عظیم الشان کائنات کا نظام بھی عدل ہی کے ذریعہ قائم ہے۔ خدا کا ارشاد ہے۔ "اعدلوا ھو اقرب للتقوی" عدل وانصاف سے کام لو کہ یہ تقوی کے قریب ہو! اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض احادیث میں وارد ہوا ہو کہ عدل حکومت کی بنیاد ہے۔ دین کو حکومت سے قوت ملتی ہے اور حکومت کو دین سے بقا ملتی ہے۔ میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ظاہر ومخفی ہر حال میں ڈرتے رہو اور خوشی یا ناراضگی ہر حال میں حق بات پر قائم رہو یہی نصیحت مجھے اپنی ذات کے لیے بھی ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالی پر کسی آنکھ کا مخفی اشارہ اور کسی دل کا کوئی بھید پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ حدیث یاد کرو رسول اللہ فرماتے ہیں۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولا الی اقوالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم کہ اللہ تمہاری شکل وصورت اور تمہاری باتوں کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ وہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے کہ کیسے ہیں۔

اے افیسران مملکت (اللہ تمہیں برکت نصیب فرمائے) تمہارے ماتحت جو عوام ہیں ان کے معاملات وحقوق کے بارے میں خدا کے روبرو بڑی عدالت میں تم سے سوال کیا جائے گا اگر تم نے اچھے معاملات کیے تو بدلہ بھی اچھا ملے گا۔ اور اگر برے معاملات ثابت ہوگئے تو بڑی خطرناک سزا ملے گی۔ اس موقعہ پر میری خاص وصیت ہے کہ عوام کے حقوق ان کے اختلافات اور مشکل سے مشکل معاملات میں شریعت محمدیہ کی اتباع کرنا۔ کیونکہ ان معاملات میں اپنی طرف سے کچھ کہنا ناقابل برداشت بوجھ کی ذمہ داری لینے کے مترادف ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے پس کتاب وسنت کی اتباع ہی اصل عدل وانصاف ہے۔ یہی چیز تم کو خدا کے عذاب سے بچائے گی اور فرائض سے عہدہ برآ کرسکے گی۔ گویا کتاب وسنت پر عمل کرنا تمہاری پہلی ذمہ داری ہوئی۔ اور اس کے بعد دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کے معاملات میں انصاف سے کام لو۔ بڑے چھوٹے غنی وفقیر ہر ایک کو یکساں سمجھو۔ بلکہ کمزور وعاجز کی طرف تمہاری توجہ زیادہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ طاقتور یا مالدار توڑ کر اپنا حق لینے کی قوت رکھتا ہے۔ لیکن کمزور ومحتاج کے لیے تو صرف خدا کی ذات پناہ گاہ ہے اور پھر کچھ (ہم جیسے) والی مملکت کا سہارا ان کو ہوتا ہے بس میں اس دن کی باز پرس پر جس دن تم خدا کے روبرو بالکل ننگے کھڑے کیے جاؤ گے اور جس دن نجات کا ذریعہ صرف تمہارے نیک اعمال ہوں گے۔ یہ نصیحت کرتا ہوں کہ رعیت کے جن امور کا تم کو ذمہ دار بنایا گیا ہو۔ ان امور میں خدا سے ڈرتے رہنا، لوگوں کے درمیان انصاف کو اپنی ہر چیز پر مقدم رکھنا۔ رعایا کے سامنے خاکساری سے پیش آنا، اپنے اخلاق اچھے رکھنا اپنے سے بڑے کو باپ، برابر کو بھائی اور چھوٹے کو اپنی اولاد سمجھنا۔ مسلمانوں کی دینی ودنیوی مصلحتوں کا لحاظ رکھنا اور ان کے حالات کی ہر وقت تحقیقات کرتے رہنا کہ انھیں کیا ضرورت اور کیا تکلیف ہو اور اگر ان کی پریشانی ایسی ہے کہ تم دور کرسکتے ہو تو دور کردو اور اگر تمہارے بس سے باہر ہو تو ہمارے پاس اس معاملہ کو پہنچاؤ۔ انشاء اللہ ہمارا دروازۂ عدالت اور ہمارا دل ہر وقت کھلا پاؤ گے اور جب ہم کو حالات کا علم ہوجائے گا تو رعایا کی فلاح کی جستجو میں ہم لگ جائیں گے۔ اور ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کی صورت پر فوراً توجہ دیں گے۔ جو بات بھی تم ایسی دیکھو کہ دین میں خلل پیدا کررہی ہے یا مسلمانوں کے مفاد کے خلاف ہے اسکے بارے میں علمائے دین اور اصحاب خیر سے پوچھ گچھ

کرکے تحقیق کرلو اس میں ہرگز کوتاہی نہ ہونے پائے اور پھر اس بات کو فوراً ہمارے سامنے پیش کرکے تم اپنے فریضہ سے عہدہ برآ ہوسکتے ہو ـــــ یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں کے معاملات اور حالات کی تفتیش اور ان کے ساتھ ہمدردی میرے نزدیک سب سے اہم چیز ہے پھر اس کے بعد اللہ کے احکام کو نافذ کرنا اور مسلم رعایا کے حالات کا جائزہ لے کر ان کے دین اور عقیدے کی درستی کرنا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تحریک کو باحکمت طریقہ سے مضبوط کرنا میرے نزدیک یہ سب بڑے اہم کام ہیں۔ حکمت کے ساتھ خدا کی طرف بلانے کا یہ طریقۂ قرآنی ہر وقت یاد رکھو۔

ادع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔

(خدا کے راستے کی طرف حکمت سے بہترین نصیحت کے ذریعہ بلاؤ اور مخالفین دین سے اس طرح مقابلہ کرو جو بہتر صورت ہے) اور میں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ نیکوکاروں سے میل جول اور مصاحبت بڑھانا کیونکہ آدمی اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے اور ساتھی سے بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔

اے امراء دولت! یہ ضروری تعلیمات تھیں جن کو تم تک پہونچاکر میں بری الذمہ ہوگیا ہوں۔ اور تمھارے متعلق میں اچھا ہی اعتقاد رکھتا ہوں اگر یہ بات نہ ہوتی تو میں تم کو مسلمانوں کے امور کا والی و ذمہ دار نہ بناتا۔ لیکن پھر بھی مجھ پر فرض ہے کہ تم کو اپنی رعیت اور اپنے ملک کی بھلائی کی بابت نصیحت کرتا رہوں، کیونکہ مجھے خدا کے سامنے جوابدہی کا بڑا خوف لگا رہتا ہے۔ ہم خدا سے امید و دعا کرتے ہیں کہ اپنے دین کی مدد فرمائے اور اپنا کلمہ بلند کرے ہم کو اور تم کو حق، حق کی شکل میں دکھلائے اور اس کے اتباع کی توفیق دے۔ اور باطل، باطل کی شکل میں دکھلائے اور اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

وصلی اللّٰہ علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

حج کو بدنام کرنے والے

راج سبھا میں مسٹر گوہا نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ۱۹۵۵ء میں حجاز سے لوٹنے والے حاجیوں کے قبضہ سے ۹۴۶ تولہ سونا برآمد کیا گیا، اس بیان کو سن کر ہر مسلمان کی گردن شرم کے مارے

جھک جانی چاہیئے، مسلمان اس لیے حج کرنے جاتے ہیں کہ وہ مرکزِ اسلام میں پہونچ کر اپنی زندگی کا جائزہ لیں اور اس نیت کے ساتھ واپس ہوں کہ وہ اپنے اندر تبدیلی کا ثبوت پیش کریں گے اور اپنی عملی زندگی سے یہ بتائیں گے کہ انسانی کردار پر حج کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے، لیکن جو حاجی ناجائز سونا درآمد کر کے اسلام اور اس کے ارکان کو بدنام کرتے ہیں وہ خود ہی بتائیں کہ دوسروں کی نظر میں حج کی کیا وقعت رہ سکتی ہے، یہ مانا کہ سب حاجی ایسی حرکت نہیں کرتے، مگر چند حاجیوں کی مجرمانہ حرکتوں سے بدنام تو سب ہی ہوتے ہیں، اگر بار بار کے تجربے سے حکام پر یہ ثابت ہو جائے کہ حاجی جان دے دیگا، مگر حکومت کو دھوکا نہیں دیگا تو یقین جانیئے کہ واپسی پر ان کی تلاشی ہرگز نہ ہو اور انہیں دیکھتے ہی دوسروں کا سر احترام کے لیے جھک جائے، لیکن واقعہ یہ ہو کہ ان کی تلاشی سختی کے ساتھ ہوتی ہے جس کا مطلب یہ ہو کہ حج کرنے کے بعد بھی حاجی اعتماد کے قابل نہیں سمجھا جاتا اور حکام کو اس وقت تک تسلی نہیں ہوتی جب تک کہ ہر حاجی کی تلاشی نہ لے لیں!

کیا یہی وہ امتیازی زندگی ہے جس کا وعدہ "یجعل لکم فرقاناً" میں کیا گیا ہو؟ (الجمعیۃ)

مومن کی نرالی شان

نیویارک کی خبر ہو کہ سپریم کورٹ کے ایوان میں دنیا کے بارہ مقننین اعظم کے جو مجسمے خاص اعزاز کے ساتھ نصب تھے، ان میں حضرت موسیٰ، زرتشت، کنفوشس، وغیرہ کے ساتھ ایک مجسمہ ہمارے حضور انور صلعم کا بھی تھا، مسلمانوں کو جب سے اس کا علم ہوا وہ برابر اس پر احتجاج کر رہے تھے، اب خدا خدا کر کے انکا احتجاج کامیاب ہوا، اور سرکاری حکم سے مجسمۂ مذکور کو بہ خاموشی کے ساتھ اتار کر ضائع کر دیا گیا، کہ آئندہ اسکے لیے کوئی سوال ہی نہ پیدا ہو — خبر خوش آیند تو ہی ہے، لیکن یہ حقیقت بھی مستحضر رکھنے کی ہو کہ اسلام کا تمدن دنیا کے تمدنوں سے نرالا ہو۔ مہذب دنیا تو سارے کی ساری انہیں مجسموں، مورتیوں، تصویروں پر مٹی ہوئی ہے۔ واقعی یہ اس کی سمجھ میں کیسے آسکتا ہو کہ ایک ملت ایسی بھی موجود ہے جو اس ہنر کو عیب اور اس اعزاز کو اپنے حق میں دلآزار خیال کرتی! بقول شخصے — خو سمجھ میں نہیں آتی ترے دیوانوں کی۔ اور یہ کام خود مسلمانوں کا ہے کہ اپنے معیار، اپنے نقطۂ نظر، اپنے نقشۂ زندگی کی تبلیغ دنیا بھر میں کر کے دنیا کو اس کے سمجھنے پر مجبور کر دے۔

(صدق)

مختصر فہرست کتب خانہ الفرقان

اپنی مطبوعات

- معارف الحدیث مجلد
- معارف الحدیث غیر مجلد
- اسلام کیا ہے؟ کاغذ قسم اول مجلد
- 〃 〃 قسم دوم غیر مجلد
- نماز کی حقیقت
- کلمہ طیبہ کی حقیقت
- آپ حج کیسے کریں
- تصوف کیا ہے
- حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ
- حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت
- ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ
- مکتوبات 〃 〃
- تبلیغی تقریریں مجلد
- اسلام اور موجودہ مسلمان قوم
- اسلام اور نظام سرمایہ داری
- قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ
- معرکۃ القلم یا فیصلہ کن مناظرہ (مولوی احمد رضا خاں کے تکفیری فتوے کا تحقیقی اور تفصیلی جواب)
- بوارق الغیب حصہ دوم
- مسئلہ غیب پر سو حدیثیں
- نماز اور خطبہ کی زبان

تالیفات حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی

- تجدید تصوف و سلوک
- جامع المجددین
- تجدید تعلیم و تبلیغ
- تجدید معاشیات

تالیفات شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ

- خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی
- فضائل حج
- فضائل قرآن (مع چہل حدیث)
- فضائل نماز
- فضائل رمضان
- فضائل تبلیغ
- برکات ذکر
- فضائل صدقات (اول)
- 〃 〃 (دوم)
- حکایات صحابہ

تالیفات مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

- تاریخ دعوت و عزیمت
- انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر
- پیام انسانیت
- قصص النبیین للاطفال پورا سٹ
- القراءۃ الراشدہ ہر حصہ
- زاد سفر (ریاض الصالحین کا ترجمہ) جلد اول مجلد
- زاد سفر جلد دوم مجلد
- حسن معاشرت

منتخب علمی و دینی کتابیں

- تفسیر حقانی کامل مع مقدمہ
- قصص القرآن از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی
- احکام القرآن اردو
- لغات القرآن ۴ جلد
- قاموس القرآن (قرآنی ڈکشنری)
- حقیقت ذکر (از مولانا احتشام الحسن)
- قرآن اور تصوف (از ڈاکٹر میر ولی الدین)
- ترجمان السنہ جلد اول و دوم
- حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی
- تاریخ مشائخ چشت مجلد
- مسلمانوں کا نظم مملکت
- اسلام کا نظام مساجد
- اسلام کا نظام عفت و عصمت
- اسلام میں غلامی کی حقیقت
- مصباح اللغات مجلد
- اردو عربی ڈکشنری مجلد
- تاریخ ملت حصہ اول (نبی عربی)
- 〃 حصہ دوم خلافت راشدہ
- 〃 سوم خلافت بنو امیہ
- 〃 چہارم خلافت ہسپانیہ
- 〃 پنجم خلافت عباسیہ (اول)
- 〃 ششم 〃 جلد دوم
- 〃 ہفتم تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ
- 〃 ہشتم خلافت عثمانیہ
- 〃 تاریخ صقلیہ
- سوانح قاسمی جلد اول، دوم
- حیات انور

عازمین حج کے لیے بہترین تحفہ

"آپ حج کیسے کریں"

حج و زیارت کے موضوع پر اب اردو میں بے شمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن یہ کتاب "آپ حج کیسے کریں" اب بھی اپنی خصوصیات میں منفرد اور عدیم النظیر ہے۔

جدید اڈیشن قیمت صرف ۔۔۔ مجلد ۔۔۔

حج سے متعلق کتب ذیل بھی کتبخانہ الفرقان سے مل سکتی ہیں

- تجلیات کعبہ
- تجلیات مدینہ
- سفر حجاز (از مولانا عبد الماجد دریابادی)
- گلبانگ حرم (زمزمۂ حرم) از حمید صدیقی

ضروری گزارش: اگر آپ مندرجہ فہرست ہذا کتابوں کے علاوہ کوئی اور ایسی کتاب طلب فرمائیں گے جو کتبخانہ میں موجود نہ ہوگی تو ہم دوسرے مقامی کتبخانوں سے حتی الوسع اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور نہ ملنے کی صورت میں آپ کی باقی مطلوبہ کتابیں روانہ کر دیں گے۔

ناظم کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

تفسیر ماجدی — (از مولانا عبد الماجد دریابادی) مطبوعہ تاج کمپنی لاہور ۔۔۔ منزل مجلد ۔۔۔ دوسری منزل مجلد ۔۔۔ تفسیر بیان القرآن — مطبوعہ تاج کمپنی ۔۔۔ جلدوں میں ۔۔۔

الفرقان

لکھنؤ

ماہنامہ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

توفنی مسلماً و الحقنی بالصالحین

ادارہ الفرقان

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

جلد ۲۳ | بابت ماہ رمضان و شوال ۱۳۷۵ھ مطابق مئی و جون ۱۹۵۶ء | نمبر ۹-۱۰

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان لگا ہے! تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی۔ پی ارسال کیا جائے گا ـــــ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ر تاریخ تک پہونچ جانا چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجیں۔

تاریخ اشاعت:- رسالہ ہر مہینہ کی ۱۵ر تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر ۲۵ر تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیج دیا جائے گا۔ اس سے پہلے مطلوب ہو تو دو آنے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔

مقام اشاعت:- دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

الجزائر شمالی افریقہ کا ایک چھوٹا سا مسلمان ملک ہے. جو قریباً ایک سو پندرہ سال سے فرانسیسی استعماریت کے پنجۂ استبداد میں گرفتار ہے، مگر الجزائری مسلمان ایک غیور، خوددار، اور بہادر قوم کی طرح اس غلامی پر راضی نہیں ہیں. اور اس نامرغوب زندگی سے خلاصی اور حصول آزادی کی کوئی پُرامن راہ نہ پاتے ہوئے انھوں نے ادھر بیس ماہ سے فرانسیسی اقتدار کے خلاف ایک فیصلہ کن جنگ شروع کر رکھی ہے جسمیں پوری قوم عموماً اور پندرہ ہزار منظم مجاہدین آزادی خصوصاً اس حوصلہ مندی، جفاکشی، اور سرفروشی کا مظاہرہ کر رہی ہے [illegible] ایک طرف ڈھائی تین لاکھ باقاعدہ اور جدید اسلحہ سے مسلح فرانسیسی فوج ہے جس کے آگے آگے زمین پر خونخوار ٹینکوں کا ایک لشکر ہے، اور آسمان پر بمبار جہاز ان کے پرے! ــــ اور دوسری طرف سر ہتھیلی پر لیے، صرف چند ہزار سرپھرے. جنکے پاس نہ ٹینک ہیں نہ ہوائی جہاز، کچھ ہلکے پھلکے اسلحہ ہیں اور ایک سودائے آزادی، ایک روح سرفروشی، ایک بے پناہ جذبۂ قربانی، جس کے بل پر وہ اپنے سے سیکڑوں گنی طاقت سے ٹکرا رہے ہیں.

آزادی کے یہ متوالے لہولہان ہو رہے ہیں مگر بیان چھوڑنے کا خیال تک شاید دلوں میں نہیں ہے، ایک ایک دن میں دو دو، ڈھائی ڈھائی سو قربان ہو رہے ہیں. مگر سودائے آزادی ہے کہ کم نہیں ہوتا. اور روح سرفروشی ہے کہ سر دینے کا نام نہیں لیتی.

مرحبا! اے مجاہدین الجزائر مرحبا!!

خدا تمھیں بامراد و فتحیاب کرے!

یہ ہیں ہمارے احساسات اور دل کی وہ آواز جو مجاہدین الجزائر کی قربانیاں دیکھ کر دل سے نکلتی ہے ــــ مگر اس کے ساتھ ساتھ ایک پُرحسرت خیال اور بھی دل میں آتا ہے. اور وہ یہ ہے کہ

کاش! اتنی بے پناہ قربانی یہ جانباز قوم استخلاص وطن کے بجائے

اعلاء کلمۃ الحق کیلئے دیتی تو یہ خود بھی آزاد ہوتی اور اسلام کی کشت ویراں بھی لہلہا اٹھتی ——— افسوس! جس خون سے پوری اسلامی دنیا کو نئی زندگی مل سکتی تھی وہ صرف ایک چھوٹے سے خطے کی آزادی پر صرف ہو رہا ہے ——— فیا حسرتا! وواحسرتا!!

"ع"

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے سانحۂ وفات کا علم اخبارات اور دوسرے ذرائع سے ناظرین الفرقان کو اب سے چند روز پہلے ہو چکا ہوگا۔ اگرچہ یہ ایک جانی بوجھی حقیقت ہے کہ اس دنیا میں آنے والے ہر مسافر کی آخری منزل موت ہی ہے، اور اس لیے ہر زندہ کے متعلق ہم سب کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ یہ ضرور ایک نہ ایک دن مرنے والا اور مُردوں سے جا ملنے والا ہے۔ اور خاص کر مولانا مرحوم کا حال تو کئی سال سے یہ تھا کہ خطوط میں برابر تحریر فرماتے رہتے تھے کہ "موت و حیات کی درمیانی منزل میں ہوں۔" نیز پچھلے دو تین سالوں میں کئی بار ایسے دورے پڑے کہ تیمارداروں کو مایوسی ہو گئی۔ ان حالات میں آپ کے سانحۂ وفات کی اطلاع آپ سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بالکل غیر متوقع نہ تھی اور اس لیے عقل عام کا تقاضا بظاہر یہی تھا کہ دل زیادہ محزون اور متاثر نہ ہوتا۔ لیکن دل کی واردات عقل کے تابع نہیں، خبر سن کر جو کچھ دل پر گزری وہ بیان میں آنے کی چیز نہیں۔

مولانا مرحوم سے گوناگوں ذاتی تعلقات بھی تھے لیکن آج جو چیز سب سے زیادہ یاد آرہی ہے اور جس سے محروم ہو جانے کا خاص صدمہ ہے وہ مولانا مرحوم کی ممتاز علمی حیثیت اور ان کے علم کی خصوصی افادیت ہے۔

سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو ہمارے اس دور میں پچھلے تمام دوروں سے زیادہ ضرورت ایسے اہل علم کی ہے جن کی نظر وسیع اور ذہن روشن ہو۔ اور اس کے ساتھ دل خدا آشنا اور خدا ترس ہو۔ اور جو سلف کے پورے اتباع کے ساتھ عصر جدید کی خصوصیات اور اس کے تقاضوں کو بھی سمجھنے والے اور اس سے پیدا ہونے والے مشکل مسئلوں کو حل کرنے کی صلاحیت رکھنے والے ہوں، اور یہ چیزیں اللہ تعالےٰ نے مولانا مرحوم

کو بڑی فیاضی سے عطا فرمائی تھیں ـــــ مولانا مرحوم کی ان علمی خصوصیات کی قدر و عظمت کا احساس الحمد للہ پہلے بھی تھا، لیکن اب اس نعمت کے چھن جانے کے بعد یہ احساس بیسوں گنا بڑھ گیا ہے۔ اس لیے جتنا بھی غم اور صدمہ ہو بجا اور برحق ہے ـــــ تاہم یہ چیز فی الجملہ تسلی دینے والی ہو کہ اپنی بہت سی تصانیف اور لاتعداد مجلاتی مقالات کی شکل میں جو ورثہ آپ نے چھوڑا ہے اس میں بھی آپ کے علم و مطالعہ اور نتائج فہم و فکر کا کافی حصہ آگیا ہے اور بہت کچھ فائدہ اس سے اٹھایا جا سکتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ رحمت و مغفرت کا خاص معاملہ فرمائے اور سید عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خواص اہل محبت کے ساتھ آپ کو جو والہانہ اور نیم مجذوبانہ گرویدگی اس زندگی میں عطا فرمائی گئی تھی ـــــ "المرء مع من احب" ـــــ کے کریمانہ منشور کے مطابق اگلی زندگی میں اُن سب کی رفاقت و معیت آپ کو نصیب ہو

اللّٰھمّ لا تحرمنا اجرہٗ ولا تفتنّا بعدہٗ۔ آمین۔

"نعمانی"

معارف الحدیث

(مسلسل)

اُنس و محبت اور ہمدردی و خیر خواہی:—

(۱۵۱) عن ابی ھریرۃ اَنَّ النّبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال المؤمنُ مَالفٌ وَلَاخیرَ فِیمَنْ لَایَألَفُ ولایُؤلَفُ۔

رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن تو الفت و محبت کا مرکز ہے، اور اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو دوسروں سے الفت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے الفت نہیں کرتے۔

(مسند احمد و شعب الایمان بیہقی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندہ مومن کو اُنس و محبت کا مرکز ہونا چاہیے کہ وہ خود دوسروں سے محبت کرے اور دوسرے اس سے محبت کریں اور مانوس ہوں اگر کسی شخص میں یہ بات نہیں ہو تو گویا اسمیں کوئی خیر نہیں، نہ وہ دوسروں کو کوئی نفع پہونچا سکے گا اور نہ دوسرے لوگ اس سے نفع اُٹھا سکیں گے۔—

اس حدیث میں اُن خشک مزاج متقشف حضرات کیلئے خاص سبق ہے جو سب سے بے تعلق رہنے کو دین کا تقاضا سمجھتے ہیں اور اس لیے نہ وہ خود دوسروں سے مانوس ہوتے ہیں اور نہ دوسروں کو اپنے سے مانوس کرتے ہیں — البتہ مومن کی یہ محبت و الفت اور دوسروں سے مانوس ہونا اور اُن کو اپنے سے مانوس کرنا سب اللہ ہی کے لیے اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہیے۔ عفیٰ عنہ

وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اللہ کے لیے محبت دراصل اللہ تعالیٰ کی تعظیم و عبادت ہے:-

(۱۵۲) عَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَحَبَّ عَبْدٌ عَبْدًا لِلّٰهِ اِلَّا اَكْرَمَ رَبَّهٗ عَزَّوَجَلَّ ــــ (رواہ احمد)

(ترجمہ) حضرت ابو امامہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ نے بھی اللہ کے لیے کسی بندہ سے محبت کی اُس نے اپنے رب عزوجل ہی کی عظمت و توقیر کی۔ (مسند احمد)

(تشریح) یعنی کسی بندہ کا کسی دوسرے بندہ سے اللہ کے لیے اور اللہ کے تعلق سے محبت کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی عظمت کا حق ادا کرنا ہو اور اس طرح اس کا شمار اللہ تعالیٰ کی عبادات میں ہے۔

اللہ کے لیے آپس میں میل محبت کرنیوالے اللہ کے محبوب ہو جاتے ہیں:-

(۱۵۳) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَجَبَتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّيْنَ فِيَّ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيَّ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيَّ (رواہ مالک)

(ترجمہ) حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہو کہ میری محبت واجب ہو، ان لوگوں کے لیے جو باہم میری وجہ سے محبت کریں اور میری وجہ اور میرے تعلق سے کہیں جڑ کر بیٹھیں، اور میری وجہ سے باہم ملاقات کریں۔ اور میری وجہ سے ایک دوسرے پر خرچ کریں۔ (موطا امام مالک)

(تشریح) اللہ کے جن بندوں نے اپنی محبت و چاہت اور اپنے ظاہری و باطنی تعلق کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے تحت کر دیا ہو اور ان کا حال یہ ہو کہ وہ جس سے محبت کرتے ہیں اللہ کے لیے کرتے ہیں، جس کے پاس بیٹھتے ہیں اللہ کے لیے بیٹھتے ہیں، جس سے ملتے ہیں اللہ کے لیے ملتے ہیں۔ جو کچھ

ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہی کی رضا جوئی کے لیے کرتے ہیں، بیشک اللہ کے یہ بندے اس کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رضا اور محبت ان کو نصیب ہو ـــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس بشارتی منشور کا اعلان فرمایا ہے کہ میرے ان بندوں کے لیے میری محبت واجب و مقرر ہو چکی ہے، میں ان سے محبت کرتا ہوں ان سے راضی ہوں اور وہ میرے محبوب اور پسندیدہ بندے ہیں ـــ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَجَالِسِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَزَاوِرِيْنَ فِيْكَ وَالْمُتَبَاذِلِيْنَ فِيْكَ۔

(۱۵۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّ رَجُلًا زَارَ اَخًا لَهٗ فِیْ قَرْيَةٍ اُخْرٰی فَاَرْصَدَ اللّٰهُ لَهٗ عَلٰی مَدْرَجَتِهٖ مَلَكًا، قَالَ اَيْنَ تُرِيْدُ قَالَ اُرِيْدُ اَخًا لِّیْ فِیْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ قَالَ هَلْ لَكَ مِنْ نِّعْمَةٍ تَرُبُّهَا قَالَ لَا غَيْرَ اَنِّیْ اَحْبَبْتُهٗ فِی اللّٰهِ قَالَ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكَ بِاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّكَ كَمَا اَحْبَبْتَهٗ فِيْهِ ـــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص اپنے ایک بھائی سے ـــ جو دوسری ایک بستی میں رہتا تھا ـــ ملاقات کے لیے چلا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہ گزر پر ایک فرشتہ کو منتظر بنا کے بٹھا دیا۔ (جب وہ شخص اس مقام سے گزرا تو) فرشتہ نے اس سے پوچھا تمہارا کہاں کا ارادہ ہے؟۔ اس نے کہا میں اس بستی میں رہنے والے اپنے ایک بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے کہا کیا اس پر تمہارا کوئی احسان ہے اور کوئی حق نعمت ہے جس کو تم پورا اور پختہ کرنے کے لیے جا رہے ہو۔ اس بندہ نے کہا نہیں، میرے جانے کا باعث اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ کے لیے مجھے اس بھائی سے محبت ہے (یعنی بس اسی للّٰہی محبت کے تعلق اور تقاضے سے میں اس کی زیارت اور ملاقات کے لیے جا رہا ہوں) فرشتہ نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس یہ بتانے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ تم سے محبت کرتا ہے جیسا کہ تم اللہ کے لیے اس کے اس بندہ سے محبت کرتے ہو۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) یہ واقعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں بیان فرمایا ہے. بظاہر کسی اگلی امت کے کسی فرد کا ہے، اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کبھی کبھی فرشتے اللہ کے حکم سے کسی غیر نبی کے پاس بھی آسکتے ہیں اور اس سے اس طرح کی باتیں دو بدو کر سکتے ہیں. حضرت جبرئیل کا اللہ کے حکم سے حضرت مریم صدیقہ کے پاس آنا اور ان سے باتیں کرنا قرآن مجید میں بھی مذکور ہے. حالانکہ معلوم ہے کہ حضرت مریم نبی نہ تھیں.

اس واقعہ کی اصل روح اور اس کے بیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص مقصد اس حقیقت کا واضح کرنا تھا کہ اللہ کے کسی بندہ کا اپنے کسی بھائی سے اللہ کے لیے محبت کرنا اور اس للّٰہی محبت کے تقاضے سے اس سے ملاقات کرنے کے لیے جانا ایسا عمل ہے جو اس محبت کرنے والے بندہ کو اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا دیتا ہے. اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص فرشتہ کے ذریعہ اس کو اپنی محبت کا پیغام پہونچاتا ہے. فطوبیٰ لھم وبشریٰ لھم.

اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا قیامت کے دن خاص امتیاز:-

(۱۵۵) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ عِبَادِ اللّٰہِ لَاُنَاسًا مَاھُمْ بِاَنْبِیَاءَ وَلَا شُھَدَاءَ یَغْبِطُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَالشُّھَدَاءُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ بِمَکَانِھِمْ مِنَ اللّٰہِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تُخْبِرُنَا مَنْ ھُمْ؟ قَالَ ھُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰہِ عَلٰی غَیْرِ اَرْحَامٍ بَیْنَھُمْ وَ اَمْوَالٍ یَتَعَاطَوْنَھَا فَوَاللّٰہِ اِنَّ وُجُوْھَھُمْ لَنُوْرٌ وَ اِنَّھُمْ لَعَلٰی نُوْرٍ لَا یَخَافُوْنَ اِذَا خَافَ النَّاسُ وَلَا یَحْزَنُوْنَ اِذَا حَزِنَ النَّاسُ وَقَرَءَ ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ

(رواہ ابو داؤد)

(ترجمہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. اللہ کے بندوں میں کچھ ایسے خوش نصیب بھی ہیں جو نبی یا شہید تو نہیں ہیں لیکن قیامت کے دن بہت سے انبیاء اور شہداء ان کے خاص مقام قرب کی وجہ سے ان پر رشک کریں گے. صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں بتلا دیجئے

کہ وہ کون بندے ہیں؟ آپ نے فرمایا وہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بغیر کسی رشتہ اور قرابت کے اور بغیر کسی مالی لین دین کے روح خداوندی کی وجہ سے باہم محبت کی — پس قسم ہے خدا کی ان کے چہرے قیامت کے دن نورانی ہوں گے، بلکہ سراسر نور ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر ہوں گے اور عام انسانوں کو جس وقت خوف ہوگا اس وقت وہ بے خوف اور مطمئن ہوں گے اور جب وقت عام انسان مبتلائے غم و ہراس ہوں گے وہ اس وقت بے غم ہوں گے اور اس موقعہ پر آپ نے یہ آیت پڑھی۔ "اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ علیہم وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ"، معلوم ہونا چاہیے کہ جو اللہ کے دوست اور اس سے خاص تعلق رکھنے والے ہیں اُن کو خوف و غم نہ ہوگا۔) (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس دنیا میں خونی رشتہ اور قرابت کی وجہ سے محبت و تعلق کا ہونا ایک ایسی عمومی اور فطری بات ہے جو انسانوں کے علاوہ عام جانوروں بلکہ درندوں میں بھی موجود ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی کی مالی امداد کرتا ہے اس کو ہدیے اور تحفے دیتا ہے تو اس میں اس محسن کی محبت پیدا ہو جانا بھی ایک ایسی فطری بات ہے جو کافروں مشرکوں اور فاسقوں فاجروں میں بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن کسی رشتہ اور قرابت کے بغیر اور کسی مالی لین دین اور کسی ہدیہ اور تحفہ کے بغیر محض اللہ کے دین کے تعلق سے کسی سے محبت کرنا ایک ایسی ایمانی صفت ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے اور اس کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کا خاص محبوب و مقرب بن جاتا ہے اور قیامت میں اس پر اللہ تعالیٰ کی ایسی نوازشیں ہوں گی کہ انبیاء اور شہداء اس پر رشک کریں گے۔

اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ درجہ اور مرتبہ میں انبیاء و شہداء سے افضل اور بلند تر ہوں گے — کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کم درجہ کے کسی آدمی کو کسی خاص اچھی حالت میں دیکھ کر اس سے اونچے درجے والوں کو بھی اس پر رشک آنے لگتا ہے۔ یہ بات عقل و منطق کے لحاظ سے اگرچہ بہت سوں کو مستبعد معلوم ہوگی لیکن واقعات کی دنیا میں بکثرت ایسا ہوتا رہتا ہے اس لیے جو کچھ کہا گیا ہے یہ زبردستی کی تاویل نہیں ہے بلکہ واقعی حقیقت ہے۔

یہ بندگان خدا جن کے مقام قرب پر انبیاء و شہداء کو رشک آئے گا حدیث میں ان کا

تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔ "هُمْ قَوْمٌ تَحَابُّوْا بِرُوْحِ اللّٰهِ" اس لفظ رُوح کو ر کے پیش کے ساتھ رُوح بھی پڑھا گیا ہے اور زبر کے ساتھ رَوح بھی۔ ہمارے نزدیک دونوں صورتوں میں اس سے اللہ کا دین مراد ہے۔ اور مطلب یہی ہے کہ یہ وہ بندگان خدا ہوں گے جنھوں نے اس دنیوی زندگی میں اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت والفت کی۔ دین اس اُخروی زندگی کے لیے جو اصل زندگی ہے بمنزلہ رُوح کے بھی ہے۔ اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت اور رحمت بھی ہے۔ اور رَوحٌ کے معنی رحمت، نعمت اور راحت کے ہیں۔ الغرض اس لفظ کو خواہ ر کے پیش کے ساتھ پڑھا جائے یا زبر کے ساتھ، ہر حال میں مطلب ایک ہی ہو گا۔

حدیث کے آخری حصہ میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے دین کے تعلق سے باہم محبت کرنے والے ان بندگانِ خدا پر اللہ تعالیٰ کا ایک خاص الخاص انعام یہ ہو گا کہ قیامت کے دن جب کہ عام انسانوں پر خوف اور غم چھایا ہوا ہو گا ان کے دلوں پر خوف اور غم کا کوئی اثر نہ ہو گا۔ اور یہ بالکل مطمئن اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم سے شاداں و فرحاں ہوں گے

لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اللہ کے لیے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سایہ میں:۔

(۱۵۶) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِىْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِىْ ظِلِّىْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّىْ ۔　(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمادیں گے کہ کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت و جلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے؟ آج جب کہ میرے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔　(صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کے لیے نہ ہوگا، بلکہ میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علیٰ رؤس الاشہاد اس لیے بلند ہوگی کہ ان بندگان خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہل محشر اور تمام اولین و آخرین کے سامنے ظاہر ہو جائے اور سب سن لیں اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہو — اور حدیث میں اللہ کے سایہ سے مراد غالباً اس کے عرش کا سایہ ہے۔ جیسا کہ بعض دوسری حدیثوں میں تصریح بھی ہے۔

محبت ذریعۂ قرب و معیت:-

(۱۵۷) عَنْ عبد اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ. فَقَالَ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ. (رواه البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہو اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا۔)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندہ سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجہ کا نہ ہو بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ — اور اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگان خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لیے اور دین کے

تعلق سے محبت تھی ـــــ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی جو روایت اسی مضمون کی آگے درج کی جارہی ہے اس میں سوال کے الفاظ زیادہ واضح ہیں۔

(۱۵۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّهٗ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلرَّجُلُ یُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَعْمَلَ کَعَمَلِهِمْ؟ قَالَ اَنْتَ یَا اَبَا ذَرٍّ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ فَاِنَّكَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ فَاَعَادَهَا اَبُوْ ذَرٍّ فَاَعَادَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ رواہ ابوداؤد

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے (ابوذر نے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ایک آدمی ہو اس کو اللہ کے خاص بندوں سے محبت ہو لیکن وہ اس سے عاجز ہو کہ ان کے سے عمل کر سکے (تو اس بیچارہ کا انجام کیا ہوگا؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ابوذر! تم کو جس سے محبت ہوگی تم اسی کے ساتھ ہوگے، ابوذر نے عرض کیا حضرت مجھے تو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا بس تم ان ہی کے پاس اور ان ہی کے ساتھ رہوگے جن سے تم کو محبت ہے۔ یہ جواب سن کر ابوذر نے پھر اپنا سوال دوہرایا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں پھر وہی ارشاد فرمایا جو پہلی دفعہ ارشاد فرمایا تھا۔

(سنن ابی داؤد)

(۱۵۹) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَتَی السَّاعَةُ قَالَ وَیْلَكَ وَمَا اَعْدَدْتَ لَهَا قَالَ مَا اَعْدَدْتُ لَهَا اِلَّا اَنِّیْ اُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ قَالَ اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ قَالَ اَنَسٌ فَمَا رَاَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ فَرَحَهُمْ بِهَا۔

رواہ البخاری و مسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا ـــــ وائے برحال تو (تو قیامت کا وقت اور اس کے آنے کی خاص گھڑی دریافت کرنا چاہتا ہے۔ بتلا) تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ اس نے عرض کیا میں نے اس کے لیے کوئی خاص تیاری تو نہیں کی (جو آپ کے سامنے ذکر کرنے کے لائق اور بھروسہ کے قابل ہو) البتہ (توفیق الٰہی سے مجھے یہ ضرور نصیب ہے کہ) مجھے محبت ہو اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ آپ نے فرمایا تجھ کو جس سے محبت ہے تو اُن ہی کے ساتھ ہے اور تجھ کو اُن کی معیت نصیب ہوگی۔ حدیث کے راوی حضرت انس اس حدیث کو بیان فرمانے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا مسلمانوں کو (یعنی حضور کے صحابہ کو) کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد ان کو کسی چیز سے اتنی خوشی ہوئی ہو جتنی کہ حضور کی اس بشارت سے ہوئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اسی حدیث کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا آخری فقرہ اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے۔

فَمَا فَرِحْنَا بِشَيْءٍ فَرَحَنَا بِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ فَأَنَا أُحِبُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ مَعَهُمْ بِحُبِّي إِيَّاهُمْ وَإِنْ لَمْ أَعْمَلْ أَعْمَالَهُمْ	ہم لوگوں کو (یعنی حضور کے صحابہ کو) کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آپ کے اس ارشاد سے ہوئی کہ "انت مع من احببت" (تم جس سے محبت کرتے ہو اسی کے ساتھ ہو) پس میں بحمداللہ محبت رکھتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ابوبکر و عمر سے اور امید رکھتا ہوں کہ اپنی اس محبت ہی کی وجہ سے

مجھے ان کا ساتھ نصیب ہوگا اگرچہ
میرے اعمال ان حضرات کے سے
نہیں ہیں۔

ناظرین کو ان حدیثوں کے متعلق دو باتیں خاص طور سے سمجھ لینی چاہئیں۔

اوّل یہ کہ ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محبت کی وجہ سے محب و محبوب کا درجہ اور مرتبہ بالکل ایک ہو جائے گا اور دونوں کے ساتھ بالکل یکساں معاملہ ہوگا۔ بلکہ یہ ساتھ ہونا اپنے اپنے حال اور اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے ایسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں بھی خادم اپنے مخدوموں کے ساتھ اور تابع اپنے متبوعوں کے ساتھ ہوتے ہیں ـــــ اور بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا شرف اور بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسری بات یہ کہ محبت کے لیے اطاعت لازم ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ کسی کو اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہو اور اس کی زندگی بغاوت اور معصیت کی ہو۔ پس جو لوگ آزادی اور بے فکری کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں وہ اگر اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ کریں تو جھوٹے ہیں اور اگر واقعہ میں وہ خود بھی اپنے کو اہل محبت میں سے سمجھیں تو بڑے فریب میں مبتلا ہیں ـــ حضرت رابعہ نے ایسے ہی مدعیان محبت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے اور بالکل صحیح فرمایا ہے۔

تعصی الالٰہ وانت تظہر حبہ	تو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی محبت
ھذا لعمری فی القیاس بدیع	کا دعویٰ کرتا ہے، عقل و قیاس کے لحاظ
لو کان حبّک صادقاً لاطعتہ	یہ بات بہت ہی عجیب ہے۔ اگر تو دعویٰ
ان المحب لمن یحبّ مطیع	محبت میں سچا ہوتا تو اس کی فرمانبرداری
	کرتا۔ کیونکہ ہر محب اپنے محبوب کی بات
	دل و جان سے مانا کرتا ہے۔

بہر حال اللہ و رسول کی محبت کے لیے ان کی اطاعت لازم ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کامل اطاعت محبت ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ ع عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن

اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنے والوں کو انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت و رفاقت کی بشارت خود قرآن مجید میں بھی دی گئی ہے۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (النساء ع ۹)

پس اس آیت اور مندرجہ بالا احادیث کے مضمون میں گویا تعبیر اور عنوان ہی کا فرق ہے — یہ بات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کردہ اس حدیث سے اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جس کو حافظ ابن کثیر نے سورۂ نساء کی اس آیت کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں ابن مردویہ اور طبرانی کی سند سے نقل کیا ہے ..... حاصل اس کا یہ ہے کہ

ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی بیوی، اپنی اولاد اور اپنی جان سے بھی زیادہ حضور سے محبت ہے اور میرا حال یہ ہے کہ میں اپنے گھر پر ہوتا ہوں اور حضور مجھے یاد آجاتے ہیں تو اس وقت تک مجھے صبر اور قرار نہیں آتا جب تک حاضر خدمت ہو کر ایک نظر دیکھ نہ لوں، اور جب میں اپنے مرنے کا اور حضور کی وفات کا خیال کرتا ہوں تو میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ وفات کے بعد حضور تو جنت میں پہونچ کر انبیاء علیہم السلام کے بلند مقام پر پہونچا دیے جائیں گے اور میں اگر اللہ کی رحمت سے جنت میں بھی گیا تو میری رسائی اس عالی مقام تک تو ہو نہ سکے گی۔ اسلئے آخرت میں حضور کے دیدار سے بظاہر محرومی ہی رہے گی — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی اس بات کا کوئی جواب اپنی طرف سے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ سورۂ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	اور جو لوگ فرمانبرداری کریں اللہ کی
فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ	اور اس کے رسول کی پس وہ اللہ کے
اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ	ان خاص مقرب بندوں کے ساتھ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ	ہوں گے جن پر اللہ کا خاص انعام ہے

حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ

یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ سب بڑے ہی اچھے رفیق ہوں گے۔

گویا اس آیت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس محبِ صادق کو اور دوسرے تمام اہلِ محبت کو خوش خبری سنائی کہ جب تم کو سچی محبت ہو تو تم اللہ و رسول کی فرمانبرداری ضرور کروگے اور پھر تم کو جنت میں اللہ کے خاص مقرب بندوں کی معیت اور رفاقت بھی نصیب ہوگی۔

چونکہ محبت کے بارے میں بہت سے لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہو اور وہ ناواقفی اور کم غوری کی وجہ سے محبت و اطاعت کے باہمی لزوم کو پیش نظر نہیں رکھتے اس لیے اس موقع پر تھوڑی سی تفصیل ضروری سمجھی گئی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَّنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ ۔

ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

مکتوبات کے پیرائے میں

(۷)

مترجمہ ——— مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہی

مکتوب (۲۹) میرزا عبید اللہ بیگ کے نام (امر بالمعروف و نہی عن المنکر وغیرہ کی اہمیت کے بیان میں)

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مخدوما! اہل زمانہ کی زبانوں پر عام طور پر یہ بات چڑھی ہوئی ہے کہ صوفیاء کرام کا مسلک و مشرب یہ ہے کہ مخلوق کے حال سے بالکل تعرض نہ کیا جائے اور کسی سے بُرے نہ بنیں چونکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے اور بہت سے فتنوں کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے اس لیے دل میں یہ آیا کہ اس بارے میں کچھ لکھا جائے اور اس خیال کے مفاسد ظاہر کیے جائیں —— نیز اس سلسلے میں وہ احادیث بیان کر دوں جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حب فی اللہ، بغض فی اللہ، فضیلت جہاد فی سبیل اللہ اور علو مرتبہ مجاہدین و درجات شہداء سے تعلق رکھتی ہیں اور صوفیاء کرام کی وہ باتیں بھی ذکر کر دوں جو اس مقام سے مناسبت رکھتی ہیں اور جن سے ان کا جادۂ شریعت پر مستقیم ہونا معلوم ہوتا ہے —— کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو اپنے آپ کو گروہ صوفیاء سے منسوب کرتے ہیں لیکن دائرۂ شریعت سے باہر نکلے ہوئے ہیں ان کے متعلق بھی کچھ لکھوں اور دوستوں کو ارسال کر دوں۔ من اللہ سبحانہ العصمۃ والتوفیق۔

کرما! جو شخص اس قسم کا لغو خیال رکھتا ہے (امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو مسلک صوفیاء کے خلاف کہتا اور سمجھتا ہو) پتہ نہیں کہ وہ کس جماعت کے صوفیاء کے متعلق یہ بات کہتا ہے؟ — ہمارے پیروں یعنی مشائخ نقشبندیہ کا طریقہ خود اتباع سنت اور اجتناب از بدعت ہے جیسا کہ ان حضرات کی کتابوں سے اور ان کے رسائل سے یہ بات ظاہر و ہویدا ہو — امر بالمعروف نہی عن المنکر بغض فی اللہ، جہاد فی سبیل اللہ یہ چیزیں تو "سنن مقررۂ مصطفویہ" میں سے ہیں بلکہ واجبات و فرائض میں سے ہیں — بنا بریں امر معروف کو ترک کرنا گویا اس طریقۂ عملیہ (نقشبندیہ) کا ترک کرنا ہوگا — حضرت خواجہ نقشبند" فرماتے ہیں کہ ہمارا طریقہ "عروۂ وثقیٰ" ہے۔ اس میں دامنِ متابعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھامنا اور آثار صحابہؓ پر چلنا (ضروری) ہے۔ اس راہ میں تھوڑے سے عمل سے "فتوح بسیار" حاصل ہوتا ہے اور جو ان باتوں سے روگردانی کرے گا اس کے لیے خطر عظیم ہے" — طریقۂ سلف اور صوفیاء و مشائخ مستقیم الاحوال کا طرز عمل بھی یہی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تھا — غور کرو صوفیاء کرام نے جو سلوک و ریاضت اور موعظت کے دفتر کے دفتر لکھے ہیں اور "مہلکات و منجیات" کی نشاندہی کی ہے یہ امر معروف اور نہی منکر نہیں تو اور کیا ہے؟ —

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ اپنے پیر و مرشد (حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ) سے نقل فرماتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ "راہ دوستی تاریک و باریک" ہے تمھیں چاہیئے کہ مخلوق خدا کو نصیحت کرو اور لوگوں کو عذاب خداوندی سے ڈراؤ" — شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ جو کہ اہلِ وحدت وجود کے امام و پیشوا ہیں انھوں نے اپنے زمانے کے ان صوفیوں کو جو طریقۂ "سماع و رقاصی" اختیار کیے ہوئے تھے اس فعل سے روکا ہے اور ان باتوں کا ترک کرنے کے لیے امر فرمایا بعض اشخاص شیخ موصوف کے فرمانے کے مطابق باز آگئے اور اس طریقے کو چھوڑ دیا، اور بعضوں نے اپنا (غلط) طریقہ تو نہیں چھوڑا لیکن اپنے قصور کا اعتراف و اقرار کیا جیسا کہ شیخؒ نے اپنے بعض .... رسائل میں اس کو بیان فرمایا ہے — حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالے میں امر معروف و نہی منکر کا ایک مستقل باب باندھا ہے اور اسکے دقائق بیان

فرمائے ہیں اسی رسالے میں فرماتے ہیں ــــــ "جب کہ یہ بات ثابت ہوئی کہ نہی عن المنکر عدم قدرت کے وقت واجب نہیں تو کیا نہی عن المنکر ایسے وقت میں جب کہ اپنی جان پر بن جانے کا گمان غالب ہو جائز بھی ہے یا نہیں؟ پس ہمارے نزدیک ایسے وقت میں جائز ہی اور افضل ہے بشرطیکہ نہی کرنے والا اہل عزیمت و صبر میں سے ہو، پس یہ نہی عن المنکر جہاد فی سبیل اللہ مع الکفار کی مانند ہوگی ــــ اللہ تعالیٰ قصۂ لقمانؑ میں فرماتا ہے ــــ معروف کا حکم کر، منکر سے منع کر اور جو مصیبت (نتیجے میں) پڑے اس پر صبر کر بیشک یہ ہمت کے کام ہیں۔" ــــــــــــ

انصاف کرنا چاہیئے ــــ یہ حضرات پیشوائے اہل ولایت اور مقتدائے صوفیاء کرام تھے ان کا مسلک اگر مداہنت ہوتا تو اتنا مبالغہ امر معروف میں کیوں کرتے؟ ......

حضرت فضیل ابن عیاضؒ جو کہ اکابر صوفیاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں ــــ جو شخص "صاحب بدعت سے محبت رکھے گا اللہ تعالیٰ اس کے عمل حبط کر دے گا اور اس کے قلب سے ایمان کی نورانیت سلب کر لے گا اور میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ یہ جان لے گا کہ کوئی شخص، صاحب بدعت سے بغض رکھتا تھا تو اس بغض رکھنے والے کو (یقیناً) بخش دے گا۔ اگرچہ اس کے نیک عمل قلیل ہی کیوں نہ ہوں۔ اے مخاطب تو جب کسی بدعتی کو ایک راستے پر چلتا دیکھے تو دوسرا راستہ اختیار کر لے" ــــــ ..... خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں اہل بدعت پر لعنت فرمائی ہے۔ جو کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ دے اس پر اللہ کی اس کے فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت پڑتی ہے نہ ایسے شخص کا فرض قبول نہ نفل"۔ ــــ

حدیث میں آیا ہے ــــ حضورؐ فرماتے ہیں ــــ اے عائشہؓ وہ لوگ جنھوں نے دین میں تفرقہ پیدا کی اور گروہ در گروہ ہوئے وہ اصحاب بدعت اور ارباب ہوا و ہوس ہیں ان کو توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ میں اُن سے بری ہوں وہ مجھ سے۔"

اگر مشرب صوفیاء کرام ترک امر معروف ہوتا تو کیوں ایک عظیم الشان صوفی یہ فرماتا کہ جس روز صوفیاء کے درمیان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کا کام نہ ہو اس دن کو اچھا دن

و سمجھیں" ـــــ پس مطلب ظاہر ہے کہ جس روز صوفیا مداہنت برتیں وہ دن خیر کا دن نہیں ہے ـــ وہ لوگ جو تعرض نہ کرنے اور امر بالمعروف نہ کرنے کے قائل ہیں، ذرا سوچیں کہ وہ عذاب و ثواب اُخروی کے اور اُن مواعید شدیدہ کے (جو اعمال بد کے بارے میں قرآن حدیث میں ہیں) قائل ہیں یا نہیں؟ اگر قائل ہیں تو پھر کیوں کسی نامراد انسان کو "مہلکۂ عظیمہ" سے نہیں نکالتے اور عذاب سخت سے بچا کر طریقِ نجات نہیں دکھاتے۔ اگر کسی نابینا کے راستے میں کنواں یا سانپ ہو یا کوئی شخص دنیاوی مصیبت میں مبتلا ہو تو یہ لوگ اس کو آگاہ کریں گے اور چھٹکارے کی سبیل نکالیں گے اور اس کے حال سے تعرض کریں گے ـــ افسوس کہ وہ مصیبتِ اخروی پر جو کہ "اشد و ابقیٰ" ہے لوگوں کو متنبہ نہیں کرتے اور راہِ نجات نہیں دکھاتے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے سے قیامت، حشر و نشر اور میدانِ حشر میں جو کچھ ہوگا اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اعاذنا اللہ من اعتقادھم السوء ـــــ

اگر مخلوق سے کچھ تعرض نہ کرنا اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔ تو اس نے انبیاء علیہم السلام کو کیوں مبعوث کیا اور دعوتِ دین اسلام و بطلان ادیانِ دیگر کیوں کیا؟ امم سابقہ میں جن لوگوں نے ان انبیاء کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو ان کو عذاب ہائے گوناگوں میں کیوں گرفتار کیا؟ اور کیوں ان کا استیصال کیا؟ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کو یوں ہی اپنے حال پر چھوڑ دیتا ...... اور جہاد کس لیے فرض کیا؟ کہ وہ متضمن ایذا قتل مسلمانان ہے اور اس میں ایذائے قتل کفار بھی ہے اور مجاہدین و شہداء فی سبیل اللہ کی فضیلت جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کیوں بیان کی گئی؟ ......

اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت سے انبیاء کو اصالۃً اور اولیاء کو تبعاً دعوت دین کے لیے مقرر فرمایا اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو عذاب و ثواب سے آگاہ کیا اور اس طرح مخالفان اسلام پر حجت تام کی اور ان کی زبانِ عذر کو بند کر دیا۔ لئلا یکون للناس حجۃ بعد الرسل۔

...... پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (سچے) تابعدار دعوت و امر معروف میں آپ کے شریک ہیں اور جو شخص تارک امر معروف ہے وہ درحقیقت تابع رسول ہی نہیں ہے ـــ انصافاً غور کرنا چاہیئے کہ اگر فساق و کفار مبغوضِ خدا نہ ہوتے تو بغض فی اللہ واجبات

دین سے نہ ہوتا، افضل قربات اور ایمان کا مکمل کرنے والا نہ قرار پاتا، سبب وصول ولایت اور باعث رضاء و قرب خداوندی نہ بنتا حضرت عمرو بن الجموحؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ بندہ صریح ایمان نہیں پا سکتا تاوقتیکہ اللہ ہی کے لیے بغض نہ کرے جس کسی میں یہ صفت پیدا ہوگئی کہ وہ اللہ کے لیے محبت رکھتا ہے اور اللہ کے لیے بغض رکھتا ہو تو وہ مستحق ولایت ہوگیا" رواہ احمد۔۔۔

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ ہی کے لیے بغض رکھا اور اللہ کے لیے عطا کیا اور اللہ کے لیے منع کیا اس کا ایمان کامل ہوگیا"۔ رواہ ابوداؤد ـــــــ (اس کے بعد اس مضمون کی چند اور احادیث پیش کی ہیں۔)

سچ تو یہ ہے کہ دوستان محبوب سے محبت اور دشمنان محبوب سے عداوت، لوازم محبت سے ہو محب صادق بے اختیار ان دونوں باتوں کو عمل میں لاتا ہے اور "کسب و تعمل" کا محتاج نہیں ہوتا۔۔۔۔۔۔ دوستانِ دوست کس قدر اچھے نظر آتے ہیں اور دشمنانِ دوست کتنے زشت و بد معلوم ہوتے ہیں۔ (یہ بات محتاجِ بیان نہیں) اور یہ بات عشق مجازی میں بھی بالکل ظاہر و نمایاں ہے جو شخص دعویٰ دوستی کرے اس کا دعویٰ ہرگز قبول نہیں ہوگا جب تک (محبوب کے) دشمنوں سے اظہار بیزاری نہ کرے ـــــــ۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قد كانت لكم اسوة حسنة فی ابراهيم الآيه۔

ایک جگہ فرماتا ہے ـــــــ لقد كان لكم فيهم اسوة حسنة الآيه۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ طالب حق کو (غلط قسم کے لوگوں سے) بیزاری بھی ضروری و ناگزیر ہے (اس کے بعد چند آیات اس مضمون کی اور پیش کی ہیں) ۔۔۔۔۔۔ اہل حدیث وجو دیں جو صاحب مستقیم الاحوال ہیں اُن کا دین متین میں متشرع اور پختہ ہونا بھی مشہور و ماثور ہو تحریر کا محتاج نہیں۔ ہمارے حضرت (حضرت مجدد الف ثانیؒ) جو کہ وضو، طہارت، نماز اور آداب نماز میں انتہائی احتیاط برتتے تھے ـــــــ

فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ تمام تر احتیاط اپنے والد (حضرت شیخ عبد الاحدؒ)

سے سیکھی ہے محض کتابوں سے یہ باتیں حاصل ہونا مشکل ہیں ۔۔ میرے دادا باوجودیکہ مشرب وحدت وجود رکھتے تھے اور فصوص الحکم (مصنفہ شیخ محی الدین ابن عربیؒ) کے بہترین ماہر تھے لیکن شریعت کی پابندی بھی ان کے اندر بدرجۂ کمال تھی ۔۔ میرے دادا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے یہ احتیاط اپنے پیر و مرشد حضرت شیخ رکن الدین گنگوہیؒ سے اخذ کی ہے۔ حضرت شیخ رکن الدینؒ بھی مسلک توحید وجودی کے باوجود کامل طور پر شریعت کے پابند تھے۔ حضرت شیخ مذکورؒ نے یہ احتیاط اپنے والد و مرشد حضرت شیخ عبد القدوس[۵] گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی تھی شیخ گنگوہیؒ مشرب وحدت وجود میں بڑا درجہ رکھتے تھے اکثر مغلوب الحال رہتے تھے مگر اس کے باوجود تشرع اور احتیاطِ ظاہری میں بھی فردِ کامل تھے۔

حضرت خواجہ احرار اگرچہ مشرب توحید وجودی کی طرف مائل تھے لیکن ترویج شریعت میں قدم راسخ رکھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں (صرف) پیری مریدی کروں تو کسی کو بھی میرے زمانے میں پیری مریدی کرنے کی جرأت و ہمت نہ ہو سکے مگر مجھ کو تو ترویج و اشاعت دین کے لیے

۵ه زبدۃ المقامات میں حضرت شیخ گنگوہیؒ کے تذکرہ میں ہے ۔۔ باوجود کثرت جذبات و وفور غلبات در اتباع سنت سنیہ بغایت متقن بود و در التزام عزائم امور دینیہ سخت متمکن (ص۹۰) زبدۃ المقامات میں حضرت شیخ گنگوہیؒ کے تذکرے کے اختتام پر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زبانی یہ بھی لکھا ہو کہ حضرت شیخؒ ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ شیخ حاجی عبد الوہاب بخاریؒ نے جو کہ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کی اولاد سے تھے اور بڑے صاحب علم تھے ایک تفسیر اپنی لکھی ہوئی حضرت شیخؒ کی خدمت میں مطالعہ کے لیے بھیجی۔ قطب گنگوہیؒ نے جب اس تفسیر کو کھولا تو اتفاق سے آیۂ تطہیر نکل آئی، شیخ عبد الوہابؒ نے اس مقام پر لکھا تھا کہ اولادِ نبیؐ سب کے سب مامون الخاتمہ ہیں اور ان کی عاقبت یقیناً بالخیر ہوگی۔ حضرت شیخ عبد القدوس قدس سرہٗ نے اس تحریر کے حاشیے پر تحریر فرمایا ۔۔ "ہذا خلاف مذہب اہل السنۃ والجماعۃ" یعنی یہ بات اہل سنت و جماعت کے مسلک کے خلاف ہو ۔۔ اور کتاب کو واپس کر دیا۔ اس موضوع پر کئی دن تک علماءِ دہلی نے آپس میں مذاکرے کئے بالآخر وہی بات حق نکلی جو حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ العزیز نے فرمائی تھی۔

(زبدۃ المقامات ص۱۰۱)

مقرر کیا گیا ہے نہ کہ (فقط) پیری مریدی کے لیے"۔

شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ جو کہ علم حدیث میں صاحب سناد تھے اور علم فقہ میں پایۂ اجتہاد رکھتے تھے، فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے "حاسبوا قبل ان تحاسبوا" (محاسبۂ آخرت سے پہلے اپنے اعمال کا محاسبہ کرو) کے پیش نظر اپنے دن اور رات کے اعمال کا محاسبہ اختیار کیا ہے اور میں نے اس میں اور اضافہ کر دیا اور وہ یہ کہ محاسبۂ اعمال کے ساتھ ساتھ، محاسبۂ خطرات بھی کرتا ہوں"۔ — سلطان العارفین سید الطائفہ (حضرت جنید بغدادیؒ) جو گویا بانیٔ مشرب توحید وجودی ہیں وہ بھی سراپا شریعت سے آراستہ پیراستہ تھے ....

اگر ترکِ امر معروف، وحدتِ وجود والوں کا مشرب و مسلک ہوتا تو مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ جو محققین ارباب وحدت وجود میں سے ہیں کیوں اپنی مثنوی سلسلۃ الذہب میں ایسے لوگوں کی تردید کرتے جو ترک امر کے قائل ہیں (چند اشعار سلسلۃ الذہب کے پیش فرمائے ہیں) .... عجیب تماشے کی بات ہے کہ جو لوگ مشرب "کم آزاری" اور مسلک "صلح کل" اختیار کیے ہوئے ہیں وہ یہود، جوگیہ، براہمہ اور زنادقہ وغیرہم کے ساتھ تو اچھے ہیں ان سے صلح صحبت، انبساط، محبت رکھتے ہیں لیکن اہل سنت و جماعت سے جو کہ فرقۂ ناجیہ ہے غلظت و عداوت کا معاملہ کرتے ہیں — ان کی صلح دو رویوں سے ہے اس جماعتِ حقہ کو ایذا و آزار پہونچاتے ہیں اور اس کو بیخ و بن سے اکھاڑنا چاہتے ہیں — اچھی "صلح کل" پالیسی ہے کہ محمدیوں سے عداوت، اور "غیر محمدیان" سے نسبت و مودت — خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ اگر ترک تعرض محمود ہوتا تو امر معروف و نہی منکر واجبات دین سے نہ ہوتے — اور اللہ تعالیٰ امر و نہی کرنے والوں کو خیرِ امت کا لقب نہ دیتا جب کہ فرماتا ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیہ — دوسری جگہ ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے — الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ — ایک جگہ فرماتا ہے والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر — انبیاء علیہم السلام، صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور تمام سلف صالحین نے کتنی کچھ کوششیں امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں صرف کی ہیں اور کتنی کچھ ایذائیں اور مصیبتیں اس کام کے کرنے میں جھیلی ہیں۔

ایک عبث کام کے لیے اتنی جد و جہد کرنا (نعوذ باللہ) سراسر بے عقلی قرار پائے گی۔ اگر ترکِ تعرض مستحسن فعل ہوتا تو منکرِ شرعی کو دیکھ کر انکارِ قلبی کرنے کو کیوں اضعف ایمان قرار دیا جاتا جیساکہ حدیث میں آیا ہے ذلک اضعف الایمان ـــــ اگر کہا جائے کہ یہ آیت ـــــ (یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم۔ دلالت، ترک امر و ترک نہی پر کر رہی ہے ـــــ تو میں کہوں گا کہ یہ بات غلط ہو اس لیے کہ اہتدیتم میں جو اہتداء ہے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو بھی شامل ہے جیساکہ مفسرین نے بیان کیا ہے ـــــ اب معنیٰ اس آیت کے یہ ہوئے کہ جب تم اعمالِ صالحہ بجالاؤ گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے تو دوسروں کی گمراہی تم کو نقصان نہیں پہونچائے گی۔ اس آیت کی شانِ نزول بھی اسی معنیٰ کی مؤید ہے اور وہ یہ ہے کہ جب مسلمان، اہل کفر کی طرف سے دل تنگ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی اس آیت سے فرمائی کہ جب تم اپنا کام انجام دے چکے اور راہ ست کی جانب رہنمائی کر چکے اور کفر و طغیان سے ڈرا چکے اس کے بعد ان لوگوں کا کفر تم کو مضرت نہیں پہونچائے گا ـــــ اور جس جماعت نے اس آیت کو اپنے ظاہری معنیٰ پر رکھا ہے اس نے آیۂ امر معروف سے اس کو منسوخ مانا ہے ـــــ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ اے لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو ـــــ (یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم الآیۃ) اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے، فرماتے تھے کہ لوگ جب منکر کو ہوتا ہوا دیکھیں اور اس کو نہ مٹائیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا عذاب سب پر عام کردے ـــــ (رواہ ابن ماجہ والترمذی وصححہ)

اگر کہا جائے کہ امر معروف (تبلیغ) اور جہاد فی سبیل اللہ طریقۂ انبیاء ہے اور طریقۂ اولیاء ترکِ تعرض اور ترکِ امر ہے جیساکہ اس وقت بعض اشخاص کہہ دیتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ امور مذکورہ کی فرضیت اور ان کے انجام دینے کی فضیلت اور ان کے چھوڑنے پر وعید نصوص سے ثابت ہو اور فرضیت، وعدہ، وعید، کافۂ انام کے لیے ہوتے ہیں ان میں کسی کی خصوصیت نہیں ہوتی، خواص و عوام، انبیاء و اولیاء "اِتیان فرائض" میں برابر ہیں...... البتہ حصول نجات اور "وصول بدرجاتِ کمال" متابعتِ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ وابستہ

ہے — اولیاء نے جو کچھ بھی ولایت، محبت، معرفت اور قرب الٰہی سے حصہ پایا ہو وہ بطفیل انبیاء پایا ہے، راہِ وصول انبیاء ہی کے اتباع پر موقوف و منحصر ہے — قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ——— اس کے علاوہ جو راہ ہے وہ ضلالت وگمراہی کی راہ ہے اور شیاطین کا راستہ ہے — قرآن کی آیات، فماذا بعد الحق الا الضلال — اور — اِنَّ ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ — اس دعوے پر شاہد ہیں — حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا اور فرمایا کہ یہ اللہ کا راستہ ہے پھر چند خطوط اس خط کے دائیں بائیں کھینچے اور فرمایا یہ شیاطین کے راستے ہیں — بعدہٗ یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہٗ ——— رواہ احمد والنسائی والدارمی ——— پس جو شخص متابعت انبیاء کے بغیر چاہے کہ راہِ حق پر چلے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتا — اور سوائے گمراہی کے اسے کچھ حاصل نہ ہوگا اگر کوئی چیز حاصل بھی ہوئی تو وہ "استدراج" ہوگا کہ اس کا نتیجہ آخرت میں خسران وحرمان ہے ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یُقبلَ منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین —

محال است سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز در پے مصطفےٰ

حضرت جنید بغدادیؒ جو کہ رئیس صوفیاء ہیں فرماتے ہیں کہ جس نے قرآن حفظ نہیں کیا اور کتابت حدیث نہیں کی وہ ہمارے مسلک میں مقتدیٰ بننے کے قابل نہیں اس لئے کہ ہمارا طریقہ سراسر مقید بالکتاب والسنۃ ہے ..... حضرت خواجہ احرارؒ سے منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمام "احوال ومواجید" ہم کو دیئے جائیں اور ہماری حقیقت کو عقائد اہل سنت وجماعت کے ساتھ متجلی نہ کریں تو ہم اس کو سوائے خرابی کے اور کچھ تصور نہ کریں گے اور اگر تمام خرابیاں ہمارے اندر جمع ہوجائیں لیکن ہماری حقیقت کو عقائد اہل سنت جماعت کے ساتھ نوازدیں تو ہمیں کچھ خوف نہیں ——— انصاف کرو۔ جب کہ نبوت ختم ہوچکی، زمانہ وحی منقطع ہوچکا، دین کامل ہوگیا، نعمت تمام ہوگئی۔ پھر آج کس دلیل اور کس سند سے دین متین کے احکام کو برطرف کیا جاسکتا ہے اور اپنے خواب وخیال کی بنیادوں پر انبیاءؑ

کے کلمۂ متفقہ کو جو کہ وحی قطعی اور اخبارِ الٰہی سے ماخوذ ہے کس طرح نظر انداز کیا جا سکتا ہے ـــــ عقل دور اندیش کو کام میں لانا چاہیئے، خواب وخیال کے دھوکے میں نہ پھنسنا چاہیئے شیطان کے راستے سے دور رہا جائے، سنت سنیہ کی صراطِ مستقیم کو ہاتھ سے نہ دیا جائے۔ اتباعِ انبیاء علیہم السلام ہی بے شک وشبہ نجات دہندہ ہے اور "مثمرِ برکات" ہے۔ وائے اسکے سب باتیں "خطر درخطر" ہیں۔ فالحذر ثم الحذر ـــــ راہِ نجاتِ قطعی کو چھوڑ کر راہِ خطر اختیار کرنا شیطانِ لعین کے جال میں گرفتار ہونا اور اپنے آپ کو "مردی ہلاکت" میں ڈالنا عقل سے بہت بعید ہے ـــــ جو "وجد وحال" اور خواب وخیال کہ برخلاف پیغمبرانِ برحق ہو وہ ـــــ کسرابٍ بقیعۃٍ یحسبہ الظمآن ماءً ـــــ کا مصداق ہے ـــــ جب خدا سے واسطہ پڑے گا اور گور وقیامت کی منزلیں درپیش ہوں گی اس وقت متابعت انبیاء کے علاوہ کوئی چیز سودمند و دستگیر نہ ہو گی ـــــ ہاں اگر "احوال ومواجید" اور "کشوف والہامات" متابعت انبیاء کے ساتھ جمع ہو جائیں تو نور علیٰ نور ہے (اس کے بعد آیات واحادیث کثرت سے اسی مضمون کی درج ہیں۔

کامیاب ترین پیغمبرؐ

(ڈاکٹر محمد آصف صاحب قدوائی ایم اے پی ایچ ڈی)

هُوَ الَّذِیٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ

(خدا نے تیری تائید کی اپنی نصرت سے۔ القرآن۔ انفال)

پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) "تمام پیغمبروں اور دینی رہنماؤں میں سب سے زیادہ کامیاب رہے ہیں" ——— (انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا۔ باب 'قرآن')

نبوت کا فریضہ دنیا کا سب سے مشکل فریضہ ہے۔ خدا کی شان کہ اس مشکل ترین کام میں سب سے زیادہ کامیابی اسے ہوئی جس کے پاس بظاہر کامیابی کے سب سے کم وسائل تھے۔

حضرت موسیٰ عیش و عشرت کے گہوارہ میں پلے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی قوم اپنے عہد کی سب سے زیادہ مہذب اور ترقی یافتہ قوم تھی۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات برعکس تھے۔ پیدا ہوئے تو یتیم، لڑکپن بکریاں چراتے گذرا۔ جوان ہونے پر فکر معاش ایسی دامنگیر ہوئی کہ ایک دن بھی اطمینان سے بیٹھنے کو نہ ملا۔ ان حالات میں نوشت و خواند کا کیا اہتمام ہوتا؟ لکھنے پڑھنے سے قطعاً ناواقف رہے۔ قوم ایسی ملی تھی جو اپنی گمراہی کو ہی عین آگہی سمجھتی تھی۔ پھر بھی آپ نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہونچانے میں وہ شاندار کامیابی حاصل کی جو آج تک اپنی آپ مثال ہے۔

حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل کو فرمانروایانِ مصر کے ظلم سے نجات دلائی۔ آزادی

اور عزت کی زندگی میسر کرائی۔ ان کے بدلہ میں بنی اسرائیل نے ان کے ساتھ احسان فراموشی کی انتہا کر دی۔ اور خطرہ کے موقع پر یہ کہہ کر صاف الگ ہو گیے کہ "تم اور تمھارا خدا جاؤ اور لڑو، ہم یہیں رہیں گے۔" حضرت عیسیٰ کے قریبی اعزا تک نے ان کی بات نہ سنی۔ خود ان کے بھائیوں نے ان کی نبوت کی تردید کی[1] اور ان کے خون کے پیاسے ہو گیے۔[2]

حضرت عیسیٰ افسوس کے ساتھ فرمایا کرتے تھے کہ "یہ بات نہیں ہو کہ نبی کا احترام نہیں ہوتا البتہ اس کے گھر اور اس کے ملک میں اس کی عزت نہیں ہوتی"[3] ان کے وصال کے وقت ان کا کل سرمایۂ حیات گنتی کے چند پیرو تھے جن میں زیادہ تر دھوبی اور اسی قسم کے پسماندہ اور ناتعلیم یافتہ لوگ تھے۔

اور ایک حضرت عیسیٰ پر کیا موقوف حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی نبی کو اس کی زندگی میں اپنی کوششیں پوری طرح بارآور ہوتے دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔ اگر کسی نبی کے گلستانِ آرزو میں بہار آئی بھی تو اس کی آنکھیں بند ہو چکنے کے بعد۔ یہ مژدہ جانفزا صرف حضور ہی کے مقدر میں تھا کہ :-

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ٥

حق آگیا اور باطل چلا گیا۔ باطل تو جانے ہی والا تھا۔

اور یہ چیز صرف حضور ہی کو نصیب ہوئی کہ آپ نے لوگوں کے دین حق میں فوج در فوج داخل ہونیکا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا۔

جب آجائے خدا کی نصرت اور تم دیکھ لو کہ لوگ فوج در فوج خدا کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔

عرب کی سرزمین پر یہ انقلاب کس حیرت انگیز تیزی سے آیا اور کس طرح ـــ دیکھتے ہی دیکھتے سارے جزیرہ نما پر حق کا نور سیلاب کی طرح پھیل گیا؟ اس کا حال ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے

---

[1] انجیل [2] مارک [3] متی۔

سیئے ہیں:

"۱ھ میں شہر مدینہ کے چند محلے اسلامی مملکت کہلانے لگے تو اس میں دس سال تک اوسطاً روزانہ ۲۷۴ مربع میل کی بے نظیر سرعت سے اضافہ ہوتا رہا اور رجب ۱۱ھ میں نبی اکرم نے اس دنیاوی زندگی سے علٰحدگی اختیار فرمائی تو پورے دس لاکھ مربع میل یعنی تقریباً ہندوستان کے برابر کا علاقہ مسلمانوں کی آقائی میں آچکا تھا۔ اور ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کو پندرہ سال بھی نہیں گذرے تھے کہ احکام اسلام پر عمل کرنے کے باعث مسلمان ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تین براعظموں پر چھا گئے اور یہ حضرت عثمان کا زمانہ تھا کہ جب ایک طرف مسلمانوں نے اسپین میں قدم جمائے اور دوسری طرف قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔"[۵۱]

عرب جیسی جاہل، بے مایہ اور صحرانورد قوم یکایک دنیا کی توجہ کا مرکز بن گئی ......

"وہ غریب مویشی چرانے والے لوگ جو ابتدائے آفرینش سے گمنامی کی حالت میں ریگستانوں میں مارے مارے پھرتے تھے ان میں ایک ہیرو پیغمبر بھیجا گیا جو اپنے ساتھ ایک ایسا پیغام لایا جس پر وہ یقین کر سکتے تھے اور دیکھو! جنھیں کوئی توجہ نہ دیتا تھا وہ عالمگیر توجہ کے حقدار ہو گئے۔ جو حقیر اور کمتر تھے وہ دنیا کی نظروں میں معزز اور ممتاز بن گیے اور ایک ہی صدی کے اندر عرب اس طرف غرناطہ پر تھا اور اس طرف دہلی (؟) میں اور ایک طویل عرصہ تک عرب تمام دنیا کے طویل حصہ پر چمکتا رہا۔"[۵۲]

اس بے مثال اور محیر العقول عروج کا سرچشمہ آنحضرت صلعم کی دلکش و دلنواز شخصیت تھی آپ کی حیرت انگیز شخصی کشش اور آپ کے اصولوں کی ہمہ گیر صداقت نے ہر گوشہ اور ہر طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا تھا اور چاروں طرف عقیدت کے بے مثال جذبات پیدا کر دیے تھے۔ یہ آپ کے اعلیٰ شخصی صفات، عزم کی صلابت اور پرخلوص شفقت کا اثر تھا کہ آپ کی قوم آپ کے ادنیٰ جنبش پر نثار ہونے کو ہر وقت تیار رہی ہے۔

آپ کے ارشادات کسی مطلق العنان صاحب کشور نگیں کے احکام نہ تھے۔ جاہ و جلال اور

---

۵۱ "آنحضرت صلعم اور جوانی" ۵۲ "ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ" ص[illegible]

طاقت وثروت کے مظاہر عوام کے قلوب میں اکثر انقیاد و مرعوبیت پیدا کر دیتے ہیں لیکن آپ کو نمود اور نمائش سے فطری نفرت تھی۔ آپ نے کبھی اپنے پاس شان وشوکت کے لوازم جمع نہ ہونے دیئے۔ تواضع وانکساری اور عاجزی وخاکساری آپ کی پسندیدہ اخلاقی صفات تھیں۔ آپ اپنی بندگی اور بے مائیگی کا ہر نفس اقرار و اعلان فرماتے رہتے تھے۔ انبیاء کی عبدیت آپ کے لائے ہوئے دین کا بنیادی عقیدہ تھی۔ آپ بے تکلف فرمادیا کرتے تھے کہ "میں تو ایک آدمی ہوں۔ جب دین کا کوئی حکم دوں تو اُسے قبول کرو اور جب امورِ دنیا میں کوئی مشورہ دوں تو میں محض ایک آدمی ہوں .... میں خدا پر جھوٹ نہ کہوں گا" [۱] اور یہ بھی کہ "میری شان میں مبالغہ نہ کرو، جیسا کہ یہود اور نصاریٰ نے اپنے پیغمبروں کی شان میں کیا ہے" [۲] اس سب کے باوجود آپ کی قوم کی وفاشعاری اور جاں نثاری کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے شاہی درباروں کے نمائندے دیکھتے تھے اور حیرت کرتے تھے۔

آج آپ کے عہد کو تیرہ سو برس گذر چکے ہیں۔ آپ کے غلاموں کی تعداد اب تیس کروڑ سے اوپر ہے وہ دنیا کے تمام گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ عام روحانی اور اخلاقی انحطاط کا ان پر بھی اثر پڑا ہے اور وہ دین قیم کی صاف، سیدھی اور روشن راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ لیکن اب بھی وہ اپنے آقا اور رسول کے نام وناموس کی خاطر بڑی سے بڑی قربانی کو حقیر سمجھتے ہیں اور جب آپ کا نام سنتے ہیں، تو ادب سے آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں اور درود اور سلام بھیجنے لگتے ہیں۔

جیسا کہ اب سے تیس برس پہلے ایک برطانوی اخبار میں شائع ہوا تھا "اگر کسی مردِ عظیم کے بلند پایہ پیغام کے جانچنے کا پیمانہ تقدیس و تعظیم کے وہ جذبات ہیں جو اس کے الفاظ ان لوگوں میں پیدا کرتے ہیں جو ان کی آسمانی نوعیت پر یقین رکھتے ہیں تو محمدؐ کا شمار عظیم ترین ہستیوں میں یقیناً ہونا چاہیئے" [۳]

(۲)

نبی اکرمؐ کی ذات ہمیں ایک معیاری شخصیت کی حامل نظر آتی ہے۔ جو دس برس کے مختصر عرصہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے تمدن، ایک نئے فلسفۂ حیات اور ایک نئی شریعت کی بنیاد رکھ کر ایک نئی قوم

---

۱ مسلم ۲ بخاری۔ کتاب الانبیاء ۳ "ڈیلی اکسپریس" لندن مورخہ ۱۰ نومبر ۱۹۳۰ء

پیدا کرتی ہے اور قدامت پرستی، توہم، ضد اور مخالفت کے باوجود گویا کہ اس (قوم) کی خواہش اور ارادہ کے بالکل خلاف اس کو روحانی و مادی ترقی اور سرفرازی کی شاہ راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔

دس برس کے اندر تمام ملک عرب میں امن و امان قائم ہو گیا تھا، قبائل کی خانہ جنگیاں ختم ہو چکی تھیں، جرائم کا بازار سرد پڑ گیا تھا، رہزن رام ہو گئے تھے۔ خدا کا یقین عوام کی زندگی کا ایک اہم عنصر بن گیا تھا۔ اپنے خلوت و جلوت کے تمام معاملات میں اس کی حاضر و ناظر ذات کو محسوس کرتے تھے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آ گیا تھا جس میں امن قائم رکھنے کے لیے پولیس کی حاجت نہ رہی تھی۔ جرم مفقود ہو گئے تھے اور اگر کسی سے کوئی جرم سرزد ہو بھی جاتا تھا تو وہ خود بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اقرار کر لیتا تھا۔

آنحضرت صلعم نے ایک بار بشارت دی تھی کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا کہ صنعاء (یمن) سے حجاز تک ایک محمل نشین خاتون تنہا سفر کرے گی اور اسے علاوہ خدا کے کسی کا خوف نہ ہو گا۔ لوگ اس پر تعجب کرتے تھے کہ جس ملک میں بڑے بڑے قافلے سلامتی کے ساتھ نہیں گذر پاتے تھے وہاں پردہ نشین عورت ذات مسافروں کو اتنا اطمینان بھلا کیسے نصیب ہو گا لیکن چند ہی سال بعد عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشین گوئی کے مطابق ایک عورت صنعاء سے حجاز تک تن تنہا سفر کرتی تھی اور راستہ میں اسکو کسی طرح کا خطرہ نہیں ہوتا تھا۔[۵]

خارجی خطرہ کا انسداد بھی آپ ہی کے سامنے ہو گیا تھا۔ عرب کے سرحدی علاقے رومیوں اور ایرانیوں کے پنجۂ ظلم سے آزاد ہو گئے تھے اور تھوڑے ہی عرصہ بعد مسلمانوں نے ان کی طاقت پامال کر کے رکھ دی۔

فتنہ و فساد کی جگہ صلح و امن کے قائم ہوتے ہی لوگوں کی روحانی اور اخلاقی صلاحیتوں نے ابھرنا شروع کیا اور ان میں زندگی کی نرم اور حسین قدروں کا شعور پیدا ہوا۔ عورتوں کو بے حرمت کرنے والے حقوق نسواں کے سب سے بڑے حامی بن گئے۔ جہاں بے قید کثرت ازدواج نے ایک وبائی شکل اختیار کر لی تھی وہاں نکاحوں کی تعداد متعین ہو گئی۔ جہاں گھر گھر شراب خانے کھلے رہتے تھے وہاں

۵۔ صحیح بخاری

شراب ایسی حرام ہوئی کہ گلیوں میں مے نوشی کے ٹوٹے ہوئے برتنوں کے ڈھیر لگ گئے۔ رنگ و نسل کی تفریق ایسی مٹی کہ آقا و غلام میں فرق کرنا مشکل ہو گیا۔ جھوٹ، غیبت، بہتان، رشوت، سود، قمار، ظلم، اولاد کشی اور حق تلفی وغیرہ کے بجائے ان کے برعکس اوصاف نے رواج پایا۔ جہاں ہر خاندان ایک علیٰحدہ دیوتا کے آگے سر جھکاتا تھا وہاں معبود حقیقی کے علاوہ باقی تمام خدا اور خداوند جھوٹے ہو گئے اور جو لوگ اسی دنیائے آب و گل کی لذتوں کو زندگی کا ماحصل سمجھتے تھے ان میں آنے والی زندگی کا ایسا احساس پیدا ہو گیا کہ اس میں کام نہ آنے والے تمام اعمال و عادات خود بخود موسم خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ گئے۔

سید امیر علی کہتے ہیں کہ "ان چند برسوں نے واقعی کیا انقلاب دیکھا تھا۔ یقیناً جنت کا کوئی فرشتہ ملک سے ہو کر گذر گیا تھا جس نے ان لوگوں کے قلوب میں محبت اور لطافت کا جادو پھونک دیا تھا جو اس وقت تک نیم درندگی کی انتہائی قابل نفرت پستیوں میں دھنسے ہوئے تھے۔ لاقانونیت کا وہ جنگل جہاں تمام خدائی اور انسانی قوانین بلا جھجک جھٹلائے اور توڑے جاتے تھے، گلزار بن گیا تھا۔"[1]

سید امیر علی کے اس بیان کی بابت ممکن ہے کہ بعض غیر مسلم حلقوں میں سوچا جائے کہ ان کا قلم جوش عقیدت کی رَو میں تاریخی دیانت داری کی حد سے گذر گیا تھا، مگر سر ولیم میور کی "لائف آف محمدؐ" کے متعلق تو ایسا نہیں خیال کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:-

> "محمدؐ کے اصول مختصر اور سیدھے سادھے تھے۔ ان کی تعلیم نے غیر معمولی کامیابی حاصل کی۔ اس زمانہ سے لے کر جب ابتدائی مسیحیت نے دنیا کو خواب گراں سے چونکایا تھا اور کفر کے خلاف جان توڑ جد وجہد کا بیڑا اٹھایا تھا، لوگوں نے اس طرح کی روحانی بیداری کا منظر نہیں دیکھا تھا اور نہ اس طرح کی ایمانی قوت دیکھی تھی جو ضمیر کی خاطر تمام قربانیاں اور مال واسباب کا نقصان بخوشی برداشت کراتی تھی۔

---

[1] "اسپرٹ آف اسلام"

"........ ہجرت سے تیرہ سال قبل کہ اس ذلیل حالت میں بے جان پڑا ہوا تھا۔ ان تیرہ برسوں نے اب کیسی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ سیکڑوں آدمیوں کے گروہ نے بت پرستی ترک کر دی تھی۔ ایک خدا کی عبادت اختیار کر لی تھی اور خود کو مکمل طور پر اس ہدایت کے سپرد کر دیا تھا جس کی بابت۔ ان کو یقین تھا کہ خدا کی طرف سے تھی۔ وہ اسی قادر مطلق سے رحم و عفو کے طالب ہوتے تھے اور صدقہ و خیرات، عصمت و عفت اور عدل و انصاف جیسے اچھے کاموں میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اب خدا کی بے پناہ قوت کو ہر وقت محسوس کرتے ہوئے زندگی گذارتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹے معاملوں میں بھی اسی کارساز پر نظر رکھتے تھے۔ قدرت کے تمام عطیوں میں، زندگی کے تمام مرحلوں اور زمانہ کے انقلابوں میں خواہ وہ نجی ہوں یا اجتماعی ان کو اسی کا ہاتھ نظر آتا تھا۔ مزید براں، اس نئی زندگی کو عنایت ربانی کی ایک خاص علامت سمجھا جاتا تھا اور انکار کرنے والوں کی بدقسمتی کو بڑھتے ہوئے عذاب کا نتیجہ۔ ان کے نزدیک محمد زندگی کے معلّم تھے، بفضل ایزدی ان کی نئی امنگوں کے مخزن تھے اور وہ ان کی مکمل اطاعت کرتے تھے۔

"........ حضرت موسیٰ کی صدائے حق مدینہ والوں کے کانوں میں عرصہ ہوا پڑ چکی تھی، لیکن رسول عربی کے روح کو بیدار کرنے والے نغمہ کو سننے کے بعد ہی وہ اپنی گہری نیند سے چونکے اور ایک نئی اور پرخلوص زندگی میں یکایک منہمک ہو گئے۔"

آنحضرت صلعم کا پیغام آپکی قوم کے مزاج کی طرح صاف اور سادہ تھا لیکن وہ یورپین مورخ سرتاپا غلطی پر ہیں جو آپ کی کامیابی کا سبب آپکے احکام کا مکروہات اور ممنوعات کے بارہ میں ڈھیلا ڈھالا ہونا بتاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام خون اور گوشت کے مطالبات کی بیدردانہ پامالی نہیں کرتا ہے اور نہ کوئی مذہب جو فطرت کے مطابق ہونے کا دعویٰ کرے ایسا کر ہی سکتا ہو لیکن اس کے ساتھ یہاں نفس کا اتنا مستحکم محاصرہ بھی ہو کہ کسی معاملہ میں من مانی کرنے کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔ شرع محمدی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ایسی واضح حدبندیاں ہیں جو مومن کی زندگی کو نظم و نسق کی تصویر بنا دیتی ہیں۔ جو دین دن میں پانچ وقت کی نماز اور سال میں تیس دن کے مسلسل روزے فرض کرتا ہو، جو لباس اور جسم کی طہارت پر سخت

پابندیاں لگاتا ہو، جو دنیا کو مومن کا جیل خانہ بتاتا ہو، جو زندگی کی ہر سانس کو ایک ہی خدا کی اطاعت میں گذارنے کا حکم دیتا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ اس کی جاذبیت کا راز نفس پروری کے مواقع مہیا کرنے میں ہے۔

یہاں کارلائل کا یہ قول نقل کرنا بے محل نہ ہوگا کہ "(محمد کا) مذہب آسان نہیں ہو۔ اس میں سخت قسم کے روزے ہیں۔ غسل و وضو کی قیدیں ہیں۔ طرح طرح کے مشکل مسائل ہیں، دن کی پانچ وقت کی نماز ہے اور شراب کی حرمت ہے۔ اس کی کامیابی کا سبب اس کا آسان ہونا نہیں ہو۔"

پیغمبر صلعم کی شخصیت کی جامعیت، آپ کے ارادہ کی پختگی، آپ کی دعوت کی تاثیر، آپ کے پیغام کی صداقت، آپ کی نیت کے اخلاص، آپ کے اخلاق کی پاکیزگی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت وعنایت سے افق عرب سے رفتہ رفتہ تمام تاریکیاں دفع ہوگئیں اور ایک نئی صبح کا پرچم لہرانے لگا، ایک متحدہ قومیت ایک متحدہ حکومت، ایک متحدہ تمدن، ایک منضبط قانون، ایک مکمل شریعت اور ایک ابدی مذہب کا درخشندہ دور وجود میں آگیا۔

(۳)

یہ مبارک دور عرب تک محدود نہیں رہا۔ جو ساری دنیا کو خوشخبری سنانے، ڈرانے، ہشیار کرنے اور پاک وصاف بنانے آیا تھا، جس کی حیثیت انسانیت کے آخری معلّم اور "نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ کی تھی" اس کا پیغام کسی جغرافیائی یا نسلی خطہ کے لیے مخصوص نہیں تھا۔ اسلام [illegible] دنیا کے بہت بڑے حصّہ پر چھا گیا۔

اسلام کی روحانی اور علمی برکتوں کا رفتہ رفتہ یورپ پر اثر پڑنا شروع ہوا جو اس وقت تک نیم شائستگی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ اسلامی اسپین کے علمی اور تہذیبی مراکز ہی درحقیقت روشنی کے وہ منارے تھے جن کی بدولت یورپ کو قرون وسطیٰ کے اندھیرے سے نکلنا نصیب ہوا۔ پھر صلیبی جنگوں نے مختلف یوروپین قوموں کو اسلامی تمدن سے براہِ راست روشناس ہونے کا بیش قیمت موقع بہم پہونچایا۔ اس طرح یورپ کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آئی اور تاریخ کے جدید دور کا آغاز ہوا۔

مسلمانوں نے یورپ اور کل دنیا کو کیا کچھ دیا اس کو بیان کرنے کے لیے دفتر چاہئیں۔ بریفالٹ کا فیصلہ ہے کہ "اگرچہ یورپ کی نشوونما کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلامی تمدن کا فیصلہ کن اثر

نہ پڑا ہو، لیکن یہ اثر سب سے زیادہ نمایاں اس صلاحیت کو بیدار کرنے میں پایا جاتا ہے جو جدید دنیا کی سب سے نمایاں اور امتیازی شان ہے یعنی طبیعاتی سائنس اور سائنٹفک اسپرٹ۔"[1]

دوسرے الفاظ میں قدیم سے جدید کی طرف تاریخ کا دھارا اسلام ہی نے موڑا۔

موجودہ زمانہ کے ایک مورخ پروفیسر ٹوائن بی نے اسلام کے تمدنی اثرات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نسلی تفریق اور اونچ نیچ کا انسداد اور شراب کی حرمت یہ دو ایسے کارنامے ہیں کہ انھیں موجودہ تہذیب میں اسلام کے مستقل اضافے کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے اس نام نہاد جمہوریت اور برابری کے دور میں بھی اخوت اور مساوات کی بات درحقیقت فریب آرزو سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ نعرہ بازی اور مصلحت آمیز جھوٹ سے الگ ہو کر اگر دیکھا جائے تو بھی سمجھ میں آتا ہے کہ یا تو برابری اور برادری کے اعلانچی ان اعلیٰ معنوں کے صحیح مفہوم ہی سے بے خبر ہیں اور یا جان بوجھ کر دنیا کو، یا کم از کم پسماندہ دنیا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ امریکہ میں حبشی النسل اشخاص دوسرے درجہ کے شہری تصور کیے جاتے ہیں۔ براعظم افریقہ میں کالے گورے کی جنگ جاری ہے۔ ہندوستان کی کئی کروڑ آبادی اچھوت بنی ہوئی ہے۔ معاشرتی اور اقتصادی حالات پر اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز ایک علیحدہ مصیبت ہے۔

دعوت اسلام کی بنیاد توحید پر ہے اور اس کا لازمی نتیجہ نوع انسانی کی وحدت کا اعتراف ہے۔ جب تمام انسان ایک ہی ذات پاک کے خلق کیے ہوئے ہیں تو پھر رنگ و نسل کے امتیازات اس سے زیادہ اور کیا حیثیت رکھ سکتے ہیں کہ یہ صرف تعارف کا ذریعہ ہیں۔ باقی عزت و شرافت میں ان کو کوئی دخل نہیں، چنانچہ فرمایا گیا۔

یا ایہا الناس انا خلقناکم من
ذکر و انثیٰ و جعلناکم شعوبا
و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم
عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا
اور تمھارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں
ایک دوسرے کو پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے
نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔
خدا دانا اور واقف کار ہے۔ (القرآن)

---

[1] [illegible]

شادی بیاہ کے موقعوں پر حسب نسب کی تلاش ایک عام بات ہے۔ نبی اکرم اس انسانی کمزوری کے خطرناک امکانات سے خوب واقف تھے۔ آپ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کی شادی مکہ کے زرخرید غلام زید بن حارثہ سے کر کے مساوات کا عملی نمونہ پیش کیا۔ اسی طرح آپ نے حضرت ابو حذیفہ کی بھتیجی اور قریش کی ممتاز خاتون فاطمہ بن ولید کا عقد ابو حذیفہ کے غلام اسامہ سے کرایا تاکہ آقا و غلام کے درمیان شرعی برابری کا سبق اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے۔

مدینہ کے انصار اپنی بیٹی دینے میں بہت سخت تھے۔ یہاں تک کہ جب قریش کے ممتاز رئیس ہاشم بن عبد مناف نے مدینہ کی ایک خاتون سے نکاح کی درخواست کی تھی تو اس کے قبیلہ نے اس شرط پر اجازت دی تھی کہ وہ کبھی رخصت ہو کر مکہ نہ جائے گی۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسی قبیلہ کی کایا ایسی پلٹی کہ ایک روز حضرت بلال نے مسجد میں کہا کہ میں غلام ہوں، حبشی ہوں، بے مایہ ہوں، بہ ایں ہمہ شادی کا خواہاں ہوں تو اس کے کئی معزز خاندانوں نے ان سے رشتہ قائم کرنے کی خود پیش کش کی۔

غرضکہ رسول اللہ صلعم نے قول او نصیحت کے ساتھ اپنے عمل سے بھی عدم مساوات کے جملہ احتمالات کا خاتمہ کر کے اپنی ہی زندگی میں ایک ایسی سوسائٹی پیدا کر دی تھی جس میں اخوت اور برابری کی حیثیت صرف دلخوشکن نظریہ کی نہیں بلکہ عملی حقیقت کی ہو گئی تھی۔ آپ سے قبل نوع انسانی کو مساوات کا پیغام تو اکثر دینی رہنما سنا چکے تھے، مگر ان کے ذہنوں میں انسانی وحدت کا کوئی واضح تصور نہیں تھا۔ یہ کمی اسلام نے پوری کی۔ "تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔" یہ واضح اعلان پیغمبر اسلام ہی کی زبان سے ہوا۔

فلنٹ کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ "کسی مسیحی مصنف یا اس سے بھی کم رومی سلطنت کے کسی شخص کو انسانی وحدت کے عام اور مبہم تصور سے زیادہ کا حقدار نہیں ٹھہرایا جا سکتا ہے۔"

یہ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر فاروق کا سفر شام والا واقعہ آج تک مثال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ خلیفہ ثانی عازم شام ہوئے تو ایک اونٹ تھا اور دو سفر کرنے والے۔ ایک آپ خود، ایک آپ کا غلام، چونکہ اونٹ کی پچھلی نشست پر زاد راہ اور اونٹ کے لیے کھجور کی گٹھلیاں لدی ہوئی تھیں اس لیے یہ طے پایا کہ نوبت بہ نوبت ایک سوار ہو اور دوسرا پیدل چلے۔ آخری منزل پر غلام کے سوار ہونے کی باری آئی تو آقا اتر پڑے۔ ادھر دار السلطنت شام میں

اسلامی افواج امیر المومنین کے استقبال کے لیے صف بستہ تھیں اور مختلف قوموں کے بہت سے لوگ اس جشن پرحشم کا تماشہ کرنے کو جمع ہو گیے تھے کہ گرد راہ سے ایک اونٹ نمودار ہوا۔ مسلمان امراء پیشوائی کے لیے بڑھے، غیر مسلم تماشائیوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ انھوں نے مسلمانوں سے پوچھا "کیا آپ کے خلیفہ یہی ہیں جو اونٹ پر سوار ہیں؟" اس پر ایک مجاہد نے جواب دیا "نہیں، ہمارے خلیفہ وہ ہیں جو پیدل چل رہے ہیں۔ اونٹ پر ان کا غلام سوار ہے"۔

عہد فاروقی ہی کا ذکر ہے کہ سلطنت غسان کا عیسائی شہزادہ جبلہ بن ایہم جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور مسلمانوں میں اس کی بڑی عزت ہوتی تھی ایک بار خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک بدّو کا پاؤں اس کے چوغہ کے دامن پر پڑ گیا۔ شاہی مزاج اس کا متحمل نہ ہو سکا اور شہزادہ نے پلٹ کر بدّو کے منھ پر طمانچہ مار دیا۔ بدّو نے امیر المومنین کی خدمت میں استغاثہ پیش کر دیا۔ انھوں نے شہزادہ کو طلب فرمایا، شہزادہ نے اپنے فعل کا اعتراف کیا مگر اس نے کہا کہ:-

"میں ایک سلطنت کا حکمراں ہوں۔ اگر میں نے اس دہقانی کو مار دیا تو کیا ہوا؟" ارشاد ہوا "اسلام میں شاہ و گدا میں کوئی امتیاز نہیں ہے۔ تم اسے راضی کر لو ورنہ بدلہ دینا پڑے گا"۔ اس نے ایک دن کی مہلت مانگی اور شبا شب مکہ سے مفرور ہو کر مرتد ہو گیا۔ حضرت فاروق کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے فخر کے ساتھ سجدۂ شکر ادا کیا کہ دنیوی مصلحتیں انھیں شرعی احکام پر عمل کرنے سے نہیں روک سکی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ ایک یہودی نے آکر حضرت فاروق کی خدمت میں عرض کیا کہ "امیر المومنین میں علی کے خلاف دعویٰ لے کر آیا ہوں"۔ حضرت فاروق نے حضرت علی سے فرمایا "ابو الحسن سامنے کھڑے ہو کر جواب دو"۔ حضرت علی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے لیکن حضرت فاروق نے محسوس کیا کہ ان کے چہرہ پر کچھ ناگواری کی جھلک آگئی تھی دعویٰ سنا گیا، مدعی جھوٹا ثابت ہوا۔ جب وہ فیصلہ سن کر چلا گیا تو حضرت عمر نے حضرت علی سے کہا "میں ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں"۔ انھوں نے کہا "ضرور پوچھو"۔ حضرت عمر نے کہا "کیا تمھیں اس حالت میں یہودی کے برابر کھڑا ہونا ناگوار ہوا تھا"۔ انھوں نے جواب دیا۔ "ہرگز نہیں، میری ناگواری کا سبب یہ بات ہوئی تھی کہ تم نے اس کے سامنے مجھے میرے نام کے بجائے ابو الحسن کے لقب سے خاطب کیا تھا۔ اگر اس یہودی کو گمان ہو جاتا کہ تم انصاف کے معاملہ میں مجھے

اس پر ترجیح دیتے ہو تو ہماری عدالت پر ہمیشہ کے لیے دھبہ آجاتا ۔"

اسلامی تمدن کی تاریخ میں ایسے نظائر بے شمار ہیں اور اوراق کا دامن تنگ ہے، چنانچہ عہدِ مرتضوی کا ایک واقعہ بیان کر کے اس سلسلہ کو ختم کیا جاتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ اپنے دورِ خلافت میں ایک روز ایک غلام کے ساتھ کپڑا خریدنے بازار تشریف لے گیے۔ اور بزاز کی دوکان پر پہونچکر غلام سے فرمایا کہ میرے اور اپنے لیے کپڑے پسند کرلو۔ غلام نے کچھ قیمتی کپڑے پسند کیے اور کچھ سستے۔ قیمتی امیر المومنین کے لیے اور سستے اپنے لیے درزی کے دہاں حضرت علی نے سستے کپڑے اپنے لیے قطع کرائے اور قیمتی غلام کے لیے تو غلام نے عرض کیا کہ "آپ میرے آقا اور امیر المومنین ہیں، آپ کو نفیس لباس پہننا چاہیئے ۔" اس پر امیر المومنین نے نرمی سے فرمایا " میں بڈھا ہوچکا ہوں، تم جوان ہو، تم کو خوبصورت پوشاک زیادہ زیب دے گی ۔"

پروفیسر ٹوائن بی نے اسلام کا دوسرا تہذیبی شاہکار تحریمِ خمر بتایا ہے۔

۱۹۲۰ء میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایک اساسی ترمیم کے ذریعہ شراب کی ممانعت کردی گئی تھی۔ بس اجازت یافتہ شراب خانوں کا بند ہونا تھا کہ ملک میں لاکھوں خفیہ شراب خانے کھل گیے جن میں ایک تو قیمت بہت زیادہ وصول کی جاتی تھی اور دوسرے شراب نہایت گھٹیا قسم کی ملتی تھی جو صحت کے لیے بہت مضر ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ دوکانیں حرام کاری کے اڈے بن گیے تھے جہاں شراب کے ساتھ نوجوان لڑکیوں کی عصمت بھی پانی کی طرح لٹا کرتی تھی۔

قانونِ تحریم کے بعد مے فروشی کا پیشہ اتنا نفع بخش ہو گیا تھا کہ بے شمار آدمی اپنا روزگار چھوڑ کر اس میں شامل ہو گیے تھے۔ چلتے پھرتے میخانے الگ تھے۔ شراب کا کاروبار کرنے والے ــ ہوٹلوں کارخانوں اور تفریح گاہوں وغیرہ میں چوری چھپے شراب پہونچاتے تھے اور نئے گاہک پیدا کرتے تھے۔

شہروں کے علاوہ گاؤں گاؤں شراب کشید کرنے کے خفیہ کارخانے کھل گیے تھے، تحریم سے پہلے امریکہ میں کل چار سو اجازت یافتہ عرق کشی کے کارخانے تھے۔ تحریم کے بعد سات سال کے اندر ۷،۹۳۳، کارخانے اور ۹۲۸۳۱ بھٹیاں پکڑی گئیں۔ قلیل ترین اندازہ یہ ہو کہ امریکہ میں شراب کا روزگار کرنے والوں میں دس گنا اضافہ ہو گیا تھا [۱]

---

[۱] سید ابوالاعلیٰ مودودی تنقیحات ، ص ۳۶

شراب بندی کے سلسلہ میں قانون کی بے دھڑک خلاف ورزی کے نتیجہ میں عمومی طور پر قانون کا احترام بھی دلوں سے اٹھ گیا تھا۔ جرائم اتنا زور پکڑ گیے تھے کہ پُرامن لوگوں کا رات میں نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔ قتل کے جرائم میں ساڑھے تین سو فیصدی کا اضافہ ہو گیا تھا۔

بالآخر سنہ ۱۹۳۳ء میں حکومت نے ہار مان لی اور قانونِ تحریم واپس لے لیا گیا۔ چودہ برس بعد میخانے پھر جاگ اُٹھے اور امریکن قوم نے اطمینان کا سانس لیا۔

امریکا ایک جمہوری طرز کا ملک ہے جہاں رائے عامہ کے ذریعہ حکومت ہوتی ہے۔ عوام کی رائے کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ یہی صورت قانونِ تحریم کی بھی تھی۔ یعنی سنہ ۱۹۲۰ء میں امریکن قوم کی اکثریت نے اپنی خوشی سے شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اور پھر سنہ ۱۹۳۳ء میں اسی اکثریت کو یہ اقرار کرنا پڑا تھا کہ شراب کی اخلاق سوزی مسلّم، اس کا ام الخبائث ہونا برحق مگر ہم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔

ان چودہ برسوں میں حکومت نے شراب کے خلاف پروپیگنڈہ پر کروروں روپیہ صرف کیا تھا، اور لوگوں کو شراب سے باز رکھنے کی کوئی تدبیر اٹھا نہیں رکھی تھی۔ لیکن بے سود۔ برخلاف اس کے اب سے چودہ سو برس پہلے جب پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی ممانعت فرمائی تھی تو نہ وہاں تعلیم کی روشنی تھی نہ حکومت کے تنظیمی ادارے، نہ نشر و اشاعت کے موثر آلات، اور لوگ اس پایہ کے رسیا تھے کہ ان کی زبان میں اس کے ڈھائی سو کے قریب نام اب بھی پائے جاتے ہیں۔

شراب کے متعلق سب سے پہلے یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی تھی:-

یسئلونک عن الخمر والمیسر	لوگ تم سے شراب اور جوے کی بابت پوچھتے
قل فیہما اثم کبیر ومنافع	ہیں۔ کہدو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے۔
للناس واثمہما اکبر من نفعہما	اور کچھ فائدے بھی ہیں لیکن ان کی برائی
(بقرہ)	فائدے سے زیادہ ہے۔

یہ کوئی حکم نہ تھا۔ لوگوں سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ شراب ترک کر دو۔ صرف یہ بتایا گیا تھا کہ اس میں جوے کی طرح نفع کم اور نقصان زیادہ ہے۔ پھر بھی اس ارشادِ ربانی کے بعد مسلمانوں کے

ایک طبقہ نے شراب سے توبہ کر لی۔

بعض لوگ نشہ کی حالت میں نماز میں شریک ہو جاتے تھے اور طرح طرح کی غلطیاں کر بیٹھتے تھے۔ اس کی بابت شرعی حکم کی ضرورت ہوئی تو یہ آیت نازل ہوئی:۔

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی حَتّٰی تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (نساء)	نشہ کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ (تم کو نماز ایسی حالت میں ادا کرنا چاہیے) کہ تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

اس کے بعد اگر شراب کے رسیئے نماز سے دور دور رہنے لگتے تو کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی لیکن ایسا نہ ہوا۔ لوگوں نے بادہ نوشی کے اوقات مقرر کر لیے کہ نماز میں خلل نہ پڑے۔ دن میں نہ سہی رات ہی میں سہی قوم کا بہت بڑا حصہ اب بھی شراب پیتا رہا۔ صرف نماز ہی کے اوقات میں تو ہوش وحواس کی درستی ضروری تھی، باقی اوقات میں شغل مینا پر کوئی پابندی نہ تھی۔ لوگ رات میں آزادی سے پیتے تھے اور فتنہ و فساد برپا کرتے تھے۔ لیکن مندرجہ بالا احکام نے تحریم خمر کے آخری اعلان کے لیے راستہ ہموار کر دیا تھا۔ چنانچہ کچھ مدت بعد یہ قطعی حکم نازل ہوا کہ:۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ (مائدہ)	اے ایمان والو بیشک شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو تاکہ فلاح پاؤ۔

جس وقت یہ آیت اتری حضرت ابوعبیدہ کے گھر پر کچھ احباب جمع تھے اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ ایک شخص نے آکر اطلاع دی کی شراب حرام ہو گئی اور سوال وجواب کے بغیر لوگوں نے یکا یک جام وسبو ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ تنہا ابوعبیدہ کے گھر کی کوئی تخصیص نہیں۔ جیسے جیسے خبر شہر میں گشت کرتی گئی لوگ اپنے اپنے گھروں سے شراب اٹھا اٹھا کر باہر پھینکتے گئے، یہاں تک کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارے ملک عرب سے بادہ پرستی کا نام ونشان مٹ گیا، بعد میں اسلام جہاں جہاں پہونچا وہاں وہاں شراب کی ساخت و پرداخت اور

خرید و فروخت کا قلع قمع ہو گیا۔

آج بھی جب کہ مسلمانوں میں دینی رجحان کمزور پڑ گیا ہے شراب سے پرہیز کرنے والوں کا جو اوسط ان میں ہے دنیا کی کسی قوم میں نہیں پایا جاتا ہے اور جو مسلمان اس گناہ کے مرتکب ہوتے بھی ہیں تو ان میں سے اکثر اسے برا سمجھتے ہیں اور چھپا کر پیتے ہیں۔

(۴)

پیغمبروں کا کام مصلحوں اور مقننوں کے کاموں سے بدرجہا بلند ہے۔ ان کا اصلی فرض دینی ہدایت اور رہبری ہے یعنی لوگوں کو اوہام و خرافات سے نجات دلا کر رب العلمین سے ان کا رشتہ جوڑنا۔ جتنے بھی نبی آئے انھوں نے اسی اصول کو اپنی دعوت کا محور بنایا۔ ارشاد قرآنی ہے کہ:۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ۔ (القرآن زخرف)	اپنے سے پہلے رسولوں کے حالات معلوم کرو کہ کیا ہم نے کبھی اور کسی کو بھی ذات پاک رحمٰن کے علاوہ معبود ٹھہرایا جس کی لوگ عبادت کیا کریں۔

ان مقدس ہستیوں کو اللہ کی وحدت وحدانیت تسلیم کرانے میں کسقدر کامیابی ہوئی اس کا اندازہ مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں پر نظر ڈالنے سے بہ آسانی ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کی مسجدوں کے علاوہ کوئی عبادت گاہ ایسی نہیں ہے جہاں کسی نہ کسی شکل میں شرک موجود نہ ہو اور لطف یہ ہے کہ تمام معبدوں میں مسجدیں ہی سب سے زیادہ معمور ہیں۔ کہیں ہفتہ میں ایک بار جانا ضروری ہے کہیں ہفتہ میں دو بار اور کہیں زیادہ سے زیادہ دن میں ایک بار لیکن مسجدوں میں دن میں پانچ وقت کی حاضری ضروری ہے۔ اس کے علاوہ مساجد میں نہ زینت و آرائش کا کوئی سامان ہوتا ہے، نہ ساز و نغمہ کا اہتمام اور نہ نصرت جتانے کے لیے کسی مادی شے کا انتظام پھر بھی سب سے زیادہ عبادت گذار انہی میں ملتے ہیں۔

آنحضرت صلعم نے باطنی تصرف کے ساتھ عقلی براہین سے بھی کام لیا اور شرک کی شہ رگ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ مسلمانوں کو ان اطراف سے خطرہ نہ رہا۔ آپ نے وحدانیت کی حقیقت پوری طرح بے نقاب کر دی۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی العبادت، توحید فی الاستعانت

توحید فی العلم، توحید فی القدرت اور توحید فی التصرف کے الگ الگ عنوان قائم کیے اور ہر عنوان کے تحت میں مسائل پر ایسی بھرپور روشنی ڈالی کہ وقت کے الٹ پھیر ان میں ابہام پیدا کرنے سے معذور ہو گیے۔

یہی سبب ہے کہ دنیا کی تمام قوموں میں صرف مسلمان ہی خدا کی یکتائی اور بے مثالی پر مکمل عقیدہ رکھتے ہیں۔ باقی تمام مذہبی جماعتوں میں خدا کی ناقابل تعیّن ذات کو کسی نہ کسی طرح حدِّ تعیّن میں لانے کی کوشش نمایاں ہے۔ کہیں وحدت سے کثرت کی طرف مراجعت ہے، کہیں تثلیث کا چرچا ہے، کہیں ثنویاتی نقطہ نظر کی حمایت ہے۔

تمام مذاہب کی بنیاد رکھنے والوں میں صرف آنحضرت صلعم ہی پوری طرح پر انسان نظر آتے ہیں۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ دوسرے انبیاء انسانوں کے علاوہ کچھ اور بھی تھے لیکن وہ اپنی حیثیتوں کو واضح کرنے میں اس حد تک کامیاب نہ ہو سکے کہ ان کے پیروان کو انسانوں کے علاوہ کچھ اور بھی سمجھنے کی غلطی سے بچ سکتے۔ آپ نے الوہیت اور نبوت میں ادنیٰ سی بھی مشابہت نہ پیدا ہونے دی۔ اسی لیے جب کہ اکثر مذاہب اپنے بانیوں کے نام سے منسوب ہوئے آپ کا پھیلایا ہوا دین صرف اسی نام سے مشہور ہوا جو خدا نے اس کے لیے تجویز فرمایا تھا۔ یہ بھی آپ کی فریضۂ نبوت کی کامیاب ادائیگی کی ایک روشن دلیل ہے۔

داعیِ امن

از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی

[ذیل کا مضمون مجلس سیرت بمبئی نے ایک پمفلٹ کی شکل میں شائع کیا تھا اور ہمارے یہاں بغرض تبصرہ آیا تھا، تبصرہ کرتے وقت خیال ہوا تھا کہ اس کو الفرقان کے صفحات میں بھی جگہ دی جائے، مگر بعد میں یہ خیال ذہن سے اُتر گیا، آج ایک ضرورت سے تبصرہ شدہ کتابوں کا ڈھیر الٹ پلٹ کرتے میں یہ پمفلٹ سامنے پڑ گیا تو ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ ادارہ]

رسول اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے دُنیا جن حالات سے گزر رہی تھی، ان کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک نامور مستشرق مسٹر جے، ایچ، ڈنشن (J. H. DENSION) نے چند الفاظ میں اس دور کا نقشہ بڑی خوبی کے ساتھ کھینچ دیا ہے فرماتے ہیں :—

"پانچویں اور چھٹی صدیوں میں متمدن دُنیا انتشار اور بدنظمی کے کنارے پہنچ چکی تھی، پرانی جذباتی تہذیبیں جنھوں نے انسانوں میں وحدت اور اپنے حکمرانوں کے احترام کا احساس پیدا کرکے تمدن کے قیام کو ممکن بنا دیا تھا، اب شکستہ ہو چکی تھیں، اور کوئی ایسی چیز دریافت نہ ہو سکی تھی جو اُن کی جگہ لے سکنے کے قابل ہو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عظیم الشان تمدن جو چار ہزار سال کی مدت میں تعمیر ہوا تھا انتشار کے کنارے پہنچ گیا ہے، اور انسانیت پھر دور میں آنے والا ہے جب بربریت اور

دنیا پر وحشت چھائی ہوئی تھی، اور ہر قبیلہ اور ہر فرقہ دوسرے کے خون کا پیاسا تھا اور قانون یا نظم کا نام ونشان تک باقی نہ رہا تھا، قدیم قبائلی دستور اپنی قوت کھو چکے تھے عیسائیت کے پیدا کردہ نئے دستور وحدت اور نظم قائم کرنے کے بجائے تقسیم وتخریب کا کام کر رہے تھے، تمدن اس تناور درخت کی طرح جس کی پتیاں تمام دنیا میں پھیل گئی تھیں، کھڑا لڑکھڑا رہا تھا، اور اندر اندر بالکل سڑ گیا تھا، کہیں ایسی جذبات آفریں تہذیب نظر نہ آتی تھی جو قدیم تہذیب کی جگہ لے سکتی۔ اور انسانیت کو دوبارہ متحد کر کے تمدن کو تباہی اور بربادی سے بچا لیتی [1]"

یہ حالات تھے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اصلاحی دعوت کا آغاز کیا آپ کے سامنے کوئی ایک قبیلہ، قوم یا ملک نہ تھا، بلکہ آپ سارے عالم کو راہ حق دکھانا اور ساری نوع انسانی کو مشکلات اور مصائب سے نجات دلانا چاہتے تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ انسانیت کی وحدت کا تصور کسی کی ذہن میں باقی نہ رہ گیا تھا، اس دنیا میں خاندان تھے، قبیلے تھے، ریاستیں تھیں، ملک تھے، رنگ تھے اور نسلیں تھیں، لیکن انسان نہ تھے۔ آبادیوں کی علیحدگی، رنگوں کے فرق، ملکوں کی حد بندیوں، خاندانوں کے امتیاز نے انسانیت کو پارہ پارہ کر دیا تھا، اس انتشار میں اتحاد اور اس رنگا رنگی میں یک رنگی کا تصور ذہنوں سے نکل گیا تھا، اور لوگ بھول گئے تھے کہ وہ ایک ہی اصل کی فرع اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، معاشی ضرورتوں سے دور دور پھیل گئے ہیں، آب وہوا اور مشاغل کے فرق سے رنگ روپ بدل گئے ہیں، اور زبانوں اور تہذیبوں میں فرق پیدا ہو گیا ہے، بڑے بڑے فلسفی تک وحدت انسانی کے تصور کو فراموش کر چکے تھے کہ ارسطو جیسے شخص نے سکندر کو نصیحت کی تھی کہ

"تو یونانیوں کے ساتھ دوستوں اور رشتہ داروں کا سا برتاؤ کر اور ان کے علاوہ غیروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کر جیسا کہ درندوں اور درختوں کے ساتھ کیا جاتا ہے [2]"

انسانیت کی تفریق کا تخیل یہاں تک دماغوں پر چھا گیا تھا کہ خدا بھی ایک نہیں رہ گیا تھا بلکہ

---

[1] ملاحظہ ہو مسٹر ڈینسن کی کتاب "جذبات تمدن کی بنیاد کی حیثیت سے"

[2] ہاکنا کمک لائف آف دی اینشنٹ ورلڈ

ہر خاندان اور ہر قبیلہ کا ایک الگ معبود بن گیا تھا۔

ان حالات میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ انقلاب انگیز اعلان کیا:—

"سب انسان بھائی بھائی ہیں، نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے، نہ عجمی کو عربی پر کسی قسم کا تفوق حاصل ہے"۔ ؎

آپ نے فرمایا میں کسی ایک کا بھلا نہیں چاہتا ہوں بلکہ تمام انسانوں کو راہ حق دکھانا میرا مقصد ہے، کالے ہوں یا گورے میں سبھی کا خیر خواہ ہوں اور سارے عالم کے لیے امن و رحمت کا پیام لے کر آیا ہوں، آپ نے صرف زبان ہی سے یہ اعلان نہیں کیا بلکہ ان الفاظ کو اسلامی زندگی کا دستور العمل بنا دیا، خود بھی اس پر ساری زندگی عمل کیا، اور اپنے پیروؤں کو بھی اس پر عمل کی تاکید کی، آپ نے ان کے سامنے اپنے عمل کا ایک ایسا واضح نمونہ قائم کیا کہ انسانیت کی وحدت کا تصور کبھی ان کے دل سے نہ نکل سکا، اس طرح آپ نے عداوت و دشمنی اور افتراق و انتشار کی سب سے بڑی بنیاد ڈھادی۔ آپ نے یہ حقیقت بھی لوگوں کے دلوں میں اچھی طرح سے جمانے کی کوشش کی کہ انسانی وحدت کا تصور اس وقت تک پورے طور پر ذہن نشیں نہیں ہو سکتا جب تک کہ وحدت معبود کا عقیدہ دل نشیں نہ ہو جائے، جب تک ہر قبیلہ کا خدا الگ اور ہر قوم کا خالق جدا سمجھا جائے گا اس وقت تک ناممکن ہے کہ سب انسان کسی ایک مرکز پر جمع ہو سکیں، نفسیات اجتماعی کے علاوہ مشاہدہ فطرت اور مطالعۂ کائنات بھی اس نتیجہ تک پہنچاتے ہیں اور خلاق عالم کی یکتائی کا یقین دلاتے ہیں۔ ایک خدا نے تمام انسانوں کو بنایا ہے، اور سب آدمی ایک ہی اصل کی شاخیں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان ہی بنیادی حقیقتوں پر انسانیت کی تعمیر ہو سکتی ہے، اور نزاعوں اور تفرقوں کی جڑ کٹ جاتی ہے، اس لیے آپؐ نے ان دو اصولوں پر بہت زور دیا۔

ان بنیادی باتوں کے بعد تفرقے کی چند اور باتیں بھی تھیں، لوگ ذاتوں اور پیشوں کی بنا پر بھی ایک دوسرے سے الگ ہو گئے تھے، لیکن آپ نے اس تفریق کے خلاف بھی آواز اٹھائی، آپؐ نے پیشوں کو خاندانی قرار دیا، اور نہ انھیں عزت و ذلت کا معیار تسلیم کیا، بلکہ ہر شخص کو پوری آزادی دی کہ وہ اپنے حالات، ضروریات، مزاجی مناسبت اور طبعی ذوق کی بنا پر اپنے لیے جو پیشہ مناسب سمجھے

؎ سیرت نبوی

اختیار کرے کسی پیشے کی بنا پر کوئی شریف یا رذیل نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ اپنے اعمال کی بنیاد پر عزت یا ذلت کا مستحق ہوگا، اگر سلیقہ، دانش مندی اور ایمان داری کے ساتھ کام کرے گا تو عزت کی نظر سے دیکھا جائے گا، لیکن بدسلیقگی، فریب اور بددیانتی سے کام کرنے والا بُرا سمجھا جائے گا، خواہ کتنا ہی اہم پیشہ کیوں نہ اختیار کرے، رنگ و نسل اور ملک و قوم کے ہاتھوں دُنیا جس طرح مصیبت میں مبتلا تھی، اسی طرح شاید بلکہ اس سے بھی زیادہ مذہبی گروہ بندیاں انسانیت کے لیے تباہ کن تھیں، ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذہب کے ماننے والوں کے جانی دشمن تھے، اور اپنے خیالات و مقاصد سے اختلاف رکھنے والوں کو قابل گردن زدنی سمجھتے تھے اپنے مذہب پر عمل کرنے کے خیال سے زیادہ دوسرے مذہب والوں کے ساتھ دشمنی کا جذبہ عام تھا، یہ تعصب بسا اوقات دیوانگی کی حد تک پہنچ جاتا تھا، اور درندوں کی طرح انسان انسان کا خون چوسنے میں مطلق تامل نہ کرتے تھے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعصب کی ماری ہوئی دنیا کو غور و فکر، صبر و تحمل اور انصاف و رواداری کی تلقین کی، آپؐ نے اپنے نامۂ ہدایت کا یہ روادارانہ اعلان پڑھ کر سنایا "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" دین کے بارے میں کسی قسم کا جبر روا نہیں ہے، آپؐ نے لوگوں کو سمجھایا کہ عقیدہ دل کے یقین کا نام ہے یہ مقصد زبردستی سے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ جبر سے زبان بند کی جاسکتی ہے لیکن دل مطمئن نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لیے تشدد کے بجائے اپنی بات اس طرح سمجھانے کی کوشش کرنا چاہیے کہ وہ مخالف کے دل میں اُتر جائے، اس موقع پر آپؐ نے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ، ہر گروہ اپنے خیالات میں مگن ہوتا ہے

اس لیے کسی کے خیالات پر دل آزار طریقہ سے تنقید ناگواری کا باعث ہوتی ہے، بحث و گفتگو میں اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہماری کسی بات سے مخالف کے دل کو ٹھیس نہ لگنے پائے، ورنہ اس کے اندر انقباض کی کیفیت پیدا ہو جائے گی، اور معقول سے معقول بات بھی اس پر اثر نہ کرے گی۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ

اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دو اور ان سے بہت ہی اچھے طریقہ سے بحث کرو۔

اس ہدایت کے ساتھ آپؐ نے مذہب کی حقیقت، اس کا مقصد اور اس کی حقیقی تعلیمات کو سمجھنے

کی جانب توجہ دلائی، دُنیا کے تمام مذاہب ان بنیادی صداقتوں پر متفق ہیں، جو بنی نوع انسان کی فلاح وسعادت کی ضامن ہیں۔ ایمان داری، راست بازی، انصاف، رحم، حُسن سلوک، صلہ رحمی، صبر، استقامت، پابندی عہد، ایفائے وعدہ، خوش اخلاقی، طہارت و پاکیزگی وغیرہ، فضائل اخلاق پر تمام مذاہب نے زور دیا ہے، اور خیانت اور بد دیانتی، بدعہدی، بیوفائی، ظلم و بے رحمی، کذب و غیبت، بغض وحسد، قتل و غارت گری، بے حیائی و بدکاری وغیرہ رذائل و عادات قبیحہ سے اجتناب کی سب نے تاکید کی ہے۔

اسی طرح تمام مذاہب اپنے آپ کو کسی مقدس شخصیت سے منسوب کرتے ہیں، اللہ کے ان مقدس پیغمبروں کے حالات اور ناموں سے خواہ ہم واقف ہوں یا ناواقف، لیکن اتنا بہر حال یقینی ہے کہ زمین کا کوئی خطہ، اور انسانوں کا کوئی گروہ ایسا نہیں ہے جس کے پاس خدا کا کوئی پیغمبر نہ پہنچا ہو۔

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ یعنی ہر قوم کے لیے ایک راہ ہدایت دکھانے والا ہوا ہے۔

دین کے اصل مسائل اور بنیادی ہدایات میں تمام انبیا علیہم السلام متفق ہیں البتہ زمانے کے حالات، قوم کی مخصوص ضروریات اور مزاجی کیفیات کے لحاظ سے مذہبی رسوم و آئین میں کسی قدر فرق ہوتا ہے۔ یہی بنیادی صداقتیں اور متفق علیہ باتیں اصل دین ہیں، باقی رسوم و آئین مختلف قوموں کی ضروریات اور ان کے زمانے کے حالات کے مطابق مختلف ہوتی رہی ہیں، آپ کو جو صحیفہ ربانی عطا ہوا تھا اس میں بنیادی صداقتوں کو دین اور رسوم و آئین کو شرع و منہاج کا نام دیا گیا ہے دین ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا، فرق صرف شرع و منہاج میں ہے، پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے تمام قوموں کو دعوت دی کہ وہ اپنے نبیوں کی ہدایت پر عمل کریں اور ان احکام کی تعمیل کریں جو ان کی اصل کتابوں میں درج ہیں۔

قرآن مجید وہی اصلی تعلیم دیتا ہے جو اگلی مقدس کتابوں میں دی جا چکی ہے، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہی صراط مستقیم اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جس پر سابق انبیاء علیہم السلام چل چکے ہیں، یعنی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی یہ ترجمانی باعتبار مفہوم کے لحاظ سے صحیح نہیں ہو...

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ — ہمیں سیدھی راہ کی ہدایت دے یعنی ان لوگوں کی راہ کی جن پر تو نے انعام فرمایا تھا۔

قرآن مجید پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، "مُصَدِّقٌ لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ" اور گزشتہ پیغمبروں کی زندگی کو نشانِ راہ قرار دیتا ہے۔ "فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ" آپ نے اس بات پر اتنا زور دیا کہ اس کو تسلیم کیے بغیر کوئی شخص دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا ہے۔ ہر نبی کی عزت کرنا، ہر مقدس کتاب کی تعظیم کرنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے، اگر کوئی کسی ایک کتاب کو نہ مانے یا کسی ایک صحیفہ کا انکار کرے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

دنیا میں فتنہ و فساد دور کرنے کی اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہو سکتی تھی کہ تمام مذاہب کا احترام کیا جائے، داعیانِ مذہب کی عزت کی جائے اور مقدس صحیفوں کی تعظیم کی جائے۔ لیکن یہ مصالحانہ دعوت ان لوگوں کو کیونکر گوارا ہو سکتی تھی جن کا اثر و اقتدار مذہبی اختلاف پر منحصر تھا، اور جن کے گھر کی رونق ہنگامہ ہی پر موقوف تھی، ان لوگوں نے آپ کی اس روادارانہ دعوت کی مخالفت کی، اور عوام الناس کو ظاہری رسوم اور نمائشی اعمال میں الجھا کر اصل دین کی طرف رُخ نہ کرنے دیا، لیکن آپ لوگوں کی مخالفت کے باوجود برابر اس خیال کی تبلیغ کرتے رہے اور اپنی انتھک جد و جہد سے ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے تعصب کی شدید آندھیوں میں بھی رواداری کا چراغ گل نہ ہونے دیا، اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ تیرہ چودہ سو برس کے طویل دور میں کبھی کسی مسلمان نے کسی مذہب کی توہین نہیں کی، بلکہ ہمیشہ ادب و احترام سے ان کا ذکر کیا، قرآن مجید نے خاص اہتمام سے انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتیں اور ان کی کتابوں کی سچی تعلیمات بیان کیں، اور غرض مندوں اور نفس پرستوں نے اپنے اغراض کی تکمیل اور اپنی نفس پرستی کے جواز کے لیے مقدس بزرگوں اور ان کے صحیفوں پر جو دھبے لگانے چاہے تھے انھیں صاف کرنے کی کوشش کی، اگر آج تمام سچے اہل مذہب اس بنیاد پر مجتمع ہو کر مذہب کی اصل حقیقت لوگوں کو بتائیں اور اس کے اعلیٰ روحانی تصورات اور بلند تعلیمات کو ذہن نشین کرائیں تو عوام الناس صاحب غرض مذہبی تاجروں کے ہاتھوں سے محفوظ ہو جائیں، اور ایک طرف مذہب کا روشن اور خوش نما چہرہ داغدار ہونے سے بچ جائے، اور

دوسری طرف یہ دُنیا فتنہ گاہ کے بجائے انسانوں کے لیے راحت کدہ بن جائے، قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ شاہراہ عمل نمایاں کردی ہے، اور تحریف و تغیر سے پاک دستور العمل سب کے سامنے پیش کردیا ہے۔

ملک و قوم اور رنگ و نسل کے تفرقوں اور مذہبی تعصب کے ہنگاموں سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے علاوہ آپؐ نے سیاسی اور معاشی، جبر و تعدی کے وسائل و اسباب پر بھی کاری ضرب لگائی آپؐ نے انسان پر انسان کی حکومت کو غلط قرار دیا، ملوکیت اور بادشاہت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ پھینکا، مَلِکْ (بادشاہ) تو اللہ ہے، انسانی عظمت کی حد یہ ہے کہ وہ عَبْدُ الْمَلِکْ ہوجائے اسلامی سفیروں نے رومی اور ایرانی درباروں میں اس خیال کی کتنی واضح ترجمانی کی ہے۔

فرمایا:—

"تمہارے یہاں بعض لوگ بعض کے خدا ہوتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں یہ طریقہ نہیں ہے کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور دوسرے اس کی بندگی کریں؛ ہم نے جس شخص کو اپنا امیر بنایا ہے اگر اُسے ایک لمحہ کے لیے بھی بادشاہی کا خیال آجائے تو ہم اُسے معزول کردیں، وہ اپنے آپ کو ہم پر ترجیح نہیں دے سکتا، زنا کرے تو دُرّے لگائے جائیں، چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں، اپنے کو وہ کسی سے بڑا نہیں جانتا، دولت میں بھی وہ کسی سے زیادہ نہیں ہے، سب سے بے روک ٹوک ملتا ہے[۱]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ کا لفظ بھی سننا پسند نہیں کیا، ایک مرتبہ کسی نے آپ کو سید نا کہا، آپؐ نے منع کیا اور فرمایا سید تو اللہ ہے، غلام کے متعلق یہ تاکید تھی کہ کوئی اُسے عبد نہ کہے، بلکہ فتیٰ (جوان) کہے، آقا کو رب نہیں بلکہ مولیٰ (ہمدرد دوست) کہا جائے[۲]۔

آج لوگ روسو کے اس فقرہ پر سر دُھنتے ہیں کہ:—

"انسان آزاد پیدا ہوتا ہے، مگر جدھر دیکھو پابہ زنجیر نظر آتا ہے[۳]"

---

[۱] ملاحظہ ہو طبری جلد چہارم، اور کامل ابن اثیر گفتگو رستم و حرب

[۲] ابوداؤد		[۳] معاہدہ عمرانی

لیکن اسلام کا تیرہ چودہ سو برس سے یہ اصول ہے

إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَكَ حُرًّا فَكُنْ كَمَا خَلَقَكَ [1]

اللہ نے تجھے آزاد پیدا کیا ہے پس تو اسی طرح رہ جس طرح اللہ نے تجھے پیدا کیا ہے

یہ صرف زبانی احکام نہ تھے بلکہ آپؐ نے ان پر عمل کرایا، اور ان ہدایات کی روشنی میں آپ کے پیروؤں نے ایسا مکمل جمہوری نظام قائم کیا، جو نوع انسانی کے لیے ہمیشہ شمع ہدایت کا کام دے گا۔

سیاست کی طرح معیشت کی راہ سے بھی جبر و تعدی کے جو امکانات تھے، آپؐ نے اُن سب کو ختم کردیا، اس مختصر تحریر میں تفصیل کی گنجائش نہیں، مختصر یوں سمجھیے کہ دولت کی پیدائش، مبادلہ اور صرف کے متعلق ایسی ہدایتیں دیں کہ اُن پر عمل کے بعد کسی معاشی ناانصافی کا امکان باقی نہیں رہتا معاملات میں ہر موقع پر یہ اصول پیش نظر رکھنے کی تاکید کی ہے کہ نہ کسی انسان کو دھوکا دیا جائے نہ اس کی مجبوری سے فائدہ اُٹھایا جائے، نہ ظن و تخمین سے کام لیا جائے، اسلام کے معاشی نظام میں فرد و جماعت کے درمیان توازن پیدا کیا گیا ہے، افراد کو اپنے جوہر دکھانے کی اجازت ہے، لیکن یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ افراد کا مفاد جماعت کے مفاد سے متصادم نہ ہو، افراد کو جماعت کا خیر خواہ، اور جماعت کو افراد کی بہبودی کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، ہر فرد کو حق ہے کہ وہ اپنی معاشی ضروریات کی فراہمی کے لیے جد و جہد کرے، لیکن کسی شخص کو یہ اجازت نہیں ہے کہ جماعت کی قوت پیدائش پر اثر انداز ہو، یا دوسرے افراد کی راہ ترقی میں رُوک بن سکے، ایسی چیزوں کی پیدائش کی بھی روک تھام کردی گئی ہے جن سے جماعت کو نقصان پہنچے، محدود انفرادی ملکیت کی اجازت ہے لیکن اُسے حکومت کی نگرانی اور قانون کے دائرے میں محدود کرکے مفاد قومی کے تابع کردیا گیا ہے، اسلام دولتمند کو اس کی دولت کا مالک نہیں بلکہ امین قرار دیتا ہے، اس طرح وہ یہ جائز قرار نہیں دیتا کہ آدمی جس طرح چاہے اور جس مقدار میں چاہے اپنی دولت صرف کرے، بلکہ وہ پیدائش کی طرح صرفِ دولت کے لیے بھی ہدایات متعین کردیتا ہے جن کی پابندی ضروری ہے فضول اور بیجا خرچ کرنے والوں کو شریعت نے مجرم قرار دیا ہے اور انھیں شیطان کا بھائی قرار دیا ہے

---

[1] کتاب الام امام شافعی حسن المحاضرہ میں حضرت عمرؓ کا قول بھی ایسا ہی منقول ہے۔

اسلامی شریعت نے سرمایہ داری کی حد بندی کی، اور ایسے قوانین نافذ کیے جن کے بعد دولت صرف چند مالداروں کے درمیان مقیّد نہ ہونے پائے بلکہ ساری دنیا میں پھیلتی اور تقسیم ہوتی رہے۔ زکوٰۃ، صدقات کفاروں کی ادائیگی، اور انفاق فی سبیل اللہ کے حکم عام سے زندگی میں دولت مند کو اپنی دولت کا ایک حصہ غریبوں تک پہنچانے پر مجبور کر دیا گیا، اور موت کے بعد قانون وراثت کے ذریعہ اُسے بہت سے حصوں میں تقسیم کر دیا، اس طرح مستقل سرمایہ داری کے تمام امکانات باقی نہیں چھوڑا۔

اسلام نے سرمایہ اور محنت کے درمیان صحیح توازن قائم کیا، اس نے بے زر اور بیکار اشخاص کو اپنے ہنر کے اظہار اور کارگزاری کا موقع دیا، سرمایے کو بے کار پڑے رہنے سے بچانے کا اہتمام کیا اور نااہل سرمایہ داروں کو مال برباد کرنے سے محفوظ رکھا، زمین کو خدا کی ملکیت قرار دیا، اَلْاَرْضُ لِلّٰہِ۔ اس طرح خلیفہ اور حکمراں کو حق دیا کہ وہ اُسے لوگوں کے درمیان تقسیم کرے، واضح قوانین اور ہدایات عامہ کے ذریعہ سرمایہ داران اور مالکان آراضی کو اس کا موقع نہیں کہ وہ محنت کش طبقوں کو اپنا غلام بنا سکیں،

الغرض پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالی اور ہر گوشہ سے ظلم و جبر کو دُور کرنے کی کوشش کی، اور اس اختلاف گاہ عالم میں اتفاق و اتحاد پیدا کرنے کی جد و جہد کی، آپؐ کا لایا ہوا صحیفۂ ربانی اور آپؐ کی زندگی اعلیٰ نمونہ آج بھی موجود ہے، اور انسانیت کو فلاح و کامرانی کی منزل تک پہنچانے میں دلیل راہ کا کام دے سکتا ہے، ضرورت ہے کہ ہم اُسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنائیں، اور اس کی روشنی میں دنیا کے پیچیدہ اور پریشان کن مسائل کو حل کر کے عالمگیر صلح و اتحاد اور خوش حالی و فارغ البالی کے دروازے کھول دیں اور مشرق و مغرب کے ذہنوں کو تعلیمات محمدی کی روشنی سے منور کر دیں، دُنیا کی متحارب طاقتوں کے درمیان ایک سمت وحدت بن جائیں اور بقول ڈاکٹر نیول ہمینٹ (Dr. Nevile Whymant) دُنیا کو دکھا دیں کہ:—

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر مشرق و مغرب ملتے ہیں۔"

مسلمانوں کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ

مدیر الفرقان کی ایک تقریر جو ۲۰ فروری کو لکھنؤ کے ایک خاص تبلیغی اجتماع میں کی گئی تھی۔

الحمد للہ الذی ھدنا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت رسل ربنا بالحق صلوات اللہ وسلامہ علیھم وعلیٰ کل من تبعھم باحسان اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ

دوستو اور دینی بھائیو! میں اپنی اصل بات شروع کرنے سے پہلے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس اجتماع اور اس جلسے کی خاص نوعیت اور غرض و غایت آپ کے سامنے واضح کر دوں میں بہ ضرورت اس لیے محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے اس زمانہ میں بہت سے مذہبی جلسے ایسے بھی ہوتے ہیں۔ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ زیادہ تر ایسے ہی ہوتے ہیں ـــ جن کا جلسے کے سوا اور اس سے آگے کوئی مقصد نہیں ہوتا، اس لیے ان جلسوں میں شریک ہونے والے اس کی ضرورت نہیں سمجھتے کہ وہاں جو بات ان کے سامنے بیان کی جائے وہ اس کو اس طرح سنیں اور اس طرح اس پر غور کریں کہ انہیں کوئی خاص فیصلہ کرنا ہو۔ ان جلسوں کے کرنے والوں کے سامنے بس "ذکر خیر" ہوتا ہو اور سننے والے بھی اگر مخلص ہوئے، تو ذکر خیر سننے ہی کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر ان جلسوں میں حاضری اچھی ہو جائے اور مقرر تقریر بھی اچھی کر دے جس کو سننے والے پسند کریں تو جلسہ کے داعی اور منتظم اور

عام حاضرین و سامعین مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جلسہ کامیاب رہا اور جلسہ کا مقصد حاصل ہو گیا لیکن آپ کے اس اجتماع کی نوعیت یہ نہیں ہے، نہ کہنے والے کے پیش نظر یہ ہے کہ وہ آپ کو کچھ سنا دے اور نہ آپ کا مقصد صرف سننا ہونا چاہیے۔ ہمارے سامنے ایک اہم مسئلہ ہے جس کو ہم دیانت داری سے اپنی اور آپ کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ سمجھتے ہیں، اس وقت آپ کو اسی لیے تکلیف دی گئی ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس مسئلہ کو رکھیں اور آپ سے درخواست کریں کہ خوب سوچ سمجھ کر آپ اس کے بارے میں وہ فیصلہ کریں جو آپ کو کرنا چاہیے ـــــ جو مسئلہ میں اس وقت آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں میرے نزدیک اس کی اہمیت اتنی ہے کہ اگر میرے لیے ممکن ہوتا تو اس جلسہ میں تقریر کرنے کے بجائے میں آپ میں سے ہر ایک کے گھر پر پہونچ کر اسی موضوع پر آپ سے بات کرتا اور اپنے دل کا درد آپ کے سامنے رکھتا۔ لیکن چونکہ یہ ممکن العمل نہیں ہے اس لیے مجبوراً یہی صورت اختیار کرنی پڑی کہ آپ حضرات کو یہاں جمع ہونے کی دعوت دی گئی اور اللہ آپ کو جزائے خیر دے کہ آپ یہاں تشریف لے آئے اور اب میں آپ سے اسی طرح بات کروں گا جس طرح جلسوں میں تقریر کی جاتی ہے۔ بہرحال میں آپ سے پھر گذارش کروں گا کہ اس وقت کی میری بات کو آپ صرف اسٹیج کی ایک تقریر کی طرح نہ سنیں، بلکہ ایک اہم معاملہ پر غور طلب اور فیصلہ طلب بات سمجھ کر اس پر سنجیدگی سے غور کریں اور اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ اس کے بعد میں اپنی اصل بات شروع کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بالکل ٹھیک ٹھیک کہنے کی اور آپ کو صحیح طور پر سوچنے سمجھنے اور فیصلہ کرنے کی توفیق دے۔

آپ حضرات اس سے تو یقیناً ناواقف نہ ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے نہیں آئے تھے کہ دنیا کی قوموں میں مسلمان نام کی ایک نئی قوم کا اضافہ کر دیں۔ بلکہ آپ انسانی دنیا کے لیے زندگی کا ایک خاص نظام لے کر آئے تھے۔ اس نظام کے خاص عناصر اور خاص عنوانات یہ تھے۔ اللہ پر اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان و یقین، اچھے اعمال اور پاکیزہ اخلاق اور دنیا میں نیکی کو رائج کرنے کے لیے مخلصانہ فکر و کوشش۔ زندگی کے اسی نظام کا نام اسلام تھا۔ اور یہ دنیا کے لیے کوئی نیا اور نرالا نظام نہ تھا، بلکہ اصولی اور بنیادی طور پر یہ وہی نظام تھا جس کی دعوت آپ سے پہلے آنے والے اللہ کے سب پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں انسانوں کو دی تھی، بہرحال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام زندگی کو آخری اور مکمل شکل میں لے کر آئے۔ اور آپ نے پیغمبرانہ دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ انسانوں کو اس نظام زندگی کی دعوت دی۔ آپ جس وقت اس دنیا میں پیغمبر ہو کر تشریف لائے تو پیغمبروں کا نام لینے والی چند قومیں یہاں موجود تھیں۔ حضرت موسیٰؑ کی امت موجود تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کی اُمت موجود تھی۔ حضرت ابراہیم و اسماعیل کے نام لیوا بھی موجود تھے۔ لیکن یہ واقعہ ہو کہ ان کے پاس وہ زندگی نہیں تھی جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت ابراہیم و اسماعیل اپنے اپنے وقت پر لے کر آئے تھے۔ ایمان، اعمال اور اخلاق سب کا نقشہ بگڑا ہوا تھا۔ اور اس قدر بگڑا ہوا تھا کہ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ سب خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ آخرت کی جزا اور سزا کی طرف سے سب بے فکر اور غافل تھے، اس لیے اعمال گندے اور اخلاق درندوں کے سے تھے۔ بہرحال اس بگڑی ہوئی حالت میں اور اس اندھیری فضا میں سیدنا حضرت محمد صلعم نبی بنا کر بھیجے گئے۔ آپ نے اللہ پر اور آخرت کی جزا و سزا پر ایمان لانے کی اور اچھے اعمال و اخلاق اختیار کرنے کی دعوت دی اور اس ایمان اور اعمال و اخلاق کا ایک مکمل اور تفصیلی نقشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میں نے جیسا کہ ابھی عرض کیا تھا اسی نقشہ کا نام اسلام تھا اور آپ کا اصل کام زندگی کے اسی نظام اور نقشے کی دنیا کو دعوت دینا اور اس کو پھیلانا اور رواج دینا تھا۔ آپ نے اس وقت کی دنیا کے سامنے اس کو پیش کرتے ہوئے اس کے نازل کرنے والے پروردگار کی طرف سے یہ اعلان بھی کیا کہ زندگی کا صرف یہی نقشہ اس کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔ اور اس کے مطابق زندگی گزارنے والے ہی اس کے وفادار اور اس کی رحمتوں کے مستحق بندے ہیں۔ اور اس کے سوا اور اس سے مختلف زندگی کے جتنے نقشے ہیں وہ سب اس کے ہاں مردود اور مبغوض ہیں۔ اس لیے اس کا فیصلہ ہے کہ جو لوگ اس کے تجویز کیے ہوئے اور نازل کیے ہوئے اس طریقۂ زندگی کو اپنائیں گے جو میں لے کر آیا ہوں، اور اس پر چلیں گے ان کو اللہ کی خاص رضا نصیب ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مرنے کے بعد والی آخرت کی اس زندگی میں جو کبھی ختم نہ ہوگی وہ انتہائی درجہ کے عیش و آرام میں رہیں گے اور اس دنیا میں بھی اُن پر ان کے مالک کا خاص فضل ہوگا۔ اور جب اس طریقہ پر چلنے والوں کی یعنی ایمان، اعمال و اخلاق کے اس خداوندی نقشے پر زندگی گذارنے والوں کی کوئی قوم اور امت اس دنیا میں ہو گی تو اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا کا انتظام بھی سپرد کر دے گا۔

اور یہ دنیا گویا اس کے چارج میں دے دی جائے گی۔

جس وقت آپ نے دنیا کے سامنے زندگی کا یہ نیا نقشہ پیش کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اُس وقت اس پوری دنیا میں کوئی بھی اس نقشہ پر چلنے والا نہیں تھا۔ بس آپ اکیلے ہی اس طریقہ پر زندگی گذارنے والے تھے۔ پھر آپ کے زمانے کے کچھ نیک بخت لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور آہستہ آہستہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ کچھ عرصے کے بعد اس طریقۂ زندگی کو قبول کرنے والوں اور اس پر چلنے والوں کی ایک چھوٹی سی امت یا جماعت بھی وجود میں آگئی۔ اس وقت یہ جماعت بس مدینہ کی بستی میں اور اس کے قرب و جوار کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں میں تھی۔ گویا پوری دنیا کے بحرِ ظلمات اور اندھیرے سمندر میں یہ چھوٹا سا نورانی جزیرہ تھا جس کی زندگی کا نقشہ ساری دنیا کی آبادیوں سے بالکل مختلف تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے اور آپ سے تعلیم و تربیت پائے ہوئے مسلمانوں کی مختصر سی جماعت تھی، تاریخ میں اس جماعت کی زندگی کا نقشہ اس طرح محفوظ ہے کہ آپ اس وقت رات ہونے کے باوجود جس طرح بجلی کی روشنی میں مجھے دیکھ رہے ہیں اور میں آپ کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح تاریخ کی روشنی میں ہم آج بھی تیرہ سو برس گذر جانے کے باوجود اس جماعت کی زندگی کے نقشے اور اس کے خط و خال کو دیکھ سکتے ہیں؛ بلکہ دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کا حال یہ تھا کہ خدا کے خوف اور آخرت کی فکر کا عنصر ان کی زندگی میں ہر دوسری چیز پر غالب تھا، یہ ہر معاملے میں اپنے دل کی خواہش اور جاہت یا اپنی ذاتی منفعت و مصلحت کے بجائے خدا کے حکم کو دیکھتے تھے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ان کے اخلاق انبیاء علیہم السلام کے اخلاق کا نمونہ تھے، دنیا میں بھلائی پھیلانے کے لیے اور بگڑے ہوئے انسانوں کو اللہ کا نیک بندہ بنانے کے لیے اور خدا سے بچھڑے ہوؤں کو خدا سے ملانے کے لیے اور جنت تک پہونچانے کے لیے ہر طرح کی تکلیفیں اٹھانا اور مصیبتیں جھیلنا ان کا خاص کردار اور شعار تھا۔ بس یہ ان کی زندگی تھی اور اسی زندگی کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا۔ اگرچہ ان کی تعداد اتنی کم تھی کہ آج ہندستان جیسے ایک غیر اسلامی ملک کے بعض ایک ایک شہر میں بھی اس سے زیادہ مسلمان موجود ہیں جتنی کہ اس وقت مسلمانوں کی کل مردم شماری تھی، اور اسی طرح ان کے پاس دولت کی بھی اتنی کمی تھی کہ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اُس وقت کے تمام مسلمانوں کی مجموعی دولت مل کر بھی

اتنی نہ تھی جتنی آج ہمارے ایک ایک دولت مند مسلمان بھائی کو اللہ نے دے رکھی ہے، اور اسی طرح علم و ہنر اور قوت و طاقت کے دوسرے ظاہری اسباب سے بھی وہ خالی ہاتھ تھے۔ مگر چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کی لائی ہوئی زندگی کو اپنا لیا تھا اور اس طرح اللہ کی خاص رضا اور نصرت و اعانت کا استحقاق پیدا کر لیا تھا اس لیے تعداد اور دوسرے مادی وسائل کی اتنی کمی کے باوجود وہ اس وقت کی پوری دنیا کے مقابلہ میں بھاری اور وزنی تھے اور دنیا ان کے سامنے جھکنے پر مجبور تھی۔

اس سے میرا اشارہ ان ملکی فتوحات اور اس سیاسی بالاتری کی طرف نہیں ہے جو قرن اول کے ان مسلمانوں کو حاصل ہوئی تھیں، بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ایمان و عمل صالح اور پیغمبروں کے طریقہ پر انسانیت کی مخلصانہ خدمت و رہنمائی کی وجہ سے اس وقت کی دنیا میں وہ سب سے ممتاز اور سب سے بالاتر تھے اور دنیا کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر ان کے فیصلوں کا پڑتا تھا۔

رسول اللہ صلعم کے اس دنیا سے اٹھ لیے جانے کے بعد بھی کچھ عرصہ تک اُمت کی زندگی کا نقشہ یہی رہا، لیکن کچھ اور زمانہ گذرنے کے بعد زندگی کے اس نقشے میں فرق پڑنا شروع ہو گیا، ایمان و یقین میں کمزوری آئی۔ اعمال و اخلاق میں بھی فرق آیا اور اس کے نتیجے میں اللہ کے ساتھ اللہ کے معاملہ میں بھی فرق آ گیا، پھر یہ فرق برابر بڑھتا گیا اور اسی تناسب سے امت کے حالات بگڑتے رہے یہاں تک کہ تیرہ صدی گزرنے کے بعد آج مسلمان کہلانے والی وہ امت اس حال میں ہے جو ہمارے اور آپ کے سامنے ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ اس امت کی تعداد تو اتنی بڑھ گئی ہے جس کا قرن اول کے مسلمانوں نے غالباً کبھی تصور بھی نہ کیا ہوگا۔ لیکن جو زندگی حضور لے کر آئے تھے اور جس کی بنیاد پر مسلمان دنیا میں ممتاز امت بنے تھے اور جس کے صدقہ میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور نصرت ان کو حاصل تھی۔ وہ اس وقت چھوٹی سی چھوٹی کسی مسلمان بستی کی بھی زندگی نہیں ہے۔

آج مسلمان کہلانے والوں کی غالب اکثریت کے قلوب اس ایمان و یقین سے خالی ہیں جو رسول اللہ صلعم لے کر آئے تھے۔ اس کے بجائے بس ایک کمزور اور بے جان سا عقیدہ اور زبانی اقرار رہ گیا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دلوں میں خدا کا خوف نہیں زندگی میں آخرت کی

ذکر نہیں۔ اعمال اسلامی نہیں، اخلاق اسلامی نہیں، معاملات اسلامی نہیں، الغرض اسلام کے اوامر و نواہی سے ... وجود ظاہری اور باطنی زندگی اسلامی نہیں۔

میرے محترم بھائیو! اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلعم جو زندگی لائے تھے اور جس کی آپ دعوت دیتے تھے اور جس کا نام اسلام تھا وہ پوری کی پوری قرآن مجید میں اور آپ کی سنت میں محفوظ ہے۔ ایک طرف اس کو دیکھئے اور دوسری طرف مسلمان کہلانے والی قوم کی موجودہ زندگی کو کوئی بھی دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان دونوں میں کوئی مناسبت اور مطابقت ہو۔ بلکہ واقعہ یہ ہو کہ اس وقت عام مسلمانوں کی جو زندگی ہو رسول اللہ صلعم ایسی زندگیوں کو تو مٹانے تشریف لائے تھے لیکن اس وقت ہماری بدبختی اس حد کو پہونچ گئی ہو کہ امت کی اکثریت کی زندگی وہی زندگی ہو، اور دلوں میں اس پر کوئی بے چینی اور کوئی خاص خلش بھی نہیں ہے۔

میرے دینی بھائیو! مجھے اس وقت آپ سے یہی کہنا ہو کہ ہم مسلمانوں کی زندگی کا سب سے بڑا سانحہ اور سب سے زیادہ فکر اور توجہ کے قابل مسئلہ یہی ہو۔

آخر میں اس سلسلہ میں میں آپ سے ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہو کہ اس امت کی ایک خاص حیثیت یہ ہو کہ رسول اللہ صلعم پر سلسلۂ نبوت ختم کیے جانے کے بعد نبوت والا کام بطور نیابت اس امت کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ یعنی اب اس امت کی ذمہ داری ہے کہ رسول اللہ صلعم جو زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے تھے اور جس کو دنیا میں رواج دینے کے لیے آپ نے ساری عمر جد و جہد کی یہ امت دنیا کے لیے اس زندگی کا نمونہ بنے اور دنیا میں اس کو عام کرنے اور پھیلانے کے لیے پیغمبروں کے طریقہ پر مخلصانہ اور بے غرضانہ جد و جہد بھی کرے۔

اس دنیا میں انسانوں کے مختلف طبقے ہیں اور ان طبقوں کی مختلف ذمہ داریاں اور ڈیوٹیاں ہیں۔ امت محمدیہ کی خاص ذمہ داری اور ڈیوٹی یہی ہو کہ وہ اس دنیا میں اپنے عمل سے پیغمبروں کے لائے ہوئے اس طریقۂ زندگی کی نمائندگی کرے جو اس کو رسول اللہ صلعم سے آخری اور مکمل شکل میں ملا ہو اور دنیا میں اس کو رواج دینے کے لیے مخلصانہ اور بے غرضانہ جد و جہد کرے۔ یہ امت اسی لیے پیدا کی گئی ہے اور اس کے وجود کی خاص غرض و غایت یہی ہو۔ ...

کریں تو پھر اس دنیا میں ہماری کوئی ضرورت نہیں ہو، سارے کام ہمارے بغیر بھی چلتے رہیں گے۔ لیکن اگر ہم یہ خدمت انجام دیں تو پھر یہ دنیا ہماری اتنی محتاج اور ضرورت مند ہے کہ اتنی احتیاج اور ضرورت یہاں کسی کی بھی نہیں اللہ کے جو بندے اس دنیا کی موجودہ حالت اور اس کے موجودہ مسائل و مصائب کے جاننے اور سمجھنے والے ہیں وہ تو گویا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت اس دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ایک ایسی قوم اور ایسی امت کی ہے۔ جو انسانیت کی خدمت انبیاء علیہم السلام کے طرز پر کرے اور انبیاء علیہم السلام کی پاک زندگی کا نمونہ اپنی زندگی سے پیش کرے۔ ہم آپ سے یہی کہتے ہیں کہ اپنی زندگی کے بارے میں اس تبدیلی کا فیصلہ کیجئے۔ اللہ کے آخری نبی کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے یہ آپ ہی کا خاص فریضہ ہے اور اس امانت کے آپ ہی امین ہیں۔ آپ ہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

"وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھو اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھٰذا لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس۔

کیسے افسوس اور قلق کی بات ہو کہ ہم ایک ایک ملک میں آج کئی کئی کروڑ ہیں، لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے پیغام سے بے تعلق ہونے کی وجہ سے کوڑے کرکٹ سے زیادہ بے قیمت ہیں، ہمارا وجود آج نہ ہمیں کوئی نفع پہونچا رہا ہے اور نہ دنیا کو اس سے کوئی نفع پہونچ رہا ہے۔ قیامت کے دن ہم خدا کو کیا جواب دیں گے اور اس کے جس نبی برحق کا ہم نام لیتے ہیں۔ ان کی امانت کو اس طرح برباد کرنے اور ان کی تعلیم و ہدایت کے خلاف اس طرح زندگی گزارنے کے بعد ہم آپ کو کیا منھ دکھائیں گے۔

ہم نے آج آپ کو یہاں جمع ہونے کی اسی لیے تکلیف دی تھی اور ہمیں آپ کے سامنے یہی مسئلہ رکھنا تھا ـــ اب ہمارے اور آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب کچھ سامنے آجانے کے بعد بھی ہماری زندگی یہی رہے جو اب ہے اور ہم کوئی نیا فیصلہ نہ کریں، اگر ہم ایسا کریں گے تو اللہ کا یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے لائے ہوئے دین کا کچھ نہیں بگاڑیں گے صرف اپنے ہی اوپر ظلم کریں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا میں اور زیادہ ذلیل و خوار اور

تباہ و برباد ہوں گے اور مرنے کے بعد قبر میں، حشر میں اور خدانخواستہ دوزخ میں بھی اللہ کے اس عذاب اور غضب کا مزا چکھیں گے جو خدا اور اس کے رسول کو مان کر غداری کرنے والوں، اور باغیانہ زندگی گزارنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔ قرآن مجید میں ایسے ہی مجرمین کو انتباہ دیا گیا ہو کہ "فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوٰة الدنیا و یوم القیٰمة یردون الیٰ اشد العذاب وما اللّٰہ بغافل عما تعملون ہ"

(البقرہ۔ ع ۱۰)

اور اگر ہم نے اپنی زندگی میں تبدیلی کا فیصلہ کیا اور یہ طے کیا کہ اب اپنی زندگی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نقشہ زندگی کے مطابق بنائیں گے اور آپ کے اُمتی ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داری اس زندگی کو دنیا میں پھیلانے کی اور پیغمبروں کے طرز پر عام انسانوں کی مخلصانہ اور بے غرضانہ خدمت اور رہنمائی کی ہم پر ڈالی گئی ہو اس کو ادا کرنے کی فکر کریں گے تو میں آپ سے قسم کھا کے کہتا ہوں کہ اس دنیا میں بھی ہم کو عزت و احترام کا مقام حاصل ہوگا۔ اور قبر میں اور حشر میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہمارے ساتھ انشاء اللہ خاص رحمت اور عنایت کا ہوگا۔ اور جنت میں ہمارا دوامی ٹھکانا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی دوامی رضا کی سب سے بڑی نعمت بھی ہم کو حاصل ہوگی۔

سب سے آخر میں میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کے وہ دوسرے مسائل بھی جن کو آپ نے اپنی زندگی کے سب سے بڑے اور اہم مسائل سمجھ رکھا ہو اور جن کے حل نہ ہونے سے آپ شکستہ دل ہیں ان کے حل کا یقینی راستہ بھی یہی ہو۔ آج پوری انسانی دنیا اور خاص کر ہمارا یہ ملک ہندوستان اس حالت میں ہو کہ اگر یہاں کوئی قوم اور امت ایسی ہو جو ایمان و یقین میں، خدا ترسی اور خدا پرستی میں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ میں ممتاز ہو اور دنیا میں نیکی کو پھیلانے کے لیے اللہ کے پیغمبروں کے طریقہ پر مخلصانہ اور بے غرضانہ جد و جہد اس کا طرۂ امتیاز ہو تو اس کو سروں پر بٹھایا جائے گا اور دنیا کی قیادت اس کی طرف منتقل ہو کر رہے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت اور اس کا اٹل فیصلہ ہے۔ ولن تجد لسنة اللّٰہ تبدیلا ــــ ولن تجد لسنة اللّٰہ تحویلا۔

تبلیغی جماعت کے نام سے جو کام عرصہ سے آپ کے شہر میں بھی ہو رہا ہے۔ اس کے

سامنے زندگی کی اسی تبدیلی کی مہم ہو اور اس کے لیے اس کا ایک طریق کار اور پروگرام ہو، ہمیں یقین ہو کہ اللہ کے جو بندے اس طریقہ پر کام کریں گے انشاء اللہ وہ محسوس کریں گے کہ اس مقصد کے لیے اس دور میں یہی صحیح ترین طریقہ کار اور پروگرام ہو۔ آپ واقف ہوں گے کہ ہم لوگ جنھوں نے آج آپ کو یہاں جمع ہونے کی تکلیف دی، اس طریقہ پر کام کرتے ہیں اور آپ کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مقصد کے لیے ہم سب کے سینوں کو کھولے اور ہم کو عزم کے ساتھ فیصلہ کرنے کی اور اللہ کے اس راستہ کی طرف بڑھنے کی توفیق دے اور اخلاص و استقامت عطا فرمائے اور اپنے اس کام کے لیے ہم آپ کو قبول فرمائے۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین ٥

سلسلۂ تجدید دین کی چار کتابیں

(از مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ)

ان کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اصل دین کیا ہو اور ہم نے اس سے بے تعلقی اختیار کر کے اپنے کو اس کی برکتوں سے خدائی رحمتوں سے کس قدر محروم کر لیا ہے۔

ان کتابوں میں پورے دین کو کھری، پکی، صاف ستھری صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

(۱) تجدید دین کامل (معروف بہ جامع المجددین) قیمت مجلد صہ،
اس میں خصوصاً اعمال ظاہری کی صلاح و اصلاح پر بحث ہو۔ جو "شریعت" کا خاص موضوع ہے۔

(۲) تجدید تصوف و سلوک:- قیمت مجلد صہ،
اس کا موضوع انسانوں کی قلبی باطنی یا اخلاقی اصلاح ہے اور اس میں تصوف کے متعلق اسکے موافقین اور مخالفین کی تمام نئی پرانی علمی اور عملی غلطیوں اور غلط فہمیوں کو دور کر کے بتایا گیا ہو کہ تصوف دراصل نام ہی عین اسلام بلکہ کمالِ اسلام کا اور بے صوفی بنے اسلام کی اجتماعی و انفرادی دینی و دنیوی برکات کا حصول ناممکن ہے۔

(۳) تجدید تعلیم و تبلیغ:- قیمت مجلد سے،
اس میں دین کی تعلیم و تبلیغ کا مکمل اور بہترین نظام بتایا گیا ہے۔ یہ تبلیغی نظام نسلی و وطنی قومیتوں اور سیاسی و معاشی خیال پرستیوں کی جہنم سے دنیا کو نجات دلا سکتا ہے۔

(۴) تجدید معاشیات:- قیمت مجلد صہ، معاشیات کے نو بہ نو نظریوں اور نعروں سے مرعوب ہوئے بغیر رزق و معاش سے متعلق خالص اسلامی و ایمانی تعلیمات کو اسمیں پیش کر کے بتلایا گیا ہو کہ جو فرد یا قوم معاش کے ان اصولوں کو اپنائے اسکو معاشی غم و غصہ کی جہنم سے اس دنیا ہی میں نجات لازماً مل جائے گی معاشیات کے موضوع پر خالص ایمانی نقطۂ نظر سے اس دور میں یہ واحد تصنیف ہو۔ ملنے کا پتہ کتبخانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ؟

(از جناب مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب سندیلوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء)

حَامِدًا ومُصَلِّیًا ومُسَلِّمًا

دنیا کی ہر طاقت سے زور آزمائی کرکے فتح کی امید قائم کی جا سکتی ہے مگر اپنی فطرت سے جنگ کا ثمرہ ہمیشہ شکست، نامرادی، اور ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن اسے کیا کیا جائے کہ دنیا کے عجائب خانہ میں ایسے شوریدہ سر بھی نظر آتے ہیں جو خود اپنی فطرت سے نبرد آزمائی پر تل جاتے ہیں، اور شکست پر شکست کھانے کے باوجود میدان چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ انکارِ حدیث اسی قسم کی جنگ کا ایک نمونہ ہے۔

سیدھی سی بات ہو کہ ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں جن ذرائع سے علم حاصل کرتے ہیں ان میں ایک بہت بڑا ذریعہ "خبر" بھی ہے۔ بلکہ غور کیجئے تو ہمارے اکثر معلومات اسی ذریعہ کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ خبروں ہی کی بنا پر ہم بالکل اجنبی مقامات کا سفر کرتے ہیں۔ دنیا کی سیاست کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ تجارت، زراعت، صنعت وغیرہ کے متعلق فکر کرتے ہیں اور فیصلہ پر پہونچتے ہیں۔ معالج کی خبر پر اعتماد کرکے اپنی زندگی و موت کا معاملہ اس کے ہاتھ میں دیدیتے ہیں۔ اشخاص کی سیرت کے متعلق تصورات دوسروں سے خبریں سن کر قائم کرتے ہیں، معاملات و معاشرت میں انھیں تصورات سے اعانت حاصل کرتے ہیں۔ مال و منال، اغذیہ اور ادویہ کی حلت و حرمت کا فیصلہ اسی کی روشنی میں کرتے ہیں۔ غرض زندگی کا کون شعبہ ایسا ہو جس پر "خبر" کا ذریعہ علم حاوی و غالب نہ ہو؟ بستانِ علم و دانش کا کون چمن ایسا ہو جس کی آبیاری کے لیے ہم

اس سرچشمے کے محتاج نہ ہوں؟ اور حیاتِ انسانی کا کون راستہ ایسا ہے جس پر بغیر اس روشنی کے قدم بڑھایا جا سکے؟۔

مشاہدہ بھی خبر ہے

تم کہو گے کہ "خبر" کو پوری زندگی کا محور کہنا مبالغہ ہے۔ مشاہدہ سب سے پہلا اور سب سے بہتر ذریعہ علم ہے، جس کی روشنی میں جادۂ حیات کی اچھی خاصی منزلیں طے کی جاتی ہیں۔ میں کہوں گا کہ بے شک مشاہدہ بہت بڑا ذریعہ علم ہے، لیکن کیا پوری زندگی صرف مشاہدے کے محور پر گردش کر سکتی ہے۔ ایک مرتبہ عہد کر لیجئے کہ ہم اپنی روزمرہ کی عملی زندگی کا ہر فیصلہ صرف مشاہدے کی روشنی میں کریں گے اور "خبر" کے ذریعہ کو بالکل ناقابل اعتماد سمجھیں گے۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ عہد ایک دن بھی قائم رہنا ناممکن و محال ہو جائے گا۔ جادۂ حیات کا کتنا فاصلہ ہے جو صرف مشاہدے کی روشنی میں طے کیا جا سکتا ہے؟ اسے پوری راہ حیات کے ساتھ ایک روز کی نسبت بھی تو نہیں حاصل ہے۔ ذرا دقیقہ رسی اور حقیقت شناسی سے کام لیجئے تو یہ اقل قلیل حصہ بھی "خبر" ہی کے احاطہ اقتدار میں داخل ہو جاتا ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا ہے کہ مشاہدہ کی حقیقت کیا ہے؟ یہ بھی تو خبر ہی کی ایک قسم ہے۔

نفس (MIND) کی مادیت، وغیر مادیت کی فلسفیانہ بحث کی یہاں ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ حقیقت بہرکیف تسلیم شدہ ہے کہ ادراک نفس ہی کا کام ہے۔ حواس کا کام نفس تک خبر رسانی ہے۔ اگر خبر قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے تو مشاہدہ کب قابل اعتماد رہتا ہے؟ جس طرح اپنے مشاہدے پر اعتماد فطرت انسانی کا تقاضہ ہے اسی طرح دوسرے کے مشاہدے پر اعتماد بھی اسی کا تقاضہ ہے۔ ان حقائق سے چشم پوشی کر کے "خبر" کو ناقابل اعتماد ذریعہ علم قرار دینا اور اسے قابل استفادہ نہ سمجھنا یقیناً اپنی فطرت سے جنگ کے مرادف ہے۔

ہماری فطرت کا اقتضا ہے کہ ہم خبر کے ذریعہ سے بھی علم حاصل کریں، البتہ یہ صحیح ہے کہ ہر خبر قابل اعتماد نہیں ہوتی۔ لیکن اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد طرز عمل یہ ہونا چاہیئے کہ خبر کے ذرائع اور وسائل پر غور کیا جائے اور جو خبر صحیح ذرائع سے ہم تک پہونچی ہو اس پر اعتماد کیا جائے جو معیار صحیح پر پوری نہ اترے اسے رد کر دیا جائے، یہی طرز عمل فطرت سلیمہ اور عقل سلیم کی تعلیم ہے اور اسی پر ہم اپنی روزمرہ کی زندگی میں عامل رہتے ہیں۔ اس طرز عمل کو نہ دین سے

خصوصیت حاصل ہے نہ دنیا سے، ہر خبر کے متعلق ہمیں اسی کو اختیار کرنا چاہیئے خواہ اس کا تعلق دین سے ہو یا دنیا سے۔

قرآن مجید بھی ہمیں اسی اصول کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد حق ہے:۔

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا	اے ایمان والو تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لیکر آئے تو اس کی جانچ کر لیا کرو۔

"فاسق" کی خبر کے متعلق بھی علی الاطلاق رد کر دینے کا حکم نہیں فرمایا گیا بلکہ جانچ کا حکم دیا گیا ہے۔ عادل کی خبر کو بغیر کسی وجہ ردکر دینا تو بدرجہ اول اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔

حدیث نبوی

لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کی عقلوں کا ماتم کس طرح کیا جائے جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس فطری طرز عمل کو چھوڑ کر سرے سے اس کا انکار کر رہے ہیں۔ ان ناقدر شناسوں اور احسان فراموشوں نے حدیث ختم المرسلین کو اس درجہ سے بھی گرا دیا جو یہ لوگ لندن و ماسکو کی اخباری خبروں کو دیتے ہیں۔ اگر ان کے دلوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہوتی تو ان خبروں کے متعلق ان کا یہ طرز عمل ہرگز نہ ہوتا جن کی نسبت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔ محبت تو ہر اس شئے کی طرف توجہ کی دعوت دیتی ہے جس کا انتساب محبوب کی طرف ہو۔

عقیدہ ختم نبوت کا تقاضہ

محبت نبوی کے علاوہ عقیدہ ختم نبوت کی دعوت بھی یہی ہو کہ احادیث نبویہ کو قبول کیا جائے۔ آنحضورؐ کو خاتم النبیین تسلیم کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ آپ کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لیے ہیں۔ اور آنحضورؐ کی حیات طیبہ تا اختتام گردش لیل و نہار پورے عالم کے لیے نمونہ ہے۔ قرآن مجید ناطق ہے:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ
اسوۃ حسنۃ لمن کان	تمہارے لیے خصوصاً اس شخص کے لیے بہترین
یرجوا اللہ والیوم الآخر و	نمونہ ہے جو لقاء الٰہی اور آخرت کا یقین
ذکر اللہ کثیرا۔	رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرتا ہو۔

اگر آنحضور کے اقوال و افعال محفوظ نہیں ہیں تو صحابہ کرام کے علاوہ دوسروں کے لیے آپ نمونہ نہ

کیسے بن سکتے ہیں؟ جس طرح بھوک اور پیاس کا وجود اس بات کی قطعی و یقینی دلیل ہے کہ عالم میں غذا اور پانی کا وجود ہے اسی طرح آنحضور کی حیات طیبہ کا "اسوۂ حسنہ" ہونا اس واقعہ کی یقینی دلیل ہے کہ آنحضور کے اقوال و افعال یا بالالفاظ دیگر احادیث صحیحہ کا ضروری ذخیرہ حفیظ و علیم نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے ضرور محفوظ کر دیا ہے۔ اور اس کا انتظام فرما دیا ہے کہ یہ اوراق اس وقت تک پراگندہ نہ ہوں جب تک صحیفۂ عالم کا ورق ابتلا نہ الٹ دیا جائے۔

نمونہ ناگزیر ہے جس اسوۂ حسنہ کی قرآن مبین اطلاع دے رہا ہو عقل سلیم اس پر شرح صدر کے ساتھ ایمان لاتی ہے اور اسے ایک ناگزیر شئے سمجھتی ہے۔ اسلام علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے اس کی تعلیم کے لیے صرف کتاب الٰہی کافی نہیں ہو سکتی۔ انسان کی تربیت بغیر عملی نمونہ کے محال عادی ہے۔ اگر صرف کتاب اس مقصد کو پورا کر سکتی تو بعثتِ انبیاء کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ امم سابقہ (یہود و نصاریٰ وغیرہ) کی گمراہی کے اسباب پر غور کرو تو سب سے پہلا سبب یہی ملے گا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی سیرت اور ان کے اقوال و اعمال کے خزانہ کو گم کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ کے بعد وہ کتب الٰہیہ کو بھی محفوظ نہ رکھ سکے اور تحریف و تبدیلی کے ہاتھوں یہ خزانہ بھی برباد ہو گیا۔ یہ بالکل اصولی بات ہے جس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر فن انجینئری بغیر کسی انجینیر کی ہدایت کے نہیں آسکتا اگر طب کی تحصیل محض کتاب سے بغیر کسی ماہر طبیب کی رہنمائی کے ناممکن ہے۔ اگر کیمسٹری کا حصول کتاب کے علاوہ کسی ماہر استاد کا محتاج ہے تو کتاب الٰہی کی کامل تشریح و توضیح اور احکام قرآنی کی صحیح تعمیل کے لیے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا وجود ناگزیر ہے۔

قرآن مجید کی شہادت قرآن مبین نے ایک عام اصول بیان فرمایا ہے:۔

وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومه	ہم نے ہر رسول کی زبان وہی تجویز کی جو اسکی قوم کی تھی۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی اس سنت جاریہ کا پتہ چلتا ہو کہ کتاب کے لیے رسول کا بیان ناگزیر ہے۔ بلکہ غور کیجئے تو ہدایت کے لیے رسول کا بیان نزول کتاب سے زیادہ ضروری نظر آتا ہے، ہر نبی پر کتاب نہیں نازل کی گئی مگر کتب الٰہیہ کی تشریح و تفصیل اور ان کی عملی تفسیر کے لیے انبیاء کی بعثت تاریخ

کا ناقابل انکار واقعہ ہے۔ قرآن مبین میں انبیاء سابقین کے حالات، ان کے اقوال و افعال کو بکثرت بتکرار بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ جنھوں نے ان درخشندہ ہستیوں کو بھلا دیا تھا اور ان کے متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے تھے ان سے واقف ہو جائیں۔ اور ان نجوم ہدایت کی روشنی میں اپنی کتابوں کو سمجھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ پر ایمان لائیں۔ اس بیان کو پیش نظر رکھیے تو آپ اسی نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ، کی نظر میں بعثت انبیاء تنزیل کتاب سے زیادہ ہدایت خلق کے لیے اہم اور ضروری ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ہادی حقیقی اپنی کتاب تو قیامت تک کے لیے بھیجے اور اس کی حفاظت کا انتظام فرمائے لیکن اسکی عملی تشریح و تفسیر کرنے والے آخری رسول کے اقوال و افعال کو محفوظ نہ رکھے؟ کیا بغیر تشریحات نبویہ اور سیرت رسول کے محض کتاب کا باقی رہنا کمال ہدایت کے لیے کافی ہو سکتا ہے؟ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار حدیث کے وحشت ناک مقام سے قادیانیت کی ہلاکت خیز وادی کی طرف راستہ مڑ جاتا ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ رکھنے کے بعد احادیث کا انکار اجتماع نقیضین کے مرادف ہے۔

مخصوص شہادت قرآن مبین نے اتنا ہی نہیں کیا ہے کہ احادیث انبیاء کی ضرورت کے متعلق ایک عام سنت اللہ بیان فرما دی ہو بلکہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے بارے میں خصوصی شہادت بھی دی ہے۔ آیات ذیل بطور نمونہ درج ہیں:۔

(۱) وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم	ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا کہ آپ اس کی آیات منزلہ کی تشریح لوگوں کے سامنے کر دیں۔

جب مقصد بعثت ہی بیان آیات ہے تو اس بیان کو محفوظ نہ رکھنے کے کیا معنیٰ؟ اگر احادیث نبویہ محفوظ نہیں ہیں اور ان سے استفادہ ناممکن ہے تو وہ "بیان نبوی" کہاں ہے جس کا وعدہ آیت میں فرمایا گیا ہے؟ اور اس سے استفادے کی کیا صورت ہے؟ کیا انکار حدیث اس آیت قرآنی کی تکذیب نہیں ہے؟

(۲) السابقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم	مہاجرین و انصار میں سب سے پہلے سبقت کرنے والے لوگ اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ

باحسان رضی اللّٰہ عنھم و	ان کی پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے راضی
رضوعنہ ۔	ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

آیت صراحۃً بتارہی ہے کہ رضاء الٰہی کا راستہ مہاجرین و انصار کی اتباع اور پیروی ہے اگر صرف کتاب الٰہی کافی ہوتی اور حدیث سے استغنا ہوتا تو ان حضرات کی اتباع کا حکم کیوں دیا جاتا یہ فرمادینا کافی تھا کہ جو لوگ قرآن مجید کی پیروی کریں گے وہ رضاء الٰہی کی نعمت حاصل کرسکیں گے۔ اس سے نتیجہ صریح یہ نکلتا ہے کہ ان مقتدایان ملت کے پاس علاوہ کتاب الٰہی کے کچھ اور بھی تھا اور وہ بجز حدیث کے کیا ہوسکتا ہے؟

ایک دوسرے زاویہ سے بھی آیت پر نظر کیجئے۔ آیت رضاء الٰہی کو اتباع مہاجرین و انصار پر موقوف قرار دے رہی ہے اور یہ ایک ناقابل انکار واقعہ ہے کہ یہ پیشوایان دین صرف کتاب الٰہی کو حجت نہیں سمجھتے تھے بلکہ حدیث نبوی کو بھی حجت شرعیہ سمجھتے تھے، نیز اس پر عامل تھے۔ جو شخص حدیث کو حجت نہ سمجھے اور اس پر عمل سے انکار کرے وہ انکا متبع کیسے ہوسکتا ہے؟ یقیناً ایسا شخص رضاء الٰہی سے محروم رہے گا اور اس کے غضب میں گرفتار ہوگا۔

(۳) واطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول	اللہ اس کے رسول اور اپنے اولی الامر
واولی الامر منکم فان تنازعتم	کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تمہارے درمیان
فی شیئٍ فردوہ الی اللّٰہ	اختلاف ہو تو (اسے دور کرنے کے لیے)
والرسول ان کنتم تومنون	اللہ اور اسکے رسول کی طرف رجوع کرو۔
باللّٰہ والیوم الآخر (آل عمران)	اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

حکم یہ دیا جارہا ہے کہ بصورت اختلاف اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو، لیکن اگر حدیث کا سارا ذخیرہ ناقابل اعتماد ہے تو رسول کی طرف رجوع کرنے کی کیا صورت ہو؟ تکلیف مالا یطاق کا تصور کرنا بھی قرآن مجید سے صریح انحراف ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کے معنی تو کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنے کے ہوئے اگر اتنا ہی کافی تھا تو رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم خاص طور پر کیوں دیا گیا؟ "فردوہ الی اللّٰہ" فرمادینا کافی تھا۔

(۴) فاتوا بکتاب من قبل ھذا	(تم اپنی دلیل میں) اس سے پہلے کی

ائتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صادقین۔ — کوئی کتاب (الہی) لے آؤ یا کوئی علم منقول لاؤ اگر تم سچے ہو۔

اثارۃ من علم (علم منقول) سے انبیاء سابقین کے روایات و احادیث ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ اگر حدیث و روایت حجت شرعی نہیں ہے تو مخالفین سے اس کا مطالبہ بطور دلیل کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔؟ متفرق آیات کے علاوہ اگر مجموعی طور سے پورے قرآن مجید پر نظر کی جائے تو صاحب ذوق اور فہیم آدمی سمجھ سکتا ہے کہ یہ متن متین بہت سے مقامات پر عملی تشریح و تفسیر چاہتا ہے۔ اگر حدیث سے اعراض کیا جائے تو ان مقامات پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً قرآن حکیم زکوٰۃ کا حکم دیتا ہے لیکن یہ نہیں بتاتا کہ اسکی تعداد اور اس کا نصاب کیا ہو؟ نماز کا حکم دیتا ہے مگر اس کے طریق ادا کی تشریح نہیں کرتا۔ اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جو کتاب حکیم میں ایک متن کی حیثیت رکھتے ہیں اور شرح کی ضرورت کا اعلان کر رہے ہیں۔

نتائج

مندرجہ بالا قرآنی اور عقلی دلائل نتائج ذیل کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔

(۱) احادیث نبویہ کا ضروری ذخیرہ یقیناً موجود ہے، اور تا قیام قیامت موجود و محفوظ رہے گا۔

(۲) یہ احادیث صحیح اور واجب العمل ہیں ورنہ ان کا وجود بے سود ہے۔

(۳) حدیث نبوی حجت شرعیہ اور ہمارے لیے اسی طرح مشعل ہدایت ہے جس طرح قرآن مجید؛ ہمارے اوپر اسکی پیروی بھی واجب ہو۔

تلاش و یافت

ان قطعی نتائج کی روشنی میں جب ہم اس موعودہ خزانہ کو تلاش کرتے ہیں تو ہماری نگاہ احادیث نبویہ کے اس ذخیرہ پر جا کر ٹھہر جاتی ہے جو بحیثیت مجموعی صحابہ کرام کے زمانہ سے برابر قابل اعتماد، صالح، محتاط، نکتہ رس اور حقیقت شناس افراد کے ہاتھوں منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہونچا ہے ــــ اللہ حفیظ و علیم کی قسم اگر یہ ذخیرۂ احادیث قابل اعتماد نہیں ہے تو دنیا کی کوئی روایت بھی قابل اعتماد نہیں کہی جاسکتی۔ قرآن مجید کے بعد احادیث محمدیہ علیہ الف الف تحیۃ کی حفاظت کا جو اہتمام و انتظام کیا گیا ہے اس کی نظیر تاریخ عالم میں مفقود ہے۔ امت مسلمہ کو فخر ہے اور یہ فخر بالکل بجا ہے کہ اس نے نبی کریم کی سیرت اور آپکے اقوال و افعال

باقی ص۷۰ پر

سُنّت رسول اللہ کے معنیٰ

اور

اتباعِ سنت کی صحیح پوزیشن؟

۲

از عتیق الرحمٰن

(الفرقان بابت ماہ رجب میں اس مقالہ کی پہلی قسط شائع ہوئی تھی جس میں اولاً پرویز صاحب کا مقالہ درج کیا گیا تھا اور اس کے بعد اس پر تبصرہ شروع کیا گیا تھا چونکہ درمیان میں تین ماہ کا فصل ہو گیا ہے اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اولاً پہلی قسط کا خلاصہ درج کر دیا جائے تاکہ مضمون کا تسلسل قائم رہ سکے۔ چنانچہ پہلے چند صفحات میں قسط اول کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسری قسط کا مضمون شروع ہوگا۔)

پرویز صاحب نے ایک تمہید کے بعد (جس کا حاصل یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کے مطابق زندگی کا جو عملی نظام متشکل فرمایا تھا اور دین کے جو تفصیلی احکام لوگوں کو دیے تھے۔ یہ کام آپ نے بحیثیت "مرکز ملت"[1] ہونے کے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اپنی صوابدید اور اپنے

---

[1] پرویز صاحب نے یہ اصطلاح اسلامی حکومت کے سربراہ کے لیے استعمال کی ہے۔ اور "امام وقت" وغیرہ کے جو الفاظ اس مضمون میں آگے آئیں ان کا بھی مطلب [illegible] سمجھا جائے۔

رفقائے کار کے مشورے سے انجام دیا تھا۔) یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہو کہ ہر زمانہ میں سنت رسول اللہ کی صحیح شکل وہ ہو گی جو اس زمانہ کا مرکز ملت متعین کرے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادات سے لیکر سیاسیات تک زندگی کا جو عملی نقشہ اپنے قول و عمل سے متعین فرمایا تھا، بعینہ اس کو ہر زمانہ کے لیے سنت اور اسکے اتباع کو اتباع سنت قرار دینا صحیح نہیں ہے، بلکہ ہر زمانہ کا مرکز ملت اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق سابقہ نقشے میں تغیر و تبدل کر کے جو نیا نقشہ تجویز کرے، اس زمانہ میں اسی کے مطابق عمل صحیح معنیٰ میں اتباع سنت ہے، کیونکہ اس وقت کے لیے سنت رسول اللہ کا مصداق دراصل یہی نقشہ ہے۔

ہمارے خیال میں، اپنے نظریہ کی اس تعبیر میں پرویز صاحب نے ناک ذرا گھما کر پکڑی ہے ورنہ مقصد اور اصل نقطۂ نظر اس خوشنما تعبیر کے پردے کے پیچھے بھی وہی ہے جو اس سے پہلے وہ صاف الفاظ میں ظاہر کرتے رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام بحیثیت رسول کے قرآن لانے اور اسکے الفاظ پہونچانے پر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے احکام قرآنی پر عمل کا جو طریقہ لوگوں کو بتلایا اور وحی کے مطابق جو عملی نظام متشکل فرمایا یہ کام آپ نے رسول خدا ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کیا کہ آپ اپنے زمانہ میں مرکز ملت اور امیر المومنین بھی تھے۔ پس آپ کے متعین کردہ نقشۂ عمل کی پابندی آپکے دور مرکزیت (یعنی آپ کی زندگی) تک لازم تھی۔ اور اس کے بعد جس دور کا جو مرکز ملت ہو اسکو آپ ہی کی طرح دین کا عملی نقشہ متعین کرنے کا حق ہے اور اس باب میں اسکی اطاعت بھی اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ کی اطاعت اپنے زمانے میں لازم تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ پرویز صاحب نے ابتک کے تجربے سے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے ہر "امیر المومنین" کو ایک درجہ میں رکھ دینے اور اسکو آپ ہی کی طرح تشریع کا حق دیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطاعیت و متبوعیت کے منصب سے بے دخل کر دینے کی بات عام مسلمانوں میں چل نہیں سکتی، اس لیے انھوں نے اتباع سنت کو غیر ضروری اور خلاف منشاء الٰہی قرار دینے کے بجائے "سنت" کا ایک ایسا مفہوم تراش کر جس کے بعد "اتباع سنت" اور "انکار سنت" میں کوئی فرق نہ رہے، یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم جس مسلک کی طرف دعوت

دے رہے ہیں وہی مسلک صحیح معنیٰ میں اتباعِ سنت کا مسلک ہے۔

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

سنت کا وہ نیا مفہوم کیا ہے جس کے بعد پرویز صاحب اور ادارۂ طلوعِ اسلام کو انکار سنت کی ضرورت نہ رہی بلکہ "اتباعِ سنت" کا لفظ ہی اپنے معنیٰ و ماحصل کے لحاظ سے "انکارِ سنت" کا مترادف بن گیا ہے؟ —— "سنت" اس نئے معنیٰ کی رو سے نام ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کا کہ آپ حالات اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے احکام دینیہ میں تغیر و تبدل فرماتے اور نئے احکام نافذ فرماتے جاتے تھے۔ پس اب اتباعِ سنت کا صحیح مطلب یہ نہیں رہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مطابق عمل کا جو مکمل نقشہ اپنے قول و عمل سے متعین فرما کر امت کو دیے گئے تھے، ہر زمانہ میں اسی کی پابندی کی جائے بلکہ یہ ہوا کہ جس زمانہ کے مرکزِ ملت صاحب آپ کے متعین کردہ نقشے اور نظامِ عمل میں جس تبدیلی اور جس ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس کریں، بیدریغ کر ڈالیں۔ یہ تو "اتباعِ سنت" ہوا مرکزِ ملت صاحب کے حق میں! اور پھر پرویز صاحب کے اس مفروضہ کی بنا پر کہ آپ کے بعد ہر مرکزِ ملت قرآن کے اصولی احکام اور اپنے زمانہ کے حالات کو سامنے رکھ کر دین کی جو شکل بنائے گا اور عمل بالقرآن کا جو طریقہ متعین کرے گا وہ سب آپ کی سنت ہی کے مفہوم میں داخل ہوگا، امت کے لیے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ نقشہ کو چھوڑ کر) اس نئے نقشہ پر عمل پیرا ہونا "اتباعِ سنت" ہوگا ——

بتلائیے اس پیچدار تعبیر میں اور اس سیدھی سادی تعبیر میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پر کس طرح عمل کیا اور کس طرح عمل کرنا بتلایا اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں آپ نے اپنی فہم و بصیرت اور اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق جس طرح مناسب سمجھا کیا۔ آپ کے بعد کا ہر مرکزِ ملت اپنے زمانہ کے حالات اور اپنی فہم و بصیرت کے مطابق جس طرح مناسب سمجھے گا کرے گا، کیا فرق ہے؟[لے]

لے اس تعبیر کے لیے پرویز صاحب کے خود اپنے الفاظ ذیل کے اقتباسات میں (باقی صفحہ آئندہ پر)

ظاہر ہے کہ کوئی فرق نہیں! ایک ہی نظریہ ہے جس کی یہ دو مختلف تعبیریں ہیں اور اس نظریہ کی جو بنیاد تحلیل و تجزیہ کے بعد سامنے آتی ہے وہ یہ نقطۂ نظر ہو کہ

(۱) رسول کا کام بحیثیت رسول کے صرف کلام خداوندی کو لوگوں تک پہونچا دینا ہو۔

(۲) باقی رہیں وہ تفصیلات و جزئیات اور اعمال کی وہ ہیئات جو احکام الٰہی کی تعمیل کے لیے رسول اپنے قول و عمل سے بتلاتا ہو، سو یہ کام رسول بحیثیت "رسول" کے (یعنی اللہ کی طرف سے) نہیں بلکہ بحیثیت ایک احکام الٰہی کے نافذ کرنے والے (امام وقت) کے اپنی صوابدید سے انجام دیتا ہے۔

(۳) پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قرآن کی تبلیغ میں تو "رسول" تھے، یعنی قرآن کے الفاظ ان کے اپنے نہیں بلکہ اللہ کے تھے۔ لیکن احکام قرآنی کی تعمیل کے لیے اعمال کی جو ہیئات اور جزئیات و تفصیلات آپ بتلاتے تھے اس میں آپ کی حیثیت اللہ کے رسول اور منشاء الٰہی کے ترجمان کی نہ تھی بلکہ یہ کام آپ احکام قرآنی کی تنفیذ کے لیے بحیثیت امام وقت کے (اپنی رائے اور اپنے رفقاء کے مشورے سے) فرماتے تھے۔ کیونکہ اپنے وقت میں آپ ہی مسلمانوں کے امام اور امیر تھے۔

پس اسی کو بنیاد بنا کر یہ نظریہ کھڑا کیا گیا ہے کہ جس وقت جو شخص مسلمانوں کا امیر و امام ہو اس وقت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ملاحظہ فرمائیے ——— فرماتے ہیں

"اگر کسی طرح یہ ثابت بھی کر دیا جائے کہ فلاں روایت یقینی طور پر سچی ہو تو بھی اس سے مفہوم یہ ہوگا کہ حضورؐ کے زمانہ مبارک میں دین کے فلاں گوشہ پر کس طرح عمل کیا گیا تھا۔ اگر ہمارے زمانہ کا مرکز حکومت قرآنی سمجھے کہ اس عمل میں کسی رد و بدل کی ضرورت نہیں تو اسے علی حالہٖ رائج کرے اور اگر سمجھے کہ ہمارے زمانہ کے اقتضاءات اسمیں رد و بدل چاہتے ہیں تو اس میں رد و بدل کر لے۔" (مقام حدیث ج ۱ ص ۲۶ مضمون پرویز صاحب)

"قرآن کے ساتھ انسان کو بصیرت عطا ہوئی ہو۔ اسلئے جن امور کی تفصیل قرآن نے خود بیان نہیں کی انکی تفصیل قرآنی اصولوں کی روشنی میں از روئے بصیرت متعین کی جائیگی۔ یہی رسول اللہ نے کیا اور ہمارے لیے بھی ایسا کرنا منشاء قرآنی و سنت رسول اللہ کے عین مطابق ہو۔ اس باب میں اخلاق و معاملات اور عبادات میں کوئی تفریق و تخصیص نہیں۔" (ایضاً صفحہ ۴۲)

وہ (بربنائے امامت) اپنی رائے سے احکام قرآنی کی تفصیلات وجزئیات اور اعمال مطلوبہ کی جزئیات متعین کرنے کا اسی طرح حقدار ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت میں اسکا حق رکھتے تھے، اور پھر اسکی اطاعت بھی اسی طرح اطاعت خداوندی کے مترادف ہو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اطاعت خداوندی کے مترادف تھی ——— لہٰذا ہم نے اس نظریہ پر تنقید کے سلسلہ میں یہ طے کیا تھا کہ پہلے اس بنیادی نقطۂ نظر پر تنقید کی جائے اور اسکے بعد دوسرے ضروری امور سے تعرض کیا جائے ——— آج کی صحبت میں اسی کام کی تکمیل پیش نظر ہے — واللہ الموفق وھو یھدی السبیل۔

(۱)

پرویز صاحب کے اس بنیادی نقطۂ نظر پر تنقید کے سلسلہ میں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ نقطۂ نظر انھیں کہاں سے حاصل ہوا ہے؟ یعنی آیا ان کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے جس کے متعلق غور کیا جائے کہ اس سے ان کا استدلال صحیح ہے یا نہیں۔ یا بلا کسی دلیل کے یہ نقطۂ نظر محض قیاس آرائی کی پیداوار ہے؟

ہمیں جہانتک معلوم ہے ان کے پاس اسکی کوئی دلیل نہیں، بلکہ صورت واقعہ دوسری ہے اور وہ یہ کہ قرآن نے جن احکام کی جزئیات وتفصیلات اور ان کے مطابق عمل کے قواعد وضوابط متعین نہیں کئے ہیں ان کے متعلق اس عدم تعیین سے پرویز صاحب نے منشاء الٰہی یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کی تفصیلات اور ان پر عمل کے قواعد وضوابط مختلف زمانوں کے تقاضوں کے مطابق ادلتے بدلتے رہیں گے۔ اور قرآنی احکام کو نافذ کرنے والے اپنے اپنے زمانہ میں ان چیزوں کا تعین بطور خود کریں گے[۱]۔ اب اگر وہ یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احکام پر عمل کا جو طریقہ اور ان کی جو تفصیلات بیان فرمائی تھیں وہ بحیثیت "رسول اللہ" کے بیان فرمائی تھیں تو

---

[۱] چنانچہ ایک موقع پر تحریر فرماتے ہیں کہ ——— "ظاہر ہے کہ جن اصول کی جزئیات قرآن نے متعین نہیں کیں اس سے منشاء ایزدی یہی ہو کہ ان کی جزئیات مختلف زمانوں کے تقاضوں کے مطابق ادلتی بدلتی رہیں گی۔ اسلئے اپنے اپنے زمانہ کی اسلامی حکومت ان کی تفاصیل خود طے کرے گی"۔ (پمفلٹ "اسلامی نظام" ص۶)

اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ تفصیلات اور یہ نقشہ ہائے عمل اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور پھر ظاہر ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا (جو کہ پرویز صاحب کے سمجھے ہوئے منشاء ایزدی کے بالکل خلاف ہے) لہٰذا انھوں نے یہ خیال قائم کیا کہ بحیثیت رسول کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کام فقط اتنا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کا کلام لوگوں کو پہونچا دیں۔ اس کے بعد آپ نے احکام الٰہی کی جو تفصیلات اور ان پر عمل کا جو طریقہ بتلایا وہ سب بحیثیت امام وقت کے آپ کی اپنی طرف سے تھا۔ لہٰذا اس میں ہر وقت تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔

گویا اس خیال کی کوئی بنیاد بجز اسکے نہیں کہ پرویز صاحب نے از خود ایک "منشاء ایزدی" متعین کر لیا اور اسکے بعد اس منشاء ایزدی کا تقاضہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حیثیتیں کی جائیں، کہ تبلیغ الفاظ قرآن کے وقت تو آپ کی حیثیت رسول کی ہوتی تھی۔ لیکن الفاظ قرآنی کی مراد اور اسکے اجمال کی تفصیلات بیان کرتے وقت آپ کی حیثیت رسول کی نہیں بلکہ صرف ایک امیر اور امام وقت کی ہو جایا کرتی تھی۔ حالانکہ قرآن نے کہیں نہیں کہا [illegible] "صرف قرآن کے الفاظ کی تبلیغ کے لیے بنائے گیے ہیں بلکہ اس کے برعکس پوری صراحت کے ساتھ قرآن کا کہنا یہ ہے کہ آپ کو رسول بنانے اور کلام الٰہی کو بندوں پر براہ راست نازل کرنے کے بجائے آپکے ذریعہ بھیجے جانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ اسکی ان کے سامنے اچھی طرح وضاحت کر دیں۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ	اور اتارا ہم نے آپ پر یہ ہدایت نامہ
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ	(قرآن) تاکہ آپ خوب واضح کریں
اِلَيْهِمْ۔	لوگوں کے لیے جو کچھ کہ اتارا گیا ہے
(النحل ع ۶)	ان کی طرف۔

اب اگر پرویز صاحب اپنے متعین کردہ "منشاء ایزدی" کی خاطر "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" کو "لِتُبَلِّغَ النَّاسَ" یا "لِتَتْلُوَ عَلَى النَّاسِ" کے مترادف ٹھہرا دیں تو دوسری بات ہے۔ جیسا کہ وہ ہر اس موقع پر کر ڈالتے ہیں جو ان کی منشاء کے خلاف ہوتا ہے ——— ورنہ "لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" کا مطلب تو اس کے سوا کچھ اور ہے نہیں کہ قرآن میں جو بات توضیح طلب ہو آپ اسکی توضیح و تشریح فرمائیں۔ اور ظاہر ہے کہ احکام قرآنی کی تفصیلات و جزئیات

اور انکی بجا آوری کی ہیئات کا بیان بھی قرآن کی توضیح و تشریح ہی کے قبیل سے ہے کیونکہ ان امور
کے بغیر قرآن کے احکام مبہم رہتے ہیں۔ اور لوگ نہیں جان سکتے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کیا چاہتا ہے
اور کس طرح چاہتا ہے۔

پس جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب ہدایت کے لیے اپنے اور اپنے بندوں کے درمیان
آپ کو واسطہ بنانے کا ـــــ جو عبارت ہے آپ کی نبوت و رسالت سے ـــــ مقصد
پوری صراحت کے ساتھ یہ بتلایا ہے کہ آپ مبہمات و مجملاتِ کتاب کی توضیح و تفصیل فرما کر لوگوں کو
اس میں دی گئی ہدایات و احکام کا مطلب اور ان پر عمل درآمد کا طریقہ اچھی طرح بتلا دیں۔ تو پھر
یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ آپ یہ کام بحیثیت رسول کے نہیں انجام دیتے تھے؛ جو کام عین مقصودِ
منصب رسالت کا اسکو بحیثیت رسول کے انجام نہ دینے کے آخری معنیٰ کیا ہیں اور عقل سلیم اسے
تسلیم کیسے کر سکتی ہے؟

علاوہ ازیں یہ پہلو بھی سوچنے کا ہے کہ قرآن کے کتنے ہی مجملات ایسے ہیں جن کی تفصیل بغیر
توقیف الٰہی کے ممکن ہی نہیں اور بڑے سے بڑا صاحب بصیرت و فراست محض اپنی بصیرت و
فراست سے بھی یہ متعین نہیں کر سکتا کہ ان مقامات میں مراد الٰہی اور منشائے الٰہی کیا ہے۔ مثلاً قرآن
فرماتا ہے "اقیموا الصلوٰۃ"۔ ذرا دیر کے لیے "اقامت صلوٰۃ" کے اس نقشے اور "صلوٰۃ" کی
ان جزئیات و تفصیلات سے خالی الذہن ہو کر سوچئے جو گزشتہ تیرہ سو سال کے مسلسل عمل سے "الصلوٰۃ"
اور "اقامت صلوٰۃ" کے مفہوم کا جزو بن گئی ہیں، کوئی صاحب بتلا سکتے ہیں کہ "الصلوٰۃ" سے مراد
الٰہی کیا ہے اور "اقامت صلوٰۃ" کی کیا صورت ہوگی؟ اگر خالی الذہن ممکن ہو تو ناچار ہر بڑے سے بڑا
علم و فہم رکھنے والا انسان اس سوال میں اظہار معذوری کرنے پر مجبور ہوگا ـــــ اس لیے کہ
"اقامت صلوٰۃ" کے لغوی مفہوم سے اسکی بجا آوری کا کوئی کیسا بھی عملی نقشہ ذہن میں نہیں آتا!
ـــــ اور اگر کوئی بفرض محال "اقامت صلوٰۃ" کا عملی نقشہ اپنی سمجھ سے بنا بھی دے
تو اسکے پاس اسکی کیا سند ہوگی کہ یہ نقشہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق بھی ہے اور اس پر عمل کر کے
اس کے ہم آئین بھی حکم خدا کے مطابق بجا لائیں گے؟ ـــــ پھر کیا اس سے یہ بات قطعی طور
پر بالکل صاف نہیں ہو جاتی کہ "اقامت صلوٰۃ" اور اس جیسے دوسرے مجمل احکام کی تفصیل اور

ان کا عملی نقشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت امام وقت کے اپنی بصیرت انسانی سے خود نہیں متعین فرمایا تھا بلکہ بحیثیت رسول خدا کے، خدا کے بتلانے کے مطابق بیان فرمایا تھا۔

علیٰ ہذا قرآن کے وہ مجمل احکام جو "اقیموا الصلوٰۃ" جیسے تو نہیں ہیں کہ ان کی تفصیل و تشریح میں عقل انسانی معذور محض اور زبان ادراک گنگ ہو۔ بلکہ ان میں قیاس آرائی ممکن ہو، ان کے بارے میں بھی عقل کا بدیہی تقاضہ یہی ہے کہ ان کی تفصیل و تشریح بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت رسول کے فرمائی ہو۔

اس لیے کہ ان احکام کی تفصیل و تشریح میں قیاس آرائی اگرچہ ممکن ہے اور مختلف احتمالات میں سے کسی ایک کو ترجیح بھی عقل سے دی جاسکتی ہے مگر صرف عقل و قیاس کی بنیاد پر قطعیت کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی مراد بھی یہی ہے بلکہ بات صرف شاید تک رہے گی۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا کسی شک و تذبذب کے قطعیت کے ساتھ یہ بتلانا کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کا مطلب یہ ہے اور اس کی تعمیل کا طریقہ یہ ہے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ منشاء الٰہی پر مطلع ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مراد آپ پر منکشف فرمادی ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس معاملہ میں بھی آپ کی حیثیت رسول ہی کی ہے۔ نہ کہ ایک عام امام و امیر کی۔

رہی "منشائے یزدی" والی بات تو یہ درحقیقت تصور رسالت سے پرویز صاحب کی قطعاً ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ نوع انسانی کی ہدایت کا جہاں تک تعلق ہے اس کے لیے صرف کتاب اللہ کافی ہے باقی رہا رسول تو وہ صرف اس لیے ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کو لوگوں تک پہنچا دے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ رسالت کا نظام اللہ تعالیٰ نے صرف مکتوب ہدایت پہونچانے کے لیے نہیں قائم فرمایا تھا بلکہ اسلیے قائم فرمایا تھا کہ نوع انسانی کی ہدایت یابی کے لیے تنہا کتاب کافی نہیں ہو سکتی تھی؛ ورنہ سوچیے کہ جہاں تک نفس کتاب پہونچانے کا تعلق تھا اس میں کسی واسطہ کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر نہ تھا کہ وہ اپنے بندوں کو بلا کسی واسطہ کے اپنی کتاب پہنچا دے۔ بلکہ ______ اگر رسالت کا نظام صرف کتاب پہونچانے ہی کے لیے قائم کیا گیا تھا تو ______ اس نظام کے بجائے کیا اس قسم کا کوئی انتظام بہتر نہ تھا کہ ایک ندائے آسمانی کے ذریعہ لوگوں کو متوجہ کر لیا جاتا اور پھر سب کی آنکھوں کے سامنے آسمان سے کتاب

نازل کردی جاتی اور بتلا دیا جاتا کہ یہ تمہارے رب کا ہدایت نامہ ہے؟ یہ صورت یقیناً زیادہ بہتر تھی کیونکہ رسالت والے انتظام کی وجہ سے لاتعداد بندگانِ خدا ہدایت سے محروم رہ گیے۔ اس لیے کہ وہاں سوال اپنے جیسے انسان پر اعتماد کا تھا۔ اس کے برعکس اگر یہ صورت ہوتی تو شاید کوئی بھی محروم نہ رہ جاتا۔ لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ کیوں؟

اس لیے کہ عقائد تو کتاب سے پڑھ کر سمجھے جا سکتے ہیں۔ اور اخلاقیات کی نظری تعلیم بھی نقوشِ کتاب سے حاصل ہو سکتی ہے اور معاملات میں حلال و حرام کا امتیاز بھی کتابی تعلیم سے ہو سکتا ہے۔ لیکن اعمال صرف کتاب سے اخذ نہیں کیے جا سکتے۔ خاصکر وہ اعمال جو آدمی کے لیے نئے ہوں۔ پیشتر کبھی ان کے کرنے یا دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا ہو، ان کی تعلیم کے لیے تو کتاب بالکل ناکافی ہے خواہ ایک ایک جزئیہ کی تفصیل اس میں موجود ہو۔ حتیٰ کہ استاد کی مدد سے بھی ان کا پورا عملی نقشہ ذہن میں نہیں آتا اور انسان ان کو کرنے پر قادر نہیں ہو پاتا جب تک کہ اُسے عمل کر کے نہ دکھلایا جائے۔ پس ہدایت انسانی کے لیے ناگزیر ہوا کہ کتاب کے ساتھ ایک انسان بھی مبعوث کیا جائے۔ جس کو رسول کہا جاتا ہے۔

یہ تھی وہ ضرورت جس کے لیے (بظاہر) اللہ تعالیٰ نے نظامِ رسالت قائم فرمایا۔ اور پھر جب تکمیلِ ہدایت کے لیے رسول بھی بھیجنا ہی ہوا تو کوئی ضروری نہ تھا کہ ہر بات کتاب ہی میں بیان کردی جاتی، بلکہ ان عملی تفصیلات کا ذکر تو بے ضرورت بلکہ لاحاصل ہی تھا جن پر عمل کی کیفیت کو سمجھنے اور ان کے مطابق ٹھیک ٹھیک عمل کرنے کے لیے رسول کی طرف رجوع کرنا بہر حال ضروری تھا۔ لہٰذا یہ تفصیلات رسول کو بتلا دی گئیں کہ وہ خود ہی لوگوں کو بتلا کر ان کے مطابق عمل کرنا سکھلا دیں۔ اور ان کے علاوہ بھی جہاں حکمتِ الٰہی کا تقاضہ ہوا وہاں اجمال و اختصار اور اشارات پر اکتفا کر کے اسکی تفصیل و تشریح رسول کے سپرد کردی گئی۔

پس قرآن میں جن احکام پر عمل کا طریقہ اور اسکی تفصیلات درج نہیں ہیں ان کے متعلق یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تفصیلات متعین ہی نہیں فرمائی ہیں، ایک بالکل غلط خیال ہے۔ یہ جب صحیح ہو سکتا تھا جبکہ اللہ تعالیٰ نے محض قرآن ہی کے بھیجنے پر اکتفا فرمایا ہوتا۔ لیکن جب اس نے قرآن کے ساتھ ایک رسول بھی مبعوث فرمایا، جس کی بعثت بجائے خود اس بات کی دلیل

ہے کہ کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ کو بجائے قرآن کے اس کے ذریعہ بیان کرانا ہیں، تو جس طرح ان تفصیلات کے قرآن میں مذکور ہونے کا مطلب یہ ہوتا کہ یہ تفصیلات اللہ تعالیٰ نے متعین فرمادی ہیں اسی طرح رسول اگر ان تفصیلات کو بیان کرتا ہے تو اس کا بھی یہی مطلب ہے۔ اس لیے قرآن میں تفصیلات وجزئیات کے بیان نہ کیے جانے کا منشا ہرگز یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ مختلف زمانوں کے تقاضوں کے مطابق ادلتی بدلتی رہیں گی۔

بہرحال کہنا یہ تھا کہ قرآن کی آیات بینات اور عقل سلیم ہر دو اس پر شاہد ہیں کہ جس طرح قرآن کے الفاظ پہونچانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت "رسول" کی تھی اسی طرح ان الفاظ کی توضیح وتبیین اور مجملات واشارات قرآن کی تفصیل وتشریح میں بھی ــــ جس سے دین کا تفصیلی نقشہ تیار ہوتا ہے ــــ آپ کی حیثیت "رسول" ہی کی تھی۔ ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ پہلی چیز میں آپ واسطہ محض اور صرف ناقل تھے، لیکن دوسری چیز میں یہ ضروری نہیں تھا۔ کہیں آپ کو تفصیلات وتشریحات سے باقاعدہ مطلع کیا جاتا تھا، جیسا کہ بعض امور کی نوعیت سے یہ بات از خود ظاہر ہوتی ہے۔ جنھیں امور توقیفی کہا جاتا ہے۔ اور کہیں آپ (اس کام کے لیے اللہ کی دی ہوئی) خاص بصیرت اور نور نبوت سے منشاء الٰہی کو سمجھ کر از خود تفصیل وتشریح فرمادیتے۔ مگر یہ تفصیلات بھی حکماً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی تھیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی منشاء اور اپنی مراد بیان کرنے کا مجاز بنادیا تھا جیسا کہ آیۂ "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس" الخ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ اسی لیے رسول کی اطاعت کو اطاعت خداوندی کے مترادف قرار دیا گیا۔ اور فرمایا گیا۔

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ	اور جس نے اطاعت کی رسول کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

پس اب کسی کو یہ حق نہیں مل سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قولی یا عملی بیان سے عمل بالقرآن کا جو نقشہ اور اعمال دینیہ کی جو وضع وہیئت متعین ہو چکی ہے اس میں وہ کوئی ردو بدل کر سکے۔ خواہ وہ امام وقت ہو یا کوئی اور۔

(۲)

پرویز صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل سے ثابت شدہ دینی نقشے اور اعمال دینیہ کی تشکیلات و تفصیلات میں امام وقت کو ردو بدل کا مجاز قرار دینے کے لیے یہ عجیب و غریب منطق بھی تراشی ہے کہ ان چیزوں میں تغیر و تبدل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو لہٰذا یہ آپ کی سنت ہوئی ـــــــ گویا ایسا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مسنون ہوا۔

استدلال کا یہ انداز اگر کوئی صحیح انداز ہے تو پھر دعوائے نبوت بھی سنت ہوا کیونکہ یہ چیز بھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو ـــــــ اور پھر حضور کے زمانہ کے تغیر و تبدل سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ کے بعد بھی اس ردو بدل کی اجازت ہوگی جب صحیح ہو سکتا تھا جب کہ آپ نے منشاء الٰہی کے بجائے تغیر حالات کے بموجب محض اپنی رائے سے ایسا کیا ہوتا۔ لیکن اس ردو بدل کی جو مثال پرویز صاحب نے پیش کی ہے ـــــــ کہ "پہلے ہر نماز میں دو رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔ بعد میں اضافہ ہوا" ـــــــ اسے انھوں نے اگرچہ اسی طور پر پیش کیا ہے کہ یہ تبدیلی گویا حضور نے وقت کے کسی خاص تقاضے اور حالات کے تغیر کی بنا پر از خود کی تھی۔ لیکن یہ محض ان کی حاشیہ آرائی ہے۔ ورنہ جس وقت یہ تبدیلی ہوئی ہے اس وقت ہمیں حالات کے کسی ایسے تغیر کا پتہ نہیں چلتا جس کا تقاضہ یہ ہو کہ نماز کی رکعتیں اب دو سے زیادہ کر دی جائیں۔ اور نہ پرویز صاحب ہی نے کسی ایسے تغیر کی نشاندہی کی ہو اور نہ وہ کر سکتے ہیں ـــــــ پس یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ نماز کی رکعتوں کا اضافہ بحکم خداوندی اور بمنشاء ایزدی تھا، نہ کہ بمقتضائے حالات ـــــــ اور یوں بھی رکعات نماز کی کمی بیشی کا تغیرات زمانہ سے آخر کیا تعلق ہے ـــــــ افسوس اس عقل و خرد پر جو اتنی موٹی بات نہ سمجھ سکے کہ زمانہ کے تغیرات ان اعمال پر اثر انداز ہوا کرتے ہیں جنہیں دنیوی زندگی کی ضرورتوں اور تقاضوں کے ماتحت کیا جاتا ہے یا جن سے اسی زندگی میں کچھ خاص نتائج کا حصول مقصود ہوتا ہے، نہ کہ نماز جیسے خالص تعبدی اعمال پر۔

یہ تو تھی پرویز صاحب کے اس استشہاد پر عقل اور واقعات کی روشنی میں گفتگو۔ لیکن اب آئیے ذرا اس روایت کے الفاظ کو دیکھیں جس کا حوالہ پرویز صاحب نے دیا ہے۔

پرویز صاحب نے مشکوٰۃ کی متفق علیہ روایت کا حوالہ دیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ مشکوٰۃ میں یہ ملتے ہیں۔

عن عائشة قالت فُرِضَت الصلوٰة ركعتين ثم هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم فَفُرِضَتْ اربعاً وتُرِكَتْ صلوٰة السفر على الفريضة الاولى ....

روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ سے انھوں نے فرمایا کہ فرض کی گئی تھی نماز دو دو رکعتیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو چار رکعتیں فرض کر دی گئیں۔ اور سفر کی نماز پہلی فرضیت کے مطابق باقی رکھی گئی۔

ذرا غور فرمائیے! ان الفاظ سے کہیں واقعہ کی وہ نوعیت معلوم ہوتی ہے جو نوعیت پرویز صاحب نے ظاہر کی ہے؟ (یعنی یہ کہ نماز کی رکعتوں کی تعداد میں یہ رد و بدل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کیا تھا)؟ بلکہ اس کے برعکس "فُرِضَتْ" اور "فَفُرِضَتْ" کا کلمہ صاف طور سے اس پر دلالت کرتا ہے کہ دو رکعتوں کی فرضیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی اور بعد کو دو کے بجائے چار بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوئیں۔ ورنہ اگر واقعہ کی نوعیت وہ ہوتی جو پرویز صاحب بتلاتے ہیں تو پھر روایت کے الفاظ یوں ہونے چاہیے تھے۔

كانت الصلوٰة ركعتين فلما هاجر رسول الله صلى الله عليه وسلم امر باربع وترك صلوٰة السفر على ....

پہلے نماز کی دو رکعتیں ہوتی تھیں لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو چار کا حکم نافذ فرمایا اور سفر کی نماز کو پہلی ہی صورت پر باقی رکھا۔

علاوہ ازیں حضرت عائشہ کی روایت کے بعد اسی معاملہ میں متصلاً دوسری روایت حضرت ابن عباس کی ہے جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

عن ابن عباس قال فرض الله الصلوٰة على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم في الحضر اربعاً وفي السفر ركعتين .... (رواه مسلم)
(مشکوٰۃ باب صلوٰۃ السفر)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرض فرمائیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر حضر میں نماز کی چار رکعتیں اور سفر میں دو رکعتیں۔

اس کے بعد تو کسی بڑے سے بڑے دھاندلی پیشہ کی بھی یہ جرأت نہ ہونی چاہیے کہ وہ تعداد رکعات کے اس ردوبدل کو بجائے اللہ تعالیٰ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرے۔

مگر پرویز صاحب کی جرأت و دلاوری کا یہ کمال ملاحظہ ہو کہ رکعات نماز میں ردوبدل کے واقعہ کو ثبوت میں پیش کیا جا رہا ہے اس دعوے کے کہ:۔

"رسول اللہ نے اپنی تیئیس سالہ رسالت کی زندگی میں اس نظام کو بتدریج متشکل فرمایا تھا۔ اس لمبے عرصہ میں حالات میں کافی تغیر و تبدل ہوا۔ جس دن حضور نے اس دعوت کے لیے پہلی آواز بلند فرمائی اور جس روز آپ دنیا سے تشریف لے گیے۔ اس کے درمیانی عرصہ میں یہ کاروان رشد و سعادت مختلف منازل میں سے گزرا۔ حضور ایک راہ شناس اور واقف منزل میر کارواں کی طرح ان تمام منازل و مراحل میں اپنی خداداد بصیرت اور رفقائے کار (صحابہؓ) کے مشورے سے، حالات کے تقاضے کے مطابق عملی نقشے بناتے اور وقت اور موقع کے مناسب ہدایات نافذ فرماتے، مقدمین کے اس قافلہ کو آگے بڑھاتے گئے۔"

—— (گویا واقعہ کی نوعیت بالکل یونہی ہے کہ یہ ردوبدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے)

—— اور حوالہ دیا جا رہا ہے اس واقعہ کی اس روایت کا، جس میں صاف "فُرِضَتْ" کا لفظ موجود ہے۔ اور جس کے بعد متصلاً ہی دوسری روایت میں "فرض اللہ علی لسان نبیکم" کے الفاظ آرہے ہیں۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

مگر تعجب کیوں ہو؟ فتنہ انکار سنت کی پوری عمارت روز اول سے ایسی ہی تلبیسات و تحریفات پر اٹھائی جا رہی ہے اور اس کا کوئی سہارا بجز اس تلبیس و تحریف کے نہیں۔

منقولہ بالا دعوے کے ثبوت میں ایک دوسری مثال پرویز صاحب نے اذان کی پیش کی ہے۔

نماز کی مثال کے بعد فرماتے ہیں :-

"یا مکہ میں نماز کے لیے اذان کا قاعدہ نہیں تھا۔ اس کی ابتدا مدینہ میں جاکر صحابہ کے مشورہ سے ہوئی" (بخاری)

مدعا کیا ہے؟ یہی کہ وہ تمام اعمال اور اعمال کی وہ تمام اشکال وہیئات جو قرآن میں مذکور نہیں ہیں ان کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے خاص حالات اور ضروریات کے پیش نظر اپنی رائے اور رفقاء کے مشورہ سے بحیثیت امام وقت کے دیا تھا۔ پس کسی زمانہ کا امام اگر ضرورت سمجھے تو اپنی رائے اور رفقاء کے مشورے سے ان اعمال میں حذف و اضافہ بھی کر سکتا ہے اور اعمال کی شکل وہیئت بھی بدل سکتا ہے۔

لیکن ان کا یہ وسیع و عریض مدعا اس مثال سے بھی حاصل نہیں ہوتا۔

اس لیے کہ صورت واقعہ یہ ہے ہی نہیں جو پرویز صاحب پیش کر رہے ہیں۔ یہاں بھی انھوں جس روایت کا حوالہ دیا ہے، اسے بالکل غلط طور پر پیش کر کے مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔ بخاری کی وہ روایت جس کا حوالہ دیکر انھوں نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں اذان (مروجہ) کا سرے سے ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ مدینہ آکر مسلمانوں کے سامنے یہ مسئلہ آیا کہ کوئی صورت ایسی ہونی چاہیئے کہ نماز کے وقت کی سب کو اطلاع ہو جایا کرے اور سب بروقت مسجد میں جمع ہو جایا کریں۔ اس کے لیے مختلف تجویزیں پیش ہوئیں اور آخر میں حضرت عمرؓ کی یہ تجویز اس وقت قابل ترجیح سمجھی گئی کہ ایک آدمی بستی میں جاکر پکار دیا کرے کہ جماعت تیار ہو۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں روایت کے الفاظ۔

عن ابن عمر قال کان المسلمون	روایت ہے حضرت ابن عمرؓ سے کہ انھوں نے
حین قدموا المدینۃ	فرمایا، مسلمان جب مدینہ آئے تو ہوتا یہ تھا کہ
یجتمعون فیتحینون للصلوٰۃ	..... مسجد میں جمع ہوتے رہتے اور جماعت
ولیس ینادی بھا احد	کا انتظار کرتے اور کوئی نماز کے لیے پکارا
فتکلموا یوما فی ذالک فقال	نہیں کرتا تھا۔ (اس میں چونکہ زحمت
بعضھم اتخذوا مثل ناقوس النصاریٰ	ہوتی تھی) لہٰذا ایک دن لوگوں نے

وقال بعضهم قرنًا مثل قرن اليهود فقال عمر اولا تبعثون رجلاً ينادي بالصلوٰة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم يا بلال قم فناد بالصلوٰة۔

(مشکوٰۃ د باب الاذان، بحوالہ بخاری و مسلم)

مشورہ کیا کہ اس دقت کا حل کیا ہو، پس بعض نے تو کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس جیسا ایک ناقوس اس کام کے لیے استعمال کیا جائے اور بعض نے کہا کہ یہود کے قرن کے جیسے ایک قرن سے یہ کام لیا جائے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسکے بجائے ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ایک آدمی کو بھیج دیا جائے جو نماز کے لیے پکار دیا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس تجویز کو سنکر) حضرت بلال سے فرمایا کہ بلال اٹھو اور نماز کے لیے پکار دو۔

تو اس روایت کے مطابق جو چیز مشورہ سے طے ہوئی تھی وہ یہ اذان نہیں تھی جو نظام شریعت کا ایک جزو اور شعائر اسلام میں سے ایک شعار ہے، بلکہ مطلق ندا تھی۔ جس کی حیثیت ایک دینی فریضہ کی بجا آوری میں مدد دینے والی ایک دنیوی تدبیر کی تھی۔ نہ کہ جزو شریعت کی ——— اور جن چیزوں کا اختیار کرنا محض تدابیر و انتظامات کے طور پر ہو وہ اگر صرف انسانی رائے اور مشورہ سے اختیار کرلی جائیں تو ان پر قیاس کرکے یہ کہنا کہ شریعت کے اندر اضافات بھی اسیطرح رائے اور مشورہ سے کیے جاسکتے ہیں، سراسر قیاس مع الفارق اور کہنے والے کی کج فہمی کی علامت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ اذان کی مشروعیت کس طور پر ہوئی ہے؟ اور اذان جو شریعت کے ایک جزو کی حیثیت رکھتی ہے، نظام شریعت میں اس کا اضافہ انسانی رائے و مشورہ سے ہوا تھا یا کسی اور چیز سے؟ اس کا جواب صاف الفاظ میں یہ ہے کہ یہ اضافہ انسانی رائے اور مشورہ سے ہرگز نہیں ہوا۔ (کیونکہ اذان کی صورت تو مشورہ میں پیش ہی نہیں ہوئی۔) بلکہ ارادۂ خداوندی اور اشارہ غیبی سے ہوا تھا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جن دنوں یہ مشورہ ہو رہا تھا کہ نماز کے لیے سب لوگوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ اور کوئی چیز پوری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو نہیں لگ رہی تھی۔ کبھی ایک چیز اختیار کی جاتی اور کبھی دوسری کے لیے سوچا جاتا۔

(باقی صفحہ ۹۵ پر)

مکاتیبِ دمشق

ہمارے بہت سے ناظرین شاید ابھی تک اس بات سے لاعلم ہوں گے کہ مخدوم و محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم "الجامعۃ السوریۃ" (شامی یونیورسٹی) کی دعوت پر آج کل دمشق گئے ہوئے ہیں۔

"جامعہ سوریا" نے مولانا موصوف کو اپنے نوتاسیس کالج "کلیۃ الشریعۃ" کا پروفیسر نامزد کرتے ہوئے مولانا سے اس کی منظوری چاہی تھی، لیکن موصوف نے سال میں صرف دو ماہ کا وقت دینے پر آمادگی ظاہر فرمائی۔ چنانچہ یونیورسٹی کے ذمہ داران نے اسے قبول کرلیا اور مولانا ابتدائے اپریل میں اس مبارک سفر پر روانہ ہوگئے۔ مولانا محترم کو وہاں اس دو ماہ میں "اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکات" کے موضوع پر دس لکچر دینا تھے جو غالباً اب پورے ہوچکے ہوں گے —— ذیل میں ہم مولانا کے مدیر "الفرقان" کے نام آئے ہوئے وہ مکتوب ہدیۂ ناظرین کررہے ہیں، جو مولانا کی مصروفیات شام اور اہل شام سے متعلق ان کے تاثرات اور دوسرے عجیب و غریب بہامضامین پر مشتمل ہیں۔

مولانا کے اس سفر سے جہاں اہل ہند کو ایک غیر معمولی اعزاز ملا ہے وہاں علمائے ہند کی بلند نظری و عالی حوصلگی کی بھی ایک ایسی مثال قائم ہوئی ہے جس نے اسلاف کی یاد تازہ کردی، یونیورسٹی نے مولانا کو مصارفِ سفر کے علاوہ ان کے خدمات کے معاوضہ میں ایک خطیر شاہرہ کی پیشکش بھی کی تھی جسے مولانا نے قبول کرنے سے معذرت فرمادی۔ ....

....

مولانا کے اس ایثار اور قناعت و عزیمت نے ہم نیازمندان علمائے دین کا سر فخر سے

اونچا کر دیا ہے ـــــ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے مراتب بلند فرمائے اور سلامتی و کامیابی کے ساتھ واپس لائے۔ (ادارہ)

کلیۃ الشریعۃ الجامعۃ السوریۃ
(دمشق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محب مخدوم و محترم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

اُمید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا، شرمندگی ہو کہ ابھی تک آپ کی خدمت میں کوئی عریضہ نہ لکھ سکا، ماہِ مُبارک کی آمد نے اور زیادہ مشغول کر دیا، یوں تو آپ کو خیریت اور مختصر حالات معلوم ہو گئے ہونگے مگر ضروری تھا کہ خود بھی آپ کو مطلع کروں، مگر ابھی تک اس کی نوبت نہ آئی۔

دمشق اُترتے ہی شیخ مصطفےٰ السباعیؒ نے ایک ہوٹل میں ٹھہرا دیا تھا ہوٹل دینی حیثیت سے اور ہمارے قیام کے لیے بُرا نہ تھا، بلکہ منتخب ہوٹل تھا، لوگوں کو ملنے کی بڑی سہولت تھی، لیکن خواہش یہ تھی کہ مسجد بالکل قریب ہو، اور بے تکلف جگہ ہو، اللہ تعالےٰ نے بڑی اچھی جگہ دلا دی جو بالکل اپنے مرکز کی طرح ہے، یعنی مسجد سے متصل ایک صاف ستھرا آراستہ مکان، صاحب مکان جو مسجد کے امام بھی ہیں (علی نمیر نیاس) ایک صوفی شخص ہیں، اور ہمارے سابق میزبان، ضرورت کی تمام چیزیں مہیا، شہر کے مرکز میں، ہوٹل کا سارا کرایہ اور مصارف باصرار سعید رمضان نے ادا کیے، اب بھی یہ طے ہے کہ سنیچر منگل جمعرات کو افطار اور کھانا انھیں کے ساتھ ہوگا، اصرار تو پورے رمضان کے لیے تھا اور اپنے ساتھ قیام کے لیے، مگر آخر میں اس پر سمجھوتا ہوا، بہت ہی مخلصانہ طریقہ پر پیش آتے ہیں، ہر مرتبہ شہر کے ممتاز علماء و شخصیات کو مدعو کرتے رہتے ہیں تاکہ ملاقات و اجتماع ہوتا رہے۔

۵ے کلیۃ الشریعۃ کے پرنسپل۔

نظام الاوقات اس طرح ہے کہ ہر چہار شنبہ کو یونیورسٹی ہال میں اس موضوع پر سلسلہ وار تقریر ہوتی ہے جس کے لیے یہاں آنا ہوا ہے، ہر ہفتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی طرف سے چھپے ہوئے کارڈ کے ذریعہ اہل علم کو شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، علمی ذوق کا یہ حال ہے کہ یونیورسٹی کے ممتاز اساتذہ و پروفیسر، مختلف کالجوں اور شعبوں کے طلبہ، پارلیمنٹ کے ممبر اور بعض وزراء تک شریک ہوتے ہیں، پچھلی دو تقریروں میں وزیر تعلیم بھی تھے، اور ایک میں چیف جسٹس بھی، طالبات گیلری پر ہوتی ہیں، اوّل سے آخر تک بڑے سکون کے ساتھ مضمون سنا جاتا ہے جو تقریباً ایک گھنٹہ لیتا ہے، اس اثناء میں شاید ایک شخص بھی اٹھ کر نہیں جاتا، تعجب خیز بات یہ ہے کہ رمضان المبارک کے آغاز کے بعد سے محاضرات کا وقت نماز عشاء اور تراویح کے بعد ہو گیا ہے، اس کے باوجود حاضرین کی خاصی تعداد ہوتی ہے، اور ممتاز اصحاب شریک ہوتے ہیں، اخوان تو ان چیزوں میں پیش پیش رہتے ہی ہیں ان کے علاوہ دوسرے عناصر بھی، بعض مسیحی بھی، کل حضرت حسن بصریؒ پر محاضرہ تھا، اور الحمد للہ مؤثر، اس سے پہلے سیدنا عمر بن عبد العزیزؒ پر۔

دوسرا جزء یہ ہے کہ ہر منگل کو مرکز الاخوان میں ایک تقریر طے پائی ہے جس میں ہمیں اپنے دینی خیالات پیش کرنے کا موقع ملتا ہے، اس کے علاوہ دوشنبہ کو اخوان کی مختلف شاخوں کے ذمہ داروں سے بات کرنے اور ان کو مشورہ دینے کے لیے مستقل پروگرام ہے، ملاقاتیں اور آمد و رفت اس کے علاوہ ہے، صبح سے ظہر تک عموماً محاضرات کی تیاری میں وقت صرف ہوتا ہے، لکھنؤ میں صرف چھ محاضرات تیار ہوئے تھے، کم سے کم چار محاضرات یہاں تیار کرنے ہیں۔

عربوں کی فراخ دلی، حسن اعتراف، حوصلہ مندی، علو اخلاق تعریف و تحسین سے مستغنی ہیں، اخوان کی مستعدی، نشاط دینی، محبت، گرم جوشی اور عصبیت اسلامیہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، مگر یہ دیکھ کر بڑا قلق ہوا کہ مغربی تہذیب من حیث القوم تسلیم کر لی گئی ہے، ۹۵ فی صدی ٹوپیاں اتر گئیں، داڑھی شاید ایک فی صدی ہو، علماء نے بالخصوص ہتیار ڈال دیے، مغربی لباس عورتوں میں (شہروں میں) ۹۹ فی صدی، مردوں میں شاید ۹۸ فی صدی، البتہ اس سب کے ساتھ نماز روزے کا تناسب بھی ۹۰ فی صدی معلوم ہوتا ہے! اور ہندوستان سے بہرحال بہت بڑھا ہوا ہے۔

رمضان مبارک کے بعد شمالی شام، حمص حماۃ، حلب کے سفر کا قصد ہے، انشاء اللہ امید ہے کہ حلب ہماری تبلیغی تحریک کا ایک مرکز بن جائے گا، اور اجتماعات و تبلیغی سفروں کی داغ بیل پڑ جائے گی، دعا فرمائیے، قبول کرنے کی بڑی صلاحیت ہے البتہ طویل قیام شرط ہے۔ بعض دوست کہتے تھے کہ دو سال ٹھہر جائیے۔

اسی مغربی ماحول و معاشرت میں بعض ایسے لوگوں سے بھی ملاقات ہوئی جن کے متعلق وجدان کہتا ہے کہ اہل اللہ اور عارفین میں سے ہیں یہ تو پہلے بھی پڑھا تھا کہ شام اس صنف کا خاص مرکز ہے، اب کچھ اندازہ بھی ہوا۔

اہل مرکز، اہل جماعت کی خدمت میں عمومی و خصوصی سلام، خاص طور پر اُن دوستوں کی خدمت میں جن کی محبت کا خاص حق ہے، اور جن کے احسانات ہیں، فہرست طویل ہو جائے گی ورنہ نام بنام لکھتا،

آں گروہ کہ از بادۂ وفا مستند ز ما سلام رسانید ہر کجا ہستند

دُعا کی درخواست ہے، لیالی رمضان میں نہ فراموش فرمایا جائے گا۔ آپ کے گرامی نامہ، ہدایات اور مشوروں کا انتظار رہے گا۔

آپ کا
علی

۱۰ رمضان المبارک، جمعہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پھر پرسش جراحت دل کو چلا ہے عشق
سامان صد ہزار نمک داں کیے ہوئے

مولانا! السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ، اس وقت آپ کو اسی طرح خطاب کرنے کو جی چاہا، اس سے زائد تکلف معلوم ہوا، کل شب بسر ہوتے ہوئے مولوی رضوان صاحب نے

آپ کا خط لا کر دیا، ایک عزیز خط اور بھی تھا، ہمارے بھائی احمد الحسنی کا کراچی سے، دونوں خط پڑھ کر بیکار ہو گیا، آپ نے کچھ ایسی کیفیت میں خط لکھا ہے کہ اس سے وہ کیفیت طاری ہوئی، جو آپ پر کبھی کبھی کسی تقریر کے سننے سے طاری ہوتی ہے، اور جس کے بعد آپ تقریر کرنے کے لائق نہیں رہتے آپ کا خط پڑھنے کے بعد میں خط لکھنے کے لائق نہ رہا، آج صبح لکھنے کے لیے بیٹھا ہوں۔

آپ نے رمضان سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکنے کا قلق ظاہر کیا ہے، میرا اندازہ یہ ہے کہ جس الجھن میں آپ گرفتار ہو گئے تھے اور جس نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا، اس نے ضرور قلب میں شکستگی پیدا کی ہوگی، اور احساس تقصیر، اور آپ جانتے ہیں کہ میرا ذوق و مشرب یہ ہے کہ یہ دل کی شکستگی، اور احساس تہی دستی و بے مائگی ہزار نفلوں سے (جو پندار و زعم پیدا کریں) افضل ہے، اور قرب و قبولیت میں عجب تاثیر رکھتا ہے۔

جائے کہ زاہداں بہزار اربعیں رسند　　　مستِ مےِ الست بیک آہ می رسد

میرے ماہ مبارک کا بھی بڑا حصہ محاضرات کی تیاری اور ملاقاتوں کی نذر ہوا، درمیان میں ایک ہفتہ علیل بھی رہا، اور پانچ روزے بھی چھوڑنے پڑے، اس کا تصور برابر رہا کہ ہندوستان میں کچھ شفیق بزرگ اور سرپرست اور کچھ مخلص دوست ضرور دعا میں یاد رکھیں گے، آپ کے خط سے اس کی تصدیق ہوئی، اور یہاں اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ فرمایا ہے اس میں اس کے آثار نظر آئے۔

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اترا تا
دگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

مرکز[1] کی آبادی و رونق سے بڑی ہی مسرت ہوئی۔ جن صاحبوں نے اللہ کے ان مہمانوں کی خدمت کی اللہ تعالیٰ ان کو بہت بہت جزاء عطا فرمائے، آپ نے ایک عزیز حوالہ سے ماہ مبارک اور عید کے حالات لکھنے کی فرمائش کی ہے، بعض عزیزوں اور دوستوں کے خطوط میں بعض پہلوؤں کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ مگر اب خصوصیت سے اور ذرا تفصیل سے لکھتا ہوں۔

رمضان مبارک کا نقشہ یہ تھا کہ اذان مغرب سے شاید ایک گھنٹہ پہلے شام کا ریڈیو اسٹیشن قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتا، لوگ عموماً اپنے اپنے مکانوں میں ریڈیو کھول کر بیٹھ جاتے، عین

---

[1] مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ لکھنؤ

غروب کے وقت توپ چلتی اور اذان نشر ہوتی، لوگ تقریباً ۹۹ فی صدی گھروں پر روزہ افطار کرنے کے عادی ہیں، ہمارے یہاں جس چیز کا نام افطاری ہے یہاں غیر معروف ہے، جو لوگ مسجد میں ہوتے وہ پانی یا کھجور سے افطار کرتے یا بغیر افطار کے نماز میں کھڑے ہو جاتے اس لیے کہ موسم کی وجہ سے افطار کا کوئی تقاضا نہ ہوتا، جو لوگ گھروں میں ہوتے وہ اطمینان سے کھانا کھاتے، پھر آخر وقت میں اطمینان سے نماز پڑھتے، اذان سارے شہر میں ہر وقت کی ایک وقت ہوتی ہے، جامع اموی کے میناروں سے اذان ہوئی کہ ساری مسجدوں میں اذان ہوگئی، اگر کوئی تیار نہ ہو تو جماعت فوت ہو جائے گی، اور اگر ایک مسجد میں نماز نہ ملے تو پھر کہیں نہ ملے گی، عشار کی اذان عشار کا وقت ہوتے ہی ہوئی اور فوراً جماعت کھڑی ہوگئی، فرض و سنت کے بعد تراویح ہوئی، مگر افسوس ہے کہ ایک ایک آیت کی ایک ایک رکعت یا الم ترکیف سے، معلوم ہوا کہ جامع اموی میں ایک ختم ہوتا ہے، شاید شہر میں ایک یا دو جگہ اور۔

رات کو طلوع فجر سے تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے توپ چلتی ہے اور کچھ نعتیں اور مناجاتیں وغیرہ نشر ہوتی رہتی ہیں، صبح صادق سے ۱۵۔۲۰ منٹ پہلے اذان ہوتی ہے جس کو یہاں "اذان امساک" کہتے ہیں، یعنی سحری ختم کرنے کی اذان، اذان ہوتے ہی قرآن مجید کی تلاوت شروع ہو جاتی ہے، طلوع ہوتے ہی صبح کی اذان ہوتی ہے، ستائیسویں شب طلوع صبح صادق سے تقریباً آدھ گھنٹے چالیس منٹ پہلے کسی صاحب نے جو مخلص اور دردمند معلوم ہوتے تھے ریڈیو پر دعا کی، مؤثر دعا تھی، اور معلوم ہوتا تھا کوئی تبلیغی جماعت کے عرب بزرگ ہیں۔

اپنا نظام یہ رہا کہ عموماً روزانہ کسی نہ کسی دوست کے یہاں افطار اور کھانا ہوتا تھا، ہفتہ کے تین روز تو سعید رمضان نے بک کرا لیے تھے اور انھیں کے یہاں کھانا ہوتا تھا، عشار کی نماز پڑھ کر ہم اپنی قیام گاہ پر اپنی علیحدہ تراویح پڑھتے تھے، امام ہمارے حجازی دوست حافظ سید محمود صاحب ہوتے تھے، جو حجاز کے پڑھنے والوں میں بھی ممتاز ہیں، نہایت سادہ اور رواں پڑھنے والے، شروع میں پارہ یا سوا پارہ پڑھتے تھے، درمیان میں ناغہ ہو جانے کی وجہ سے دو دو ڈھائی ڈھائی پڑھے، اور الحمدللہ گرانی نہیں معلوم ہوئی، ۲۸ کو ختم ہوا، ہم نے ان کی غیر موجودگی میں مولوی رضوان صاحب سے کہا کہ مٹھائی نہیں ہوگی؟ انھوں نے کہا اچھا ہے اس بدعت کا خاتمہ ہو،

تراویح سے فراغت ہوئی تو پرتکلف مٹھائی موجود، استفسار پر معلوم ہوا کہ حافظ صاحب نے درمیان میں چند منٹ کے لیے باہر جاکر مٹھائی والے کو ٹیلیفون کیا، اور مٹھائی اور پھل حاضر ہوگئے (یہاں گوشت والے کے یہاں بھی ٹیلیفون ہے اور ہوٹلوں میں بھی، صرف ٹیلیفون کرنے کی دیر ہوتی ہے، ضرورت کی چیز گھر پر حاضر ہو جاتی ہے)۔

رمضان مبارک ختم ہوا اب عید کی روداد سنیے۔

معلوم ہوا کہ عید نماز طلوع آفتاب سے آدھ گھنٹہ بعد ہو جاتی ہے، ہم لوگوں نے فیصلہ کیا تھا کہ جامع اموی ہی میں نماز پڑھی جائے ایسا موقع بار بار کہاں آتا ہے۔ میں گھر سے ذرا تاخیر سے چلا، اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز نہ جاتی رہے، باہر نکلا تو جامع اموی جانے والی سڑک پر دو رویہ فوج اور پولس کا پہرہ دیکھا، بات سمجھ میں آگئی، صدر جمہوریہ جامع بنی امیہ میں نماز پڑھانے والے ہیں، اتنے میں جلوس آگیا، میں نے تیز قدم بڑھائے، وہ موٹر پر میں پیدل، نماز کے فوت ہونے کا اور اندیشہ ہوا، سوق حمیدیہ پہنچا تو دیکھا کہ صدر موٹر سے اتر آئے ہیں اور پیدل چل رہے ہیں، فاصلہ اتنا ہوگا جتنا ہمارے مرکز سے چیف کورٹ یا چھتر منزل، ان کو پیدل دیکھ کر فوجیوں اور شہریوں نے جوش مسرت و محبت میں سلام کرنا شروع کیا، وہ سر جھکائے سلام کا جواب دیتے ہوئے، چلتے رہے مسجد میں داخل ہوئے تو مفتی جمہوریہ سوریہ (.........) جو مشہور عالم شام علامہ ابن عابدین کے خاندان کے ہیں آگے آگے تھے، جامع اموی عالم اسلام کی شاید تیسرے درجے کی شاندار مسجد ہو، اس وقت اس کا شکوہ و وقار دوبالا تھا، لاؤڈ اسپیکر سے یا شاید ریڈیو سے برابر یہ الفاظ نشر ہو رہے تھے۔

"الحمد لله وحده، نصر عبده، وانجز وعده، وهزم الأحزاب وحده، لاشيء قبله، ولاشيء بعده" اس سلسل ترنم اور بیچ بیچ میں تکبیرات تشریق سے عجب لطف آرہا تھا، نماز خلاف توقع حنفی قاعدے سے ہوئی۔ (یہاں ۹۰ فی صدی لوگ شافعی ہیں، مگر احکام حنفی فقہ کے مطابق ہوتے ہیں) خطیب صاحب نے جو "کلیۃ الشریعہ" کے ایک طالب علم ہیں اور خاندانی خطیب (ہمارے یہاں کی عیدگاہ کی طرح) ایک موزوں خطبہ دیا، جس میں فلسطین اور الجزائر کا (جو آج کل یہاں کا بڑا اہم موضوع بنا ہوا ہے) مناسب انداز میں تذکرہ کیا اور خطبہ میں "ویا فخامۃ الرئیس الجلیل" کہہ کہہ کے ان کو اپنی ذمہ داریاں یاد دلائیں" وکلکم راع و

کل حکم مسئول عن رعیتہ" کا مضمون بیان کیا، خطبہ کا نقص یہ تھا کہ کافی طویل تھا، مگر صدر جمہوریہ اپنے اسٹاف کے ساتھ بیٹھے رہے اور خطیب صاحب کو خلعت دی جو انھوں نے منبر ہی پر اپنے جسم پر ڈال لی۔

نماز کے بعد یہاں معانقہ کو کوئی نہیں جانتا (اور اچھا ہے کہ نہ جانیں) اس سے اس حقیقت کی تصدیق ہوئی کہ بدعات عموماً لوکل (مقامی) ہوتی ہیں اور سنتیں عالمگیر، بھلا یہاں رجب کے کونڈے، شب برات کا حلوہ اور گیارھویں کی مٹھائی کہاں مل سکتی ہے، مگر الحمد للہ تمام سُنن عبادات موجود ہیں مگر ہماری عید معانقہ سے کہاں خالی جا سکتی تھی؟ کہیں سے کچھ پاکستانی پنجابی بھائی نمودار ہو گئے، اور اُنھوں نے یہ خانہ بھر دیا۔ آپ ہوتے تو صاف انکار کر دیتے، مگر ہم نہ کر سکے۔

رگوں میں ہاشمی خون ہے، مگر اس روز بنی اُمیّہ بہت یاد آئے، آخر جن کی مسجد میں نماز پڑھی اور اسلام کی عبادت و اخوت کا مظاہرہ دیکھا، وہ کیسے یاد نہ آئیں، اللہ معاف کرے، اپنے دوسرے محاضرہ میں جو سیدنا عمر بن عبد العزیز کی سیرت و کارنامہ پر تھا، بنی اُمیّہ اور ان کے نظام حکومت و نتائج پر سخت تنقید کر چکے تھے، مگر وہ علم و تاریخ کا منبر تھا، یہ مسجد کی محراب جہاں سے "ربنا اغفر لنا ولاخواننا الّذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلاّ للذین آمنوا ربنا انک رؤف رحیم" کی مسلسل صدا آ رہی تھی، اب بھی اُس منبر پر چڑھیں گے اور تاریخ کی طرف سے شہادت دینگے تو وہی کہیں گے، مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کوئی حکم نہیں جاری کر سکتے، دوسرا احساس یہ تھا کہ ایک چیز ہے جس کی خواہ کوئی تعبیر ہو اور خواہ اس کا وقت جب آئے، بہر حال وہ فطرت انسانی کا مطالبہ ہے اور مسلمان کا حق، وہ کیا ہے، شاید اقبال کے اس شعر سے وہ ادا ہو سکے ؎

وہ نبوت ہے مسلماں کے لیے برگِ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو شوکت و قوت کا پیام

عید کی تکبیریں "اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد" کیا اُس حقیقت کو نہیں یاد دلاتیں؟ پھر آخر اس پر کیوں اصرار ہے کہ دل سے اس کی تمنا بھی نکال دو، دین کو اس سے کوئی علاقہ ہی نہیں ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب　　کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

یہ تھے مشاہدات و تاثرات جو بے تکلف زبان قلم پر آگئے، اور شاید ایک عزیز کی فرمائش اور ایک محب مکرم کی سفارش کی تعمیل بھی ہو گئی۔

اہل مرکز، اہل جماعت، اور سب دوستوں اور بزرگوں کی خدمت میں سلام

آپ کا
علی

جمعہ ۱۰ شوال ۷۵ھ

بقیہ مضمون صفحہ ۶۸

کی حفاظت اس طرح کی ہے کہ جس کی مثال امم عالم میں نہیں ملتی، انبیا کی سیرت کی حفاظت تو بڑی چیز ہے، کوئی دوسری امت تو اپنی کتاب الٰہی کی حفاظت بھی اس طرح نہ کر سکی جس طرح ہم نے اپنے آقا کے احادیث کو محفوظ رکھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسی امت کے کچھ غدار افراد اسکے سر سے اس کلاہ افتخار کو اتار لینا چاہتے ہیں۔　　(باقی)

تعارف و تبصرہ

ماہنامہ صبح صادق کا قرآن نمبر

ضخامت ۲۰۰ صفحات. قیمت دو روپے. پتہ:- دفتر صبح صادق نکارم نگر. لکھنؤ.

ماہنامہ صبح صادق کے چیف ایڈیٹر مولانا محمد اویس صاحب ندوی (نگرامی) قرآن مجید سے خاص شغف رکھتے ہیں. ان کے اسی شغف کا نتیجہ، ان کے رسالہ کا یہ قرآن نمبر ہے جسے انھوں نے بڑے اہتمام سے مرتب کیا ہے. اس نمبر کی تدوین فاضل مدیر کے علاوہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالباری ندوی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور ایسے ہی بعض دوسرے مشاہیر اہل علم و قلم کی نگارشات سے ہوئی ہے.

ہمیں افسوس ہے کہ "برائے تبصرہ کتب و رسائل" کی کثرت کی وجہ سے وقت میں تفصیلی تعارف و تبصرہ کی گنجائش نہیں ہے. مختصراً اتنا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایسے ٹھوس اور مفید نمبر کم نکلا کرتے ہیں. ضخامت اگرچہ زیادہ نہیں ہے مگر جتنا کچھ ہے وہ زیادہ تر معیاری. اور باقی حصہ بھی سبھی کام کا. ادارہ صبح صادق نے تین ہی سال میں ترقی کا ایک اچھا معیار پیش کیا ہے.

ماہنامہ "فاران" کا سیرت نمبر

صفحات ۲۰۰ سے اوپر. قیمت ڈھائی روپے
پتہ. دفتر فاران، کیمبل اسٹریٹ. کراچی ۱

فاران کے لائق مدیر جناب ماہر القادری نے کافی لمبی مدت تیاری میں صرف کرنے کے بعد جنوری ۱۹۵۶ء میں یہ نمبر پیش کیا ہے. نمبر خوب بھرا بھرا اور گلہائے رنگا رنگ سے مزین ہے.

سیرت کے مختلف عنوانات اور پہلوؤں پر ۱۳ : ۱۴ چھوٹے بڑے تازہ مضامین و مقالات کے علاوہ ایک معتد بہ حصہ اردو اور فارسی منظومات کا بھی ہے جو تین مختلف حصوں میں قدیم و جدید شعراء کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے، اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے متفرق مندرجات۔

ماہر صاحب شاعری میں مسلّم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے نثر نگار اور انشاء پرداز بھی ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر ایک بے لاگ نقاد بھی! ان اوصاف کی موجودگی میں ان کے ترتیب دادہ نمبر کے ہر دو حصوں (نظم و نثر) کا معیار لامحالہ اچھا ہی ہونا چاہیے تھا۔ چنانچہ یہ گلدستۂ سیرت فی نفسہ کافی دلکش اور باوقعت ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سیرت کا موضوع ایک محبوب موضوع ہونے کی وجہ سے اس پر اتنا لکھا گیا ہے کہ اب اس موضوع پر (کم از کم نثر میں) جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ عموماً ندرت سے خالی اور زیادہ تر اعادہ ہوتا ہے اس لیے پڑھنے والا معذور ہے اگر وہ دلکشی کی کوئی خاص کیفیت محسوس کرے اور پیش کرنے والا بھی معذور ہے کہ وہ ایسے موضوع پر آخر کیسے قاری کی طبیعت کا یہ نفسانی مطالبہ پورا کرے۔

مگر فاران کے اس نمبر کا دامن ندرت سے یکسر خالی بھی نہیں ہے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خاصا طویل مقالہ سیرت کے ایک اہم باب "دعا" پر ایسے اچھوتے انداز میں ہے اور مولانا نے دعا جیسے سادہ موضوع پر اول سے آخر تک ندرت فکر و خیال کا وہ شاہکار پیش کیا ہو کہ بس پڑھیے اور جھوم جھوم جائیے، ہمارے خیال میں یہ مقالہ حاصل نمبر ہے۔ اور اگر کوئی اور دقیع مقالہ اس نمبر میں نہ بھی ہوتا جب بھی اس مقالہ کی ندرت اسے دلکش و باوقعت بنانے کے لیے کافی تھی۔

الحسنات کا خاص نمبر "حیات طیبہ"

ضخامت ۱۸۴ صفحات، کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ، قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

پتہ :- مکتبۂ الحسنات، رام پور

یہ نمبر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر ہے۔ لکھنے والے شروع سے آخر تک رسالہ کے لائق مدیر (جناب ابوسلیم محمد عبدالحی صاحب) خود ہی ہیں۔ صحیح تعارف کرایا جائے تو یوں کہنا چاہیے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر آسان و شگفتہ زبان میں دعوتی انداز پر ایک کتاب ہو۔ مصنف جو جماعت اسلامی ہند کے اہم اشخاص میں سے ہیں، سیرت پر ایک نئے انداز کی کتاب کا ایک خاکہ ذہن میں رکھتے تھے، حکومت ہند کی مہربانی سے گذشتہ سال انھیں رائے بریلی

جیل میں اس خاکہ میں رنگ بھرنے کی فرصت میسر آگئی۔ اور اس سال جنوری میں انھوں نے اس تصنیف کو الحسنات کے خاص نمبر کی حیثیت سے پیش کردیا۔

ہم پورا نمبر نہیں پڑھ سکے، لیکن کچھ ابتدائی حصہ دیکھ کر اندازہ ہو کہ اس زمانہ کے لیے سیرت پر یہ ایک مفید تالیف ثابت ہوگی۔

الاعتصام حجیت حدیث نمبر | ضخامت ۹۶ صفحات، متوسط اخباری سائز ($\frac{20 \times 30}{4}$) قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

پتہ:۔ دفتر الاعتصام۔ شیش محل روڈ۔ لاہور

"الاعتصام" جماعت اہل حدیث (پاکستان) کا ہفت روزہ ترجمان ہو۔ اور پاکستان کے دینی جرائد میں ایک اچھا مقام رکھتا ہو۔ پاکستان کا ایک دینی جریدہ ہونے کے لحاظ سے عموماً اور مسلک اہلحدیث کا داعی ہونے کے لحاظ سے خصوصاً" پاکستان میں اٹھے ہوئے فتنۂ انکار حدیث کا استیصال کرنے کی فکر اس کے لیے ایک قدرتی امر ہے، چنانچہ اس سال فروری میں ادارہ الاعتصام نے اسی مقصد کے ماتحت الاعتصام کا یہ ضمیم نمبر پیش کیا ہے۔ جو ۲۰ مقالات و مضامین پر مشتمل ہے، مقالات عموماً طویل اور جاندار ہیں۔ جن سے اہل پاکستان اس فتنہ کے مقابلہ میں کافی تقویت حاصل کرسکتے ہیں۔

عام مضامین کا رنگ تحقیقی ہے۔ صرف دو مضمون اس عام رنگ سے الگ ہیں۔ ایک مولانا محمد اسماعیل صاحب کا جو الزامی نوعیت کا ہے۔ اور دوسرا رئیس احمد جعفری صاحب کا استہزائی انداز میں، جن سے نمبر میں ایک نمایاں تنوع پیدا ہو گیا ہو اور دونوں اپنی جگہ پر ہیں بھی بھرپور، تحقیقی جوابات کافی دیے جاچکے مگر منکرین حدیث کا معاملہ وہی "مرغ کی ایک ٹانگ والا" ہے اور اس کا جواب حقیقت میں جعفری صاحب ہی کے انداز پر ہوسکتا ہے۔

اس نمبر میں ایک چیز جس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا مولانا محی الدین احمد صاحب قصوری کے مقالہ کا وہ حصہ ہے جس میں مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی اور ان کی جماعت کو منکرین حدیث ہی کا ایک گروہ ٹھہرایا گیا ہے، حدیث کے ردّ و قبول کے بارے میں مودودی صاحب کے مسلک سے ہمیں بھی اختلاف ہے، مگر یہ زیادتی ہے کہ انھیں منکر حدیث قرار دے دیا جائے۔

مثالی حکمراں

از مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی، شائع کردہ مکتبۂ تعلیمات اسلام امین آباد لکھنؤ. کاغذ کتابت و طباعت متوسط صفحات ۱۲۶ مجلد قیمت ایک روپیہ ۸ر

"آج کل سارے عالم میں جمہوریت و مساوات کا غلغلہ بلند ہے، لیکن سلطانیٔ جمہور کے اس دور میں بھی عوام بدستور کالانعام ہیں۔...... وہ حقیقی آزادی ابھی کوسوں دور ہے جب اقتدار اعلیٰ واقعی جمہور کے ہاتھ میں ہوگا اور حکمرانی کا مقصد قوم کی خدمت گزاری کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ ہاں تاریخ کے افق پر بہت دور، حکمرانی کے بھیس میں خدمت گزاری کا ایک منظر نظر آتا ہے، یہ مبارک دور ساتویں صدی عیسوی میں آیا تھا جب رحمۃ للعالمین کے پیام رحمت نے اجتماعی شکل اختیار کی تھی اور ان کے مخلص جانشینوں نے دنیا کو ربانی حکومت کا جلوہ دکھایا تھا۔"

(دیباچۂ کتاب)

مولانا عبدالسلام صاحب نے ساتویں صدی کے اس جمہوری نظام سے بیسویں صدی کے جمہور کو باخبر کرنے کی خواہش کے تقاضے سے ۱۹۴۳ء میں "سرورِ زرّین ماخذ متکبریت" کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضمون "الفرقان" میں شروع کیا تھا۔ جو مرحوم رسالۂ "تعمیر" لکھنؤ کے صفحات میں جا کر تمام ہوا۔

انھیں مضامین پر نظر ثانی کر کے، فاضل مضمون نگار نے ایک نئی ترتیب اور واقعات کے اضافہ کے ساتھ انھیں کتابی شکل دیدی ہے۔ اسی کا نام ہے "مثالی حکمراں"! ــــ اس میں خلفاء راشدین (بشمول حضرت عمر ثانی) کے طرز زندگی و طرز حکمرانی کو نہایت مؤثر پیرایہ میں بیان کر کے حکمرانی کے مثالی تصور کو واقعات کی دنیا میں جلوہ گر دکھایا گیا ہے۔

عام دنیا اس سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے مگر مسلمانوں کے لئے تو کم از کم، اس چھوٹی سی کتاب میں خانۂ دل کی آبادی کا بڑا سامان ہے ــــ گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را۔

اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی

از مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی۔ شائع کردہ۔ اسلامی مکتبہ ۸۴۳ بی کلاس۔ معظم پورہ۔ حیدرآباد۔ دکن۔ کتابت طباعت اور کاغذ بہتر۔ صفحات ۲۱۶۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اس کتاب میں مولانا موصوف نے تہذیب کے مفہوم اور اس کے عناصر ترکیبی کی توضیح و

تعین کر کے بتایا ہے کہ اسلامی تہذیب کے یہ عناصر کس نوع کے ہیں۔ ان کی ترکیب باہمی کس طرح ہوئی ہے اور اس خاص نوعیت کے عناصر دنیا کی کسی اور تہذیب میں کسی طور پر بھی پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ ان سوالات پر اپنے خاص انداز میں روشنی ڈال کر اور یہ واضح کر کے کہ اسلامی تہذیب اپنے عناصر ترکیبی اور اصول و مبادی کے لحاظ سے دنیا کی ایک ممتاز اور منفرد تہذیب ہے تفصیل کے ساتھ ایک ایک اصول کے متعلق اسلام کے پیش کردہ عقائد، ان کی حکمت و اہمیت اور قدر و قیمت کو واضح کیا گیا ہے کہ ذہن انسانی پر ان کا کیا اثر مرتب ہوتا ہے اور اس اثر کے ماتحت کیسی مستحکم انفرادی اور اجتماعی سیرت وجود میں آتی ہے۔

یہ مولانا کا اب سے بہت پہلے کا ایک مقالہ ہے۔ جو ترجمان القرآن میں شائع ہو چکا ہے اور اب بلا کسی ترمیم کے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ مولانا کے طرز فکر اور اسلوب نگارش کی ساری خصوصیات اس میں موجود ہیں۔

اسباب زوال امت | از علامہ امیر شکیب ارسلان مرحوم۔ شائع کردہ۔ نور محمد۔ کارخانہ تجارت کتب۔ آرام باغ۔ کراچی۔ صفحات ۱۳۸۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔ کتابت طباعت عمدہ ہے لیکن کاغذ نہایت معمولی۔

عالم اسلام کی نامور شخصیت علامہ امیر شکیب ارسلان نے ایک سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ "ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين" کے منشور قرآنی کے باوجود آج مسلمان دنیا میں زبوں حال کیوں ہیں؟ مصر کے مشہور مجلہ "المنار" میں مسلمانوں کی پستی و زبوں حالی کے اسباب پر ایک مضمون لکھا تھا۔ "اسباب زوال امت" اسی کا اردو ترجمہ ہے، ترجمہ اچھا ہے مگر مترجم کون صاحب ہیں، یہ پتہ نہیں چلتا۔

تیاری کا ترجمہ المنبهات | از مولانا ابو البیان حماد۔ صفحات ۲۸۸۔ مجلد۔ قیمت تین روپے۔ ملنے کا پتہ۔ نور محمد کارخانہ تجارت کتب الخ کاغذ اس کا بھی معمولی ہے۔

"المنبهات" عربی کی ایک تذکیری تالیف ہے جس میں ایسی آیات و احادیث اور آثار صحابہ اور اقوال سلف کو جمع کر دیا گیا ہے جن سے طبیعت میں آخرت کی فکر اور ابدی زندگی کے لئے تیاری کا جذبہ پیدا ہو۔ کتاب کا پورا نام ہی "المنبهات علی الاستعداد لیوم

المعاد" ہے۔ اس کی تالیف اب تک علامہ ابن حجر کی طرف منسوب کی جاتی تھی "تازیانے" کے صاحب علم ناشر مولوی بشیر محمد صاحب (مالک نور محمد کارخانہ تجارت کتب) نے عرض ناشر میں اس کو غلط فہمی ٹھیرایا ہے اور یہ تحقیق پیش کی ہے کہ اس کے مؤلف کا نام (زین القضاۃ) احمد بن محمد الحجی ہے۔

ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارت بھی رکھی گئی ہے۔ اور ترجمہ نرا ترجمہ نہیں بلکہ مطلب کی آزاد ترجمانی ہے۔ جس کا نمونہ "المنبہات" کا ترجمہ "تازیانے" ہے۔

ابن الحریری و مقاماتہ از ڈاکٹر محمد احمد صاحب صدیقی استاد یونیورسٹی الہ آباد۔ صفحات ۲۳۲ کاغذ اور کتابت طباعت نہایت اعلیٰ۔ سائز، عام کتابی سائز سے دوگنا۔ قیمت نو روپے۔

"مقامات حریری" درس نظامی کی مشہور کتاب ہے۔ ڈاکٹر محمد احمد صاحب نے اس کتاب اور اس کے مصنف (حریری) کو اپنی اس تحقیقی کتاب کا موضوع بنا کر اس موضوع کے تمام متعلقات پر روشنی ڈالی ہے۔ حریری کی پیدائش وحیات، اس کا ماحول۔ اس کی تالیفات اس کے شعر ونثر کی خصوصیات۔ صنف "مقامہ" کی تاریخ۔ حریری کے مقامات۔ ان کے محاسن ومعائب اور ان کا اسلوب۔ عربی ادبا کی نظر میں، حریری اور اس کے "مقامات" کی قدر وقیمت۔ عربی ادب پر مقامات حریری کا اثر، اور دیگر متعلقات کے بارے میں عربی اور انگریزی ماخذ سے کافی مواد نکال کر اس کتاب میں سلیقہ سے یکجا کر دیا گیا ہے۔۔۔۔ مقامات حریری کے طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ اساتذہ بھی اگر ڈاکٹر صاحب کی محنت سے استفادہ کریں گے تو طلبہ میں، اس کتاب کے حق میں اچھی بصیرت پیدا کر سکیں گے۔ کتاب کی زبان عربی ہے۔

معذرت:۔ شعبان کے الفرقان میں ہم نے اعلان کیا تھا کہ رمضان شوال کا شمارہ انشاء اللہ مئی کے آخر میں شائع ہوگا مگر بعض دشواریوں نے ایسا نہ ہونے دیا ناظرین کرام کو انتظار کی بڑی تکلیف اٹھانی پڑی اس کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں! اور یہ معذرت ان حضرات سے خاص طور پر ہے جن کے خطوط بھی اس سلسلے میں آئے مگر ان کی کثرت کی وجہ سے ہم فرداً فرداً جواب نہ دے سکے۔　　　ناظم الفرقان

(صفحہ ۸۲ کا بقیہ)

حتیٰ کہ ایک دن یہ طے کیا گیا کہ ناقوس استعمال کیا جائے تو اس دن رات کو ایک صحابی (عبد اللہ بن زید بن عبد ربہ) نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ناقوس لیے جا رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بھائی یہ بیچتے ہو۔ اس نے کہا کیا کروگے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لیے بلا کریں گے۔ اس شخص نے کہا کہ کیا میں اس کام کے لیے تمھیں ناقوس سے بہتر چیز نہ بتاؤں کہا ضرور بتاؤ۔ اس نے وہ کلمات بتائے جو اذان میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ صحابی جب صبح کو بیدار ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللهُ "(یہ انشاء اللہ سچا خواب ہے) پس تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور یہ الفاظ انھیں بتاتے جاؤ۔ حضرت بلال نے جب ان کلمات کے ذریعہ اذان دی تو حضرت عمرؓ یہ کلمات سنتے ہی بہت تیزی سے گھر سے نکل کر آئے اور بولے" يَا رَسُولَ اللهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ " (یا رسول اللہ! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میں نے بھی بالکل یہی دیکھا ہے جو عبد اللہ بن زید کو دکھایا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" (پس شکر ہے خدا کا) (مشکوٰۃ (باب الاذان) بحوالہ ابوداؤد والدارمی وغیرهما)

اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے اس خواب کو اشارۂ غیبی سمجھا اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس معاملہ میں بھی اپنی رہنمائی سے نوازا۔ اور امت محمدیہ کے لیے نماز کے بلاوے کا بھی ایک خاص اور ایسا پر از حکمت طریقہ متعین فرما کر جس تک ذہن انسانی کی رسائی ممکن نہ تھی، اسے ایک امتیازی شان بخشی۔

پس نماز کے لیے بلانے کے اس خاص طریقہ کی تشریع، جسے اذان کہا جاتا ہے منشاء الٰہی سے ہوئی جس پر اللہ نے اپنے رسول کو ایک خاص طریقہ سے مطلع فرمایا تھا۔ نہ کہ انسانی رائے و مشاورت سے! —— لہٰذا پرویز صاحب کا یہ دوسرا استشہاد بھی غلط ہوا۔

کتب خانہ الفرقان کے متعلق چند ضروری باتیں!

(۱) الفرقان کی گذشتہ اشاعت سے ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہو کہ کتب خانہ الفرقان سے متعلق بعض افسوسناک انتظامی اور کاروباری شکایات سے مجبور ہو کر پچھلے مہینہ سے مولانا نعمانی مدظلہ نے کتب خانہ کو خود اپنی نگرانی میں لے لیا ہے۔

(۲) پچھلے انتظام سے متعلق جو ایسی شکایات علم میں آئی ہیں جنکی تلافی کی جا سکتی تھی ان کی تلافی کر دی گئی ہو اور کی جا رہی ہے۔

(۳) حتی الوسع اسکی کوشش کی جاتی ہو کہ فرمائشوں کی تعمیل دوسرے دن ضرور ہو جائے۔

(۴) محصول ڈاک کی شرح چونکہ بہت بڑھ گئی ہو۔ اسلئے ایک دو کتابیں منگوانے والے دوستوں پر محصول کا بار بہت زیادہ پڑ جاتا ہو جس سے دل بھی دکھتا ہو۔ اسلئے بہتر یہ ہے کہ آپ کتابیں حتی الوسع مقامی تاجران کتب سے خریدیں اور اگر وہاں نہ مل سکنے کی وجہ سے آپ ڈاک ہی سے منگوائیں تو کم از کم چار پانچ روپے کی کتابیں منگوائیں۔ اس سے کم قیمت کی کتابیں منگوانے میں محصول ڈاک آپ کو بہت کھلے گا۔ اگر چند دوست مل کر ایک ساتھ اپنی ضرورت کی کتابیں منگوائیں تو محصول میں بہت کفایت ہو جائے گی۔

پاکستان کے احباب سے

پاکستان کے جو احباب کتب خانہ الفرقان سے کتابیں منگوانا چاہیں وہ مندرجۂ ذیل باتوں کو ضرور ملحوظ رکھیں ——— (الف) ایک پارسل یا پیکٹ میں کسی کتاب کا ایک سے زیادہ نسخہ پاکستان نہیں بھیجا جا سکتا۔ ہاں چند کتابوں کا ایک ایک نسخہ پارسل یا پیکٹ میں جا سکتا ہو۔

(ب) کتابیں منگوانے والے پاکستانی احباب کتابوں کی قیمت پاکستان میں ادا کریں گے (جیسے کہ عام طور سے ہوتا ہو)، ہم ان کو آئندہ سے اپنی مطبوعات کے سوا کوئی دوسری کتاب بالکل روانہ نہیں کر سکیں گے۔ لہٰذا وہ صرف ہماری ہی مطبوعات کی فرمائش بھیجیں۔ نیز ہم ان حضرات کو کوئی کمیشن بھی نہیں دے سکیں گے خواہ وہ کتنی ہی مقدار میں کتابیں منگوائیں۔ ہاں جو لیسنددار تاجران کتب بنک کے ذریعہ کتابیں منگوائیں گے اور روپیہ بنک کے ذریعہ ہندستان میں ادا کرینگے ان کو قاعدہ کے مطابق پورا کمیشن دینگے۔ لیکن ان کا آرڈر کم از کم اتنی

کتابوں کا ہونا چاہیے جن کی قیمت سو روپے سے کم نہ ہو۔

(ج) کتابیں منگوانے والے پاکستانی احباب کو چاہیے کہ وہ جو کتابیں منگوانا چاہیں خط میں ان کی تفصیل لکھ کر پہلے ہم سے ان کی قیمت اور محصولڈاک دریافت کریں۔ ہمارا جواب مل جانے پر اس کے مطابق رقم "ادارۂ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگس۔ لاہور" کو منی آرڈر کردیں اور ڈاکخانہ کی ابتدائی رسید یہاں ہم کو اپنے خط کے ساتھ بھیجدیں۔ اور اس خط میں پھر مطلوبہ کتابوں کے نام لکھیں ـــ جو حضرات ہم سے دریافت کیے بغیر کتابوں کی قیمت اور محصولڈاک کی رقم اپنے اندازہ سے لاہور روانہ کردیتے ہیں وہ اکثر کم و بیش ہوتی ہے لہٰذا ہم سے دریافت کرکے ہی رقم روانہ کی جائے۔

ناظم کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

کتب خانہ الفرقان کی مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث	مجلد	للعہ	اسلام کیا ہے؟ حصہ اول مجلد	۱۲ر
معارف الحدیث	غیر مجلد	۱۲ر	اسلام کیا ہے؟ حصہ دوم غیر مجلد	۱۸ر
تبلیغی تقریریں	مجلد	۱۲ر	آپ حج کیسے کریں قسم اول مجلد	۱۲ر
			قسم دوم غیر مجلد	۸ر
حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت		۱۲ر	آسان حج	۵ر
ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ		۱۸ر	نماز کی حقیقت	۱۲ر
شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ			کلمۂ طیبہ کی حقیقت	۶ر
یعنی حکمت ولی اللٰہی کا اجمالی تعارف			تصوف کیا ہے	۱۲ر
از مولانا سندھی مرحوم		۴ر	اسلام اور نظام سرمایہ داری	۸ر
نماز اور خطبہ کی زبان		۲ر	معرکۃ القلم یا فیصلہ کن مناظرہ	۴ر
قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ		۶ر	بوارق الغیب حصہ دوم	۴ر

مکتبۂ اسلام لکھنؤ کی مندرجہ ذیل مطبوعات بھی ہماری مطبوعات ہی کے حکم میں ہیں۔

زاد سفر جلد اول مجلد سے، غیر مجلد ۸ر۔ زاد سفر جلد دوم مجلد للعہ، غیر مجلد سے، "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" للعہ، دعائیں ۶ر

لکھنؤ
الفرقان
ماہنامہ
ہماری دعوت
لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
ادارۂ الفرقان
محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

عصرِ حاضر کی ضرورت کے مطابق

اردو زبان میں حدیثِ نبوی کی ایک تازہ ترین خدمت

جلد اول

معارف الحدیث

یعنی احادیثِ نبوی کا ایک جدید مجموعہ اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ

تالیف مولینا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ

اس کتاب میں کیا ہے اور اس کی کیا خصوصیات ہیں؟ ـ اس کا صحیح اندازہ تو مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے یا الفرقان کے ناظرین کو مفصل فہرست مضامین سے کچھ ہوا ہوگا جو الفرقان ماہ شعبان ۱۳۷۳ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

پھر بھی کم از کم یہ اہم خصوصیت یہاں قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیثِ نبوی کی خالص علمی اور فنی خدمت کے طور پر نہیں لکھی گئی ہے بلکہ احادیث نبویہ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے اسی ارشاد و ہدایت اور اصلاح و تربیت کی کوشش کی گئی ہے کہ یہی اس کتاب کی بھی روح رہے۔ ـ مگر اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق اُن سوالات کے پورے تشفی بخش علمی و تحقیقی جوابات بھی دئے گئے ہیں جو آج کل کے بگڑے ہوئے ذہنوں میں احادیث نبوی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں یا کبھی پہلے پیدا ہوئے ہیں۔

امید ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور آپ کی تعلیم و ہدایت سے محبت رکھنے والے اہل ایمان اس کتاب کے مطالعہ سے اپنی دینی روح میں ایک تازگی اور نورِ ایمان میں اضافہ محسوس کریں گے اور ان کا دل چاہے گا کہ کسی طرح زیادہ سے زیادہ تعلیم یافتہ مسلمانوں تک وہ یہ تحفہ پہنچا سکیں۔

عربی مدارس کے طلبہ کے لئے بھی اس کا مطالعہ انشاء اللہ بہت زیادہ مفید اور موجب بصیرت ہوگا

شروع میں مولف کے دیباچہ کے علاوہ استاذ حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ ہے جس میں صرف قرآن مجید سے بتلایا گیا ہے کہ دین میں حدیث و سنت کا کیا مقام ہے اور جو لوگ حدیث و سنت کے حجتِ دینی ہونے کے منکر ہیں وہ قرآن حکیم کے کس قدر نصوص و بینات سے منحرف ہیں۔ یہ مقدمہ اپنے موضوع پر بجائے خود ایک بہترین مقالہ ہے

ظاہری حیثیت سے بھی کتاب کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے۔

کاغذ اعلیٰ سے اعلیٰ لگایا گیا ہے۔ کتابت و طباعت بھی بفضلہ تعالیٰ مثالی اور معیاری ہے

قیمت غیر مجلد تین روپے بارہ آنے (۳/۱۲) ـــــــــ مجلد مع گرد پوش چار روپے آٹھ آنے (۴/۸)

(پوری جلد کپڑے کی ہے، جلد کی قیمت لاگت بلاگت لگائی گئی ہے)

ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

جلد ۲۳ | بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق اگست ۱۹۵۶ء عیسوی | نمبر ۱۲

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان لگا ہو! تو اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہو، براہ کرم آئندہ کے لیے سالانہ چندہ ارسال فرمائیں! یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی، پی ارسال کیا جائے گا ——— چندہ یا کوئی دوسری اطلاع دفتر میں زیادہ سے زیادہ ۱۴ تاریخ تک پہونچ جانا چاہیے۔

پاکستان کے خریدار:۔ اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیج دیں۔

تاریخ اشاعت:۔ سالہ ہر انگریزی مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو روانہ کر دیا جاتا ہو۔ اگر ۲۵ تک کسی صاحب کو نہ ملے تو مطلع فرمائیں۔ اگلے رسالہ کے ساتھ مکرر بھیجا جائے گا۔ اس سے پہلے مطلوب ہو تو ۲ آنے کے ٹکٹ آنا ضروری ہیں۔ مقام اشاعت:۔ دفتر ماہنامہ الفرقان کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی دامت برکاتہم کے سفر شام کا تذکرہ الفرقان میں آچکا ہے شام سے مولانا موصوف ترکی بھی تشریف لے گئے تھے۔ ترکی سے متعلق اپنے جو مشاہدات و تاثرات آپنے ہندستان آکر بیان فرمائے ہیں وہ بڑے حیرت انگیز بھی ہیں اور امید افزا بھی۔ ہم لوگ گویا ترکی کی اسلامیت پر فاتحہ پڑھ چکے تھے، اور یقین ہو چکا تھا کہ کاروان اسلام کا یہ سابق سالار، نہ صرف قافلہ سالاری کے منصب سے ہٹ چکا ہو بلکہ اسلامیت کو بھی اپنی قلمرو سے خارج کر چکا ہے، مگر مولانا ندوی کی زبانی ہمیں معلوم ہوا کہ ترکی کی سابق حکومت کی تمام سختیوں، پابندیوں اور بندشوں کے باوجود —— جو کم و بیش تیس سال تک قائم رہیں —— ترک قوم نے، من حیث المجموع، اسلامی روح کو ایک مقدس امانت کی طرح اپنے سینہ سے لگائے رکھا۔ اور آخر کار اس جابر حکومت کا دور ختم ہوا، اور ایک نسبتاً نرم حکومت کا دور شروع ہوا، تو بس ذرا سی ڈھیل پاکر یہ روح رقص میں آگئی اور ترکی کے زمین و آسمان نے دیکھ لیا کہ ترک قوم کا سینہ اب بھی ایک زندہ اسلامی روح کا مخزن ہے —— جتنی بھی حیرت ہو کم ہے! اور جس قدر بھی مسرت ہو تھوڑی ہے!!

ترک قوم کی اسی پوشیدہ روح اور اسکے سینہ کے اندر مچلتے ہوئے اسلامی جذبات ہی کا سہارا لیکر موجودہ برسر اقتدار پارٹی نے سابق حکمراں پارٹی (کمال اتاترک کی پارٹی) کو شکست دی، اور اسی روح اور انھیں جذبات کو محسوس کرتے ہوئے، باوجود سابقہ حکومت کے ترکہ، سیکولرزم کو اختیار کیے رہنے کے نئی حکومت، سیکولرزم کے اندر دینی تعلیم و تربیت کے انتظام اور اسلامی تہذیب و تصورات کے احیاء کی گنجائش نکال رہی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ

عملی اقدامات بھی کیے جاچکے ہیں، جنھیں مولانا ندوی نے اس سفر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور بعض کے متعلق غیر معمولی اطمینان و مسرّت کا اظہار فرمایا ہے۔

یہ باتیں اس سرزمین کی ہیں، جہاں کچھ دن پہلے تک اسلام پر زمین تنگ تھی، مذہبی تعلیم و تربیت کا نام لینا جرم تھا اور اسلامی تہذیب و تصورات کے احیاء کا خیال گناہ عظیم۔

ترکی کے انقلاب کی یہ کہانی، عالم اسلام کے لیے، صرف ایک مسرت کا پیغام نہیں، بلکہ اس بات کا بھی پیغام ہے کہ اسلام کی جانب سے مایوسی حرام ہے ——— روئے زمین کے اگر کسی خطہ پر اسلام کو مٹانے، اسلامی تہذیب کو فنا کرنے اور اسلامی تصورات و جذبات کو ملک بدر کر دینے کی تدبیریں اور سازشیں ہو رہی ہیں اور مسلمان اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کر رہے ہیں، تو اس خطۂ ارض کے مسلمانوں کو ترک قوم کی اس کہانی کا پیغام یہ ہے کہ:۔

> تم اپنی حد تک اسلام کو مت چھوڑو، اگر باہر اس کی حفاظت نہیں کر سکتے تو گھروں کے اندر اسکی حفاظت کرو، اور گھر کے اندر کی زمین بھی اگر تنگ کر دی جائے تو اس امانت کو اٹھا کر سینوں سے لگا لو۔ نہاں خانۂ دل میں چھپا لو، اور خون جگر بھی اگر دینا پڑے تو اس شمع کو فروزاں رکھو!
>
> اگر تم نے امانت و وفا کا یہ حق ادا کر دیا تو وقت بدلے گا، بندشیں ٹوٹیں گی اور خدا کی اس زمین پر کوئی نہیں ہو گا جو نور خدا کو جلوہ فگن ہونے سے روک سکے اور اسلام پر عرصۂ حیات تنگ کر سکے۔

اسلام ابدی زندگی کی ضمانت لے کر آیا ہے، جو قوم بھی برے وقت میں اس کا ساتھ دیگی ابدی زندگی کی ضمانت حاصل کر لے گی۔ عزت و کامرانی انجام کار اسی کے حصہ میں آئے گی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کبھی ذلت و نکبت میں نہ چھوڑی جائے گی ———

"وما یلقّٰھا الا الذین صبروا وما یلقّٰھا الا ذو حظ عظیم" (مگر یہ مقام بڑے دل گردے والوں اور بڑے نصیبہ وروں کو ملتا ہے)

اختتامِ جلد بست و سوم ۲۳

ناظرین کرام سے چند ضروری باتیں

لیجئے فضل خداوندی سے الفرقان کی عمر کا تیئسواں سال بھی بخیر و خوبی تمام ہو گیا۔ وسط سال میں مشکلات کی کچھ موجیں نمودار ہوئی تھیں اور قدرتی طور پر کچھ تشویش بھی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر شکر ہے اس خدا کا جس کے کرم کے سہارے یہ سفینہ پیشِ نظر ساحل تک پہونچ گیا۔

اگلے شمارہ سے چوبیسویں جلد کا افتتاح ہو گا۔ اس موقع پر اپنے مخلص ناظرین و معاونین کی خدمت میں چند معروضات اس امید پر پیش کجا رہی ہیں کہ وہ انکی طرف ضروری توجہ مبذول فرمائیں گے، اور انکی اس عنایت سے ہمیں نئے سال میں کچھ تقویت و سہولت میسر آجائے گی۔

(۱) سب سے پہلی گزارش تو ان حضرات سے ہے جن کی مدت خریداری اس شمارہ پر ختم ہو رہی ہے اور اسکی علامت کے طور پر ان کے رسالہ کے پہلے صفحہ پر سُرخ پنسل کا نشان لگا ہوا ہو۔ (الف) وہ اس نشان کو دیکھتے ہی اس بات کا فیصلہ فرمائیں کہ وہ آئندہ سال رسالہ کی خریداری جاری رکھ سکیں گے یا نہیں؟ (ب) اور پھر اگر ان کا فیصلہ یہ ہو کہ خریداری جاری رکھنا ہو تو جلد از جلد نئے سال کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں۔ اگر زیادہ جلدی ممکن نہ ہو تو اتنی دیر تو بہرحال نہ کریں کہ انکا منی آرڈر ہمیں ۱۴ر تمبر کے بعد ملے۔ کیونکہ اس صورت میں انکے نام وی پی روانہ ہو جائیگا اور پھر اسکی وجہ سے یا دفتر کا نقصان ہو گا یا ان حضرات پر بار پڑیگا۔ (ج) اور اگر خدانخواستہ خریداری جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو پھر بلا تاخیر ایک کارڈ لکھ کر دفتر کو مطلع فرمادیں۔ (د) پاکستانی حضرات کا چندہ چونکہ براہ راست ہمارے پاس نہیں آتا ہو اس لیے ان سے مزید گزارش یہ ہو کہ ان کی طرف سے چندہ لاہور بھیجنے کی اطلاع ہمیں ۱۴ر تاریخ تک ضرور ملجانا چاہیئے۔ اطلاع ہوائی ڈاک سے دی جائے تو بہتر ہے۔

(۲) دوسری گزارش انھیں حضرات سے یہ ہو کہ چندہ کی ادائیگی وی پی پر موقوف نہ فرمائیں، جہاں تک ہوسکے منی آرڈر کے ذریعہ ادا کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ آپکی تھوڑی سی زحمت سے دفتر کو بہت سہولت ہو جائے گی۔

(۳) تیسری اور آخری گزارش الفرقان کے سب ہی قدر دانوں اور کرمفرماؤں سے یہ ہو کہ الفرقان کو توسیع اشاعت کی شدید ضرورت ہے، بس اگر آپکے لیے ممکن ہو تو نئے سال کے آغاز پر اس سلسلہ میں کوشش فرمائیں۔

ناظم الفرقان

معارف الحدیث

مُسَلسَل

خوش کلامی اور بدزبانی :

انسان کی اخلاقی زندگی کے جن پہلوؤں سے اس کے ابنائے جنس کا سب سے زیادہ واسطہ پڑتا ہو اور جن کے اثرات اور نتائج بھی بہت دوررس ہوتے ہیں اُن میں سے اس کی زبان کی شیرینی یا تلخی اور نرمی یا سختی بھی ہو اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین و متعلقین کو شیریں گفتاری اور خوش کلامی کی بڑی تاکید فرماتے اور بدزبانی اور سخت کلامی سے شدت کے ساتھ منع فرماتے تھے، یہاں تک کہ بری بات کے جواب میں بھی بری بات کہنے کو آپ پسند نہیں فرماتے تھے ۔ ذیل کی چند حدیثیں پڑھیے!

(۱۶۷) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ یَهُوْدَ اَتَوُا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا السَّامُ عَلَیْکُمْ فَقَالَتْ عَائِشَةُ عَلَیْکُمْ وَلَعَنَکُمُ اللّٰهُ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْکُمْ قَالَ مَهْلًا یَا عَائِشَةُ! عَلَیْكِ بِالرِّفْقِ وَاِیَّاكِ وَالْعُنْفَ وَالْفُحْشَ ۔۔۔ رواہ البخاری

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کچھ یہودی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے (نفس کی خباثت اور شرارت سے السلام علیکم کے بجائے) کہا "السَّامُ عَلَیْکُمْ" .. (جو دراصل ایک گالی ہے اور جس کا مطلب یہ ہے کہ تم کو موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (اُن کی اس گستاخی کو سن لیا اور سمجھ لیا اور) جواب میں فرمایا کہ تم ہی کو آئے اور تم پر خدا کی لعنت اور اُس کا غضب ہو ۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ (ایسی سختی نہیں!) زبان روکو، نرمی کا رویہ اختیار کرو

اور سختی اور بدزبانی سے اپنے کو بچاؤ۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) گویا آپ نے ان یہودیوں کی ایسی سخت گستاخی کے جواب میں بھی سختی کو پسند نہیں فرمایا اور نرمی ہی کے اختیار کرنے کی ہدایت فرمائی۔

(۱۶۸) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِطَعَّانٍ وَلَا لَعَّانٍ وَلَا فَاحِشٍ وَلَا بَذِیٍّ ——— رواہ الترمذی

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن بندہ نہ زبان سے حملہ کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا اور نہ بدگو اور گالی بکنے والا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مومن کا مقام یہ ہے اور اور اس کا شیوہ یہ ہونا چاہیئے کہ اسکی زبان سے لعن طعن اور گالی گلوچ نہ نکلے۔ کتاب الایمان میں وہ حدیث گزر چکی ہے جس میں اختلاف و نزاع کے وقت گالیاں بکنے کو منافق کی نشانی تبلایا گیا ہے۔

(۱۶۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِسْتَاذَنَ رَجُلٌ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بِئْسَ ابْنُ الْعَشِیْرَۃِ اَوْ بِئْسَ رَجُلُ الْعَشِیْرَۃِ ثُمَّ قَالَ اِئْذَنُوْا لَہٗ فَلَمَّا دَخَلَ اَلَانَ لَہُ الْقَوْلَ فَقَالَتْ عَائِشَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَنْتَ لَہُ الْقَوْلَ وَقَدْ قُلْتَ لَہٗ مَا قُلْتَ قَالَ اِنَّ شَرَّ النَّاسِ مَنْزِلَۃً عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مَنْ وَدَعَہٗ اَوْ تَرَکَہُ النَّاسُ لِاِتِّقَاءِ فُحْشِہٖ۔

رواہ البخاری ومسلم وابوداؤد واللفظ لہ

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اجازت چاہی آپ نے (ہم لوگوں سے) فرمایا کہ یہ اپنے قبیلہ کا برا فرزند ہے یا فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا بُرا آدمی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اُس کو آنے کی اجازت دیدو، پھر جب وہ آگیا تو آپ نے اُس کے ساتھ گفتگو بہت نرمی سے فرمائی (جب وہ چلا گیا) تو حضرت عائشہؓ نے آپ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ آپ نے تو اس شخص سے بڑی نرمی کے ساتھ بات کی اور پہلے آپ نے اسی کے بارہ میں وہ بات فرمائی تھی (کہ وہ اپنے

- قبیلہ کا بہت بُرا آدمی ہے) آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نزدیک درجہ کے لحاظ سے بدترین آدمی قیامت کے دن وہ ہوگا جس کی بدزبانی اور سخت کلامی کے ڈر سے لوگ اس کو چھوڑ دیں (یعنی اُس سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کریں)

(صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی شریر اور بُرا بھی ہو جب بھی اُس سے بات نرمی سے اور شریفانہ طریقہ ہی سے کرنی چاہیئے ورنہ بدزبانی اور سخت کلامی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی ایسے شخص سے ملنے اور بات کرنے سے گریز کرنے لگتے ہیں اور جس شخص کا یہ حال ہو وہ اللہ کے نزدیک بہت بُرا آدمی ہے اور قیامت کے دن اس کا حال بہت بُرا ہوگا۔

اس حدیث کے بارہ میں چند باتیں سمجھ لینی چاہئیں :-

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے اس کے بُرے آدمی ہونے کی اطلاع اپنے پاس والوں کو غالباً اس لئے دی تھی کہ وہ اس کے سامنے محتاط ہو کر بات کریں اور کوئی ایسی بات نہ کر بیٹھیں جو کسی شریر اور بُرے آدمی کے سامنے نہ کرنی چاہیئے اور ایسی کسی مصلحت سے کسی شخص کی بُرائی سے دوسروں کو خبردار کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے بلکہ اس کا حکم ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اُذْكُرُوا الْفَاجِرَ بِمَا فِيْهِ كَيْ يَحْذَرَهُ النَّاسُ“ (فاجر و بدکار آدمی میں جو برائی ہے اُس کا لوگوں سے ذکر کرو، تاکہ اللہ کے بندے اُسکے شر سے محفوظ رہ سکیں)

(۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس آدمی کا شریر اور بُرا ہونا معلوم ہو اُس سے بھی گفتگو نرمی ہی سے کرنی چاہیئے بلکہ اسی واقعہ کی صحیح بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں ”فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ“ جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اُس آدمی سے شگفتگی اور خندہ روئی کے ساتھ ملاقات اور بات چیت کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال کہ جن لوگوں کی بُرائی اور بدکرداری ہم جانتے ہوں اُن سے اچھی طرح ملنا بھی نہ چاہیئے صحیح نہیں ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے خود امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے ”إِنَّا لَنَكْشِرُ فِيْ وُجُوْهِ أَقْوَامٍ وَإِنَّ قُلُوْبَنَا

یتمعنہم ، یعنی ہم بہت سے ایسے لوگوں سے بھی ہنس کر ملتے اور بولتے ہیں جن کے احوال و اعمال
کے لحاظ سے ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔

البتہ اگر کسی خاص موقع پر سختی اور اظہار ناراضی ہی میں مصلحت نظر آئے تو وہاں سختی کا رویہ اختیار
کرنا بھی صحیح ہوگا۔

(۳) اس حدیث کی ابو داؤد کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس آدمی کے بارہ میں آپ نے خود فرمایا تھا کہ یہ بہت برا آدمی ہے اس سے
آپ نے ایسی بشاشت اور شگفتگی کے ساتھ کیوں ملاقات اور بات چیت فرمائی؟ تو آپ نے جواب میں
فرمایا "یَا عَائِشَةَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ" یعنی اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ
بدزبان اور فحش گو آدمی کو دوست نہیں رکھتا، مطلب یہ ہے کہ بدزبانی کی عادت اللہ تعالیٰ کی محبت سے محروم
کر دیتی ہے لہذا میں کیسے اس کا مرتکب ہو سکتا ہوں۔

(۱۷۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ۔

(رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں
کہ آپ نے فرمایا کہ ..... اچھی اور میٹھی بات بھی ایک صدقہ ہے (یعنی نیکی کی ایک قسم ہے
جس پر بندہ اجر کا مستحق ہوتا ہے) (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ دراصل ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے، امام بخاری نے اس پوری حدیث کو بھی
روایت کیا ہے اور ایک جگہ تعلیقاً صرف اتنا ہی ٹکڑا نقل کیا ہے، مطلب ظاہر ہے — کسی کے
ساتھ اچھی بات شیریں انداز میں کرنا اس کے دل کی خوشی کا باعث ہوتا ہے اور اللہ کے کسی بندہ کے
دل کو خوش کرنا بلاشبہ بڑی نیکی ہے، کہنے والے نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے —

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

ارشاداتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ
مکتوبات کے پیرائے میں

﴿ ۹ ﴾

(مترجمہ: مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۵۰) شیخ اسد اللہ افغان کے نام[ـه]

[اس مکتوب میں آٹھ سوالوں کے جوابات ہیں سوال نمبر ۳ کا جواب یہاں پیش کیا جا رہا ہے]

تم نے دریافت کیا ہے کہ "خوارق افضل ہیں یا معارف؟ اگر معارف افضل ہیں تو کیا بات ہے کہ فاسق و فاجر بھی (بعض اوقات) معارف بیان کر دیتے ہیں اور خوارق کا یہ حال نہیں" (جواب) واضح ہو کہ معارف الٰہی، خوارق عادات "اور کشف مغیبات از مخلوقات" سے افضل ہیں کیوں؟ اس لئے کہ معارف "کشف اسرار ذات و صفات خالق" کا نام ہے اور خوارق، "کشف احوال مخلوقات" ہے پس جتنا فرق خالق و مخلوق میں ہے اتنا ہی معارف و خوارق میں سمجھنا چاہیے — پہلی چیز (معارف) خالق سے متعلق ہے اور دوسری چیز (خوارق) مخلوق سے —— علاوہ ازیں معارف صحیحہ "داخل کمال ایمان" اور "سبب ازدیاد ایمان" ہیں، خوارق کی یہ حیثیت نہیں اور کوئی کمال انسانی خوارق سے وابستہ نہیں ہے —— البتہ بعض کاملین کو خوارق بھی حاصل ہوتے ہیں لیکن فضیلت اہل اللہ معارف الٰہی کی بنا پر ہو نہ کہ کشف و کرامات کے ذریعے سے —— اگر خوارق عادات، معارف الٰہی سے افضل ہوتے تو ان اہل اللہ سے (جو معارف میں تو قدم راسخ رکھتے ہیں لیکن اظہار خوارق کی جانب توجہ نہیں فرماتے اور احوال مخلوق کے کشف کو توجہ بخالق کے مقابلہ میں اپنا تنزل سمجھتے ہیں)

ـه یہ مکتوب ترتیب کے لحاظ سے [illegible] میں [illegible] کی وجہ سے اس کو روک لیا گیا تھا۔ (ادارہ)

جوگیہ اور براہمہ جو (ریاضتوں کے ذریعے اظہار خوارق کرتے ہیں) افضل ہوتے ـــــ

تم نے عجیب عامیانہ سوال کیا ہے (یاد رکھو) خوارقِ عادات (کرامات)" کمال قرب الٰہی" کی دلیل ہرگز نہیں ہوتے یہ خوارق" اہل بطالت" کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں ـــــ ان خوارق کا تعلق تو بھوک اور ریاضت سے ہوتا ہے اِن کو" قرب و معرفت" سے کیا واسطہ؟ جو بھی طالب کشف و کرامات ہے وہ" طالب و گرفتارِ ماسوا" ہے اور قرب و معرفت سے بے نصیب ہے ـــــ

زابلیسِ لعینِ بے سعادت	شود پیدا ہزاراں خرق عادت
گہے از در در آید گاہ از بام	گہے در دل نشیند گہ در اندام
رہا کن طامات و شطح و طامات	خیال نور و اسباب کرامات
کرامات تو اندر حق پرستی ست	جز ایں کبر و ریا عجب و ہستی ست

یعنی کمال مرتبہ انسانی" فنا و مستی" میں ہے ـ طاعات و عبادات اور سلوک و ریاضت سے فی الحقیقۃ غرض یہی ہے کہ انسان اپنی" عدمیت" پر واقف ہو جائے اور یہ جان لے کہ ہستی مع اپنے تمام توابع کے اصل میں" مرتبۂ وجوب" کا خاصہ ہے ـــــ جس وقت کوئی چاہے گا کہ اظہار کرامت کرے، عوام کو اپنا معتقد بنائے اور خود کو اس ذریعے سے سب میں ممتاز کرے یقیناً یہ بات" کبر و عجب" ہوگی اور ایسا شخص عبادت و سلوک اور ریاضت کے فائدے سے بے بہرہ و محروم رہے گا اور اُس کے لئے معرفت کا راستہ بالکل مسدود ہو جائے گا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ من ذلك ....

شیخ الاسلام ہروی قدس سرہ فرماتے ہیں .... اکثر پڑھے لکھے بھی چونکہ" جناب قدس" سے بیگانہ ہیں اس لئے مائل بدنیا ہیں ـــــ" کشف صور" و" اخبار از مغیبات" ان کے نزدیک بہت عزیز ہیں" کشف صور" والوں کو اہل اللہ اور" مقربان خاص" تصور کرتے ہیں اور" اہل حقیقت" کے کشف سے اعراض کرتے ہیں" اہل حق" جو کچھ" حق" سے خبر دیتے ہیں اس کو باور نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اہل حق ہوتے تو مخلوقات سے متعلق خبر کیوں نہ دیتے اور جب یہ احوال مخلوقات کے کشف پر قادر نہیں ہیں تو اُس سے اونچے درجے کے کشف پر کس طرح قادر ہو سکتے ہیں نیز اہل معرفت کس طرح ہو سکتے ہیں؟

یہ نادان نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ جو اہتمام اور غیرت ان "حضرات اہل حق" کے بارے میں رکھتا ہے اس کے باعث ان کو اس بات کا موقعہ نہیں ملتا کہ کشف احوال خلق کے پیچھے پڑیں اور ماسوائے حق اُن کا ملحوظ خاطر ہو، احوالِ خلق کے کشف میں پڑ جائیں تو مرتبۂ علیا کے مستحق نہیں ہو سکتے ۔۔۔

پس اہل حق " شایان خلق " نہیں ہیں جس طرح اہل خلق " شایان حق " نہیں ہیں ۔۔۔ اگر اہل حقیقت " کشف صور " کی طرف ادنیٰ توجہ بھی کریں تو دوسروں سے بڑھ سکتے ہیں ۔۔۔ چونکہ ظاہری صفا و ریاضت والوں کی فراست اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی قدر نہیں رکھتی اس لئے مسلمان، یہود، نصاریٰ اور سائر طبقات اس میں شرکت رکھتے ہیں اہل اللہ کی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے [یہاں تک شیخ الاسلام ہروئیؒ کے کلام کا خلاصہ ہے]

ہاں بعض اولیاء کو کسی خاص مصلحت و حکمت کے پیش نظر اظہار خوارق کی اجازت عطا کر دی جاتی ہے ۔۔۔ " عجب ہزار عجب " ہے خوارق کی معارف کے ساتھ تم نے کیا نسبت تصور کی تھی جو اس قسم کا مہمل سوال کیا ہے معارف الٰہی کو نااہل بھی بیان کرے تو معارف کی شان میں کوئی نقصان واقع نہ ہوگا ..... یہ ایسا ہی جیسا کہ ایک جوہر نفیس خاکروب کے ہاتھ میں آجائے ۔ ایسی صورت میں اس جوہر نفیس کی " جوہریت و نفاست " میں کوئی نقصان نہیں آتا ۔۔۔ پس یہ لکھنا اور کہنا مندفع ہو گیا کہ معارف کو تو اہلِ سُت نفا جو بھی بیان کر دیتے ہیں او خوارق ایسے نہیں ہوتے ۔۔۔ اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ یہ مقدمہ " مشترک الالتزام " ہے ۔۔۔ خوارق میں بھی " محق و مبطل " شرکت رکھتے ہیں ۔۔۔ پس یہ کہنا درست نہیں کہ خوارق ایسے نہیں ہوتے ۔۔۔ نیز میں کہتا ہوں کہ یہ کلام اُن معارف و اسرار الٰہی کے کشف میں ہے جس سے اہل اللہ ممتاز ہیں اگر کوئی منکر کشف و حال کی بنا پر نہیں بلکہ تقلیداً " بیان معارف " کرنے لگے تو وہ بحث سے خارج ہے ۔۔۔ اگر کہا جائے کہ بہت سے منکر دعوائے کشف و حال، معارف الٰہی میں کرتے ہیں ...... تو جواباً کہتا ہوں کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ معارف جو اہل بطلان بیان کرتے ہیں معارف الٰہی ہیں ... " تسویلات شیطانی " بلا سے تمہارے اعلاطے سے ! ہر شخص کیا سمجھے کہ شیطان کن کن راستوں سے اپنے آدمیوں پر آتا ہے اور " اباطیل " کو " عنوان حقانیہ " کے ساتھ پیش کرتا ہے اور غیر حق کو حق ظاہر کرتا ہے تعالیٰ اللہ عن ذالک علواً کبیرا ۔۔۔۔

—————— :: ——————

مکتوب (۶۰) خواجہ محمد فاروق کے نام (اس بیان میں کہ شریعت تمام کمالات کی اصل ہے)

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مصرع:۔ —— از ہر چہ میرود سخن دوست خوشتر ست

مخدوما! "کمالات ولایت" صورتِ شریعت کا نتیجہ ہیں اور "کمالات نبوت" حقیقت شریعت کا ثمرہ —— پس کمالات ولایت اور کمالات نبوت میں سے کوئی کمال بھی ایسا نہیں ہے جو دائرہ شریعت سے باہر اور شریعت سے مستغنی ہو .... والسّلام

مکتوب (۶۱) مولانا حسن علی کے نام:۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ — چونکہ یہ مقام (دنیا) "دارِ عمل" ہے "دارِ اجر" (آخرت) سامنے ہے اس لیے اپنے آپ کو "وظائف اعمال" میں سرگرم رکھا جائے اور بے تذبذب طریقہ ماموره کو انجام دیا جائے —— وقتِ عمل میں اجر طلب کرنا اور اس فکر میں پھنس جانا اپنے کو اجر سے باز رکھنا ہے —— "موطن لقائے حقیقی" (آخرت) درپیش ہے —— من کان یرجو لقاءَ اللہ فانّ اجلَ اللہ لآتٍ —— اس جگہ مطلوب کا انتظار، جو کہ محبت سے پیدا ہوتا ہے۔ مطلوب میں استغراق سے بہتر ہے اس لیے کہ پہلی چیز (انتظار) عمل ہے اور ترقی بخش چیز ہے اور دوسری چیز اجر ہے اور اس کا وعدہ دوسرے جہان کے لیے ہو۔ طالبوں کی تسلّی کے لیے (کبھی کبھی) اس موعود کا نمونہ اور سایہ دکھا کر (یہاں بھی) آرام دیدیتے ہیں —— بعض طالبین کو یہ آرام بھی نہیں دیتے اور "امر موعود" میں کوئی نقصان نہیں کرتے۔

مکتوب (۶۴) سلطان محمد اورنگ زیب عالمگیر کے نام:۔ (دینی جدوجہد اور نفس امارہ سے مجاہدے کے بارے میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم —— الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ —

اما بعد —— ذرۂ احقر بعرض میرساند —— بڑا اچھا حال ہے ان کا جو اس "امر عظیم" کے لیے اپنی کمر ہمت کو چست باندھے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں مشکل و دشوار سفر کو، جو فی الحقیقت مثمر برکات اور وسیلۂ ترقی درجات ہے —— ذوق و شوق کے ساتھ اختیار کیے ہوئے ہیں —— رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو کہ جنت

میں سو درجے ہیں اور ان میں سب سے اونچا درجہ مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے ہو، اور ایک درجہ کا دوسرے درجے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ آسمان و زمین کے درمیان۔ (رواہ البخاری) ——— حضرت ابوہریرہؓ نے روایت کی ہو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے راستے میں ایک ساعت ٹہرنا مکہ مکرمہ میں حجراسود کے قریب لیلۃ القدر کے اندر قیام کرنے سے بہتر ہے۔ (رواہ البیہقی وابن حبان فی صحیحہ)

(اس حدیث کے پیش نظر) علماء نے فرمایا ہے کہ اس حساب سے اللہ کی راہ میں ایک ساعت قیام کرنا دس کروڑ مہینوں کے قیام سے بہتر ہے اسلیے کہ مکہ میں لیلۃ القدر میں قیام کرنا (کم از کم) دس کروڑ مہینوں کے قیام کے برابر ہے ——— اور حضرت انسؓ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ——— جس کسی نے کسی رات اللہ کے راستے میں چوکیداری کی (من وراء المسلمین) اس کو ان تمام لوگوں کا اجر ملے گا جو (محفوظ) علاقے میں (اطمینان سے) روزے رکھ رہے ہیں اور نمازیں پڑھ رہے ہیں۔ (رواہ الطبرانی باسناد جید) ——— علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے اعمالنامے میں اُن اعمالِ حسنہ کے مثل لکھتے ہیں جو اس علاقے میں لوگ امن کے ساتھ اسکی حمایت وحفاظت میں انجام دے رہے ہیں۔ یہ فضل عظیم کس قدر عالی شان ہے ۔ افسوس کہ یہ دور از کار (کاتب) اس نعمت خوشگوار سے بحسب ظاہر محروم ہے اور بعض عوائق وموانع کی وجہ سے اس قسم کی "فی سبیل اللہی" جد وجہد سے مہجور رہے ——— یالیتنی کنت معہم فافوز فوزاً عظیما ———

لیکن از روئے باطن اپنے ساتھ ہی جاننا اور دعاء وتوجہ کی راہ سے مدد و معاون تصور کرنا ——— ہم فقراء کا سرمایہ اور راس المال یہی دعاء و توجہ ہے ——— اگر گوشہ نشین فقراء سالہا سال ریاضت کریں اور چلّے کھینچیں اس عمل کو نہیں پہونچ سکتے (جو آپ کر رہے ہیں)، وہ طاعات وعبادات جو "جد وجہد دینی" کے راستے میں ہوتی ہیں "طاعات عزلت" پر ان کا درجہ کہیں زیادہ ہے۔ اس راہ کی تسبیح کچھ اور ہی ثواب رکھتی ہو، یہاں کی نماز بھی رتبہ علیحدہ رکھتی ہے۔ اس راہ کے صدقات ونفقات درجۂ دیگر

رکھتے ہیں، اس مقام کے اندر بیماریاں آئیں تو اُن کا ثواب بھی دوسرا ہے ـــــ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:-

طوبیٰ لمن اکثر فی الجہاد فی سبیل اللہ من ذکر اللہ فان لہ بکل کلمۃ سبعین الف حسنۃ الخ ـــــ رواہ الطبرانی ـــــ

نیز ارشاد فرمایا کہ سرحد کی چوکیداری کی حالت میں ایک نماز بیس لاکھ نمازوں کے برابر ہے (ملخصاً) (رواہ ابو الشیخ و ابن حبان)

نیز فرمایا کہ اس راہ میں ایک درہم و دینار کا خرچ کرنا دوسری دنیک راہ میں سات سو دینار خرچ کرنے سے افضل ہے (ملخصاً) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص مجاہد فی سبیل اللہ کی اور غازی کے اہل وعیال کی اور مکاتب (غلام) کی آزاد کرانے میں امداد کرے گا اللہ تعالیٰ اسکو اپنے سایہ میں رکھے گا اس دن جس دن اسکے سایے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ـــــ رواہ احمد والبیہقی ـــــ .... اور فرمایا کہ جو اللہ کے راستے میں ایک دن یا ایک دن سے کم یا ایک ساعت بھی بیمار ہوا اُسکے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں اور اس کے لیے ایک لاکھ ایسے غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب لکھا جاتا ہے جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک لاکھ درہم ہو"ـــــ اس میں شک نہیں کہ وہ مہم جس کی طرف آپ متوجہ ہیں اللہ کے راستے ہی میں جد وجہد ہے ـــــ ...... (اسکے بعد مجاہدۂ نفس کے بارے میں فرماتے ہیں) نفسِ امارہ انسانی باوجود تصدیق قلبی اور اقرار لسانی، کے اپنے کفر و انکار پر مُصر ہے۔ احکام شاہی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اوامرِ خداوندی کی تابعداری نہیں کرتا، یہ نفس چاہتا ہے کہ سب اس کے مطیع ہوجائیں اور وہ کسی کا مطیع نہ ہو۔ خودی کا دعویٰ اس کے اندر غالب ہے ـــ ندائے انا ربکم یہ ـــ اس کے اندر سے نکل رہی ہو لہٰذا اس سے دشمنی رکھنا پسندیدہ اور مقبول شئ ہے اور اسکی مخالفت، بروفق شریعت غرا کرنا "جہاد اکبر" ہے۔" اعدائے آفاقی کے ساتھ جہاد کا کبھی کبھی اتفاق ہوتا ہے اور دشمن اندرونی (نفس) سے جہاد دائمی ہے ـــــ

ارحم الراحمین کی یہ بڑی مہربانی ہو کہ اس نے بکمال رحمت حصول ایمان کے لیے (فقط) تصدیق قلبی کو کافی قرار دیا اور "اذعان نفس" کی تکلیف نہیں دی۔

؎ چشم دارم کہ دہد اشک سحر حسن قبول آنکہ در ساختہ است قطرۂ بارانی را

ہاں افرادِ انسانی میں بعض وہ کاملین بھی ہوتے ہیں جن کا نفس "امارگی" سے نکل کر "اطمنیان" کی منزل میں آجاتا ہے، احکام الٰہیہ کا مطیع ہو جاتا ہے اور اسے مجالِ مخالفت باقی نہیں رہتی، راضی و مرضی ہو جاتا ہو۔ (خطاب) یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ" ایسوں ہی کیلئے وارد ہوا ہو۔ ایمان کامل اور اسلام حقیقی اسی مقام پر جلوہ گر ہوتا ہو اور اسی قسم کا ایمان زوال و خلل سے محفوظ ہوتا ہو۔ بخلاف "معمولی" ایمان کے کہ وہ خلل و زوال سے محفوظ نہیں ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے برائے تعلیم امت، اسی کامل ایمان کو ان الفاظ میں طلب فرمایا ہو۔

اللھم انی اسالک ایمانا لیس بعدہٗ کفر ——— (قرآن کے اندر)

یاایھا الذین آمنوا آمنوا .... میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہو۔

اور اس حدیث شریف میں بھی یہی ایمان مراد ہو ——— لن یومن احدکم حتی یکون ھواہٗ تبعاً لما جئت بہ (تم میں سے کوئی شخص اسوقت تک ہرگز مومن نہیں ہوگا جب تک اسکی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے ماتحت نہ ہو جائے) ———

طریقۂ صوفیہ میں مطلوب اوّلی اسلام حقیقی کا حصول ہو جو کہ نفس امارہ کے "انقیاد" سے مربوط ہو اور جو اسلام کہ حصولِ اطمینان سے پہلے محض تصدیق قلبی سے حاصل ہو اس کو اسلام مجازی کہتے ہیں .... پس عقلاء اولی الابصار کے لیے ضروری ہو کہ وہ اپنے "حاصل کار" اور "نقدِ روزگار" میں خوب تامل کریں اور جو کوئی یہ دولتِ مطلوبہ رکھتا ہے ——— فطوبیٰ لہٗ وبشریٰ ——— جو کچھ اس کی پیدائش کا مقصد تھا اسکو حاصل کرلیا اور نعمتِ حق اسکے حق میں پوری ہوئی ——— اگر یہ دولت (معرفت) نہیں ملی تو اسکی طلب سے فارغ نہ ہو اور جہاں کہیں سے اسکی خوشبو اسکے دماغ میں آئے اسکی تلاش کرے ؎

ترسم کہ یار با ما نا آشنا بماند تا دامنِ قیامت ایں غم بجا بماند

والسلام اولاً و آخراً ———

ترکی کے دو دن

(از، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی)

[مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے سفر ترکی کی اطلاع مولانا کے گذشتہ مکتوب سے ناظرین الفرقان کو مل چکی ہے، اور یہ بھی اسی مکتوب سے معلوم ہو چکا ہو کہ مولانا اس سفر سے ایک بیش بہا تحفہ اپنے اہل وطن کے لیے لائے ہیں ——— یہ تحفہ ہو اس سفر کے مشاہدات و تأثرات جنکو موصوف ایک روزنامچہ کی صورت میں قلمبند کرتے رہے تھے۔ یہ روزنامچہ بہت جلد کتابی شکل میں منظر عام پر آرہا ہے۔

ناظرین الفرقان کو اسکے تذکرہ سے قدرتی طور پر جو اشتیاق پیدا ہو گیا ہوگا، اسکی تسکین کی خاطر مولانا محترم نے روزنامچہ کی ایک قسط الفرقان میں اشاعت کیلئے مرحمت فرمائی ہے جو دو دن کے مشاہدات و تاثرات پر مشتمل ہو ـــ پڑھیے اور ترکی کی بزم میں مولانا کے شریک ہو جائیے! ——— (ادارہ)

۷، ذی قعدہ سنہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۶، جون سنہ ۱۹۵۶ء

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک پر

صبح سے احباب آگئے اور ہمیں اپنے ساتھ لے کر بازار آئے، چائے پی اور ....

...... وہاں سے ٹیکسی پر دن کا پروگرام شروع کیا دوستوں نے پوچھا کہ کہاں سے ابتدا کریں، ہم نے کہا نبدأ بما بدأ اللہ بہ جس سے اللہ نے ابتدا کی اسی سے ہم بھی ابتدا کریں گے، یعنی سب سے پہلے سیدنا ابوایوب انصاریؓ کی قبر مبارک کی زیارت کرینگے جو اس سرزمین میں اسلام کا پہلا نشان ہے اور جو اس شہر کے حقیقی فاتح ہیں ہم نے اس نفس قدسی کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور اس کو سلام کیا جس کو اللہ نے میزبان عالم کی میزبانی کا شرف بخشا تھا اور جو اس ملک میں اللہ کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس کو اللہ کی حکومت میں داخل کرنا چاہتا تھا جب اسکا وقت آخر ہوا تو اس نے وصیت کی کہ مجھے اس سرزمین میں جتنی دور لیجاکر دفن کرسکو دفن کرنا تاکہ جہاں تک میں زندگی میں فاتحانہ نہیں پہونچ سکا وہاں مرنے کے بعد پہونچ جاؤں، چنانچہ ایمان و بلند ہمتی

کی یہ امانت قسطنطنیہ کے دروازے پر ودیعت ہے اور اس سرزمین کی سب سے قیمتی متاع ہو اس کے جلال ایمانی اور شرف صحابیت کے آگے سلاطین ترکیہ کا جلال ہمیشہ سرنگوں رہا اور اسی تواضع اور ادب سے سلاطین آل عثمان نے دنیا میں سرفرازی پائی اللہ کی ہزاروں لاکھوں رحمتیں ہوں اس میزبان نبوت پر اور اس مجاہد عالی ہمت پر

آسماں اسکی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

جامع ایا صوفیہ میں

سیدنا ابو ایوب کے بعد سلطان احمد کی مسجد میں گیے جو اپنی زیب و زینت نقاشی اور فن تعمیر کے لحاظ سے قسطنطنیہ کی سب سے بڑی مسجد ہے وسعت میں بھی وہ جامع سلیمانی کے بعد دوسرے درجہ کی مسجد سمجھی جاتی ہے ترکی مساجد وجوامع کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مسقف حصہ بہت وسیع ہوتا ہے اور مربع بخلاف مغل عہد کی مسجدوں کے کہ مسقف حصہ مختصر اور صحن وسیع ہوتا ہی جامع سلطان احمد کے بعد ہم ایا صوفیہ آئے، جو بازنطینی عہد سلطنت کا سب سے بڑا کلیسا تھا اور ترک سلاطین نے اسکو تھوڑی ترمیم کے ساتھ مسجد میں تبدیل کر دیا تھا، کمال اتاترک کے "اصلاحی کارناموں" میں سے یہ کارنامہ بھی ہے کہ اس نے اس مسجد کو جس میں صدیوں نماز پڑھی گئی ہو اور جس کا چپہ چپہ سجدوں اور مومنوں کی پیشانیوں کے نشانوں سے معمور ہے آثار قدیمہ میں شامل کر دیا اور ایک تاریخی عمارت کے طور پر ایک عام سیر گاہ بنا دی، اب اس مسجد میں نماز قانوناً ممنوع ہے، دوستوں نے بتلایا کہ جب استاذ مصطفیٰ السباعی پچھلے دنوں قسطنطنیہ آئے تھے تو انھوں نے باوجود اس علم کے کہ یہاں نماز ممنوع ہے دو رکعت پڑھ لی تھی۔ ہم نے بھی ارادہ کیا کہ اس سعادت سے محروم نہ رہیں، چنانچہ محراب میں پہنچکر دو رکعت کی نیت باندھ لی گائڈ اور چپڑاسی دوڑا۔ یاساک یاساک (ممنوع ممنوع) کہتا رہا مگر ہم نے نماز پڑھ لی، نماز کے بعد کچھ دیر قبہ خانہ میں بیٹھے وہاں ایک یوگوسلاویہ کا نوجوان جو یونیورسٹی کا طالب علم ہے ایک بابلی شاعر پر کام کر رہا ہے۔ فارسی جانتا ہے اس سے فارسی میں بات چیت ہوئی۔

گلہانہ پارک کی سیر جامع ایا صوفیہ سے نکل کر ہم نے گلہانہ پارک کی سیر کی جو یہاں کا

سب سے بڑا پارک ہے اور عام سیرگاہ ہے لیکن داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اتاترک کا یہ محبوب پارک ہے اور اسکی خصوصی سیرگاہ تھی۔ پارک کے ایک سرے پر اس کا مجسمہ نصب ہے، اسکو دیکھ کر ہماری زبان سے بے اختیار نکلا کہ ماولدت الامۃ الترکیۃ اشأم منہ رفقا نے اس کا لطف لیا۔ گلہانہ پارک شہر کی عام سیرگاہ ہے داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، ہر چند قدم پر ریسٹوراں اور ہوٹل ہیں، مردوں اور عورتوں کا ہجوم اور ان کی آزادی دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی اسلامی شہر کا پارک نہیں ہے بلکہ لندن کا ہائیڈ پارک ہے۔

آبنائے باسفورس میں

گلہانہ پارک سے فارغ ہوئے تو زین العابدین صاحب نے محلہ "سرکجی" کے ایک ہوٹل میں دوپہر کا کھانا کھانے کا پروگرام بنا رکھا تھا وہاں عرب طالب علموں کے ساتھ کھانا کھایا اسکے بعد کا پروگرام یہ تھا کہ باسفورس میں کچھ دور جاکر ایک دوست کے مکان پر چند ترک نوجوانوں سے ملاقات کرینگے اور کچھ ان سے خطاب کیا جائے گا۔ چنانچہ ایک اسٹیمر پر روانہ ہوئے، اسٹیمر کے سارے درجے مسافروں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے مسافر جابجا اسٹیشنوں پر اترتے جاتے تھے، باسفورس کے دونوں کنارے آبادیاں اور شہر کے مضافات ہیں، ہمارا اسٹیمر باسفورس میں جارہا تھا جس کا نام بچپن سے سنتے تھے آبنائے باسفورس کے مغربی جانب قسطنطنیہ کا عظیم الشان شہر آباد ہے اور ترکی کا وہ حصہ ہے جو براعظم یورپ میں شامل ہے دوسری جانب مشرق میں اناطولیہ اور سلطنت ترکیہ کا ایشیائی حصہ ہے جو سلطنت کے سب سے بڑے حصہ پر مشتمل ہے دونوں طرف سنگین عمارتیں اور قلعے نظر آتے تھے اور نہایت دلفریب مناظر تھے کچھ آگے بڑھ کر مغربی جانب خیرالدین بیبرس کا مجسمہ نظر آیا یہ خیرالدین اس مشہور ترکی بحری بیڑہ کا بانی ہے جس نے سارے یورپ میں ترکی کی دھاک بٹھا دی تھی اسی کنارے دولمہ باغیچہ کا شاندار محل نظر آیا جو بالکل سمندر کے کنارے ہے یہ سلطان عبدالعزیز کا محل ہے جو سلطان عبدالحمید سے پہلے فرمانروائے سلطنت عثمانیہ تھے، ان مناظر کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا تھا کہ قسطنطنیہ ایک قدرتی قلعہ ہے جس کی قدرت الٰہی نے پوری مورچہ بندی کردی ہو پھر وہ یورپ وایشیا کا سنگم ہے، اس پر نپولین کا یہ قول بار بار یاد آتا تھا کہ اگر دنیا ایک متحدہ سلطنت بن جائے

تو اس کے لیے قسطنطنیہ سے بڑھ کر ...... کوئی موزوں دارالسلطنت نہ ہوگا۔

ترک نوجوانوں کے اجتماع میں ہماری تقریر

۶-۷ میل چل کر وہ تنگ نائے آئی جس کے مشرقی جانب اناضولو حصار اور مغربی جانب روملی حصار ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں سے ترک ترکتاز مغربی جہازوں اور بیڑوں کا شکار کھیلتے تھے اور انکا قافیہ تنگ کرتے تھے، اس تنگ نائے سے آگے بڑھے تو روملی حصار کے ایک حصہ میں ہم لوگ جہاز سے اتر آئے، ایک مسجد میں ظہر کی نماز پڑھی پھر ایک شامی نوجوان طالب علم کے مکان پر گیے وہاں میڈیکل کالج اور انجینیرنگ کالج کے وہ طلبہ جمع تھے جو اسلامی افکار و دعوت سے متاثر ہیں۔ اور ہمارے شامی و عراقی طالب علموں نے ان سے ربط پیدا کر رکھا ہے ان نوجوانوں کی وجاہت اور وقار دیکھ کر اقبال کے اس شعر کے معنی سمجھ میں آئے کہ

عطا مومن کو پھر درگاہ حق سے ہونے والا ہے
شکوہ ترکمانی ذہن ہندی نطق اعرابی

یہ میڈیکل کالج اور انجینیرنگ کالج کے آخری درجوں کے طالب علم تھے اور بعض ایسے بھی تھے جو طالب علمی سے فراغت حاصل کر کے اب کالج کے اسٹاف میں شامل ہونے والے تھے زین العابدین صاحب نے ہماری تقریر کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری لی اور ہم نے ان نوجوانوں سے یوں خطاب کیا کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام سے جو ایک مکان میں بیٹھے ہوئے تھے ایک مرتبہ کہا کہ ہر شخص خدا سے اپنی منہ مانگی مراد مانگے کسی نے کہا کہ یہ گھر سونے چاندی سے بھرا ہو اور ہم راہ خدا میں خیرات کریں کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا آخر میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ گھر خالد و ابو عبیدہ جیسے لوگوں سے بھرا ہوا ہو اور میں انکو راہ خدا میں بھیجوں اور ملک فتح کردوں، ان بڑوں کے مقابلہ میں ہمارا کیا منہ ہے کہ ہم بھی اپنی خواہش کا اظہار کریں مگر یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہمارا بھی بے اختیار جی چاہتا ہو کہ آپ سب لوگ دین کے احیاء کے کام میں لگ جائیں، ہمیں یقین ہے کہ اگر صرف آپ چند نوجوان اس چیز کا بیڑا اٹھالیں کہ اس ملک میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا کام کریں گے اور اسلام کو دوبارہ زندہ کریں گے تو تنہا آپ لوگ اس ملک میں دینی انقلاب لاسکتے ہیں،

لیکن اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک اپنی قیمت پہچاننے کی اور اس کو ارزاں فروشی سے بچانے کی دوسرے عزم راسخ کی، پھر ہم نے کہا کہ آپ کے سامنے ہم عزم راسخ کی چند مثالیں پیش کریں گے ایک مثال دور اوّل کی محمد بن القاسم کی ہے جس نے سترہ برس کی عمر میں سندھ فتح کر لیا جو آج کالج کے طالب علموں کی عمر سے بھی کم ہے دوسری دور متوسط کی محمد فاتح کی، آپکو معلوم ہے کہ اس نے کس سن میں قسطنطنیہ فتح کیا؟ ان نوجوانوں میں سے ایک نے جواب دیا کہ بائیس سال کی عمر میں! ہم نے کہا کہ تیسری مثال حضرت شیخ احمد سرہندیؒ کی ہے جن کا سلسلہ ترکی میں خوب پھیلا ہے ان کے زمانے کے سب سے طاقتور و باجبروت فرمانروا اکبر نے اس کا عزم اور انتظام کیا تھا کہ ملک ہندستان کو لادینی اور جاہلیت کے راستے پر ڈال دے اور پورے ملک کا رخ ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دے اسکو اسلام سے عناد پیدا ہو گیا تھا حتی کہ محمد نام رکھنا بھی اس کو گوارا نہ تھا اس کے مقابلہ میں شیخ احمد نے فیصلہ کیا کہ اس ملک کو پھر اسلام کا حلقہ بگوش بنانا ہے اور اکبر کے اثرات کو مٹانا ہے، اکبر اور اسکے جانشینوں کے پاس وہ سب وسائل تھے جو سلاطین وقت کے پاس ہوتے ہیں اس فقیر بے نوا کے پاس سوائے عزم و توکل و اخلاص کے کوئی وسیلہ اور کوئی پونجی نہ تھی اس نے اپنی بصیرت خداداد سے یہ محسوس کیا کہ اس ملک میں فوجی انقلاب خطرناک ہے اس لیے کہ دوسری طاقتیں موقع کی منتظر ہیں، اس نے اہل دربار اور ارکان سلطنت سے ربط پیدا کیا اور اپنے اخلاص و بے غرضی للہیت و روحانیت و دل سوزی سے ان کے دل میں گھر کر لیا اور ان سب کو اپنی محبت و عقیدت کا اسیر بنا لیا اور خاموشی سے اپنا کام کرنا شروع کیا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر کے تخت پر جہانگیر آیا جس کے دل میں اسلام کا احترام تھا اس کا جانشین شاہجہاں ہوا جس نے تخت طاؤس پر بیٹھ کر اپنے مالک کو فراموش نہیں کیا اور اسکے سامنے سجدہ کر کے اپنی بندگی کا اظہار کیا، اس کا جانشین عالمگیر ہوا جس کے اصلاحی کارنامے اور جس کی دینداری شہرۂ آفاق ہے اور جو فتاویٰ عالمگیری کا مجوز و متمم ہے یہ انسانی عزم و ارادہ کی طاقت و کامیابی کی ایک مثال ہے، یہ آبنائے باسفورس کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے قلعے اور حصار اور یہ قسطنطنیہ کا عظیم شہر انسانی عزم کی مثال ہے، پھر ہم نے ان سے کہا کہ اس وقت کرنے کا کام یہ ہے کہ

ایمان اور موجودہ تمدن کے وسائل اور بخشی ہوئی طاقتوں کو جمع کر کے انسانی زندگی کی صحیح تنظیم کی جائے۔ ایمان کا سرچشمہ صرف ایک ہے اور وہ انبیاء علیہم السّلام کی ذات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ، وسائل آپ بے شک پیدا کر سکتے ہیں اور دوسروں سے مستعار لے سکتے ہیں، آج انسانیت کی یہی بڑی بدقسمتی ہے کہ وسائل وتنظیمات کے مالک ایمان سے محروم ہیں اسکی وجہ سے زندگی ایک عذاب بن گئی ہے اگر جدید ترکی کے معماروں کو خدا توفیق دیتا اور ان کو اتنی عقل ہوتی کہ ایمان وتنظیم جدید کو جمع کرتے تو آج ترکی یورپ کا امام ہوتا مگر افسوس

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو

پھر ہم نے ان سے کہا کہ آپ یورپ کی اسکی ترقیات وتنظیمات لے کر صرف اسکے شاگرد بن سکتے ہیں ممکن ہے شاگرد رشید بن جائیں لیکن ایمان کی دعوت لے کر اگر کھڑے ہوں تو آپ اس کے امام بن سکتے ہیں، بتلائیے! شاگرد بننا زیادہ عزت کی بات ہے یا استاد و پیشوا بننا، .... پھر ہم نے ان کو اقبال کے دو شعر سنا کر اپنی تقریر ختم کی، وہ دو شعر یہ تھے:۔

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت	دے انکو سبق خود شکنی خودنگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے	مغرب نے سکھایا انھیں فن شیشہ گری کا

آخری شعر کا جب ترجمان نے ترجمہ کیا اور مغرب کی شیشہ گری کی تشریح کی تو وہ نوجوان بہت متأثر معلوم ہوتے تھے ہم یہ تقریر کر رہے تھے اور بالاخانہ کی کھڑکی آبنائے باسفورس کی طرف کھلی ہوئی تھی جہاز آتے جاتے اور سینہ کوبیں مارتا ہوا نظر آتا تھا، بار بار جی چاہتا تھا کہ یہ بحر و بر پھر رایت[1] اسلامی کے سایہ میں ہوں۔ ہماری تقریر کے بعد ان طالب علموں میں سے ایک طالب علم اسماعیل نے جو میڈیکل کالج کے آخری سال کے طالب علم ہیں موزوں الفاظ میں اپنے تاثر و امتنان کا اظہار کیا اور بعض سوالات کیے جن سے سنجیدگی کا اظہار ہوتا تھا، اجتماع کے بعد ہم نے اور ان نوجوانوں نے پاس کی مسجد میں عصر کی نماز پڑھی اور ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

[1] پرچم

دولمہ باغیچہ اور دوسرے آثار قدیمہ

دولمی کے اس اجتماع کے بعد ہم شہر کی طرف واپس ہوئے اس مرتبہ ہمارے منتظم زین العابدین خیر اللہ صاحب نے بجائے جہاز سے واپسی کے موٹر کار سے واپسی کا انتظام کیا تھا سمندر کے ساتھ ساتھ سڑک شہر کو جاتی ہے انجینئرنگ کالج کے ایک اسسٹنٹ پروفیسر موٹر ڈرائیو کر رہے تھے، انھوں نے کالج کے سامنے موٹر روکی اور ہم نے اسکی عمارت کے سامنے کھڑے ہو کر سمندر کا نظارہ کیا دولمہ باغیچہ قریب سے نظر آرہا تھا اور زمانہ کی بے ثباتی اور حکومت وطاقت کی بے اعتباری کا درس دے رہا تھا، آج یہ بھی کوئی نہیں جانتا کہ سلطان عبد العزیز کہاں دفن ہیں، قصر شاہی مقفل ہے اور مکین زیر زمین مدفون وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ

راستہ میں بعض کتب فروشوں کی دو کانوں کے پاس سے گزرے، اب اس شہر میں جو کبھی علم کا مرکز تھا اور جس نے بڑے بڑے علمی ذخیرے دوبارہ زندہ کیے عربی کتابیں کوڑیوں کے مول ملتی ہیں، جب عربی رسم الخط ممنوع ہو تو ان کتابوں کی قدر کرنے والا کون ہے، کچھ عرصہ کے بعد ان کا نام پڑھنا بھی مشکل ہو گا، امرائے ترک لوازم امارت کی طرح کتب خانے بھی رکھتے تھے، اب ان کے خستہ حال ورثاء ان کتابوں کو بیچ کر اپنا پیٹ پالتے ہوں گے، ایک نیا بازار بھی دیکھا جس کو یہاں قاپالی جارشی یعنی بند بازار کہتے ہیں، یہ ترکی عہد کے دستور کے مطابق پورا مسقف ہے اور نہایت طویل وبارونق وآباد ہے۔ چند مہینے پہلے اسمیں آگ لگ گئی تھی اور لاکھوں کا نقصان ہوا تھا، اب اسکی مرمت وتجدید کر دی گئی ہے، آتش زدگی کے آثار کہیں کہیں اب بھی موجود ہیں۔

مغرب کی نماز ہم نے جامع والدہ میں پڑھی، یہ سلطان عبد الحمید خاں کی والدہ کی تعمیر کردہ ہے، ابھی نماز میں کچھ وقفہ تھا وضو خانہ کے پاس کچھ سن رسیدہ ترک بیٹھے ہوئے تھے متعدد اشخاص کے چہرہ پر داڑھیاں تھیں، اور اچھی خاصی نورانی صورتیں، اتاترک نے بھی اس قوم کے ساتھ کیا مذاق کیا ہے کہ سب کو انگریزی ٹوپیاں اُڑھا دیں، مغرب کی اذان ہوئی، انگریزی ٹوپیوں کے بجائے لوگوں نے اپنی اپنی جیبوں سے کپڑے کی ٹوپیاں جو سر پر منڈھ جاتی ہیں نکالیں اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ مسجد میں آکر بیٹھ گئے، مسجد کا

اندرونی حصہ بھر گیا، نماز پڑھنے والوں کا تناسب اب بھی ہمارے یہاں سے زیادہ ہے۔

عرب طلبا کے اجتماع میں

نماز مغرب کے بعد ہم محلہ تاش کساب میں ایک عراقی طالب علم ادریس کے یہاں گئے جہاں یونیورسٹی کے اکثر عرب طلبا جمع تھے، انمیں زیادہ تر عراق وشام کے طالب علم تھے، ایک تعداد لیبیا وطرابلس کے طلبا، کی بھی تھی۔ ہم نے ان کے سامنے داعی کے اوصاف وفرائض پر تقریر کی یہ سب طلبہ اخوان سے تعلق رکھتے ہیں، اس تعلق نے ان کو استنبول کے مفاسد سے محفوظ کر دیا ہو، بلکہ ان کو اسلام کا داعی بنا دیا ہے، داعی بن جانے کی وجہ سے یہ دوسری دعوتوں کا شکار ہونے سے بچ گئے، ان کا ایمان قابل رشک ہو اپنی تحریک سے انکو بڑا گہرا تعلق اور اسکی صحت وصداقت پر بڑا اعتماد و وثوق ہے، دعوت نے ان کے اخلاق وزندگی پر بڑا اثر ڈالا ہو، استنبول کو ترکی کا مرکز فساد سمجھا جاتا ہے مگر یہ ان مفاسد سے محفوظ، نماز کے پابند اور اپنی دعوت میں سرگرم ہیں، اسکے باوجود جماعتی عصبیت اور اپنی جماعت کے سوا ہر جماعت کو حقیر سمجھنے کے مرض سے پاک ہیں، ہر دینی جماعت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اور اسکے لٹریچر سے فائدہ اٹھاتے ہیں، دین کے ہر داعی اور ہر عالم سے استفادہ کے لیے ان کے دل کھلے ہوئے ہیں، نہایت گرمجوش، پرمحبت اور سادہ دل ہیں، رات کو انھوں نے اسی مکان میں رہنے پر اصرار کیا، اور ایسا معلوم ہوا کہ ہم اپنے عزیزوں اور اپنے دارالعلوم کے طالب علموں کے درمیان ہیں۔

۱۰ ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ مطابق ۲ جون ۱۹۵۶ء

کتب خانہ سلیمانیہ میں

آج ۹-۱۰ بجے دن تک ہم کچھ تحریری کام کرتے رہے، ۱۰ بجے کے قریب طٰہ موصلی کے ساتھ کتب خانہ سلیمانیہ گئے، مہتمم کتب خانہ ایک ترک نوجوان عورت تھی، مغربی تہذیب و انکار بھی کیا ایا بے جوڑ کام کرتے ہیں، ایک دینی کتب خانہ جو اسلامیات کا ذخیرہ، ہو اس کے اہتمام کے لیے کوئی صاحب علم مرد نہیں ملتا تھا کہ ایک لڑکی کے سپرد اس کا انتظام کیسا جائے، کتب خانہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ بغیر کسی ترک عالم یا ذی علم استاد کی رہبری واعانت

کے کتب خانوں سے فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا، ہم نے اپنے ناظم امور زین العابدین صاحب سے کہا کہ یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے کسی استاد سے تعارف کرا دیں اور ان کی درخواست کریں کہ وہ ہمیں یہاں کے کتب خانوں کی سیر کرائیں اور ان کے نوادر و آثار سے مطلع کریں، استنبول کے کتب خانے سارے عالم اسلامی میں ممتاز ہیں اور اہل نظر کا اندازہ ہے کہ جو علمی ذخیرہ یہاں ہے وہ کہیں نہیں ہے اور یہ بالکل قدرتی بات ہے، سلطنت عثمانیہ خلافت کی جانشین ہوئی اور سارے عالم اسلام کے ذخائر دار الخلافت میں منتقل ہو گئے، افسوس ہے کہ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم ایک طالب علم اور ریسرچ اسکالر کی طرح ان کتب خانوں کو دیکھ سکیں پھر بھی ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ پر عمل کیا جائے گا۔

جامع سلیمانی

ظہر کی نماز جامع سلیمانی میں پڑھی یہ اپنی وسعت و عظمت کے لحاظ سے استنبول کی سب سے بڑی مسجد ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ ترکوں نے جب قسطنطنیہ فتح کیا تو ایا صوفیہ کی عمارت ان کو بہت پسند آئی، انھوں نے اپنی مسجدیں اسی نقشہ پر تعمیر کیں، صرف میناروں کا اضافہ کر دیا۔ سیاح کو استنبول کی سب مسجدیں ایا صوفیہ ہی کے نمونہ کی نظر آئیں گی، مسقف حصہ بہت وسیع، چھت نہایت بلند ڈاٹ بہت مضبوط، جامع سلیمانی کا مسقف حصہ اتنا وسیع ہے کہ ہمارے اندازہ کے مطابق ۳۰۔۴۰ ہزار آدمی آ سکتے ہیں، معلوم ہوا کہ رمضان میں عشا و تراویح میں یہ پورا مسقف حصہ بھر جاتا تھا اور باہر تک آدمی ہوتے تھے، ظہر کی نماز ان تمام دیباچوں اور تمہیدات کے ساتھ ہوئی جو ترکی کی مساجد کی خصوصیت لازمہ ہے، پہلے تمام انبیاء، و صحابہ و اولیاء کی ارواح کو ثواب پہونچایا گیا۔ پھر الفاتحہ کہہ کر بانی مسجد سلطان سلیمان قانونی کی روح کو ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی، پھر مکبر نے تین بار بآواز بلند سورۂ اخلاص پڑھی، یہ اس بات کا اعلان تھا کہ اقامت ہونے والی ہے پھر اقامت ہوئی پھر سنتیں ہوئیں پھر بآواز بلند تسبیحات پڑھیں اور نمازیوں کو ان کا فریضہ یاد دلایا پھر دعا کا اعلان ہوا۔ اور امام نے دعا کی ترکوں کے نزدیک یہ سب نماز کے لوازم ہیں، جو شخص ان کی تکمیل سے پہلے اٹھ جائے اس کو بڑے غور سے دیکھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ

یہ کوئی بے ادب اور آزاد سا آدمی ہے افسوس ہے کہ ایک طرف الحاد کا دھارا بہہ رہا ہو ایک طرف ان فاضل چیزوں پر اصرار ہے۔

توپ کاپے کا عجائب خانہ

نماز کے بعد ہم نے توپ کاپے کے عجائب خانے اور ذخیرہ کی سیر کی یہ جامع ایا صوفیہ کے پاس ایک قدیم عمارت میں ہے جو کوئی شاہی عمارت معلوم ہوتی ہے، داخلہ ٹکٹ سے ہوتا ہے، یہ سلاطین ترکی کے عہد کے ذخائر و تحائف کا مجموعہ ہے اور غالباً سونے چاندی، جواہرات، مرصع ظروف اور بیش قیمت اشیا کا اتنا نادر اتنا بیش قیمت اور اتنا کثیر ذخیرہ دنیا کے کسی عجائب خانہ میں نہ ہوگا، سلاطین آل عثمان نے صدیوں متمدن دنیا کے غالباً سب سے بڑے حصہ پر حکومت کی ہے، بڑی بڑی سلطنتیں اور بڑے بڑے سلاطین ان کے باج گزار زیر اثر رہے ہیں ان سلاطین نے ان کو جو تحائف بھیجے یا انھوں نے اپنے شوق سے اپنے اور اپنی بیگمات کے لیے جو چیزیں تیار کیں، وہ سب یہاں جمع ہیں۔ اور تماشہ گاہ عالم ہیں ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے، اتوار کی وجہ سے سیر کرنے والوں اور سیر کرنے والیوں کا ہجوم تھا، اس کمرہ میں وہ سب ڈبے برتن سنگار دان قرآن مجید کے جزدان رحل چراغ شمعدان، تلواریں، نیام، اسلحہ، رکھے ہوئے تھے جو مختلف سلاطین کے زیر استعمال یا زینت خزانہ تھے۔ ان میں جواہرات سچے موتیوں اور سونے چاندی کا استعمال اس فراخ حوصلگی اور سخاوت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ حیرت ہوتی تھی، ایک جگہ سلطان احمد اول اور بعض سلاطین کے تخت اور نشست گاہیں تھیں جو کامل سونے کی ڈھلی ہوئی اور جواہرات سے مرصع تھیں، ایک جگہ سلطان سلیم سے لے کر سلطان عبدالحمید خاں تک لباس شاہی کے تغیرات دکھائے گئے تھے۔ شاہ اسماعیل صفوی کا تخت بھی دیکھا جو ایرانی اور ہندستانی صنعت اور مرصع کاری کا نمونہ تھا، عیسائی بیگمات کے زیورات بھی دیکھے جن میں صلیبیں آویزاں تھیں، سلطان مراد کا ایک طلائی صندوق تھا جس میں خرقہ شریف رہتا تھا، اصل سونے کے پورے پورے شمعدان دیکھے جن میں سے ایک ایک پر تین تین سیر سونا صرف ہوا ہوگا۔ اتنا کھرا اور ابدار [illegible] سے معلوم ہوتا تھا کہ آگ لگی ہوئی ہے، بعض واقفین کا کہنا تھا کہ

اگر ترکی کسی زمانے میں دیوالیہ ہو جائے تو اس عجائب خانے کا سونا کچھ مدت تک پورے ملک کا خرچ چلا سکتا ہو، یہی وہ تعیشات، اسراف اور عجمی تمدن ہے جس نے اس سلطنت کو کھوکھلا کر دیا۔ اور اس کی جڑیں ہلا دیں، وما ظلمناهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون

سلطان عبد الحمید خاں کا قصر یلدز

توپ کاپے سے ہم قصر یلدز دیکھنے گیے یہ سلطان عبد الحمید خاں کا وہ مشہور قصر اور قیام گاہ ہے جس کا نام ہی ایک زمانہ میں مرعوب کرنے کے لیے کافی تھا۔ کسی زمانے میں یہ دنیائے اسلام کا مرکز اعصاب تھا سلطان عبد الحمید خاں نہایت ذہین شخص اور بڑے با جبروت حکمراں تھے، وہ اس قصر میں بیٹھکر تمام سلطنت عثمانیہ کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتے تھے۔ ہوس اقتدار نے اور انکی غیر معمولی ذہانت یا اتنا دبیع نے ان کو بڑے بڑے مصلحین اور سلطنت ترکیہ کے خیر خواہوں کی طرف سے بدگمان اور انکا دشمن بنا دیا۔ یہ وہ قصر ہے جہاں سید جمال الدین افغانی بھی آئے تھے اور سلطان کے ساتھ گھنٹوں بیٹھے تھے، اس قصر میں جانے کی اجازت تو نہیں ہے مگر اس کے گرد جو عظیم الشان باغ ہے اس میں جانے اور سیر کرنے کی اجازت ہے۔ قصر کے گرد ایک وسیع اور سنگین حصار تھا اور وہ ایک قلعہ معلوم ہوتا ہے اب یہ قصر اپنے عالی شان اور عالی دماغ مکیں کا نوحہ خواں ہے۔ مکان و مکین کے درمیان اب اتنا بڑا فاصلہ ہے جس کی پیمائش بھی مشکل ہے۔ اب اس قصر میں شاید حکومت کا کوئی محکمہ یا خفیہ پولیس کی کوئی تربیت گاہ ہے اور اس کا باغ غیر ملکی سیاحوں اور ملکی زائرین کی جولانگاہ کم تركوا من جنات وعيون وزروع ومقام كريم ونعمة كانوا فيها فاكهين كذلك واورثناها قوما آخرين۔۔۔ ان سب مناظر سے دل و دماغ اتنے تھک گیے کہ اپنی قیام گاہ پر جلدی واپسی کا تقاضہ اور سکون کی خواہش ہوئی۔ آج اتوار ہے اور جدید ترکی میں اتوار کو سرکاری تعطیل ہوتی ہے، یہ بھی اتاترک کی یادگاروں میں ہے کہ ایک ایسے ملک میں جس کی نوے (۹۰) فیصدی آبادی مسلمان ہے اور ترک کے معنی ہی مسلمان کے ہیں، اتوار کے روز تعطیل ہو!

یادگار گیلانی رح

علامہ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کے فیوض علمی سے "الفرقان" کی شاید ہی کوئی اشاعت خالی جاتی ہو، آج ڈیڑھ سال کے طویل وقفہ کے بعد ہماری بزم علم و دین سونی سونی نظر آتی ہے۔ ہم مولانا مرحوم کا ایک مکتوب گرامی ذیل میں شائع کر رہے ہیں جو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے نام ہے ـــــ یہ مکتوب مولانا ندوی کے دمشق کے زمانہ قیام میں ارسال کیا گیا تھا اور مکتوب الیہ کو ٹھیک اس دن ملا جس دن لکھنے والا اپنے پروردگار سے مل رہا تھا ـــ بظاہر یہ الفرقان کے صفحات میں مولانا مرحوم کی آخری تحریری یادگار ہے۔ اور اسکو شریک اشاعت کر کے ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں جیسے رونق بزم دوبالا ہو گئی :ـــ **طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ**

---

۲۵ مئی سنہ ۱۹۵۶ء
گیلانی (بہار)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلالۃ الکرام البررہ خیر اللحقۃ بالمھرۃ نخبۃ الاتراب رجاء قلوب الاحباب کرم اللہ بروح منہ وبعیر کم نصرا مؤزرا،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کس نے کہاں کن حالات میں اس زار و نزار بیمار و درافتادہ دہقانی کو یاد فرمایا، سوچتا ہوں اور گو کھڑا ہونا بھی میرے لئے آسان نہیں ہے مگر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ سجدۂ شکر یاد دلانے والے کے قدموں پر ادا کر کے رقص کروں۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ الیرموک کی موجوں نے کن دبے دبائے تاریخی محفوظات اذہان سے پیدا ہونے والے جذبات میں طوفانی ہلچل برپا کر دیا ہوگا، جب اپنے آپ کو اس حال میں پا رہا ہوں کہ مکتوب کی شکل میں صرف الیرموک کے لفظ پر نظر پڑتے ہی تخیل کو آپ کے مشاہدہ سے جو تھوڑا بہت سہارا ملا تو گھنٹوں یرموک اور جو کچھ اس کے ساحل پر گزرا اسی میں غرق ہو گیا، الواقوصہ کی وادی میں پہاڑوں کے کھنڈر میں ٹینک کر کا ذکر رہے ہیں اور ان کی بڑی تعداد یرموک برد ہو رہی ہے، ہم آگے بڑھ رہے تھے دنیا پیچھے ہٹتی جاتی تھی، پھر بازی پلٹی جو کچھ ہوا، یہی کیا غنیمت نہیں ہو کہ الیرموک کے کنارے مسلمانوں کا پھریرا لہرا رہا ہے۔ خندق الیرموک شہر سے چاہیے تو یہی کہ کافی فاصلہ پر ہو، گو اس عہد میں

مسافت و فاصلہ کا سوال باقی نہیں رہا ہے یا آبادی دمشق کی پھیل کر الیرموک تک پہنچ گئی ہے۔

بہرحال آپ نے بڑا احسان کیا جس سرزمین پاک، برکتوں[1] سے بھری ہوئی کا تصور سالہا سال تک کرتا پالتا رہا ہوں کی چشم دید جھلک آپ کے موئے خامہ کے ذریعہ اس کور دہ گاؤں میں پہونچ گئی۔ فجزاکم اللہ عنا خیر الجزاء۔

بڑی مسرت اس بات سے بھی ہوئی کہ مسلمانوں کی نئی پود کے متعلق آپ پہلے آدمی ہیں جن کے قلم سے میری آنکھوں نے وہی لکھا ہوا پایا جس کا برسوں سے انتظار کر رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہی نقطۂ نظر دوسرے ارباب فکر و بصیرت کا بھی ہو، لیکن جن نپے تلے الفاظ میں اپنے احساسات کا اس سلسلہ میں آپ نے اظہار فرمایا ہے خاکسار تو نکتہ چینیوں سے اتنی جرأت بھی نہیں کرسکتا۔ قالب و قلب میں اختلاف کی یہ صورت جب پیش آجاتی ہے تو قلب ہی پر زیادہ نظر رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، میرے خیال میں تو قالب و قلب یا ظاہر و باطن کے اختلافات کی یہ شکل اسلامی تاریخ میں نئی نہیں ہے، آغاز تو عہد صحابہ ہی میں معلوم ہوتا ہے کہ ہوچکا تھا۔ عمامہ پر "پر عقاب" لگا کر مدینہ میں داخل ہونے کا واقعہ کیا آج کا ہے؟ اور پر عقاب ہی کیا ہے خز کے استعمال کی کثرت کے ساتھ ساتھ خود مدینہ منورہ کے باشندوں میں تابعین و تبع تابعین ہی کے عہد سے جو تبدیلیاں لباس میں وضع میں قطع میں رہنے سہنے کے طریقوں میں مسلسل ہوتی رہیں تاریخ ان کی شہادتوں سے معمور ہے۔ لیکن قلب اگر درست ہے تو قالب کی ان تبدیلیوں کو اکابر برداشت ہی کرتے چلے آرہے ہیں۔

اخوان شام کے دینی جوش و خروش، اخلاص و صداقت النصح للہ ولرسولہ وللمؤمنین کے جن قلبی خصوصیتوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اس کو جانتے ہوئے حضرت قالب کے مطالبات میں انکی کوتاہیاں اپنا خیال تو یہی ہے کہ درگذر کے قابل نہ بھی ہوں لیکن قول لین کا مستحق ان کو ضرور بنا دیتا ہے، ہمارے علماء اگر فظاظت و غلظت ہی سے اس سلسلہ میں کام لینا ضروری قرار دیں گے تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کا نص محکم (لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ) کی شکل میں ان کے سامنے نہ آئے۔

---

(۱) بارکنا حولہ کا مصداق آخر ارض شام کے سوا اور کون ہوسکتا ہے خواہ مجھے پڑھنے اور آنکھوں کے سینکنے کا موقع ملے یا نہ ملے لیکن بایں ہمہ دل کی یہ آرزو ہے کہ غوطہ، بعلبک، حماۃ، انطاکیہ حلب والے مقامات اور شہروں والے کا ایک سفرنامہ یا مشاہدہ نامہ آپ کا قلم تیار کرتا۔ علی الخصوص وہاں کے قصبات اور ان کے باشندوں کے دینی، معاشی، تہذیبی و اخلاقی خصوصیات۔

لاحول ولاقوۃ الا باللہ چند سطروں کا لکھنا بھی جس کے لئے دشوار تھا جوش انبساط و نشاط میں خدا جانے اس نے کیا کچھ لکھ مارا، میری یادہ طرازیوں کو معاف فرمائیں گے، علالت طویلہ کے اس سلسلہ نے جو ہفتوں ہی نہیں برسوں سے اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے نہ دماغ ہی کو قابو میں رکھنا ہے اور نہ دل کو۔)

واقعی آپ کا وجود مسعود اس وقت کم از کم میرے لئے تو سراسر رشک غبطہ بنا ہوا ہے خیال شام کے ان مناظر کا ایک طرف ستاتا ہے جن کی تفصیل کرد علی صاحب کے خطط الشام میں پڑھ چکا ہوں اور دھیان ان اسلامی تعمیرات کی طرف منتقل ہوتا ہے جنھیں عمر بن عبدالعزیز جیسے بزرگوں نے اس لئے باقی رکھا کہ وہ غیظ القلوب الکفار نظر آتے ہیں۔ سب سے زیادہ تڑپ دل میں ان کتابوں کی پیدا ہو رہی ہے جن سے شام کے کتب خانے پٹے پڑے ہوں گے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ وابن قیم، علامہ ذہبی، السبکی کے وطن میں جو کچھ مل رہا ہو اسے ملنا ہی چاہیئے۔ "یوم المحاضرہ" کے بعد تو ہفتہ بھر آپ کا ان ہی چیزوں کی سیر و تماشے میں بسر ہوتا ہوگا۔

معلوم نہیں کہ دول الاسلام ذہبی کا مکمل نسخہ اور مرأۃ الزمان ابن الجوزی السبط کی طباعت کا انتظام کیا گیا ہے یا نہیں۔ جی چاہتا تھا کہ مرنے سے پہلے کم از کم دونوں کتابوں کے مطالعہ کا موقع مل جاتا، ابن عساکر کی تاریخ دمشق خدا جانے مکمل ہو کر بازار میں آگئی یا نہیں، میرے پاس تو صرف ابن بدران کی مخیص کی ساتویں جلد تک ہے کیسی عجیب بات ہے کہ دو مختلف وادیوں کے شیخ یعنی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور الشیخ الاکبر ابن عربی دونوں کے لئے دمشق کے آغوش میں جگہ نکل آئی، اس زمانہ میں شیخ الاسلام کے عقیدت مندوں کی تو کافی جماعت ہوگی۔ کیا بچارے الشیخ الاکبر کی الکبریت کو باقی رکھنے کے لئے بھی کوئی کچھ اکر دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہ اور ان کے تلامذہ راشدین کی کوئی غیر مطبوعہ نادر کتاب آپ کی پسند کی کیا ملی ؟ ان بزرگوں کے نئے تو یہ ہے کہ عصری مذاق کے رو سے تو چاہیئے تھا کہ الگ الگ سوسائیاں شام میں بن جاتیں جو ان کی اس کتابوں کو بھی شائع کرتیں اور ان کے علمی و نظری اختراعات و تخلیقات پر کام کرتیں یہ اور اسی قسم کے وساوس و اوہام ہیں اپنے بستر علالت پر دو ڈھائی سال سے کروٹیں بدل رہا ہوں، آپ نے الجامعۃ السوریہ کے ساتھ مرحوم الجامعۃ العثمانیہ کا ذکر چھیڑ دیا، پڑھتے کہ دل پر کیسی بجلی کوند گئی۔ اُف دائرۃ المعارف غریب کی جو درگت

اس زمانہ میں یہ بن رہی ہو خون کے آنسو اہل علم بزنظر بستہ رلا رہی ہے ، باضابطہ رکن اس وقت تک اس ادارے کا ہوں لیکن دفتر سے کوئی چیز میرے پاس نہیں آتی ، باہر سے خبریں دینے والے بلاتے ہیں تو آجاتے تو بہت سے نوشتوں کا علاج ہو سکتا ہے لکھ دیتا ہوں کہ دوسرے عالم کے کوچ کی تیاریوں میں جو مصروفیت ہے اس کے متعلق صرف آخری خبر کا انتظار کیجئے ۔ معلوم نہیں کہ نزھۃ الخواطر کی بقایا جلدیں آئندہ طبع ہو رہی ہیں یا تیسری جلد کے بعد پھر کچھ خبر نہ لی ، کاش! آپ واپس لوٹ کر دائرۃ المعارف کے نازک مسئلہ کی طرف بھی کچھ توجہ مبذول فرماتے ، سارے ہندوستان میں آپ ہی کی تنہا ذات ہو جانے والوں کیلئے واحد رجاء قلب ہے بزرگان و اخوان شام کی خدمت میں سلام پیش کش ہے ، علامہ بہجۃ البیطار آج کل کہاں ہیں کس شغل میں مصروف ہیں کرد علی صاحب کی کتابوں سے کافی مستفید ہوا ہوں ان کی مجالس علمی تو یقیناً زندگی کے اس دور میں زیادہ زندہ ہو گئی ہوگی ۔ مصنف عبد الرزاق پر ہمارے ایک صاحب ڈاکٹر یوسف الدین کام کر رہے ہیں ، یاس و نامرادی کے اس عہد میں بھی اس کتاب کی اشاعت میں دلچسپی لینے والے حضرات افریقہ میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں ۔ پچیس (۲۵) ہزار روپے خاکسار کی تحریک پر منظور فرمایا ہے ۔ فقط

تلخیص و تبصرہ

"تاریخ دعوت و عزیمت"[1]

(عتیق الرحمٰن سنبھلی)

جب سے سطح ارض پر انسانی معاشرہ قائم ہوا اسی وقت سے اس زمین پر اللہ کے پیغمبروں کی آمد شروع ہو گئی تھی۔ ایک پیغمبر آتا، اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام سناتا اور ان کی ہدایت کا پورا پورا سامان بہم پہونچاتا۔ بارہا لوگ بڑی بڑی جمعیت میں ہدایت پا جاتے اور اللہ کے دین میں داخل ہو جاتے مگر چاروں سو پھیلے ہوئے ضلالت کے محرکات اور نفس پرستی کے دواعی اور انسان کی کوتاہ نظری و کم سوادی اُسے راہ ہدایت اور خدا پرستی کے صراط مستقیم سے جلد ہی ہٹا دیتی اور لوگ اللہ کے دین کے نام پر وہی وہ باتیں شروع کر دیتے جو دین کو مسخ کر دینے کے مترادف اور اس کی اصلیت سے بالکل مغائر ہوتیں۔ چنانچہ پھر ایک پیغمبر آتا اور دین کو انسانی آمیزشوں اور اوہام و خرافات سے پاک کر کے اسکی اصلی صورت میں پھر پیش کرتا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ مشیت الٰہی یہ ہوئی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سلسلہ کی آخری کڑی اور خاتم الرسل بنا دیا جائے۔

لیکن مرور ایام سے فطرت انسانی تو بدلی نہ تھی اور نہ ضلالت کے محرکات میں کوئی کمی آئی تھی، اس لیے اگر یہ واقعہ تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اللہ کا آخری دین ہے اور قیامت تک کے سارے انسانوں کے لیے اس نے اپنا پیغام آخری بار بھیج دیا ہے، تو پھر یہ بھی واقعہ ہونا چاہیے تھا کہ اس دین کو سدا اپنی اصلیت پر باقی رکھنے اور اس کی دعوت جاری رہنے کا،

---

[1] تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ناشر دارالمصنفین اعظم گڑھ۔ صفحات ۴۰۰۔ قیمت چھ روپے۔
(کتب خانہ الفرقان سے بھی طلب کی جا سکتی ہے)

مشیت الٰہی نے نظام رسالت کی جگہ، کوئی دوسرا انتظام تجویز فرما دیا ہے! ـــــ اگر ختم نبوت کا یہ لازم واقعہ میں موجود ہے، اور تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب کبھی آپ کے لائے ہوئے دین کی زندگی، اس کی حقیقت اور اس کا نظام عمل خطرہ میں پڑا، تو کوئی مرد خدا اس خطرہ کے مقابلہ میں ضرور آ گیا۔ اور جس وقت جس خدمت کی ضرورت اس دین کو ہوئی "مردے از غیب بروں آمد و کارے کرد" کا مصداق کوئی نہ کوئی اس خدمت کا اہل ہمہ تن اس خدمت میں لگ گیا، تو پھر یہ اس دعوے کی نہایت ہی اطمینان بخش دلیل ہے کہ اسلام کو اللہ نے اپنے آخری دین اور عالمگیر پیغام کی حیثیت سے بھیجا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے نوع انسانی کی آخری رہنمائی ہے کیونکہ اس کی حفاظت و تجدید کے انتظامات کا یہ تسلسل اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہ کوئی امر اتفاقی نہیں، بلکہ مشیت الٰہی اور ارادۂ غیبی کا ظہور ہے۔

"تاریخ دعوت و عزیمت" جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ، ضخیم، فاضلانہ تالیف ہے۔ اسلام کے متعلق اسی انتظام خداوندی اور ارادۂ غیبی کے ظہور کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

اس وقت اس ضخیم و عظیم تالیف کا حصۂ اول پیش نظر ہے جس کی ضخامت الفرقان سائز (۲۰×۲۶/۸) کے پونے چار سو صفحات ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پہلی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک اسلام کو کن کن داخلی و خارجی خطرات سے سابقہ پیش آیا، کس کس طرف سے اس کی زندگی، اس کی حقیقت، اس کے نظام عمل اور اس کی شوکت و اقتدار پر کیسے کیسے حملے ہوئے اور ان کے مقابلے کے لیے کیا کیا انتظامات غیب سے ظہور میں آئے۔ اور کن کن ہستیوں کو اللہ نے ان خطرات کا مقابلہ کرنے اور ان حملوں کو پسپا کرنے کے لیے سامنے لا کھڑا کیا۔ اور جس زمانہ میں جس خدمت کی ضرورت اسلام کو پیش آئی اس کے لیے حسب ضرورت کیسے کیسے لائق، پرجوش اور ہمہ وقتی خادم اسلام کو مل گئے جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ کے ہر فتنہ کی سرکوبی کی، ہر خطرہ کا مقابلہ کیا اور ہر حملہ کو پسپا کیا، اسلام کی ہر ضروری خدمت کو انجام دیا اور وقت کے ہر مطالبہ کا اس کی طرف سے باحسن وجوہ جواب دیا۔

اس لحاظ سے یہ تالیف نہ صرف اسلام کی تاریخ ہے کہ اس کو تیرہ سو برس کی مدت میں کن کن مراحل سے گزرنا پڑا، کیسے کیسے موڑ اس کے راستے میں آئے اور مختلف زمانوں میں کیا کیا

حالات اس پر طاری ہوئے، بلکہ مسلمانوں کی بھی مکمل دینی (علمی و عملی) تاریخ ہے کہ کس وقت کون کون سے افکار اور عملی کمزوریاں مسلمانوں میں ابھریں۔ کس طرح شکست خوردہ جاہلی رجحانات اور عجمی اثرات مسلم سوسائٹی میں داخل ہوئے۔ بدعات و تحریفات کے کیسے کیسے ریلے آئے۔ ان کے نظام عقائد و اخلاق میں کیا کیا رخنے پیدا ہوئے۔ اور کیسے کیسے ہلاکت خیز و ایمان سوز فتنوں نے سر اٹھایا اور پھر وہ کون کون نامور اعیان باعزیمت و رہروان جادۂ استقامت تھے جنھوں نے ان غلط افکار کو دبایا۔ مسلمانوں کا احتساب کر کے ان کو ان کی کمزوریوں پر ٹوکا اور غفلت سے نکالا جاہلی رجحانات اور عجمی اثرات پر پوری قوت سے حملہ آور ہو کر انھیں مسلم سوسائٹی سے بے دخل کیا۔ بدعات و تحریفات کے تیز و تند ریلوں کا منہ موڑا۔ مسلمانوں کے عقائد و اخلاق میں پیدا شدہ رخنوں کو بھرا۔ اور اپنے اپنے زمانے کے اندرونی و بیرونی فتنوں کا سر کچل کے انھیں مدت تک کیلئے موت کی نیند سلا دیا۔

کتاب ایک "پیش لفظ" ایک مفید و پر مغز "مقدمہ" اور بارہ نامور ارباب دعوت و عزیمت اور مصلحین و محافظین دین و ملت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ حسن بصریؒ۔ احمد بن حنبلؒ۔ ابوالحسن اشعریؒ امام غزالیؒ۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔ علامہ ابن جوزیؒ۔ نورالدین زنگیؒ۔ صلاح الدین ایوبیؒ۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلامؒ۔ شیخ جمال الدینؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کے مفصل تذکرہ پر مشتمل ہے۔ مختصراً بعض دوسرے اصحاب و طبقات کا ذکر بھی اس میں آگیا ہے جنھوں نے امت کی کسی اہم ضرورت کو پورا کیا اور اسلام کے علمی و فکری ذخیرہ میں کوئی قابل لحاظ اضافہ کیا۔ مثلاً طبقہ محدثین و فقہا اور ان کی اہم شخصیتیں یا امام ابومنصور ماتریدیؒ وغیرہ۔

تذکرہ کا انداز یہ ہے کہ فاضل مصنف پہلے ہر شخصیت کے دور اور اس کے ماحول کا نقشہ کھینچتے ہیں جس سے ایک طرف اس دور کی ضرورتوں کا اندازہ ہو جاتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے وہ فکری و عملی گوشے سامنے آجاتے ہیں جن کے لیے کسی اصلاحی و تجدیدی کام اور انقلابی اقدام کی ضرورت تھی۔ دوسری طرف ان موانع و مشکلات کا علم ہو جاتا ہے جو کسی ایسے کام اور اقدام میں پیش آسکتے تھے اس کے بعد وہ اس شخصیت کا تعارف کراتے۔ اور اس کے کارنامہ کی تفصیل پیش کرتے ہیں جس نے اس دور کی ضرورتوں کے تقاضہ پر لبیک کہا اور اسلام اور مسلمانوں کی زندگی کے ان فکری و

علمی گوشوں میں اصلاح و انقلاب اور احیاء و تجدید کی فکر و سعی کی ، جو اس فکر و سعی کے متقاضی تھے اور کسی مصلح و مجدد کی راہ دیکھ رہے تھے ـــــ اس طور پر ناظر کو صاحب تذکرہ کی عظمت و عزیمت کا آپ سے آپ صحیح اندازہ ہو جاتا ہے اور وہ فکر و نظر کے اس غلط انداز سے بچ جاتا ہے کہ کسی شخصیت کے ماحول کے امکانات اور موانع و مشکلات کا لحاظ کیے بغیر (تجریدی طور پر) اس کے بارے میں رائے قائم کرے یا اس کے کام کو اپنے زمانہ یا اپنے مخصوص خیالات کے پیمانے سے ناپے. مصنف نے "پیش لفظ" میں اس زاویۂ نظر کے متعلق لکھا ہے اور بہت ہی صحیح لکھا ہے کہ

"یہ ایک بڑی ناانصافی و کوتاہ نظری ہے. اس لیے کہ آدمی اپنے زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں اور اس عہد کے میدان عمل کے حدود کے لحاظ سے کامیاب و ناکامیاب کہا جا سکتا ہے ، ورنہ ہر عظیم سے عظیم شخصیت دوسرے زمانہ اور ماحول کے لحاظ سے اور مورخ کے رجحانات اور خیالات کے پیمانہ سے سخت ناکام ثابت کی جا سکتی ہے" ص ۲

ہر ضرورت ، ہر فتنے اور ہر نازک مرحلہ میں کسی اولوالعزم خادم ، کسی مصلح ، کسی مجدد ، اور کسی محافظ ملت و مجاہد حق کے کھڑے ہو جانے کا جو تسلسل یہ کتاب پیش کرتی ہے اس سے اسلام کے اعجاز کا ایک ایمان افروز باب سامنے آتا ہے اور دل کا گوشہ گوشہ اس یقین سے معمور ہو جاتا ہے کہ اسلام کی بقا اللہ کی تقدیر مبرم ہے. کوئی آندھی اور کوئی طوفان اس چراغ کو بجھا نہیں سکتا اور کوئی تاریکی اس نور کو دبا نہیں سکتی.

آئیے! اسلام کی تاریخ میں اصلاح و تجدید اور دعوت و عزیمت کے اس تسلسل پر ایک نظر ڈالیں اور اس تسلسل سے جو یقین پیدا ہوتا ہے ، اپنے دل کے ایک ایک گوشہ کو اس سے معمور کر لیں. کہ آج جبکہ خدا کا یہ نور ہر طرف سے ظلمت و شیطنت کے تھپیڑوں میں ہے اس کی بڑی ضرورت ہے.

پہلی صدی

یہ کتاب ہمیں سب سے پہلے سلسلۂ اصلاح و تجدید کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی شخصیت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی (م سنہ ۱۰۱ھ) کا تعارف کراتی ہے. اور اسی انداز سے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہو کہ

"خلافت راشدہ کے اختتام اور بنی امیہ کی حکومت کے استحکام نے (جو اسلامی سے زیادہ عربی تھی) تجدید و انقلاب کی فوری ضرورت پیدا کر دی، قدیم جاہلی رجحانات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و تربیت اور خلافت راشدہ کے اثر سے دب گئے تھے، نیم تربیت یافتہ مسلمانوں اور نئی عربی نسل میں ابھر آئے، حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا، کتاب و سنت نہیں رہا، بلکہ عربی سیاست اور "مصالح ملکی" بن گیا۔ تفاخر اور عربی عصبیت کی روح جس کو اسلام نے شہر بدر کر دیا تھا، اور جو بادیہ عرب میں پناہ گزیں تھی پھر واپس آگئی، قبائلی غرور، خاندانی جنبہ داری، اعزہ پروری جو خلافت راشدہ میں سخت عیب اور معصیت شمار ہوتی تھی، ہنر اور محاسن بن گئے ....

بیت المال (جو مسلمانوں کے پیسہ پیسہ سے جمع ہوتا تھا) خلیفہ کی ذاتی ملکیت اور خاندانی جاگیر بن گیا تھا۔ پیشہ ور شعراء، خوشامدی درباریوں اور آبرو باختہ مصاحبوں کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس پر مسلمانوں کی دولت بے دریغ صرف ہوتی تھی۔...

.... حکومت کی غلط روی اور اہل حکومت کی بے دین زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی ہے اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی ہے۔" (ص ۱۳-۱۴)

"اموی حکومت ایسی مستحکم فوجی بنیادوں پر قائم تھی کہ آسانی سے ہلائی نہیں جا سکتی تھی۔ اس وقت کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ایسی نہ تھی، جو اس کو میدان جنگ میں شکست دے سکے، ماضی قریب میں دو بڑی کوششیں، ایک سیدنا حسین رضؓ کا مخلصانہ و سرفروشانہ اقدام، دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دلیرانہ و منظم مقابلہ ناکام ہو چکا تھا۔ کسی فوجی انقلاب کی کامیابی کے قریبی امکانات و آثار نہ تھے، شخصی اور موروثی حکومت نے اصلاح و تبدیلی کے دروازے بند کر دیے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں کے لیے مسلمانوں کی قسمت پر مہر لگ چکی ہے، اس وقت

اسلام کو غالب ہونے اور حالات کو بدل دینے کے لیے ایک معجزہ کی ضرورت تھی؛ اور وہ معجزہ ظاہر ہوا"

یہ معجزہ حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی ذات ہے۔" (صـ۱۶)

"عمرؒ بن عبدالعزیز سنہ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کے چچازاد بھائی تھے اور اس کے پیشرو ولید بن عبدالملک کے اور اس کے زمانہ میں مدینۂ منورہ کے حاکم (گورنر) تھے .... وہ ایک صاحبِ ذوق امیرانہ مزاج اور نفیس طبع نوجوان تھے .... ان کی چال مشہور اور نوجوانوں کا فیشن تھی۔ سوائے طبیعت کی سلامتی، حق پسندی، اور فطری نیک مزاجی کے ان میں کوئی ایسی علامت نہ تھی، جس سے ثابت ہو کہ وہ تاریخ اسلام میں اتنا اہم کام انجام دینے والے ہیں۔

لیکن ان کی ذات سرتاپا اسلام کا اعجاز تھی، اور وہ جس طرح منصبِ خلافت پر آئے، وہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی، موروثی نظام حکومت میں ان کی خلافت کا کوئی موقع نہ تھا، اگر حالات اپنی طبعی رفتار سے چلتے رہتے تو امارت سے زیادہ ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔ سلیمان بن عبدالملک بیمار ہوا، اس کے بچے چھوٹے چھوٹے تھے اس نے ان کو لانبی لانبی قبائیں پہنائیں اور ہتھیار باندھے کہ وہ کچھ بڑے معلوم ہوں، مگر وہ آنکھوں میں نہ جچے، اس نے بڑی حسرت سے ان کی طرف دیکھا اور کہا کہ وہ بڑا خوش قسمت ہو' جس کے لڑکے بڑے بڑے ہوں۔" رجاء بن حیوۃ" نے جو اسی انتظار میں تھے، حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی جانشینی کا مشورہ دیا جو منظور ہوا۔" (صـ۱۷-۱۸)

یہ تھے پہلی صدی کے مجدد اعظم جو اسلام کو زخم خوردہ جاہلیت کے پنجے سے چھڑانے، سنت رسول اللہ کو غالب کرنے اور نظام خلافت کو خلافت راشدہ کی چول پر بٹھانے کے لیے بالکل معجزانہ طور پر مسند خلافت پر آئے۔

مسندِ خلافت پر بیٹھتے ہی نہ صرف وہ خود آن کی آن میں سرتاپا بدل گئے، بلکہ

"انھوں نے حکومت کی روح ہی بدل دی، پہلا اور بنیادی انقلاب یہ تھا کہ انھوں نے حکومت کا نقطۂ نظر بدلا، اس وقت تک حکومت محاصل و خراج وصول کرنے اور جمع کرنے کا ایک انتظامی ادارہ تھا، جس کو جمہور کے اخلاق و عقائد، سیرت و تربیت اور ضلالت و ہدایت سے کچھ بحث نہ تھی۔ اسی نقطہ کے گرد اس کا سارا نظام گردش کرتا تھا، انھوں نے اپنے اس مشہور تاریخی فقرے سے کہ

"محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔"

حکومت کا مزاج اور نقطۂ نظر ہی تبدیل کر دیا اور اس کو دنیاوی حکومت کے بجائے خلافت نبوت بنا دیا۔" (ص ۳۰)

ان کے اس انداز خلافت اور ان کی انقلاب آفریں اصلاحات کا اثر یہ ہوا کہ

"لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے، اور قوم کے مزاج و مذاق میں تبدیلی ہونے لگی، ان کے معاصر کہتے ہیں کہ ہم جب ولید کے زمانہ میں جمع ہوتے تھے، تو عمارتوں اور طرز تعمیر کی بات چیت کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ولید کا یہی اصل ذوق تھا، اور اس کا تمام اہلِ مملکت پر اثر پڑ رہا تھا، سلیمان کھانوں اور عورتوں کا بڑا شائق تھا، اس کے زمانہ میں مجلسوں کا موضوع سخن یہی تھا، لیکن عمرؓ بن عبدالعزیزؒ کے زمانہ میں نوافل و طاعات کا ذکر و تذکرہ گفتگو اور مجلسوں کا موضوع بن گیا، جہاں چار آدمی جمع ہوتے، تو ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ رات کو تمہارا کیا پڑھنے کا معمول ہے، تم نے کتنا قرآن یاد کیا ہے، تم قرآن کب ختم کرو گے اور کب ختم کیا تھا، مہینے میں کتنے روزے رکھتے ہو۔" (ص ۴۴)

دوسری صدی

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی مدت خلافت کل ۲½ سال ہوئی۔ ان کی اصلاحی و تجدیدی

جدوجہد کی یہ قلیل مدت دیکھیے اور تقریباً پچاس سالہ بگاڑ کے مقابلہ میں اصلاح وانقلاب کے یہ اثرات! اس انقلاب کو جتنا بھی عظیم کہیے کم ہے، مگر اتنی تھوڑی مدت میں کسی بھی بڑے سے بڑے انقلاب کی جڑیں گہری نہیں ہو سکتیں، چنانچہ ان کی وفات کے بعد جب حکومت کا دھارا پھر اسی طرح بہنے لگا جیسے ان سے پہلے بہتا تھا، اور ان کے جانشین حکومت کو اسی ڈگر پر لے گئے جس پر وہ سلیمان کے زمانہ تک تھی تو ان اثرات کا باقی رہنا مشکل تھا اور جمہور کے دین و اخلاق اور ان کے ذوق و مزاج کو پھر وہی خطرات درپیش تھے جو اس طرز حکومت کا لازمہ ہیں۔

لیکن جس اللہ نے امت مسلمہ کو قیامت تک کے انسانوں کی دینی و اخلاقی رہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا تھا وہ اس کاروانِ رشد و ہدایت کو ابتدائے سفر ہی میں لٹتا اور دولت دین و اخلاق سے تہی داماں ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ چنانچہ اس متاع کارواں کی حفاظت کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد بھی اللہ کے مخلص و جانباز بندوں کی ایک پوری جماعت سرگرم عمل رہی، جس میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے بزرگ ہمعصر، حضرت حسن بصریؒ کی شخصیت، خاص امتیاز اور اہمیت کی مالک ہے۔

"حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالیٰ نے وہ تمام صلاحیتیں جمع فرما دی تھیں، جو اس دور کے مخصوص حالات میں دین کا وقار بڑھانے اور دینی دعوت کو مؤثر بنانے کے لیے درکار تھیں، ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت، دلآویزی اور کشش تھی، ایک طرف وہ دین میں پورا تبحر اور گہری بصیرت رکھتے تھے، بلند پایہ مفسر اور مستند محدث تھے۔ .... مسلمانوں کی زندگی اور اسلامی معاشرہ میں جو تغیرات پیش آئے تھے، ان پر گہری نظر رکھتے تھے: اپنے زمانہ کی سوسائٹی، ہر طبقہ کی زندگی اور معاشرت سے وہ پورے طور پر باخبر تھے، اور اس کی خصوصیات اور اس کی بیماریوں سے ایک تجربہ کار طبیب کی طرح واقف تھے۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ اور شیریں زبان تھے، وہ جب گفتگو کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے۔ جب آخرت کا بیان کرتے تھے یا صحابۂ کرام کے دور کی تصویر کھینچتے تھے تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں۔" (ص ۳۸)

"ان کے مواعظ و بیانات کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو کلام نبوت سے بڑی مناسبت تھی۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصری کا کلام انبیاء علیہم السلام کے طرز کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے۔ ایسی مناسبت دوسرے واعظین کے کلام میں نہیں دیکھی گئی ....

ان کی ان خصوصیات و جامعیت کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کی شخصیت سے مسحور تھے۔"

(صفحہ ۴۰)

ایک طرف اس مسحور کن شخصیت نے اپنا پورا وزن دین و اخلاق اور تقوی و خدا ترسی کے پلڑے میں ڈال دیا اور پایۂ تخت دمشق کے بعد اسلامی مملکت کے دوسرے سب سے بڑے شہر بصرہ میں شب و روز وعظ و تذکیر، اور تعلیم و تبلیغ، دنیا طلبی و مادہ پرستی کی مذمت، آخرت کی ترغیب و تحریص، حسن عمل اور خشیت الٰہی کی تلقین، اور حکمراں طبقہ کی بے راہ روی و بدعملی پر بے باکانہ نکیر و تنقید کا وہ بازار گرم رکھا کہ

"کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ کتنے نفوس کو ان کی وجہ سے حلاوت ایمان اور حقیقت اسلام نصیب ہوئی۔"

(صفحہ ۵۱)

دوسری طرف وقتاً فوقتاً کچھ گرم خون نوجوان نظام خلافت کی اصلاح اور اس میں براہ راست انقلاب کے لیے برسراقتدار طبقہ سے برسرپیکار ہوتے رہے۔

"زید بن علی بن الحسین نے ہشام بن عبد الملک کے مقابلہ میں علم جہاد بلند کیا اور ۱۲۲ھ میں شہید و مصلوب ہوئے .... ان کے بعد بنی حسن میں سے حضرت محمد ذو النفس الزکیہ .... نے مدینہ طیبہ اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ نے کوفہ میں منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا، .... اگرچہ یہ سب کوششیں ناکام رہیں، لیکن انہوں نے امت میں غلط اقتدار کے خلاف جد و جہد اور اعلان حق کی ایک نظیر قائم کر دی۔"

(صفحہ ۵۲)

اور یہ ناکام کوششیں مجموعی طور پر، امت میں یہ اثر پیدا کرنے میں بہر حال کامیاب

رہیں کہ خلافت کا یہ انداز ناقابل برداشت اور اسلامی مزاج کے بالکل خلاف ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کے بعد حضرت حسن بصریؒ کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں اور دوسرے مخلص داعیوں کے ذریعہ ایمانی دعوت کا یہ کام برابر جاری رہا، یہاں تک کہ ۱۳۲ھ میں خلافت بنو امیہ کی جگہ خلافت بنو عباس نے لے لی، اور دمشق کے بجائے بغداد دارالخلافہ اور اسلامی دنیا کا مرکز بن گیا۔

"خلافت عباسیہ، خلافت امویہ کی پوری پوری جانشین تھی، ....

.... فرق اتنا تھا کہ امویوں کی سلطنت میں اور ان کے زمانہ کی سوسائٹی میں عربی روح کارفرما تھی، اس کی خرابیاں اور بے اعتدالیاں بھی اسی نوع کی تھیں، عباسی سلطنت کے جسم میں عجمی روح داخل ہو گئی تھی اور عجمی قوموں اور تہذیبوں کے امراض و عیوب اپنے ساتھ لائی تھی۔" (صہ ۵۶)

اور پایۂ تخت بغداد، قدرتی طور پر عجمی تمدن و تعیش کا مرکز بن گیا تھا!۔

"لیکن اسی پُر عیش و عشرت بغداد میں کچھ نفوسِ قدسیہ تھے جو دعوت الی اللہ، تزکیہ نفوس، علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تعلم میں ہمہ تن منہمک تھے، انھوں نے شہر کے ہنگاموں اور زندگی کی ساری دلچسپیوں سے اپنے کو علیحدہ کر لیا تھا اور اس اُمت کی روح اور تعلق باللہ کے سرمایہ اور اسلامی زندگی کے سرچشمہ (قرآن و سنت) کی حفاظت میں مصروف تھے .... مادیت کے اس پُر تلاطم سمندر میں وہ انسانی جزیرے تھے، جہاں ڈوبنے والے پناہ لیتے تھے، انھوں نے بغداد میں مادی و پُر عشرت زندگی کے پہلو بہ پہلو ایک خالص ایمانی اور روحانی زندگی قائم کر رکھی تھی جو اپنی طاقت و وسعت میں مادی و سیاسی زندگی سے کم نہ تھی، اگر خلفاء اور امراء و وزراء کا قبضہ جسموں پر تھا تو ان کی حکومت لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر تھی، اور جہاں کہیں ان دونوں میں مقابلہ پیش آتا تو اکثر اوقات انھیں کا غلبہ ثابت ہوتا۔" .... (صہ ۵۷)

"اس سلسلہ میں سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، جنید بغدادی، معروف کرخی اور بشر حافی کا نام اور کام سب سے زیادہ نمایاں اور روشن ہے۔" (صفحہ ۵۸)

دوسری صدی کا ایک اور اہم مسئلہ

یہ تو تھی ان دونوں سلطنتوں میں جمہور امت کے دین و اخلاق اور ان کے ذوق و مزاج کی حفاظت کی ضرورت، جس کا انتظام تسلسل کے ساتھ اس طریقہ پر ہوتا رہا، لیکن اس کے علاوہ ایک اور اہم مسئلہ بھی پیدا ہو گیا تھا، اور وہ یہ کہ اس وقت

"اسلام کی سلطنت روئے زمین کی سب سے بڑی وسیع اور سب سے طویل و عریض سلطنت تھی، جو دنیا کے متمدن ترین ممالک پر مشتمل تھی، نئے حالات و مسائل سے مسلمانوں کا سابقہ تھا، تجارت و زراعت، جزیہ و خراج محکومین، مفتوحہ ممالک کے نئے نئے مسائل درپیش تھے، قدیم عادات و رواج کا بہت بڑا ذخیرہ، اور نئی نئی ضروریات تھیں، جو مسلمانوں کی قوت فیصلہ اور اسلامی احکام کی منتظر تھیں، ان میں سے نہ کسی ضرورت کو ٹالا جا سکتا تھا، نہ سرسری طور پر ان سے گزرا جا سکتا تھا، حکومت مفصل و مکمل آئین و قانون سلطنت کی طالب تھی، حکومت کی انتظامی مشین کو روکا نہیں جا سکتا تھا، اگر قانون اسلامی کی ترتیب میں تاخیر ہوتی تو وہ رومی و ایرانی قانون کو اختیار کرنے پر مجبور تھی، جس کا نتیجہ وہ ہوتا جو اس وقت کی نام نہاد "اسلامی سلطنتوں" کا ہوا ہے ....

اس وقت دو مسئلوں کی طرف فوری توجہ کی ضرورت تھی، ایک تو یہ کہ حدیث و سنت کے سرمایہ کو محفوظ و مدوّن کر لیا جائے، جو محدثین کے سینوں اور منتشر سفینوں میں تھا۔[۱] یہ نئے مسائل کے استنباط کا بہت بڑا ذریعہ اور فقہ اسلامی کا ایک بہت بڑا ماخذ تھا.........

---

[۱] حدیث کی جمع و تدوین کا کام عہد تابعین سے شروع ہو چکا تھا......... لیکن ضرورت تھی کہ اس کو زیادہ علمی و ترقی یافتہ شکل پر انجام دیا جائے۔" (حاشیہ از مصنف صفحہ ۵۹)

دوسری ضرورت فقہ کی تدوین اور استنباط و اجتہاد کی تھی ....

تدوین حدیث پہلی ضرورت کے لیے قدرتی طور پر یہ انتظام ہوا کہ ظہورِ اسلام کے لیے اس ملک اور اس قوم کا انتخاب ہوا، جو اپنی راست گفتاری، امانت اور قوت حفظ میں دنیا میں ممتاز تھی، صحابۂ کرام نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ سنا اس کو محفوظ کرلیا، اور بے کم و کاست دوسری نسل کو پہونچا دیا ....

پھر ان روایات کی حفاظت و اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے صدہا کی تعداد میں ایسے بلند حوصلہ، تازہ دم، پرجوش طالب علم مہیا کر دیئے، جو قوت حافظہ و ذکاوت میں بے نظیر تھے، ان کا سیلاب عجم کے ملکوں سے اُمنڈ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حدیث کا ایسا عشق بھر دیا کہ ان کے لیے چین سے بیٹھنا مشکل ہوگیا تھا ......

.... انھوں نے ان احادیث کو جمع کرنے اور ان روایات کو ان کے راویوں سے سننے کے لیے اسلامی دنیا کا کونہ کونہ چھان ڈالا" (ص۵۸ تا ۶۰)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کا "صحاح ستہ" جیسا محفوظ و مستند ذخیرہ جمع ہوگیا۔

تدوین فقہ اسی طرح فقہ کی تدوین اور استنباط و اجتہاد کی فوری ضرورت جو بڑی اعلیٰ ذہانت، دقتِ نظر اور وسیع و عمیق علم اور کمالِ اخلاص و انہماک کو چاہتی تھی۔ اس کے لیے بھی بروقت اور نہایت اعلیٰ درجہ کا انتظام ہوا اور وہ یہ کہ۔

" اس کارِ عظیم کے لیے ایسے لوگ میدان میں آئے جو اپنی ذہانت و دیانت، اخلاص اور علم میں تاریخ کے ممتاز ترین افراد ہیں، پھر ان میں سے چار شخصیتیں امام ابو حنیفہ (م ۱۵۰ھ) امام مالک (م ۱۷۹ھ) امام شافعی (م ۲۰۴ھ) امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) جو فقہ کے چار دبستانِ فکر کے امام ہیں ....

اپنے تعلق باللہ، للٰہیت، قانونی فہم، علمی انہماک اور جذبۂ خدمت میں خاص طور پر ممتاز ہیں .... ان میں سے ہر ایک نے اپنے موضوع پر تنِ تنہا اتنا کام کیا اور مسائل و تحقیقات کا اتنا بڑا ذخیرہ پیدا کر دیا، جو بڑی بڑی منظم جماعتیں اور علمی ادارے بھی آسانی سے نہیں پیدا کر سکتے۔" (ص۶۶)

" پھر ان کو شاگرد ایسے ممتاز ملے جنھوں نے اس ذخیرہ میں اضافہ کیا اور اسکی تنقیح و ترتیب کا کام جاری رکھا۔" (صفحہ ۶۷)

تیسری صدی

تیسری صدی کا ایک بہت بڑا فتنہ اور اسکے مقابلہ کیلئے ایک صاحب عزیمت کا ظہور

" دوسری صدی کی ابتداہی میں مسلمانوں کا تعارف یونانی فلسفہ سے ہوا.........

.........جب یونانی اور سریانی کتابوں کے تراجم ہوئے اور قدیم مذاہب و ممالک کے علماء و متکلمین سے اختلاط ہوا، تو اُمت کے وہ گروہ جو جلد متاثر ہونے کی قابلیت رکھتے تھے اور جن کی ذہانت میں گہرائی اور پختگی سے زیادہ سطحیت و جدت تھی، اس (فلسفیانہ۔ ح) طرزِ فکر اور طریقۂ بحث سے متاثر ہوئے، اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اُن کے باہمی تعلق، کلام الٰہی، رویت باری، مسئلہ عدل، تقدیر، جبر و اختیار کے متعلق ایسی بحثیں اور مسائل پیدا ہو گئے، جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے اور نہ دنیوی حیثیت سے مفید، بلکہ امت کی وحدت اور مسلمانوں کی قوت عمل کے لیے مضر۔

" دینی فلسفیوں " کے اس گروہ کی امامت اس وقت معتزلہ کر رہے تھے، جو اپنے وقت کے " روشن خیال " عالم اور پرجوش متکلم تھے، انھوں نے ان علمی بحثوں کو کفر و ایمان کا معیار بنا دیا اور اپنی ساری ذہانتوں کو ان مباحث پر لگا دیا.......

.... ہارون رشید کے دور خلافت تک معتزلہ کو عروج حاصل نہیں ہوا، مامون کے زمانہ میں جو یونانی فلسفہ اور عقلیت سے مرعوب تھا........ معتزلہ کو عروج حاصل ہوا۔ اور قاضی ابی داؤد کی بدولت جو سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ ہو گیا تھا اور معتزلہ کے افکار و آراء کا پرجوش داعی اور مبلغ تھا، مذہب اعتزال کو حکومت وقت کی سرپرستی اور حمایت حاصل ہو گئی، مامون میں خود دعوت کی روح اور ایک داعی کا

جوش اور جذبۂ تبلیغ تھا، اس میں ذہین نوجوانوں کی عجلت پسندی اور مطلق العنان فرمانرواؤں کی ضد (راج ہٹ) دونوں جمع تھیں، اس کے دربار اور مزاج پر معتزلہ حاوی تھے۔

عقیدۂ خلق قرآن، اس وقت معتزلہ کا شعار اور کفر و ایمان کا معیار بن گیا تھا، محدثین اس مسئلہ میں معتزلہ کے حریف اور مدمقابل تھے اور محدثین کی طرف سے امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) اس مسئلہ میں سینہ سپر تھے۔" (ص ۹۸-۹۹)

"مامون نے خلق قرآن کے مسئلہ پر اپنی پوری توجہ مرکوز کردی ۲۱۸ھ میں اس نے والیٔ بغداد، اسحٰق بن ابراہیم کے نام ایک مفصل فرمان بھیجا جس میں عامۃ مسلمین اور بالخصوص محدثین کی سخت مذمت اور حقارت آمیز تنقید کی،.....

...... اور حاکم کو حکم دیا کہ جو لوگ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوں اُن کو ان کے عہدوں سے معزول کردیا جائے، اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کی جائے۔"

یہ فرمان مامون کی وفات سے چار مہینے قبل کا ہے، اس کی نقلیں تمام اسلامی صوبوں کو بھیجی گئیں اور صوبہ داروں، (گورنروں) کو ہدایت کی گئی کہ اپنے اپنے صوبہ کے قضاۃ کا اس مسئلہ میں امتحان لیں اور جو اس عقیدہ سے متفق نہ ہو، اس کو اس کے عہدہ سے ہٹادیا جائے۔" (ص ۱۰۰-۱۰۱)

"انتقال سے پہلے مامون نے اسحٰق بن ابراہیم کو تیسرا فرمان بھیجا،......

...... اور امتحان کے دائرہ کو وسیع کرکے اہلکاران سلطنت اور اہل علم کو بھی اس میں شامل کرلیا تھا اور سب کے لیے اس عقیدہ کو ضروری قرار دیا تھا۔" (ص ۱۰۹)

قصہ مختصر، مشاہیر اہل علم کا امتحان لیا گیا، اور اس امتحان کا نتیجہ مامون کی منشا کے خلاف نکلا، اس پر بعض کے قتل اور بعض کی پابجولاں حاضری کا حکم ہوا، امتحان کے اس مرحلہ میں پہونچکر، صرف دو ہستیاں ثابت قدم رہ سکیں، جن میں ایک امام احمد بن حنبل تھے، دونوں پابجولاں روانہ کیے گئے، مگر دوسرے بزرگ محمد بن نوح کو راہ ہی میں قید حیات سے نجات مل گئی، اور ادھر مامون کے انتقال کی خبر بھی آگئی، لیکن مامون نے اپنے جانشین معتصم کو اس مسئلہ میں خاص طور سے

وصیت کی تھی جس کو اس نے دانتوں سے پکڑ لیا۔ چنانچہ

"اب مسئلہ خلق قرآن کی مخالفت اور عقیدۂ صحیحہ کی حمایت، حکومت وقت کے مقابلہ کی ذمہ داری تنہا امام احمد بن حنبل کے اوپر تھی، جو گروہ محدثین کے امام اور سنت و شریعت کے اس وقت امین تھے۔" (صـ۸۰)

امام احمد نے اس مسئلہ کی مخالفت اور عقیدۂ صحیحہ کی حمایت میں وہ بے نظیر عزیمت و استقامت دکھائی کہ بس شاید و باید۔ ان سے سرکاری علماء کے گڈے گڈے نے مناظرے کیے، حکام نے خلیفہ کے عذاب و عقاب سے ڈرایا اور بڑی سے بڑی دھونس دھمکی دی۔ مگر یہ کوہ استقامت اپنی جگہ سے نہ ٹلنا تھا نہ ٹلا۔ بالآخر انھیں معتصم کے سامنے پیش کیا گیا، معتصم نے ان کو بڑی سے بڑی دنیاوی لالچ دیتے ہوئے کہا کہ

"اگر یہ میری بات قبول کرلیں تو میں اپنے ہاتھ سے ان کو آزاد کردوں، اور اپنے فوج و لشکر کے ساتھ ان کے پاس جاؤں اور ان کے آستانہ پر حاضری دوں۔" (صـ۸۲)

اور جب افہام و تفہیم اور ترغیب کے سارے تیر بیکار ہو گئے تو

"اس نے برہم ہو کر کہا کہ ان کو پکڑو اور کھینچو، اور ان کے ہاتھ اکھیڑ دو۔" (صـ۸۳)

اور پھر تو تازہ دم جلادوں کے وہ بے پناہ کوڑے پڑے کہ بقول ایک کہنے والے کے

"اگر ایک کوڑا ہاتھی پر پڑتا تو چیخ مار کر بھاگتا۔" (صـ۸۴)

مگر ان کی جب تک جان میں جان رہی ہر کوڑے پر یہی فرماتے رہے کہ

"اعطونی شیئاً من کتاب اللہ او سنۃ رسولہ حتی اقول بہ"	"میرے سامنے اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے کچھ پیش کرو تو میں اس کو مان لوں۔"

اور نتیجہ یہ ہوا کہ

"امام احمد کی بے نظیر ثابت قدمی اور استقامت سے یہ فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔" (صـ۸۵)

چوتھی صدی

معتزلہ کی مکمل علمی شکست کی ضرورت

امام احمد بن حنبلؒ نے معتزلہ اور ان کی سرپرست حکومت سے صرف مسئلہ خلق قرآن پر معرکہ آرائی اور پنجہ آزمائی کی تھی، اور اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے تھے، اور امت اس خاص اعتقادی فتنہ سے محفوظ ہو گئی تھی! ادھر کچھ عرصہ بعد حکومت سے معتزلہ کا اثر اور دخل بھی ختم ہو گیا تھا۔

"لیکن علمی حلقوں میں ابھی معتزلہ کا اثر باقی تھا۔"

اور (عقیدہ خلق قرآن کے علاوہ)

"ان کے دوسرے مباحث و مسائل ابھی تازہ اور زندہ تھے۔ معتزلہ نے اپنی ذہانت علمی قابلیت اور اپنی بعض نمایاں شخصیتوں کی وجہ سے اپنا علمی وقار قائم کر لیا تھا اور........ عام طور پر یہ تسلیم کیا جانے لگا تھا کہ معتزلہ دقیق النظر، وسیع الفکر اور محقق ہوتے ہیں، اور ان کی آراء و تحقیقات عقل سے زیادہ قریب ہوتی ہیں۔ ...... محدثین اور ان کے ہم مسلک علماء نے علوم عقلیہ اور نئے طریقہ بحث و نظر کی طرف (جس کا معتزلہ اور فلاسفہ کے اثر سے رواج پڑ چلا تھا) توجہ نہیں کی، نتیجہ یہ تھا کہ مباحثہ کی مجلسوں اور درس کے حلقوں میں محدثین کی یہ علمی کمزوری اور فلسفہ کے مبادی سے بے خبری محسوس کی جاتی تھی، اس کے مقابلہ میں علمی مباحثوں میں معتزلہ کا پلڑا بھاری رہتا..
اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ظاہر شریعت اور مسلک سلف کی علمی بے وقعتی اور اس کی طرف سے بے اعتمادی پیدا ہو رہی تھی۔" (صفحہ ۴۴-۴۵)

کیا شبہ ہے کہ یہ دین پر ایک بڑا سخت وقت تھا اور امت مسلمہ ایک خطرناک موڑ پر آگئی تھی، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے

"ایک ایسی شخصیت درکار تھی جس کی دماغی صلاحیتیں معتزلہ سے کہیں بلند ہوں، جو عقلیت کے کوچہ سے نہ صرف واقف بلکہ عرصہ تک اس کا رہ نورد رہ چکا ہو،

جس کی بلند شخصیت اور مجتہدانہ دماغ کے سامنے اس زمانہ کے عقلیت و فلسفہ کے علمبردار مبتدی طالب علم معلوم ہوتے ہوں اور ایسے پست و حقیر نظر آتے ہوں جیسے کسی دیو قامت انسان کے سامنے پستہ قد انسان اور نوعمر بچے۔" (صفحہ)

یہ شخصیت امام ابوالحسن اشعری (م ۳۲۴ھ) کی صورت میں بر وقت ظاہر ہوئی اور اسلام کی ایک شدید ضرورت بالکل معجزانہ طور پر پوری ہوگئی ـــــ اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

"ان کی والدہ نے ان کے والد اسمٰعیل کے انتقال کے بعد ابو علی الجبائی سے نکاح کر لیا تھا، جو اپنے وقت میں معتزلہ کے امام اور مذہب اعتزال کے علمبردار تھے، شیخ ابوالحسن نے ان کی آغوش میں تربیت پائی، اور بہت جلد ان کے معتمد اور دست راست بن گئے،....... تمام ظاہری قیاسات و قرائن تبلاتے تھے کہ وہ اپنے مربی اور استاد کے جانشین ہوں گے اور مذہب اعتزال کی حمایت و اشاعت میں شاید ان سے بھی آگے بڑھ جائیں، لیکن اللہ کے انتظامات عجیب ہیں،..........

شیخ ابوالحسن کی طبیعت میں اعتزال کا رد عمل پیدا ہوا،...............

.... چالیس برس تک معتزلہ کے مذہب اور اعتقادات کی حمایت و ان کو ثابت کرنے کے بعد ان کی طبیعت اس سے بالکل پھر گئی، ان کے ذہن میں اس کے خلاف بغاوت پیدا ہوئی۔ پندرہ دن وہ گھر سے نہیں نکلے، سولہویں دن وہ گھر سے سیدھے جامع مسجد پہونچے۔ جمعہ کا دن تھا، اور جامع مسجد بھری ہوئی تھی، انھوں نے منبر پر چڑھ کر بلند آواز سے اعلان کیا "جو مجھے جانتا ہو وہ جانتا ہے، جو نہیں جانتا اس کو بتلاتا ہوں کہ میں ابوالحسن اشعری ہوں، میں معتزلی تھا، فلاں فلاں عقیدوں کا قائل تھا، اب توبہ کرتا ہوں اور اپنے سابق خیالات سے باز آتا ہوں، آج سے میرا کام معتزلہ کی تردید اور ان کی کمزوریوں اور غلطیوں کا اظہار ہے؛ وہ دن اور ان کی زندگی کا آخیر دن، ان کی ساری ذہانت، علمی تجربہ، استدلال، گویائی اور قوت تحریر اعتزال کی تردید اور سلف کے مسلک اور اہلسنت کے عقائد کی تائید اور اثبات میں صرف ہوئی، جو کل تک معتزلہ کی زبان اور ان کا سب سے بڑا وکیل تھا، وہ

اہل سنت کا ترجمان اور ان کا سب سے بڑا حامی بن گیا۔" (صفحہ ۸۹، ۹۰)

یہ تھا اسلام کا اعجاز! ــــــــ کہ "پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے"

امام ابوالحسن اشعریؒ کے معتزلہ کی صف سے نکل کر اہلسنت کی صف میں آجانے اور عقائد اہلسنت کی طرف سے پر زور وکالت کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ

"اہلسنت میں نیا اعتماد اور نئی زندگی پیدا ہو گئی اور وہ احساس کمتری دُور ہو گیا جو گھن کی طرح سواد امت کو کھاتا جا رہا تھا، معتزلہ بھی ان کے پے در پے حملوں سے پیچھے ہٹ گئے اور ان کو اپنی حفاظت اور اپنے مذہب کے وجود کو قائم رکھنے کی فکر لاحق ہو گئی۔" (صفحہ ۹۶)

"امام اشعری کے بعد اُن کے سلسلہ میں اور مکتب خیال میں بڑے جلیل القدر علماء متکلمین اور اساتذہ پیدا ہوئے جنھوں نے تمام عالم اسلام پر اپنا ذہنی تفوق اور اپنی قابلیت کا سکہ قائم کر دیا۔ اور ان کی وجہ سے دنیائے اسلام کی علمی و ذہنی قیادت معتزلہ کے ہاتھ سے نکل کر علماء اہل سنت کے ہاتھ میں آگئی۔" (صفحہ ۹۹)

ــــــــ (باقی)

تعارف و تبصرہ

تجدید معاشیات از جناب مولانا عبد الباری صاحب سابق پروفیسر فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی۔ صفحات ۵۱۸، مجلد قیمت پانچ روپے۔ ناشر:۔ مکتبہ تجدید دین۔ شبستان قدم رسول۔ ہارڈنگ روڈ۔ لکھنؤ۔

مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اصلاحی و تجدیدی تعلیمات کی بنیاد پر اب تک تین ضخیم کتابیں تیار فرما چکے ہیں، یہ اسی سلسلہ کی چوتھی تصنیف ہے جس میں انسان کے معاشی مسئلہ پر خالص ایمانی نقطۂ نظر سے بحث کر کے اسکی صحیح حیثیت اُجاگر کرنے اور انسانی افکار و مساعی میں اس کا واقعی حق متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ اگر دنیا کی زندگی کو اس نظر سے دیکھا جائے جو دنیا کے قرآنی تصور اور ایمان بالآخرۃ کا تقاضہ ہے تو معاش کا مسئلہ ہرگز اس کا مستحق نہیں ہے کہ انسانی فکر و سعی کا منتہیٰ بنجائے۔ اور پھر جب اس ایمانی حقیقت پر بھی نظر ہو (جس کی طرف نظر کو متوجہ کرنے کی اس کتاب میں پوری کوشش کی گئی ہے) کہ بنیادی معاشی ضروریات (رزق) کی بہم رسانی کا ذمہ انسان کے خالق نے خود لے رکھا ہے، تب تو اس مسئلہ کی اہمیت گھٹ کر واقعی اس حد پر آجاتی ہے کہ اگر یہ کہہ دیا جائے ـــــ جیسا کہ محترم مصنف نے کہا ہو ـــــ کہ "معاش کا مسئلہ درآصل کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے" تو کچھ زیادہ مبالغہ نہ ہوگا۔

آج جو معاشی مسئلہ (یعنی کسب اور حصول دولت کی فکر) انسانوں کے ذہن پر اس طرح سوار ہے کہ نہ صرف زندگی کے اصل تقاضہ نظر سے اوجھل ہو گئے ہیں بلکہ تمام انسانی اوصاف اور اخلاقی فضائل تک دو خون ہو رہا ہے، اس طلسم کو توڑنے کے لئے بیشک ایسی ہی ضرب شدید کی ضرورت ہے ـــــ مگر اس دور ترقیات میں انسانوں کے معاشی و اقتصادی تعلقات نے جو گوناگوں مسائل اور پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں ان کی اہمیت سے انکار صحیح نہیں ہوگا اور ان مسائل کو اسلامی نقطۂ نظر سے حل کرنے کی

جو مسلمان مصنفین و مفکرین کوشش کرتے ہیں ان کی فکرو سعی کے متعلق مولانا محترم کے اس خیال کو کہ یہ موجودہ مادہ پرستانہ اور آخرت فراموشانہ انداز فکر سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، ہم انتہائی ادب و احترام کے ساتھ شدت احساس کا نتیجہ قرار دینے پر مجبور ہیں بلکہ مولانا کے خیال کے برعکس ہم اسے دین ہی کی رو سے اس دور کا ایک ضروری کام سمجھتے ہیں —— ہاں یہ ضرور رہے کہ ان مسائل کی طرف توجہ کا انداز یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ گویا دین کا مقصد صرف انسان کی دنیوی فلاح و بہبود ہے اور [illegible] نظام دنیا کی اصلاح کی ایک تحریک ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں :- از مولوی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہری، صفحات ۹۶، مجلد قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ :- ادارہ اشاعت دینیات، حضرت نظام الدینؒ۔ دہلی

اس کتاب میں آنحضرتؐ کی صاحبزادیوں کے حالات، پیدائش، وفات، نکاح، اولاد وغیرہ کا مختصر تذکرہ ہے، اور اس لحاظ سے کارآمد ہے، لیکن ان مقدس بیٹیوں کے وہ مفصل سوانح جن سے انکی دینی زندگی کا مرقع سامنے آئے اور امت کی بیٹیوں کے لئے ایمان و عمل صالح کی مشعل بنے، ان کا ذکر اس میں نہیں ملتا حالانکہ مؤلف کا مقصد اس تالیف سے یہی ہے۔

مسلم خواتین کے لئے بیس سبق :- از مولوی صاحب مذکور، شائع کردہ انجمن ندائے اسلام ۲۱ بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ۔ صفحات ۹۶، قیمت ندارد۔

اس کتاب میں مسلمان عورتوں کے لئے بیس دینی و اصلاحی سبق لکھے گئے ہیں، امید ہے کہ عام مسلمان عورتوں کی اصلاح اور بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے لئے یہ کتاب مفید ہوگی۔

---

(۱) **تکفیری افسانے** } از مولوی نور محمد صاحب مظاہری، ناشر:- احمد نور صاحب } کنز العلوم ٹانڈہ
(۲) **درود و سلام** } " " " " محمد نور صاحب } ضلع فیض آباد

(۱) ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ نے بریلوی (رضاخانی) حضرات کے شغل تکفیر کو کچھ دنوں کے لئے ٹھنڈا کر دیا تھا، مگر ادھر چند سال سے جب سے ملک کی فرقہ وارانہ فضا میں کچھ سکون پیدا ہو گیا ہے، یہ بازار پھر گرم ہو گیا ہے اور ہندستان سے لیکر پاکستان تک تفریق بین المسلمین کی یہ مہم بڑے زور شور سے جاری ہے،

حالانکہ ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ کے دین سے تعلق رکھنے والے عوام وخواص کے سامنے، وقت کچھ اور اہم تقاضے رکھے ہوئے ہے جن سے بے اعتنائی کا نتیجہ دینی ودنیوی بربادی کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

مولوی نور محمد صاحب (مبلغ ومناظر مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ) نے اسی احساس کے ماتحت اس تباہ کن شغل پر ضرب لگانے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے جس میں دکھلایا گیا ہے کہ ان حضرات نے اپنی صلاحیتوں کو کبھی امت کی کسی تعمیری خدمت میں صرف نہیں کیا بلکہ ہمیشہ مسلمانوں کو لڑانے اور ہر قومی و دینی خادم کو کافر بنانے میں لگے رہے حتیٰ کہ ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں

تحریر ادبی اعتبار سے خاصی دلچسپ اور شگفتہ ہے مگر انداز مناظرانہ ہے، جو مذکورہ بالا مقصد کے لئے مفید نہیں۔ ان حضرات کا شکار سادہ لوح عوام بنتے ہیں، اور انھیں ان کے پھندے سے نکالنے کے لئے ضرورت اس امر کی ہے کہ دل سوزی کے ساتھ اس شغل کی لغویت اور مضرت واضح کی جائے، کتابت، طباعت اور کاغذ عمدہ ہے، ضخامت ۱۹۲ صفحات، مجلد قیمت دو روپے۔

(۲) یہ رسالہ درود و سلام کے فضائل۔ اس سلسلہ میں بعض عامیانہ شبہات کے جوابات، درود و سلام کے چالیس ماثور کلمات۔ اس سلسلہ کے بعض ضروری مسائل اور چند واعظانہ قسم کی ترغیبی حکایات و واقعات پر مشتمل ہے۔ ۲۰ صفحات قیمت ۱۰/

ارشاد السالکین مؤلفہ مولوی عبد الباطن صاحب جونپوری۔ ناشر:- کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) جامع مسجد دہلی۔ کاغذ وطباعت بہتر، صفحات ۱۲۸۔ مجلد قیمت ۱۲/

یہ سلف صالحین اور صوفیائے کرام کے ایسے اقوال وارشادات کا مجموعہ ہے جن سے تزکیہ نفس اور اصلاح باطن میں انسان کو بڑی مدد مل سکتی ہے۔ زیادہ تر چھوٹے چھوٹے بول ہیں مگر بڑے پیارے، بڑے شیریں اور بڑے ہی مؤثر — از دل خیزد و بر دل ریزد — اس مجموعہ میں تقریباً ڈیڑھ سو عنوانات ہیں جن کے تحت ایک سو اسی بزرگوں کے تقریباً سات سو ملفوظات آگئے ہیں۔

چند نمونے ملاحظہ ہوں:-

(۱) "جو چیز بھی تجھ کو حق سے مانع ہو جائے وہی تیرا بت ہے۔" (ایک بزرگ)

(۲) دنیا دریا ہو اور اس کا کنارہ آخرت ہے اور اس کی کشتی تقویٰ ہے اور تمام

آدمی مسافر ہیں" (حضرت ابویعقوب نہرجوریؒ) ص۱۵

(۳) "جو ذوق وشوق، کشف وکرامت کا طالب ہو وہ اللہ کا طالب نہیں"۔

(حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ) ص۳۷

(۴) بھوک کی رات درویشوں کی معراج کی رات ہے"۔ (ایضاً) ص۶۶

(۵) فاقے مواہب الٰہی کے بچھونے ہیں" (حضرت ابن عطار) ص۱۰۳

(۶) خدا کا ذکر شریعت کا مددگار ہے اور شریعت کے کام ذکر کے مددگار ہیں"۔

(حضرت سید احمد شہیدؒ) ص۸۸

ملفوظات کا ترجمہ عام طور پر اچھا ہے، اگرچہ کہیں کہیں ابہام اور ترجمہ پن بھی نظر آتا ہے۔ شلاً:۔

"آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ وہ ملائکہ صفت ہو جائے۔ کیونکہ وہ انھیں کے گوہر میں سے ہے"۔ ص۱۵

خط کشیدہ جملہ کا مطلب واضح نہیں ہے،

یا

"گناہ وہ چیز ہے جو تیرے دل میں کھجلاوے اور تو مکروہ جانتا ہے کہ لوگ اس سے خبردار ہوں"۔ ص۱۰۷

اس پورے ملفوظ میں ترجمہ پن کس قدر نمایاں ہے۔

لیکن ایسی مثالیں گنتی کی بس چند ہی ہیں۔ اور بزرگوں کے ملفوظات کا یہ پاکیزہ مجموعہ بہرحال ایک "گنج گراں مایہ" کا مصداق ہے۔

ارض القرآن یا جغرافیہ قرآنی :۔ از مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی۔ کتابت وطباعت اور کاغذ متوسط۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے، ملنے کا پتہ :۔ (۱) صدق جدید بک ایجنسی۔ کچہری روڈ لکھنؤ، (۲) دارالمصنفین۔ شبلی منزل اعظم گڈھ

قرآن مجید میں جن مقامات، میدانوں، پہاڑوں، دریاؤں اور عمارتوں وغیرہ کا ذکر آیا ہے اس کتاب میں ان کی مختصر جغرافیائی تحقیق کی گئی ہے اور کچھ ضمنی فوائد اس پر مستزاد ہیں۔

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے اس موضوع پر ایک اہل علم کی تصنیف کی ضرورت ظاہر ہے۔

کیا ہندستان ترقی کر رہا ہے؟ :- از جناب وحید الدین خاں صاحب - اسلامی پبلشنگ ہاؤس، یانی منزل، بدرقہ - اعظم گڈھ، صفحات ۵۶، قیمت ۶ر

یہ ایک مقالہ ہے جو جماعت اسلامی کے ایک ماہانہ اجتماع میں پڑھا گیا تھا، بعد میں پمفلٹ کی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔ اس میں ہندستانی لیڈروں کے "بے مثال ترقی" کے دعاوی پر چند چیزوں کا جائزہ لیکر بتایا گیا ہے کہ اس ترقی کی حقیقت کیا ہے۔ اس کے بعد ملک کی اجتماعی زندگی کے کچھ تاریک پہلو، ان کے اسباب اور اصلاح کا طریقہ پیش کیا گیا ہے۔

موتیوں کا ہار حصہ اول، دوم، سوم } از جناب افضل حسین صاحب ایم۔ اے، ایل۔ ٹی ناظم درسگاہ جماعت اسلامی۔ رام پور ناشر :- مکتبہ جماعت اسلامی ہند رام پور۔ قیمت علی الترتیب ۳ر، ۴ر، ۵ر۔

مکتبہ جماعت اسلامی (ہند) نے مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے بہت سی مفید ریڈریں تیار کی ہیں "موتیوں کا ہار" کے یہ تینوں حصے بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں اور خاص بچیوں کے لئے ہیں جن میں بہت ہی میٹھے اور پیارے انداز میں کمسن مسلمان لڑکیوں کو انسانیت و نسوانیت اور عبدیت کے حقیقی جوہر اپنے اندر پیدا کرنے اور صبر و غیرت، شرم و حیا، ایثار و توکل محبت و خدمت، یاد الٰہی، محبت رسولؐ جیسے انمول موتیوں سے اپنا دامن بھرنے کی تلقین کی گئی ہے ـــــ بڑی مبارک ہیں وہ بیٹیاں جو نمود و نمائش اور آرائش پرستی کے اس دور میں ان موتیوں کے ہار سے اپنے ظاہر و باطن کو آراستہ کریں۔

اردو "کریما" مع ضمیمہ "رحیما" } از جناب صبر رضوی مخدوم آبادی، ملنے کا پتہ :- نسیم احمد صاحب، شیخپورہ (ضلع مونگیر) صفحات ۴۸، قیمت ۱۰ر

فارسی کی مقبول و مشہور ترین کتاب "کریما" فارسی دانی کے فقدان کی وجہ سے اب نوادر کے ذیل میں پہنچتی جا رہی ہے، اسکی اخلاقی قدر و قیمت سے اس وقت کی نوجوان نسل بھی بڑی حد تک ناواقف ہی رہ گئی، البتہ نوجوانی کی منزل سے آگے بڑھ جانے والی نسل اور بزرگوں کا طبقہ اس سے خوب واقف ہے

صبر رضوی صاحب نے، نئی نسل کا رشتہ کربلا سے جوڑنے کے لئے اس کو اردو اشعار میں منتقل کر دیا ہے اور اس دور کی نئی اخلاقی ضروریات کے پیش نظر "حیا" کے نام سے ایک ۲۶ صفحے کا اضافہ بھی اپنی طرف سے کیا ہے۔ کتاب کے شروع میں تقاریظ کے عنوان کے تحت پہلی تقریظ مولانا گیلانی (آہ! کہ اب مرحوم) کے قلم سے ہے اور ان کے قلم سے ترجمہ کی انتہائی تحسین و ستائش دیکھتے ہوئے کسی تبصرہ کی گنجائش نہیں نظر آتی۔

ماہ نامہ تعمیر انسانیت کا مشرقی پاکستان نمبر } مرتبہ کوثر نیازی، عبدالحمید شیخ۔ پتہ دفتر ماہنامہ تعمیر انسانیت، اندرون موچی دروازہ لاہور۔ پاکستان، نمبر کی قیمت ۱۲/، سالانہ چندہ چھ روپئے

"تعمیر انسانیت" جماعت اسلامی پاکستان کے ادبی حلقہ کا ایک نوزائیدہ ماہنامہ ہے، اس نے اپنی پہلی جلد کا پانچواں اور چھٹا شمارہ اکتوبر ۱۹۵۵ء میں "مشرقی پاکستان نمبر" کی شکل میں پیش کیا تھا لیکن ہمیں یہ اپریل ۱۹۵۶ء میں موصول ہوا،

اس نمبر میں مشرقی پاکستان سے متعلق مذہبی، سیاسی، ادبی، صحافتی اور صنعتی و اقتصادی غرض اس دور کے معروف عنوانات کے تحت بہت کافی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ معلوماتی مقالوں کے ساتھ ساتھ خاکے، افسانہ اور نظم کا بھی تھوڑا سا حصہ ہے۔ مشرقی پاکستان کی معاشرت، وہاں کے دینی و سیاسی کردار اور زندگی کے عام اطوار و حالات سے اس نمبر کے ذریعہ خاصی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے

ماہ نامہ تذکرہ (سال نامہ) :- زیر ادارت جناب بشیر محمد صاحب۔ پتہ :- آرام باغ فریر روڈ۔ کراچی (پاکستان)، صفحات ۲۰۰، قیمت ایک روپیہ چار آنے (۱/۴)، سالانہ چندہ چار روپئے۔

کراچی کا یہ اصلاحی و نیم ادبی ماہ نامہ تین سال سے شائع ہو رہا ہے۔ مارچ ۱۹۵۶ء میں اس کی چوتھی جلد کا پہلا شمارہ، زیر نظر سالنامہ کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ یہ سال نامہ کسی ایک موضوع پر نہیں ہے بلکہ متفرق موضوعات پر مختلف علمی، اصلاحی، ادبی مقالات و ادب پاروں کا جامع ہے۔

رسالہ کا نام تذکرہ ہے اور پیشانی پر آیۃ "كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ" ثبت ہے مگر اس نمبر میں تذکیری و اصلاحی پہلو بہت دبا ہوا نظر آتا ہے۔ مندرجات کا عام معیار بھی کچھ زیادہ اونچا نہیں ہے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص معیار سامنے نہیں رکھا گیا ہے اور افادی نقطۂ نظر سے تو خاص طور پر ہم اس نمبر میں بہت کمی محسوس کرتے ہیں۔ یہ تاثر رسالہ کی مجموعی حیثیت کے بارے میں ہے ورنہ بعض مندرجات انفرادی طور پر خاصی افادیت کے حامل ہیں۔

انتخاب

سول جج کا فیصلہ

"ہر مسلمان کو بطور غذا یا برائے قربانی گائے ذبح کرنے کا قانونی حق حاصل ہو جو رواج کی پابندیوں سے آزاد ہے۔ اور جو اس کو انفرادی حیثیت سے اور مذہب اسلام کا پیرو ہونے کی حیثیت سے دونوں طرح حاصل ہے، کوئی حق اجتناب یا چند سالوں تک عدم استعمال سے زائل نہیں ہو جاتا...... بہر حال جہاں قربانیاں چہار دیواری کے اندر ہوتی ہوں وہاں اگر گائے کی قربانی سے ہندوؤں کو انفرادی یا اجتماعی طور پر ناگواری ہوتی ہے، تو اسے پبلک خلفشار نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ قانون انتہائی حساس لوگوں کے توہمات کی پرواہ نہیں کرتا، میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ وہ رواج جو چہار دیواری کے اندر بغیر شور انگیز مظاہروں کے مویشیوں کے ذبیحہ کو روکتا ہو اسے غیر معقول قرار دینا چاہیے، کیونکہ ایسا رواج ایک خاص فرقہ کے بنیادی حق کو پامال کرتا ہے...... میرے پاس موزوں الفاظ نہیں ہیں کہ میں ہندوؤں کی اس زیادتی پر ماتم کر سکوں کہ "مسلمانوں کو اُن کے گھروں میں بھی جانور ذبح کرنے کی اجازت نہیں دیتے اور اگر مدعیان کا یہ بیان صحیح ہے کہ حکام ضلع بھی گزشتہ بقرعید کے دنوں میں مسلمانوں کو پر امن قربانی کرنے کے لیے واجبی تحفظ عطا نہ کر سکے تو یہ کتنی افسوس ناک بات ہے۔"

یہ اس عدالتی فیصلہ کے الفاظ ہیں جو اڈیشنل سول جج بجنور، شری ایم، سی اگروال نے ۱۲ نومبر ۱۹۵۵ء کو بجنور کی عدالت میں سنایا تھا۔ (صدق جدید)

تعصب کا اعتراف

مدھیہ بھارت پردیش (سابق سی، پی) کانگرس کمیٹی کی "فرقہ پرستی توڑ تحقیقاتی کمیٹی" کی رپورٹ سے:-

"ریاست کا محکمہ تعلیم فرقہ پرستوں سے بھرا ہوا ہے۔ استادوں کی ایک بڑی تعداد فرقہ پرستی

پھیلا رہی ہے، دوسرے انتظامی محکمہ بھی فرقہ پرستی سے پاک نہیں، بعض افسروں کا رجحان فرقہ پرستوں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اس سے قوم پرستوں میں یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ کچھ حاصل کرنے کے لیے انھیں بھی فرقہ پرستی اختیار کرنا چاہیے۔"

اور یہ سارے "فرقہ پرست" جن سے سرکاری دفتر بھرے ہوئے ہیں اور جن میں بعض افسر بھی شامل ہیں، یقیناً مسلمان ہی ہوں گے! اور کانگرس کی جس تحقیقاتی کمیٹی نے یہ قلعی کھولی ہے، وہ بھی یقیناً مسلمان ہی ہوگی! ــــ اسی کو کہتے ہیں۔ ع

جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

فحش کاریوں کی سرزمین سے

"پچھلے دوشنبہ کو برطانی پارلیمنٹ میں یہ مسئلہ اٹھایا گیا کہ لندن میں حرامکار عورتوں کا زور بڑھتا جا رہا ہے اس لیے قانون میں ایسی ترمیم ہونا چاہیئے کہ کوئی حرامکار عورت کسی مرد کو ترغیب نہ دے سکے، لندن کے اخبارات کو بھی سر جھکا کر لکھنا پڑا کہ لندن کے ایسٹ اینڈ حصہ میں حرامکاری کا اس قدر زور ہے کہ اس کی وجہ سے لندن ساری دنیا میں بدنام ہو گیا ہے۔"

(ایک معاصر کا اڈیٹوریل)

لیکن پارلیمنٹ میں ہل چل مچتی ہے تو مچا کرے، سینما کا کاروبار اسی دھڑلے سے جاری رہے گا، شراب خواری اسی طرح داخل فیشن رہے گی۔ نقاشی اور مصوری۔ ننگی سی ننگی اسی طرح جزو تہذیب و تمدن بنی رہے گی۔ اور اسکولوں اور کالجوں کے دروازے "مخلوط" تعلیم اور آزادیوں اور بیباکیوں کی پوری حوصلہ افزائیوں کے ساتھ اسی طرح کھلے رہیں گے اور ان سارے اسباب سے جو نتیجہ قدرت کے ہر قانون کے مطابق، دو اور دو چار کی طرح قطعیت کے ساتھ برآمد ہو سکتے ہیں اسی طرح برآمد ہوتے رہیں گے۔

(صدق جدید)

مختصر فہرست مکتبہ الفرقان لکھنؤ

پہلے یہ چند باتیں ضرور ملاحظہ فرمالیجئے!

(۱) اپنا پتہ ہمیشہ صاف اُردو میں ضرور لکھیے۔ اور اگر ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھ دیجئے!

(۲) اگر آپ صرف ایک دو روپے کی کتابیں منگوائیں گے تو محصول ڈاک کا بار بہت زیادہ پڑ جائے گا اور اگر زیادہ منگوائیں گے یا اگر چند ساتھی مل کر اور زیادہ منگوائیں گے تو محصول کا بوجھ اسی حساب سے بہت کم ہو جائے گا۔

پاکستانی احباب کی خدمت میں

(۳) جیسا کہ پہلے اعلان کیا جا چکا ہے اپنی مطبوعات کے علاوہ دوسری کتابیں پاکستان روانہ کرنے سے ہم معذور ہیں۔

(۴) ایک پیکٹ میں مختلف کتابوں کے چند نسخے پاکستان جا سکتے ہیں لیکن ایک کتاب کے دو نسخے بھی نہیں جا سکتے۔

(۵) ہماری مطبوعات میں سے جو کتابیں آپ کو منگوانی ہوں اُن کی قیمت اس فہرست میں دیکھ لیجئے، پھر اس قیمت پر فی روپیہ دو آنے کے حساب سے محصول بک پوسٹ اور آٹھ آنے رجسٹری فیس کا اضافہ کر کے کل رقم ذریعہ منی آرڈر ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگس لاہور کے نام روانہ کر دیجئے اور ڈاک خانہ کی ابتدائی رسید تفصیلی فرمائش کے ساتھ ہم کو بھیج دیجئے یہاں سے کتابیں رجسٹرڈ آپ کو روانہ کر دی جائیں گی۔ ناظم کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ۔ لکھنؤ

انشاء اللہ پاکستانی احباب کو ہماری تمام مطبوعات عنقریب پاکستان ہی کے بعض کتب خانوں سے مل جایا کریں گی۔ امید ہے کہ آئندہ مہینے ہم اس بارہ میں اعلان کر سکیں گے۔

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

معارف الحدیث مجلد ۔۔۔ غیر مجلد ۔۔۔	اسلام کیا ہے؟ کاغذ قسم اعلیٰ مجلد ۔۔۔ کاغذ قسم دوم غیر مجلد ۔۔۔	کلمہ طیبہ کی حقیقت قیمت ۶ آنے	نماز کی حقیقت قیمت ۱۲ آنے	تبلیغی تقریریں مجلد قیمت ڈھائی روپے	تصوف کیا ہے قیمت ۔۔۔
آپ حج کیسے کریں کاغذ قسم اول مجلد ۔۔۔ کاغذ قسم دوم غیر مجلد ۔۔۔	تصوف و صوفیہ قیمت ۔۔۔	حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت ۔۔۔	ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ قیمت ۔۔۔	اسلام اور نظام سرمایہ داری قیمت ۸ آنے	بوارق الغیب حصہ دوم قیمت ایک روپیہ
معرکۃ القلم یا فیصلہ کن مناظرہ قیمت ایک روپیہ	امام ولی اللہ دہلوی از مولانا سندھی مرحوم قیمت ۔۔۔	اسلام اور موجودہ مسلمان قوم ۴ آنے	قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ قیمت ۔۔۔	مکتوبات حضرت مولانا محمد الیاسؒ ۔۔۔	نماز اور خطبہ کی زبان قیمت دو آنے

قرآن و حدیث سے متعلق کتابیں

تفسیر بیان القرآن مطبوعہ تاج کمپنی

از حکیم الامت حضرت تھانویؒ

لاہور کی تاج کمپنی کی طرف سے تفسیر بیان القرآن خاص اہتمام سے چھپ رہی ہے۔ ابتک پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ ہر جلد میں ڈھائی پارہ کی تفسیر ہے۔ قیمت فی جلد ۶/۸ (واضح رہے کہ اس میں تفسیر بیان القرآن کا عربی حصہ نہیں لیا گیا ہے)

قصص القرآن

(از مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی)

قرآن پاک میں انبیاء علیہم السلام کے سوانح حیات ان کی امتوں اور مختلف قوموں اور شخصیتوں کے جو قصص و واقعات مذکور ہیں اس کتاب میں انھیں بڑی تفصیل اور تحقیق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ بلاشبہ یہ کتاب ایک مذہبی و تاریخی شاہکار ہے۔

جلد اول۔ حضرت آدمؑ سے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کے حالات تک ۵۳۶ صفحات قیمت للعہ دوم۔ حضرت یوشعؑ سے حضرت یحییٰ تک کے واقعات للعہ سوم انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام قصص قرآن کا بیان عہ/ چہارم۔ حضرت عیسیٰ اور رسول اللہ کے حالات اور متعلقہ واقعات چھ روپے۔

ترجمۂ قرآن کا مکمل نصاب

از جناب مولانا محفوظ الرحمن نامی

مفتاح القرآن حصہ اول ۵/ دوم ۶/ سوم عہ/ چہارم عہ/ پنجم عہ/
تعلیم القرآن ... عہ/

لغات القرآن

تالیف مولانا عبد الرشید صاحب نعمانی

اردو زبان میں قرآن شریف کے تمام الفاظ و لغات کی نہایت مفصل اور مبسوط تشریح کی گئی ہے۔ اپنے موضوع میں بےنظیر اور محققانہ کتاب ہے، علمی درجہ کی تحقیق اور جامعیت کے علاوہ اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ عوام و خواص سب ہی اس سے اپنی اپنی سطح پر فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ چار جلدیں تیار ہیں۔ آخری پانچویں جلد عنقریب تیار ہونے والی ہے۔ قیمت جلد اول للعہ جلد دوم للعہ، جلد سوم للعہ، جلد چہارم صہ/

قاموس القرآن

(از مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی)

اس میں تمام الفاظ قرآنی کا صحیح اردو ترجمہ اور ان کی صحیح مکمل صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے۔ نیز قرآن کریم کے تمام وضاحت طلب الفاظ پر سلیس و شیریں زبان میں مختصر مگر جامع اور مستند نوٹ لکھے گئے ہیں قیمت صہ/

ترجمان السنہ

از حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی
مقیم مکہ مکرمہ

حدیث کی ایک نہایت مبسوط اور جامع کتاب اردو ترجمہ اور تشریح کے ساتھ ہر جلد بجائے خود بھی علوم و معارف کا ایک مستقل خزانہ ہے۔ قیمت جلد اول دس روپے جلد دوم نو روپے جلد سوم دس روپے

تفسیر ماجدی

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی اردو تفسیر قرآن کی دو جلدیں تاج کمپنی لاہور کی طرف سے چھپ چکی ہیں مولانا موصوف نے جدید علوم خاصکر فلسفہ اور تاریخ اور اثریات کے مطالعہ سے قرآن مجید کی جو خدمت اپنی اس تفسیر کے ذریعہ کی ہے، قرآن کے کسی طالب علم اور علم قرآن کے کسی شائق کو اس سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔ حسن طباعت کے لیے تاج کمپنی کا نام ہی کافی ہے۔ قیمت جلد اول مجلد عسہ/ جلد دوم عسہ/

الحیوانات فی القرآن

از مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی

قرآن مجید میں جتنے حیوانات کا ذکر آیا ہے ان کے متعلق لغوی تحقیقات اور تاریخی و تفسیری مباحث کا ایک علمی مرقع قیمت دو روپیہ عا/

قرآنی جغرافیہ از مولانا موصوف قیمت عہ/

رہنمائے قرآن

اسلام اور پیغمبر اسلام کی صداقت کو سمجھنے کے لیے اپنے انداز کی ایک بالکل ہی نئی کتاب ہے جو خاص طور سے انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے اور غیر مسلموں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اصل کتاب انگریزی میں تھی جس کا اردو ترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین پی ایچ ڈی نے کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ

قرآن اور تعمیر سیرت از ڈاکٹر میر ولی الدین صہ/
قرآن اور تصوف ؍ ؍ ؍ عا/

مختلف موضوعات پر منتخب کتابیں

تاریخ اسلام

از حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی
مجلد خوبصورت چھوٹی تقطیع قیمت عہ

اشاعت اسلام

(از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی دیوبندیؒ) کاغذ کتابت طباعت بہتر ۸ر

سلسلۂ تاریخ ملت

(شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی)

حصہ اول نبی عربی　　قیمت　عہ ر
حصہ دوم (خلافت راشدہ)　　ہے ر
حصہ سوم (خلافت بنو امیہ)　　ہے ر
حصہ چہارم (خلافت ہسپانیہ)　　عا ر
حصہ پنجم (خلافت عباسیہ اول)　　ہے ر
حصہ ششم (خلافت عباسیہ دوم)　　للعہ ر
ہفتم (تاریخ مصر و مغرب اقصیٰ)　　ہے ر
ہشتم (خلافت عثمانیہ)　　ہے ر
نہم (تاریخ صقلیہ) یعنی صقلیہ کے عہد اسلامی کی جامع تاریخ　　عہ ر
دہم۔ (سلاطین ہند) اس میں سندھ کی پہلی مہم اور سلطان محمود غزنوی سے لے کر سلطان سکندر لودھی کے زمانہ تک کے حالات جامعیت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ ہے
پورا سٹ دس جلدوں میں مجلد　　للعہ ر

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات

جب سارے یورپ پر جہالت و ظلمت کی حکومت تھی تو مسلمان علم کی شمع کو کس طرح روشن کر رہے تھے۔ قیمت حصہ اول مجلد عا ر حصہ دوم مجلد ہے ر

تاریخ اسلام پر ایک نظر

اسلام کے مختلف دوروں اور خلافت و حکومت کے مختلف سلسلوں کی جامع و مختصر تاریخ ہے مجلد ۸ر

فقہ و فتاویٰ

فتاویٰ دار العلوم دیوبند

مرتبہ جناب مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی
(سابق مفتی دار العلوم دیوبند)
دار العلوم دیوبند کا یہ مستند فتاویٰ آٹھ جلدوں میں ہے۔　قیمت کامل عنعہ ر

اختری بہشتی زیور

جو اپنی خصوصیات میں بہشتی زیور کے تمام دوسرے نسخوں سے ممتاز اور فائق ہے
قیمت کامل عہ ر

مالابدمنہ اردو

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی عظیم فارسی کتاب مالابدمنہ کا اردو ترجمہ۔
"کشف الحاجہ" قیمت عہ ر

تاریخ مشائخ چشت

(از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی)
سلسلۂ چشتیہ کی نظامی شاخ کی چند اہم شخصیتوں کا مفصل اور محققانہ تذکرہ اور تصوف اور خاص کر چشتی سلسلہ کے متعلق نہایت اہم اصولی بحثیں، کتاب کی علمی اور تحقیقی حیثیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ فاضل مصنف نے اس کی تصنیف میں عربی، فارسی، اردو، انگریزی کی ۱۸۲ کتابوں سے مدد لی ہے۔ قیمت عنعہ ر

حیات شیخ عبد الحق محدث دہلوی

(از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی)
قیمت ے ر مجلد عہ ر

سوانح قاسمی جلد اول مجلد عہ ر
" " دوم غیر مجلد ے ر

حیات انور

خاتم المحدثین حضرت مولانا محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی سوانح حیات قیمت مجلد عہ

اسلام کا نظام حکومت

اس میں اسلام کی ریاست عامہ کا مکمل دستور اساسی اور مستند ضابطۂ حکومت پیش کیا گیا ہے۔ طرز تحریر زمانہ حال کی قانونی زبان سے پوری مطابقت رکھتا ہے اس کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اسلام کا نظام حکومت دوسرے رائج الوقت نظاموں سے کس درجہ بلند ہے۔ قیمت ے ر مجلد عہ

مسلمانوں کا نظم مملکت

یہ دراصل ایک مصری فاضل کی کتاب "النظم الاسلامیہ" کا اردو ترجمہ ہے اس کے مطالعہ سے مسلمانوں کے نظام حکومت و مملکت کی ایک صاف محققانہ تاریخ سامنے آجاتی ہے۔ قیمت للعہ ر مجلد صہ ر

اسلام کا اقتصادی نظام

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی کی مشہور تالیف ہے جدید اڈیشن فاضل مولف کے اہم اضافات کے ساتھ شائع ہوا ہے۔
قیمت صہ ر مجلد ے ر

اسلام کا زرعی نظام

اپنے موضوع پر جامع اور اپنی نوعیت کی پہلی کتاب۔ قیمت للعہ ر مجلد صہ ر

اسلام کا نظام عصمت و عفت

اسلام نے پاکدامنی اور عصمت کی حفاظت کے جو اصول مقرر کیے ہیں ان کی تفصیل اور ان کی حکمت اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔
قیمت للعہ ر

اسلام کا نظام مساجد

اسلام کے نظام میں مساجد کا کیا مقام ہے اور اس سے کتنے اہم مقاصد وابستہ ہیں، اور اس کے بارہ میں اسلام کے احکام کیا ہیں۔
قیمت ہے ر

اکابر اور مشاہیر علماء کی تالیفات

حضرت مولانا محمد قاسم رح

تقریر دلپذیر ۱ر
حجۃ الاسلام ۱۰ر
مباحثہ شاہجہانپور عہ
میلہ خدا شناسی ۴ر
انتصار الاسلام ۸ر
تصفیۃ العقائد ۴ر
اسرار قرآنی ۴ر

حضرت مولانا گنگوہی رح

الکوکب الدری (یعنی حضرت گنگوہی رح کی تقریر ترمذی اردو میں) ۶ر
اوثق العری ۲ر
فتاویٰ میلاد شریف ۳ر
سبیل الرشاد ۳ر
المہند (از حضرت سہارنپوری رح) عہ

حضرت حاجی امداد اللہ رح

ضیاء القلوب (فارسی) ۸ر
" مع ترجمہ تصفیۃ القلوب عہ
ارشاد مرشد ۲ر

حضرت مولانا تھانوی رح

بہشتی زیور اختری ۱۲ر
تعلیم الدین مجلد ۱۲ر
حیات المسلمین " ۱۲ر
اصلاح الرسوم " ۱۲ر
شوق وطن ۶ر
قصد السبیل ۴ر
احکام التجلی (دنیا اور آخرت میں دیدار الٰہی کا محققانہ اور شوق انگیز بیان) ۸ر
الانتباہات المفیدہ (عقل و فلسفہ کی روشنی میں اصول اسلام کا اثبات اور نئے شبہات کا جواب) ۴ر
القول الصواب (پردہ کی بحث) ۲ر
التشرف فی التصوف ۱ر

حضرت مولانا انور شاہ رح

کشف الستر عن صلوٰۃ الوتر
تحیۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام
خزائن الاسرار
بسط الیدین حاشیہ نیل الفرقدین
مرقاۃ الطارم
التصریح بما تواتر فی نزول المسیح
نفحۃ العنبر (از مولانا بنوری)

حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ

خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی ۱۲ر
حکایات صحابہ ۶ر
فضائل حج ۱ر برکات ذکر ۱۲ر
فضائل صدقات۔ اول ۱۲ر دوم ۱۲ر
فضائل نماز ۵ر فضائل رمضان ۱۲ر
فضائل قرآن ۱۲ر
فضائل تبلیغ ۶ر

مولانا سید ابو الحسن علی

دعوت و عزیمت جلد اول ۱ر
مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر...
اصلاحیات ۱۲ر
دعائیں ۲ر پیام انسانیت ۱۰ر
شرق اوسط میں کیا دیکھا ۱۲ر
حسن معاشرت (از والد ماجد مولانا موصوف) ۱۲ر
کلید باب جنت (منظوم مناجاتیں)

چند اہم کتابیں

ان میں سے بعض کے صرف ایک دو ہی نسخے ہیں

افادات امام ابن تیمیہ رح (امام موصوف کے رسائل سبعہ کا ترجمہ) ۱۲ر
مقامات امام ربانی ۱۴ر
علامہ شوکانی ۱۲ر
عقد الجید مع ترجمہ اردو (حضرت شاہ ولی اللہ کی مشہور اہم تصنیف) عہ
الفوز الکبیر مع فتح الخبیر عہ
قطرات (حضرت شاہ صاحب کی تصنیف ہمعات کا بہترین ترجمہ) ۱۲ر
التوحید (مسئلہ وحدۃ الوجود پر اردو زبان میں بہترین رسالہ) ۱۲ر
الابواب التراجم (صحیح بخاری کے تراجم ابواب پر حضرت شیخ الہند رح کا قابل دید رسالہ) عہ
افادات محمود (حضرت شیخ الہند رح کے خاص علمی افادات) ۸ر

دین و دانش (پروفیسر سید محمود علی کیمبرج کی معرکۃ الآراء تصنیف، اسلام اور سائنس کا موازنہ) ۱۲ر
معارف القرآن (ایک جدید تعلیم یافتہ صاحب ایمان کے قلم سے اسلامی تعلیمات کا فلسفہ) ۱۲ر
فضائل سید المرسلین (یہ بھی اسی صاحب ایمان مصنف کی تالیف ہے اور قابل دید ہے) عہ
مضامین مولانا احمد سعید صاحب ۱۲ر
انوار الجہاد (جہاد سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث اردو ترجمہ کے ساتھ) عہ
سیف اللہ الجہاد (حضرت خالد بن ولید کی سوانح حیات) ۱۲ر

مجلس علمی ڈابھیل کی بعض مطبوعات

حق الیقین
معارف مدینہ
زاد الفقیر
بغیۃ الاریب
تانیب الخطیب
السہم المصیب

تالیفات مولانا احتشام الحسن صاحب

حقیقت ذکر مجلد ۱۲ر
تجلیات کعبہ " ۱ر
تجلیات مدینہ " ۱۲ر
شاہراہ ترقی ۱۲ر
پستی کا واحد علاج ۴ر
حیات فخر ۲ر اصلاح معاشرہ ۲ر

مولانا عبد الباری صاحب ندوی

جامع المجددین مجلد ۵ر
تجدید تصوف و سلوک " ۵ر
تجدید تعلیم و تبلیغ " ۱ر
تجدید معاشیات " ۵ر

مولانا عبد الماجد دریابادی

تفسیر ماجدی جلد اول مجلد ۱۲ر
" " جلد دوم " ۱۰ر
حکیم الامت رح ۱۲ر
سفر نامہ حجاز ۵ر
مناجاۃ مقبول مع شرح ماجدی
الحیوانات فی القرآن مجلد ۱۲ر
جغرافیہ قرآنی ۴ر

بچوں اور بچیوں کے لیے حکیم شرافت حسین صاحب رحیم آبادی کا کامیاب دینی نصاب

اچھا قاعدہ ۲ر اللہ کے رسول ۶ر
حضرت ابوبکر ۶ر حضرت عمر ۶ر
حضرت عثمان ۶ر حضرت علی ۶ر
اچھی باتیں حصہ اول ۴ر
حصہ دوم ۸ر حصہ سوم ۶ر
حصہ چہارم ۸ر حصہ پنجم ۸ر
اچھے قصے ۶ر آسان فقہ ۶ر

شمالی حکمراں (از مولانا ...) قدوائی مجلد

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ